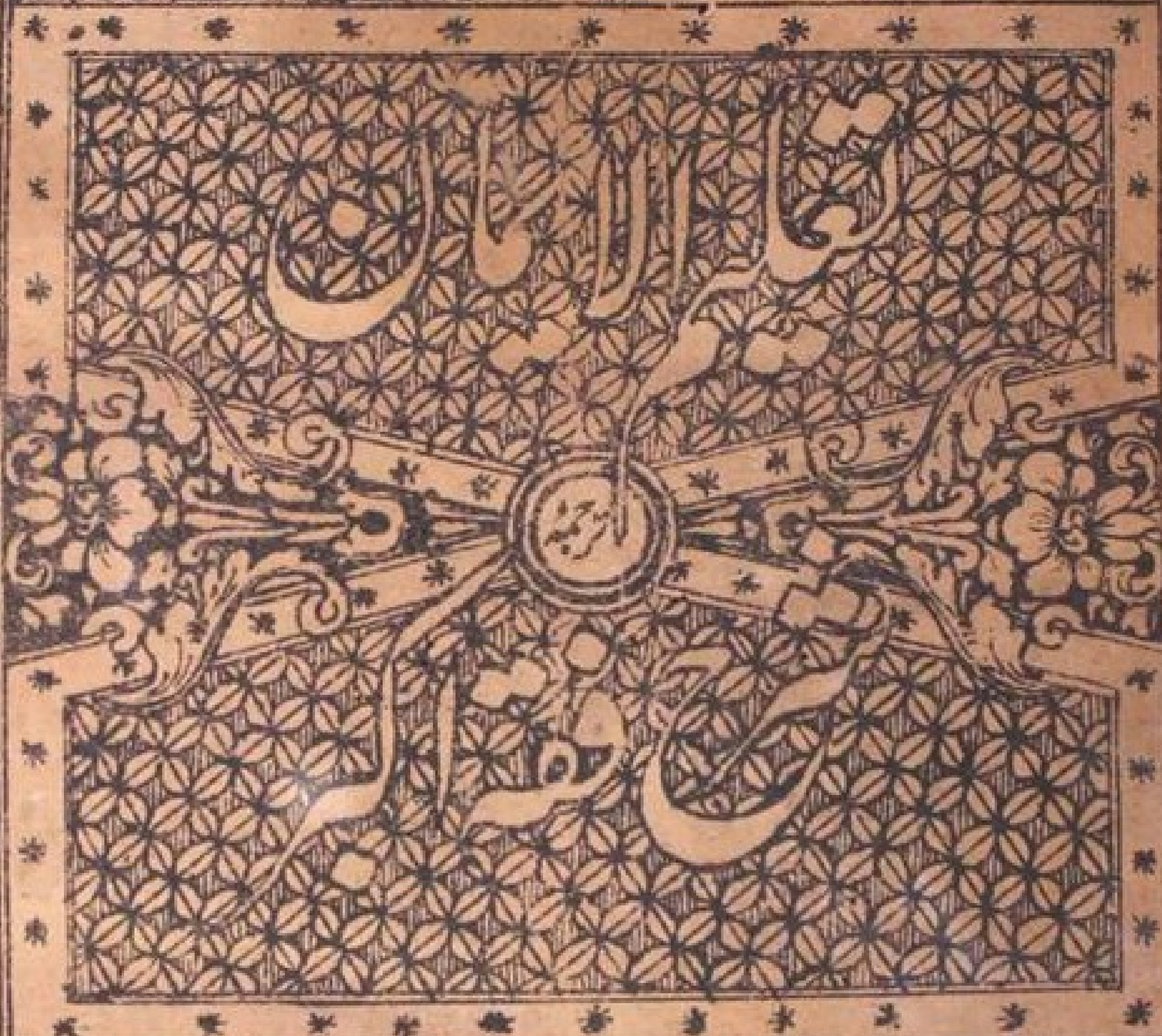
وَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب ہدایت نصاب مایۂ توثیق اذعان وایقان اسم بامسمی موسوم بہ



مترجمہ عالم اکمل فاضل افضل ماہر رموز عقائد ایمان جناب مولوی محمد اغنی خان صاحب رامپوری

منشی
مطبع نولکشور واقع لکھنؤ میں طبع ہوئی

(باہتمام بابو منوہر لال بھارگو سپرنٹنڈنٹ) — (حق تالیف محفوظ ہے)

اطلاع - اِس مطبع مین ہر علم و فن کی کتب کا ذخیرہ سلسلہ وار فروخت کے لیے موجود ہے جسکی فہرست مطول ہر ایک شائق کو چھاپہ خانہ سے مل سکتی ہے جسکے معائنہ و ملاحظہ سے شائقان اصلی حالات کتب کے معلوم فرما سکتے ہین قیمت بھی ارزان ہے اِس کتاب کے ٹائٹل پیج کے تین صفحہ جو سادے ہین انمین بعض کتب متفرقات دینیہ اُردو کی درج کرتے ہین تا کہ جس فن کی یہ کتاب ہے اُس فن کی اور بھی کتب موجودہ کارخانہ سے قدر دانون کو آگاہی کا ذریعہ حاصل ہے

نام کتاب	قیمت
کتب متفرقات دینیہ اُردو	
احیاء القلوب - فی میلاد المحبوب مولد شریف حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان اور دیگر حالات از ابتداء خلقت نور محمدی تا حال وفات سرور کائنات و بیان معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اشعار نعتیہ فی الواقع میلاد مبارک کے بیان مین اس کتاب کے ساتھ دوسری کتاب کی ضرورت نہین ہے مصنفہ مولوی عبد الجلیل صاحب	۳ر۲ پائی
اعجاز یوسفی - مجموعہ وظائف و تعویذات و اعمال و دعا وغیرہ مصنفہ حافظ محمد یوسف صاحب -	۵/
رشید المومنین - عربی و اُردو رسالہ	
نایاب متضمن احوال دوزخ و قیامت از محمد سلطان - کاغذ سفید -	۸ر
گلزار نعت از منشی رحمٰن علی مطبوعہ نظامی	۲ر۲ پائی
محامد النبی مولفہ مولوی حامد علی صاحب	۵/
علامات القیامۃ - مصنفہ مولوی محمد خلیل الرحمٰن - کاغذ سفید -	۲ر۲ پائی
کلمات قدسیہ الہامات غوثیہ از شیخ فتح علی کاغذ حنائی -	۵/
فضائل الشہور والصیام سال کے ہر ماہ کے فضائل و عبادات بہ ثبوت احادیث و آیات -	۳ر
شبیہ احمدی - سراپائے رسول مقبول کا بیان از جمال الدین حسن خان -	۱ر۹ پائی
مثنوی زائر - دعوت کرنا اسلام کا قبائل قریش کو از نواب شیر علی خان	۶ پائی

فہرست مطالب و فوائد شرح فقہ اکبر موسوم بہ تعلیم الایمان

اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون

الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب ہدایت نصاب مایۂ توثیق اذعان وایقان اسم باسمی موسوم بہ



مترجمہ عالم اکمل فاضل افضل ماہر رموز عقائد ایمان جناب مولوی نجم الغنی خان صاحب رامپوری

مطبع منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر نامہ حمد رب العزت کی زیبا ہے جو عالم اور اہل عالم کا پروردگار ہے اور نعت اُسکے رسول کی شایان ہے جو آدم اور بنی آدم سے بڑھکر ہے اور اُسکا نام محمد مختار ہی۔ حمد وصلوۃ کے بعد فقیر حقیر پر تقصیر محمد نجم الغنی خان متوطن رام پور قسمت روہیلکھنڈ ابن مولوی محمد عبد الغنی خان ابن مولوی محمد عبد الرحمن خان ابن مولانا حاجی محمد سعید صاحب محدث شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی برادران دینی کی خدمت مین عرض کرتا ہے کہ رسالہ فقہ اکبر علم عقائد مین ایک نہایت جامع اور مختصر رسالہ ہے جس کو امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تابعین سے ہین تصنیف فرمایا ہے امام کو اہل ہوا و بدعت سے اکثر مناظرے کا اتفاق ہوتا تھا چونکہ بصرے مین بدعت کی آگ بھڑک اوٹھی تھی اور تقریبًا بیس فرقے شائع ہوگئے تھے امام نے اپنی ہمت کو اعلاے کلمۃ اللہ مین مصروف فرمایا اسلیئے امام نے علم کلام کی بنا ڈالی اور عقائد کے اصول مسائل کو دلائل شرعیہ سے ثابت کیا امام کے عہد مین فلسفیانہ طریقے پر علم عقائد مین معتزلہ نے کلام کرنا شروع کردیا تھا اور گو ابتک فلسفے کی اصطلاحات اور فلسفی مباحث اُنکی تحریرات مین زیادہ نہین برتے جاتے تھے اور فلسفے کے مطالب عالیہ علم کلام کا جزو نہین ہوے تھے لیکن اس مین

شک نہین کہ ایسے مباحث علم کلام مین درج ہونے شروع ہو گئے تھے اس لئے امام نے اس رسالے مین اُسی طرز پر کلام کیا ہے۔ مولوی شبلی کا سیرۃ النعمان مین یہ کہنا کہ ایک جگہ اُس مین جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان مین داخل نہین ہوے تھے تحقیق کے خلاف ہے اس لیے کہ علاوہ فقہ اکبر کے امام سے دوسری جگہ بھی ایسے الفاظ کا استعمال منقول ہوا ہے چنانچہ ملا علی قاری منح الروض الازہر مین لکھتے ہین کہ امام ابو حنیفہ سے اعراض و اجسام مین کلام کرنے کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ عمرو بن عبید پر لعنت کرے کہ ان مین کلام کرنے کا دروازہ اُس نے آدمیون پر کھولا ہے یہ عمرو یزید بن ناقص بن عبد الملک بن مروان کے داعیون مین سے تھا جب منصور دوانقی خلیفہ عباسی والی ہوا تو اُس کی امامت کا قائل ہو گیا۔ چلپی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مین لکھتے ہین کہ ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی نے فقہ اکبر کی روایت خاص امام سے کی اور اس کی شرحین بہت سے علما نے لکھین اور یہی مشہور و متداول ہے بعض محققین کی یہ راے ہے کہ یہ وہ نسخہ نہین جو امام کی تصنیف ہے اسکو ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف بتاتے ہین اشتباہ واقع ہونے کی وجہ یہ ہی کہ دونون تالیف اور دونون مؤلفون کے نام ایک تھے یعنی دونون تالیف کا نام فقہ اکبر تھا اور دونون مؤلفین کی کنیت ابو حنیفہ اور عجب نہین کہ محمد بن یوسف نے اپنی تصنیف کا نام فقہ اکبر رکھا ہو تا کہ لوگون کو دھوکا ہو اور یہ کتاب تو ارو نقلین سے مشہور و متداول ہو جاے امام اعظم کی فقہ اکبر اور تھی جو کمیابی کی وجہ سے اکابر کی نظرون سے نہین گذری تھی اسی لئے بعض اکابر نے اسے سچ مچ فقہ اکبر امام خیال کر لیا۔ علامہ ابن حجر مکی نے نہایت شد و مد سے فقہ اکبر مشہور کو بخاری کی کارستانی بتایا ہے اور سید محمد برزنجی شافعی نے بھی اُسکو ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف بتایا ہے اور جمہور حنفیہ کہتے ہین کہ یہی فقہ اکبر مشہور بین الجمہور امام اعظم کی تصنیف ہے

کسی اور کتاب پر فقہ اکبر امام اعظم کا اطلاق صحیح نہین - اور اس رسالے کو امام نے خود تصنیف نہین کیا ہے بلکہ ابو مطیع بلخی نے اپنی مرویات کو جمع کیا ہے اس کو امام کی تصنیف اس وجہ سے کہتے ہین کہ ابو مطیع نے مرویات امام اعظم کو اس مین جمع کیا ہے پس جو لوگ کہتے ہین کہ فقہ اکبر امام کی تصنیف ہے اون کی مراد یہ نہین ہے کہ اُسکو امام نے خاص اپنے قلم سے لکھا ہے بلکہ ابو مطیع نے مرویات امام کو جمع کر لیا ہے اور اسی وجہ سے علامۂ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر مین ابو مطیع کا جہان ذکر کیا ہے ان لفظون سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر چونکہ مرویات امام تھے اس لیئے یہ رسالہ امام کی طرف منسوب ہے چنانچہ متقدمین کی بہتیری کتابون کی نسبت اسی قسم کا دستور چلا آتا ہے مثلاً مسند امام اعظم اور مسند امام شافعی پس جماہیر مشاہیر شراح محققین متاخرین فقہ اکبر نے فقہ اکبر مشہور ہی کو امام صاحب کی افادات مشہورہ سے ٹھہرا کر اس کی شرحین لکھی ہین پھر اس سے بڑھکر اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ یہ امام اعظم کی فقہ اکبر ہے فخر الاسلام بزدوی نے بھی اسکو امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے اگر حنفیہ متقدمین نے فقہ اکبر مشہور کی شرح لکھنے کی طرف توجہ نفرمائی تو یہ دلیل اس بات کی نہین ہو سکتی کہ یہ رسالہ امام صاحب کا نہین ہی شراح فقہ اکبر مشہورہ کو اگر کیفیت تدلیس و تلبیس کی معلوم ہوتی تو مصنوعی فقہ اکبر کو فقہ اکبر خیال کر کے شرح نہ لکھتے کی طرف توجہ فرماتے تو ایسے ابو حنیفہ بخاری کی طرف منسوب کر کے شرح لکھتے پس یہ نہایت تعجب کا مقام ہے کہ شراح پر اس کا حال نہ کھلا اب دریافت کرنا چاہیئے کہ اصل یہ فساد برپا کیا ہوا معتزلہ کا ہے کہ اکثر علما اون کے فقہیات مین مذہب حنفی کے مقلد تھے جب اُنپر الزام عائد ہوتا تھا کہ امام صاحب کی فقہ کی روایت و درایت کو تسلیم کرتے ہو پھر اُنکے عقائد کو جو اُن کی تصنیف فقہ اکبر مین مصرح ہین کیون نہین مانتے تب اُنھون نے یہ حیلہ اختراع کیا کہ امام صاحب نے کوئی کتاب تصنیف نہین فرمائی ہے اور فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے نہ امام صاحب کی وہ چونکہ علماے حنفیہ مین شمار کیئے جاتے ہین بعض متاخرین اشاعرہ مثلاً ابن حجر اور

فساد از طرف معتزلہ بود

سید محمد برزنجی وغیرہ نے دھوکا کھا کر یہ قول اپنی تصنیفات میں بھی بحوالہ بعض حنفیہ مندرج کر دیا ہے حالانکہ اکابر حنفیہ بخوبی دفع اشتباہ کرتے چلے آئے ہیں اور فقہ اکبر مشہور کی شرحیں لکھتے رہے ہیں علامہ الیاس بن ابراہیم نے مقدمہ شرح فقہ اکبر میں فرمایا ہے لما کان کتاب الفقہ الاکبر مما ثبت بالاسناد والصحیح الاشہر انہ مما الفہ الامام المقدم والہمام الکرم سراج الامۃ ومقتدے الائمہ ابو حنیفۃ الکوفی وما نقل من بعض السفلۃ المعتزلۃ والجہلۃ المتخذلۃ من ان الامام ابا حنیفۃ لیس لہ کتاب وان ہذا الکتاب لمحمد بن یوسف المعروف بابی حنیفہ البخاری فہو غلط صریح وشطط فضیح اختلفوہ من حیث ان ہذا الکتاب فیہ ابطال قواعدہم واہمال عقائدہم الی آخرہ اور امام برزانی نے کتاب مناقب امام صاحب میں فرمایا ہے فان قلت لیس لابی حنیفۃ کتاب مصنف قلت ہذا کلام المعتزلۃ ودعواہم انہ لیس لہ فی علم الکلام تصنیف غرضہم فی ذلک نفی ان یکون الفقہ الاکبر لہ لانہ صرح فیہ باکثر قواعد اہل السنۃ والجماعۃ ودعواہم انہ کان من المعتزلۃ وذلک الکتاب لابی حنیفۃ البخاری لالانہ غلط صریح اگرچہ بہت سے مؤرخین ابو مطیع کو اپنے خیالات سے مجروح ٹھہراتے ہیں اور امام احمد بن حنبل اور یحیے بن معین اور عمر بن قلانسی اور بخاری اور ابو داؤد اور نسائی اور ابو حاتم محمد بن حبان بستی اور عقیلی اور ذہبی اور ابن جوزی اور ابن عدی اور دارقطنی اور ابو حاتم رازی وغیرہ اُن کو روایت حدیث میں غیر معتبر ضعیف صاحب رائے واہی جانتے ہیں مگر اس سے اس رسالے کی خوبی میں فرق نہیں آسکتا اور اگر اس میں ابو مطیع کی روایت کہیں درج نہیں تو اس میں مضائقہ نہیں کیونکہ جب فقہ اکبر بقول علمائے امجاد امام اعظم سے مروی ہے تو ابن بلخی کی روایت کے درج نہ ہونے سے خرابی لازم نہیں آتی اکثر کتابوں کے راویوں نے اپنا نام درج نہیں کیا ہے اور کسی فقہ اکبر غیر مشہور کی روایت ابو مطیع سے ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس سے بطلان و کذب فقہ اکبر مشہور کا ثابت نہیں ہو سکتا ابو مطیع کی مرویات کا انحصار نہیں ہے۔ اکابر علما کی تحریرات

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابومطیع صاحب امام اعظم اور راوی فقہ اکبر کے تھے اور وہ اسی فقہ اکبر کو امام صاحب کے افادات سے بتاتے ہین اور اسی کو مرویات ابومطیع سے جانتے ہین اور تمام شراح کا یہی عقیدہ ہے ملا کاتب علی قاری کی شرح کی نسبت لکھتے ہین ہو شرح کبیر ممزوج یعنی وہ بڑی شرح ہے اور گڈمڈ ہے پس سید محمد برزنجی سے حیرت ہے کہ اُنھون نے ملا علی قاری کی فقہ اکبر مشہور کو امام اعظم کے افادات سے سمجھ کر شرح لکھنے پر تعجب کیا ہے پس ہرگز یقین نہین ہوسکتا کہ رسالہ فقہ اکبر مشہور امام صاحب کا نہین ہے اور ملا علی قاری وغیرہ اکابر نے زبردستی یا ناواقفی سے اُس کو امام صاحب کا ٹھہرا دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب ایک جم غفیر علماے نحریر نے فقہ اکبر مشہور کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا اور اُسکی شرح و تراجم تصنیف فرماے اور اُسکے اقوال سے بطور استناد و استدلال کے جابجا حوالے لائے۔ تو صرف کسی قول شاذ و نادر یا اپنے قیاس سے امام کی تصنیف نہونے پر جزم کر لینا اور ان اکابر کے قول پر اعتماد نکرنا اہل انصاف کے نزدیک ہرگز قابل تسلیم نہین ہے۔ بہرصورت مین اس رسالے کی شرح اپنے اہل ملک کے فائدے کی غرض سے زبان اُردو مین لکھتا ہون کہ وہ علم کلام کے اس مفید رسالے سے نفع اوٹھائین۔

مولوی محمد اعلے نے کشاف اصطلاحات الفنون مین علم کلام کی تعریف یون کی ہے علم کلام وہ علم ہے جس کے سبب عقائد دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دلائل کے ساتھ ثابت کرنے اور اُن پر سے اعتراض اُٹھا دینے کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے اور اُسکے موضوع مین متقدمین اور متاخرین کا اختلاف ہے متقدمین کہتے ہین کہ علم کلام کا موضوع اللہ تعالے کی ذات و صفات ہین اور بعض متقدمین نے کہا ہے کہ موضوع اس کا موجود من حیث ہو ہو ہے یعنی موجود مطلق جو کسی چیز کے ساتھ مقید نہین ہوتا اور متاخرین کے نزدیک اس کا موضوع معلوم ہے اس حیثیت سے کہ اُس سے عقائد دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ثابت کرنا متعلق ہوتا ہے خواہ وہ تعلق قریب ہو یا بعید وجہ اسکی یہ ہے کہ اس

علم کلام کی تعریف اور موضوع اور فائدہ و غرض اور وجہ تسمیہ

علم کے مسائل یا تو دین کے عقائد ہین جیسے صانع عالم کے لیئے وحدت اور قدامت کا ثابت کرنا یا ایسے قضیئے ہین کہ اون پر یہ عقائد موقوف ہوتے ہین جیسے اجزاے لا یتجزے سے اجسام کا بننا اور خلا کا جائز ہونا اور حال کا منتفی ہونا اور معدومات کا متمیز نہونا جو معاد مین محتاج الیہا ہین اور اللہ تعالے کی صفات کا متعدد موجود فی ذاتہ ہونا اور علم کلام کا فائدہ اور غرض اتنی چیزین ہین (۱) تقلید کے گڑھے سے ترقی کرکے اوج یقین پر چڑھ جانا (۲) مسترشدین کو ارشاد کرنا حجت بیان کرکے (۳) معاندین کو الزام دینا اُن پر حجت قائم کرکے (۴) قواعد دین کی حفاظت کرنا تاکہ معاندین اُن پر شبہات نکر سکین (۵) دوسرے علوم شرعی کو اُس سے بنانا کیونکہ سارے علوم شرعی کی یہی جڑ ہو اسی سے سب نکلتے ہین کیونکہ جب تک صانع عالم کا وجود جو قادر اور تکلیف دینے والا اور بھیجنے والا رسولون کا اور نازل کرنے والا کتابون کا ہے ثابت نہو جاے گا علم تفسیر اور فقہ اور اصول فقہ کیسے متصور ہو سکتے ہین یہ تمام علوم اسی پر موقوف ہین جب تک بنیاد درست نہووے گی دیوار کیسے بن سکے گی۔ اور غایت ان تمام باتون کی سعادت دارین کو پہونچنا ہے۔ اب یہان سے علم کلام کے مرتبے کو خیال کرو کہ کس پایے کا ہے اسلیئے کہ غایت کا شرف علم کے شرف کو مستلزم ہے جس علم کی غایت عمدہ ہوتی ہے وہ علم بالضرور عمدہ ہوتا ہے۔ اور اسکے دلائل بھی یقینی ہین عقل کے نزدیک مسلّم ہین اور نقل بھی اُن کی تائید کرتی ہے اور جس چیز پر عقل شہادت دے اور نقل اُس کی تائید کرے وہ قابل وثوق ہوتی ہے کیونکہ صحت دلیل مین شبہہ نہین رہتا اور چونکہ تمام علوم شرعی کے موضوعات اور حیثیات کا ثبوت علم کلام مین ہوتا ہے اس لیے علم کلام کے مبادی اور کسی علم مین مذکور نہین ہوتے بلکہ اُس کے مبادی خود ظاہر ہوتے ہین اور جو ایسے نہین ہوتے وہ علم کلام ہی مین بیان کیئے جاتے ہین اور اس حیثیت سے کہ وہ علم کلام مین بیان کیے جاتے ہین اس علم کے مسائل کہلاتے ہین اور نیز اس علم کے یہ مبادی

دوسرے مسائل کے بھی مبادی ہوتے ہین لیکن اُن مسائل پر جنکے یہ مبادی قرار پاتے ہین موقوف نہین ہوتے ورنہ دور لازم آتا کیونکہ مسائل تو مبادی پر موقوف ہوتے ہین اور جب مبادی بھی مسائل پر موقوف ہوتے تو صریحًا دور تھا - اور جب کتب کلامیہ مین ایسے مسائل مذکور ہون جن پر عقائد کا ثبوت موقوف نہو اور نہ عقائد پر سے شبہات کا دفع کرنا اُنسے مقصود ہو تو اونکو ایسا سمجھنا چاہیئے کہ علمانے کثرت فائدہ کے لیے اور علوم کے مسائل کو اُس مین ملا دیا ہے - علم کلام کو کسی اور علم شرعی سے مدد نہین پہونچ سکتی بلکہ وہی اور علوم کو مدد پہونچاتا ہے کیونکہ وہ تمام علوم شرعی کا علے الاطلاق رئیس ہے - علم الٰہی اور علم کلام مین فرق یہ ہے کہ علم کلام مین بحث قانون اسلام کے موافق ہوتی ہے برخلاف علم الٰہی کے کہ اس مین بحث قانون عقل کے موافق ہوتی ہے خواہ اسلام کے موافق ہو یا نہو - اور اس علم کو علم کلام اس لیئے کہتے ہین کہ ظاہر تر اس فن کا مسئلہ جس مین کلام کیا گیا اور اُس پر قتال ہوا وہ کلام الٰہی کا مسئلہ تھا کہ معتزلہ علانیہ یہ بات کہتے تھے کہ اللہ کا کلام یعنی قرآن مخلوق و حادث ہے اور اون کی طرف سے اہل سنت پر آفت رہی لہذا وہی نام اس فن کا رکھدیا گیا اس لیے کہ انھون نے اس علم کے تسمیہ مین فلاسفہ کا مقابلہ کیا جس طرح اُنھون نے اپنے ایک فن کا نام منطق رکھا ہے اسی طرح اُنھون نے اپنے ایک فن کا نام کلام رکھدیا سو منطق و کلام دونون مترادف ہین کیونکہ جس طرح منطق سے علوم فلسفیہ مین عقل دوڑانے اور دلیل لانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور اُسکے قواعد کی پابندی و رعایت سے راے انسان غلطی سے محفوظ رہتی ہی اسی طرح تحقیقات شرعیہ مین فن کلام سے کلام کرنے اور خصم کو الزام دینے پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے پس عقل کی اصلاح فکر کی تصحیح دلائل اصول و عقائد مین یہی علم کلام کا مقصود اصلی ہے مگر اس طریق مین خار شک و شبہ اس قدر ہین کہ پاے عقل ہر قدم پر زخمی ہوتا ہے ربیع نے امام شافعی سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کتابون کی کسی کے لیے وصیت

کرے تو اُس وصیت مین کتب کلام داخل نہونگی اس لیئے کہ کلام کو علم شمار نہین کیا ہے اور امام مالک نے کہا ہے کہ اہل بدع واہوا کی شہادت ناجائز ہے اور مراد انسے علماے کلام ہین کوئی ہون کہین ہون خواہ موافق رواج عام حنفی ماتریدی کہلاتے ہون یا شافعی اشعری اور امام احمد نے علماے کلام کو زنادقہ کہا ہے اور زندیق اُسے کہتے ہین جو روز آخرت اور وحدانیت خالق پر ایمان نہ لایا ہو اور تعلب نے اس لفظ کے معنے ملحد اور دہری کے ہین مگر یہ سب اون لوگون کا تعصب ہے جن کا دعوے ہے کہ ہم سنت و راہ صحابہ پر چلتے ہین اور ظاہر و باطن مین معتقد و عامل صالح مطابق ادلہ کتاب وسنت کے ہین امام غزالی نے احیاء العلوم مین کیا خوب کہا ہے کہ اکابر متکلمین کی غرض کلام سے یہ نہین ہے کہ اپنے عقائد کی تصحیح اس سے کرین اون کے عقائد کا ماخذ وہی چراغ نبوت ہے علم کلام تو صرف معاندین کے الزام دینے اور قائل کرنے کے لیے ہے تصور صحیح کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رد شبہات دہریہ ابتداے اسلام مین ہمارے نبی اور صحابہ اور تابعین کے اقوال سے بھی ہمکو ہوتا تھا اور آخر وہ اصطلاحات علم حکمت کی جو بمقابلے دہریون کے معارضے اور جوابات مین بولنی ضرور تھین اون کے اقوال مقدسہ مین بھی وارد ہونے لگین اور اُن الفاظ کا زبان زد ہونا مجبوری تھا مگر کرنا ہی پڑا اور پھر بعد اُن حضرات کے علماے اسلام کو ضرورت زیادہ ہوئی کہ اُنھون نے فلسفہ بغرض رد و ابطال حکماے قدیم کے سیکھا اگرچہ بعض لوگون کو توغل زیادہ بھی ہوا کہ اتنا اُنکو مجاز نہ تھا اور یہ غلطی اوستاد اور معلم کی تھی خواہ آزادی اور خودسری متعلم کی مگر تکمیل علم کلام کی اچھی ہو گئی خصوصًا امام رازی اور امام غزالی کی سعی کو اللہ تعالے مشکور کرے اُنکی مساعی جمیلہ نے فلسفے کی جڑ کو اوکھیڑ کر پھینک دیا اور شبہات دہریہ پادر ہوا اونھین کے مجاہدات سے ہو گئے اگر وہ لوگ ایسا نکرتے تو دہریت کے پھیلنے مین جیسے آج کل بوجہ عدم توجہ علماے اسلام کے زور شور پر ہے کچھ باقی رہتا کبھی نرہتا اور ہرگز نرہتا پس جس طرح علماے اسلام جو سابق مین تھے اُنھون

سنے اپنے مذہب کی سچائی اور بے عیب ہونے کا اعتقاد کرکے کمر ہمت چست باندھی اور خود فلسفے کے مسائل سے دہریت کو باطل کیا اُسی طرح ہمکو بھی پورا یقین ہے کہ حال کا فلسفہ جسکی بنا محض تجربات پر ہے جب ہم اسکے رد پر کمربستہ ہونگے تو بامداد غیبی اُنھین آیات اور احادیث سے اسکو بھی رد کردینگے جن پر مدار ہمارے اعتقادات کا ہے ہان اتنی بات ضرور ہے کہ اس جدید فلسفے کے مسائل کو بھی اُسی قدر ہم جان لین جس قدر فلسفۂ قدیم کو علمائے قدیم نے جانا تھا۔ سوائے رد شبہات کے ایک امر کس قدر ضروری ہے کہ ان شبہات کا سمجھنا بھی بدون اس فن کی مصطلحات جاننے کے نہین ہوسکتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ جو گروہ فلسفۂ جدید کی تعلیم سے بہرہ ور ہوگیا وہ اپنے مذہبی عقائد سے بے بہرہ ہے تو اس کا یہ سبب نہین ہے کہ انکی تعلیم کامل اور انکی تربیت اعلے درجے کی ہے بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ علم دین مین ناقص ہین اور انکی تعلیم بالائی ہے اس لیے جب انکی کمزور دماغی کشتیان بے بادبان اور بے ناخدا کے علوم جدیدہ کے وسیع اور متلاطم سمندر مین پڑجاتی ہین تو وہ شبہے اور مایوسی کی چٹانون سے ٹکرین کھاکر غارت ہوجاتی ہین اور دین اسلام کے حقائق اور دقائق کی ناواقفیت انکو زمانۂ حال کے علمی مسائل سے حیرت مین ڈالدیتی ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہین ہے جو زمانۂ حال کے علوم اور مغربی تعلیم سے خصوصیت رکھتی ہو یہی حال یونانی علوم کی تعلیم کا تھا اور ہے کہ جو لوگ اپنے عقائد اور اپنے مذہبی مسائل کی حقیقت سے بے خبر ہین انھین یونانی فلسفے کی تعلیم ایسا ہی نقصان پہونچاتی ہے اور وہ یونانی علوم کے مقابلے مین اپنے عقائد مین شک کرنے لگتے ہین مگر جو اسلام کی حقیقت سے واقف ہین اور اسکے اصول اور فروع سے خوب ماہر اور شریعت کے اسرار اور قرآن مجید کے دقائق وحقائق سے آگاہ ہین انکو نہ پہلے یونانی علوم سے نقصان پہونچنے کا خوف تھا نہ اب یورپ کے جدید علوم سے کچھ اندیشہ ہے **فائدہ** جمہور اشاعرہ اور معتزلہ اگرچہ کہتے ہین کہ دلائل نقلی سے یقین کا فائدہ حاصل نہین ہوتا مگر حق یہ ہے کہ دلائل نقلی

فلسفۂ جدید سے تعلیم یافتون مین کیون بے دینی آجاتی ہے

دلائل نقلی یقین کا فائدہ دیتی ہین

شرعیات میں یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور قرائن اس پر مشاہدہ یا تواتر ہوتے ہیں کہ ان قرائن کی وجہ سے یقین کے مخالف جتنے احتمالات ہیں وہ اُٹھ جاتے ہیں مثلاً ارض اور سما اور صیغہ ماضی اور حال اور استقبال اور امر و نہی اور اسم فاعل وغیرہ رسول علیہ السلام کے زمانے سے برابر انھیں معانی مستعملہ میں منقول ہوتے چلے آرہے ہیں اور جو استعمالات انکے اب ہیں وہی پہلے بھی تھے ہاں دلائل نقلی عقلیات میں یقین کا فائدہ نہیں دے سکتیں۔

اس متن کا نام **فقہ اکبر** ہے فقہ سے مراد یہاں علم کلام ہے کیونکہ متقدمین کے نزدیک علم کلام کا یہ بھی ایک نام ہے اور متاخرین کی اصطلاح میں فقہ کا اطلاق صرف احکام شرعیہ پر ہوتا ہے اور اکبر اسلیے کہا گیا ہے کہ ہر علم کی عظمت و شرف معلوم کی عظمت و شرف کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی معلوم اللہ کی ذات و صفات سے بڑا نہیں ہے اور اس رسالے میں ان چیزوں کا ذکر ہوا ہے اسلیے اسکا نام فقہ اکبر رکھا ہے اس تمہید کے بعد اب اصل متن کی شرح عرض کرتا ہوں **اصل التوحید** مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب توحید حق کے پہچاننے کی بنیاد ہے اور عبادت و یگر یہ کتاب حقیقت توحید کے بیان میں ہے علم کلام کو علم توحید و صفات بھی کہتے ہیں چونکہ اس فن میں کلام الٰہی اور توحید و صفات الٰہی کی بحث معظم مسائل سے ہے اس لیے یہ تسمیۂ کل باسم جز ہے اور توحید لغت میں ایک جاننے اور ایک کہنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح تصوف میں توحید یہ ہے کہ دل کو غیر خدا کی آگاہی سے خالی کرنا اور اصطلاح علم کلام میں توحید یہ ہے کہ ذات الٰہی کو اُن چیزوں سے خالی کرنا جو فہم اور ذہن اور وہم میں متصور و متخیل ہوں توحید تین طرح پر ہے ایک اللہ پاک کی ربوبیت و اسماء و صفات کا پہچاننا دوسرے اسکی الوہیت و عبادت کا پہچاننا تیسرے اُسکے افعال کا پہچاننا دین اسلام کا نام توحید اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اُسکی بنیاد تین شناخت پر ہے ایک یہ کہ اللہ اپنے ملک و افعال میں وحدہ لاشریک لہ ہے دوسرے یہ کہ اپنی ذات میں بے ہمسر و ضد ہو تیسرے یہ کہ اپنی الوہیت میں یکتا ہے سارے پیغمبروں کی توحید انھیں تین اقسام کی طرف منقسم ہی ہر قسم دوسری قسم کو لازم ہے اُس سے جدا نہیں ہو سکتی ہے جسنے ایک کو مانا دوسری کو نہ مانا

اُسنے پورا حق توحید کا ادا نکیا توحید سے مراد کچھ فقط توحید ربوبیت کی نہین ہے کہ اکیلے اللہ کو
خالق عالم جان لے جس طرح بعض اہل کلام و تصوف سمجھتے ہین جب تک کہ لا آلہ الا اللہ کی گواہی
نہ دے یعنی اعتقاد نکرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہین ہے آلہ سے مراد باجماع
اہل علم معبود ہے اور عبارت کی یہ تقدیر کہ لا موجود الا اللہ جو صوفیہ قائلین وحدت وجود نے
بیان کی ہے بالکل باطل ہے۔ غرضکہ بات یہ ٹھہری کہ اصل توحید دو طرح پر ہے ایک توحید
ربوبیت و خالقیت وغیرہ اس توحید کے یہ معنے ہین کہ اکیلا اللہ ہی سارے عالم کا خالق
و رب و رازق ہے اس کا انکار کوئی مشرک بھی نہین کرتا ہے اور نہ اس امر مین کسی کو خدا
کا شریک بناتا ہے دوسری توحید عبادت ہے کہ عبادت کی ساری قسمین اکیلے اللہ
ہی کے لیے بجالائے کسی کو کسی طرح کی عبادت مین بھی اللہ کا شریک نکرے اس توحید مین
اکثر لوگ شرک کیا کرتے ہین اللہ کے بہت سے شریک ٹھہراتے ہین اسی لیے جتنے رسول
آئے وہ اس کام کے لیے بھیجے گئے کہ توحید ربوبیت کو ثابت مقرر رکھین اور توحید عبادت
کی طرف مشرکون کی دعوت کرین۔ توحید کے دو غلاف ہین ایک لا آلہ الا اللہ کا زبان سے
کہنا یہ توحید زبانی تثنیہ و تثلیث کے برخلاف ہے جس کے قائل مجوس و نصارے ہین
دوسرا غلاف یہ ہے کہ دل مین کسی طرح کا خلاف و انکار اس قول کے مفہوم و منطوق
سے نہو بلکہ دل سے اعتقاد اور تصدیق پر مشتمل ہو یہ توحید عام لوگون کی ہوتی ہی خلاصہ
توحید کا یہ ہے کہ سب کام اللہ کی طرف سے جانے اسباب اور وسائط کی طرف التفات
نکرے اللہ کی عبادت کرے کسی غیر کو نہ پوجے توحید سے میل باطل کا اتباع دور ہوجاتا ہی
کیونکہ خواہش باطل کا متبع اپنی خواہش کو معبود ٹھہرالیتا ہے توحید ربوبیت مین ساری
خلق کیا مومن اور کیا کافر برابر ہے توحید الوہیت سے مومنین و مشرکین کے درمیان
تفرقہ معلوم ہوتا ہے اسی لیے اسلام کا کلمہ لا آلہ الا اللہ ٹھہرا ہے اگر کوئی یون کہے گا لا رب
الا اللہ تو محققین کے نزدیک کافی نہوگا بندون سے جو توحید مطلوب ہی وہ یہی توحید الوہیت

مراتب توحید

ہے مشرک اس توحید کے منکر ہین بعض اہل علم نے کہا ہے کہ توحید کے چار مرتبے ہین
ایک یہ کہ واجب الوجود اللہ کے سوا کسی کو نہ جانے دوسرے یہ کہ تمام عالم کا پیدا
کرنے والا اللہ ہی کو سمجھے سو ان دونون مراتب سے کتب الٰہیہ کو کچھ بحث نہین ہے نہ
اس مین کسی مشرک اور اہل کتاب نے کچھ اختلاف کیا ہے بلکہ قرآن کریم اس بات پر
نص ہے کہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہے تیسرا مرتبہ یہ ہی کہ دونون جہان
کا مدبر اللہ ہی کو جانے چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہین ہی
انھین دو مراتب مین سارا جھگڑا بکھیڑا ہے قرآن پاک مین انھین دو مراتب سے بحث
ہے **ومایصح الاعتقاد علیہ** یعنی اور یہ کتاب اعتقاد صحیح کے بیان مین ہے یا یہ کتاب اُس
چیز کے بیان مین ہے جس پر اعتقاد کا اعتماد کرنا صحیح ہے۔ اعتقاد عام ہے کہ شامل ہی
علم اور اعتقاد مشہور کو علم سے مراد ایسا حکم جازم ہے جس مین شک نہین آسکتا اور اعتقاد

ایمان عوام

مشہور سے مراد ایسا حکم جازم ہے جس مین شک پیدا ہو سکتا ہے اور بعض کے نزدیک
اس مین ظن بھی داخل ہے کیونکہ جس ظن غالب مین نقیض کا احتمال نہ آسکے وہ ایمان مین
معتبر ہے چنانچہ اکثر عوام کا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے **یجب ان یقول امنت باللہ** یعنی مکلف
پر یہ کہنا فرض ہے کہ مین صدق دل سے اللہ کے وجود اور صفات پر یقین لایا اس
مین اختلاف ہے کہ لفظ اللہ مشتق ہی یا غیر مشتق اور چونکہ یہ بحث علما مین مشہور ہی اسلیے اس کو
یہان ذکر کرنے کی ضرورت نہین لغت مین اللہ معبود بالحق کا نام ہے اور اصطلاح
مین علم ہے واجب الوجود کی ذات کا جس مین تمام صفات موجود ہے اور یہ مفہوم کلی
کا نام نہین ہے اگر ایسا ہوتا تو کلمۂ توحید سے توحید مستفاد نہو سکتی اور اس کے سوا دوسرے
جتنے نام ہین وہ سب صفات کے نام ہین اسم ذات صرف یہی ایک لفظ ہی اسی لیے
یہ الحمد کے ساتھ ملتا ہے اور دوسرے اسما نہین مل سکتے مثلاً یون نہین کہہ سکتے الحمد
للرحمن یا الحمد للرازق اور اس قول سے امام کے یہ معلوم ہوا کہ ایمان مین اقرار زبانی کا

اعتبار ہے اور احتیاط بھی اسی مین ہے مگر اقرار کبھی عذر کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے
اور تصدیق دلی کسی حالت مین ساقط نہین ہوسکتی واجب کا اطلاق حنفیہ کے نزدیک
معنی عام پر بھی ہوتا ہے جو شامل ہے فرض اور واجب کو اس لیے ہم نے واجب
کے معنے یہان فرض کے کئے کیونکہ ایمانیات دلیل قطعی سے ثابت ہوتے ہین
جس کے ثبوت یا دلالت مین شبہہ کو گنجایش نہین ہوتی بخلاف واجب کے کہ اُس مین
یہ گنجائش ہوتی ہے اسی لیے فرض کا علم قطعی ہوتا ہے اور واجب کا علم ظنی وملائکتہ
اور اللہ کے سب فرشتون پر ایمان لایا۔ ملک کے معنے ایلچی یا قاصد کے ہین تفسیر کبیر
مین لکھا ہے الملک اصلہ من الرسالۃ یقال الکنی الیہ ای ارسلنی الیہ والملائکۃ والالوکۃ
الرسالۃ الی اخرہٖ یعنی ملک کی اصل رسالت سے ہے محاورۂ عرب مین بولاجاتا
ہے الکنی الیہ یعنی مجھکو اس کی طرف بھیجا اور مالکت اور الوکت رسالت کے معنے
مین آتا ہے اور مالک کے بھی یہی معنے ہین اور ملک بمعنی فرشتہ اسی سے مشتق ہی
اور لفظ ملک کی جمع ملائکہ آتی ہے ملائکہ کی حقیقت مین مختلف اقوال ہین لیکن اس بات
مین سب متفق ہین کہ ملائکہ ذات موجودہ قائم بذات خود ہین کسی کی صفت یاعرض نہین
اکثر اہل اسلام یہ کہتے ہین کہ وہ اجسام لطیفہ ہین جو اشکال مختلفہ مین ظاہر ہوسکتے ہین اور
بڑے قوی کام کرسکتے ہین کس لیے کہ انبیا اور دوسرے لوگون نے اُنکو مختلف اشکال
مین دیکھا ہے جمہور اہل یہود اور اصحاب سامرہی کہ ایک فرقہ اہل کتاب کا ہے کہ وہ
توریت کو مانتا ہے اور یہود اور عیسائیون سے مخالف ہے اور عیسائی بھی یہی کہتے
ہین اور بعض نصارے کا یہ قول ہے کہ اچھے لوگون کی ارواح بعد موت کے ملائکہ بن
جاتی ہے یہ قول صحیح نہین کیونکہ بنی آدم سے پہلے بھی ملائکہ تھے ہان اگر یہ کہین کہ ابرار
لوگون کی ارواح بعد مفارقت بدن اُن مین جاملتی ہے تو کچھ مضائقہ نہین غرضکہ کل اہل
ادیان بلکہ حکماے روم وہند و ایران و یونان بلکہ اس وقت ترقی یافتہ ملک یورپ کے

واجب بمعنی فرض ملائکہ

توریت سے ملائکہ کا ثبوت

بڑے بڑے نامور حکیم فیلسوف اور کل بائبل یعنی توریت و انجیل کے ماننے والے فرشتون کے قائل ہین بائبل مین صدہا جگہ بصراحت اُن کا ذکر ہے عہد عتیق یعنی حضرت موسیٰؑ کی تورات خمسہ اور زبور و امثال سلیمانؑ وغیرہ اور عہد جدید یعنی حضرت عیسیٰؑ کی انجیل اور اُنکے حواریون کی تصنیفات کی بیشمار آیتین ہین کہ جنمین صاف طور پر ملائکہ کا ذکر ہے منجملہ اُن کے تورات کی کتاب پیدایش باب ۱۶ مین حضرت ہاجرہ کے ساتھ فرشتے کا کلام کرنا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدایش ہونے کی بشارت دینا بڑی تفصیل سے مذکور ہے اور اسی کتاب کے باب ۳۲ مین حضرت یعقوبؑ سے شب بھر ایک فرشتے کا کشتی لڑنا پھر فرشتے کا یعقوبؑ کو لنگڑا کرنا اور یعقوبؑ سے فرشتے کا رخصت مانگنا اور یعقوبؑ کا فرشتے سے برکت مانگنا اور یعقوبؑ کا اُس جگہ کا نام فنی ایل رکھنا اور کہنا کہ مین نے خدا (یعنی فرشتہ) کو روبرو دیکھا ہے بیان ہے۔ سید احمد خان اسکی نسبت فرماتے ہین کہ نقرس یا وجع الورک کا درد تھا حضرت نے لنگڑا ہونے سے درد تو سمجھ لیا مگر یہ خیال نکیا کہ درد سے برکت مانگنا اور سوال و جواب کرنا اور درد کا رخصت مانگنا وغیرہ وغیرہ باتون کی کیا توجیہ ہوگی اور قرآن مجید مین بھی بے شمار مواضع ہین کہ جن مین ملائکہ کا ذکر بصراحت ہے خداوند کریم

قرآن سے فرشتون کا ثبوت

سورۂ فاطر مین فرماتا ہے الحمد للہ فاطر السموات والارض جاعل الملائکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلث وربٰع سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور فرشتون کو ایلچی بنایا جو دو دو اور تین تین اور چار چار پرون والے ہین اور خداوند کریم سورۂ آل عمران مین فرماتا ہے اذ تقول للمومنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثۃ الاف من الملائکۃ منزلین بلیٰ ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین یعنی جس وقت تو مسلمانون سے یہ کہتا تھا کہ کیا تم کو یہ کافی نہین ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار اوتارے ہوے فرشتون سے تمہاری مدد کرے اگر تم صبر اور پرہیزگاری کروگے تو وہ تمہارے پاس فورًا آجائینگے بلکہ تمہارا پروردگار پانچ ہزار

علامت والے فرشتون سے تمھاری مدد فرماے گا اور اللہ تعالے نے سورہ انفال
مین فرمایا ہے اذ یوحی ربك الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا سالقی فی قلوب الذین
کفروا الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان یعنی جس وقت تیرا رب
فرشتون کو وحی پہونچاتا تھا یہ کہ مین تمھارے ساتھ ہون پس اون لوگون کو ثابت رکھو جو
ایمان لاے ہین البتہ مین کفار کے دلون مین رعب ڈالون گا پس اون کی گردنون پر
اور اُن مین سے ہر ایک کے ہر پورے پر مارو اور اللہ تعالے نے فرمایا وتری الملائکۃ
حافین من حول العرش تو فرشتون کو اس حال مین دیکھے گا کہ وہ عرش کے گرد گھیرے
ہونگے اور سورہ مریم مین مذکور ہے فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا ہم نے مریم کے
پاس اپنی روح کو بھیجا جس نے اُسکے سامنے تندرست آدمی کی صورت بنالی یہ ظاہر ہے
کہ یہان روح سے مراد ملک ہے اور ان آیات سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ فرشتے
فی الجملہ کوئی جسم بھی رکھتے ہین اور پردار بھی ہین اور مختلف شکلون مین بن جانے کی بھی
اُن مین قدرت ہے اسلیے کہ علامت دالے ہو کر مسلمانون کی مدد کے واسطے کافرون سے
لڑنے کے لیے آئے اور اسی سے اُن کا آسمان سے زمین پر اوترنا اور آدمی کی صورت
مین متمثل ہونا بھی ثابت ہوگیا اور آسمان پر ہونا بھی ان آیتون سے نکلتا ہے اور فرشتون
کی نسبت مسلمانون کے یہی اعتقاد ہین جس کو سید احمد خان نے اپنی تفسیر مین نہایت
توہین اور تمسخر کے ساتھ بیان کیا ہے اور اُنکے آسمان پر سے اوترنے اور پردار
ہونے کو چیلون کے منڈلانے سے تشبیہ دی ہے اور لکھا ہے کہ اس بات کے سمجھنے
سے کہ خداے تعالے اپنے جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتون
سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتون کا قرآن مین ذکر ہے اُن کا کوئی اصلی وجود نہین ہوسکتا
بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتون کے ظہور کو اور اُن قوے کو جو خدا تعالے نے اپنی تمام
مخلوق مین مختلف قسم کے پیدا کئے ہین ملک یا ملائکہ کہا ہے جن مین سے ایک شیطان

سید احمد خان کا فرشتون کی نسبت خیال

یا ابلیس بھی ہے پہاڑون کی صلابت پانی کی رقت درختون کی قوت نوبرق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قوے جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہین اور جو مخلوقات ہین ہین وہی ملک اور ملائکہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین آیا ہے انتہے قولہ یہ نہایت عجیب بات ہے اسلیئے کہ ان قوے پر یہ صفتین جو ملائکہ کی قرآن سے ثابت ہوئین کیونکر صادق آئینگی جن کا ہم کچھ اول ذکر کر چکے ہین کہ اُنکے دو یا تین یا چار بازو ہین اور وہ حضرت مریم کے پاس آدمی کی صورت بنکر گئے اور ان مین سے کبھی تین ہزار کبھی پانچ ہزار جہاد کے وقت مسلمانون کی مدد کے لیے کافرون سے لڑنے کو آے اور اُنکی گردنون پر اور ہر پور پر ضرب ماری یہ تمام صفتین پہاڑون کی صلابت پانی کی رقت وغیرہ قوتون پر ہرگز صادق نہین آتین اسکے علاوہ اللہ تعالےٰ سورۂ صبا مین فرماتا ہے ویوم یحشرھم جمیعا ثم یقول للملائکۃ اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون یعنی جس دن اللہ تعالےٰ سب کو اُٹھائے گا تو فرشتون سے فرمائے گا کہ کیا یہی لوگ ہین جو تمھاری عبادت کرتے تھے قیامت کے روز یہ خطاب کن ملائکہ سے ہوگا اگر انھین قوتون سے ہوگا تو انکی کفار ہرگز عبادت نہین کرتے تھے بلکہ ضرور ہے کہ اونھین ملائکہ سے ہو جن کی کفار عبادت کرتے تھے پس ثابت ہوا کہ ان کا وجود صرف خیالی اور فرضی نہین بلکہ واقعی ہے اور اللہ تعالیٰ سورۂ زخرف مین کافرون کے رد کے لیے فرماتا ہے وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمن اناثا یعنی انھون نے اُن ملائکہ کو جو اللہ کے بندے ہین عورتین سمجھ لیا اب ہم کہتے ہین کہ کفار جن ملائکہ کو عورتین تبلاتے تھے وہ ہرگز یہ قوتین نہ تھین اور اُنھین کا وجود خدا نے خود بیان کیا اور انکو عباد الرحمن تبلایا علاوہ اسکے عبد کا لفظ بھی بجز ذی حیات اور قائم بالذات کے اور کسی پر قرآن مین اطلاق نہین ہوا نہ عرب کے محاورے مین بولا جاتا ہے اور نیز اللہ تعالےٰ سورۂ نبا مین فرماتا ہے یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا یعنی جس روز جبریل اور فرشتے صف باندھ کر

کھڑے ہونگے تو کوئی بات نکرے گا مگر وہ شخص جس کو اللہ اجازت بخشے اور وہ بات درست
کہے پس قیامت کے روز جو ملائکہ صفین باندھکر کھڑے ہونگے کیا یہ وہی پانی کی رقت
اور پتھر کی سختی اور برق کی قوت اور درخت کا نمو ہوگا کیا انھین مین سے بعض کو خدا تعالیٰ
کلام کی اجازت دے گا یہ صفات توان قوتون پر کسی طرح صادق نہین ہوتین پس ضرور
ہے کہ یہ ملائکہ وہی ہون گے جن کے مسلمان معتقد ہین اور اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ مین فرماتا
ہے اولئٰک علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین یعنی اُن لوگون پر لعنت ہے اللہ کی اور
ملائکہ اور سب آدمیون کی اب یہان ہرگز یہ مراد نہین ہوسکتی کہ پانی کی رقت اور پہاڑ کی
کی سختی اور درختون کا نمو لعنت کرتا ہے جہان خدا نے یہ کہا ہے ان اللہ وملائکۃ یصلون
علی النبی وہان یہ مطلب کسی طرح صادق نہین آتا کہ یہ ساری قوتین درود پڑھتی ہین پھر
ایمان بالملائکہ اجزاے ایمان مین شامل ہے اور قرآن مین جا بجا اُس کا ذکر ہے قال اللہ
تعالےٰ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملائکۃ والکتاب والنبیین تو کیا انھین مختلف قوتون پر
ایمان لانے کا حکم ہے پانی کی رقت اور پہاڑ کی سختی اور برق کی قوت جذب ودفع
اور درخت کے نمو کو سب جانتے ہین کوئی منکر نہین اور ہرگز سمجھ مین نہین آتا کہ ان چیزون
پر ایمان لانے کا خدا نے حکم کیا ہو اور ایک جگہ فرمایا ہے وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ
بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وہم بامرہ یعملون یعنی کافرون نے
کہا کہ خدا نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک ہے بلکہ وہ خدا
کے معزز بندے ہین خدا کے آگے بڑھکر بات نہین کہتے یہ تو ظاہر ہے کہ پانی کی
رقت اور درخت کے نمو کو کفار ہرگز خدا کی اولاد نہین سمجھتے تھے بلکہ وہ جنکو ملائکہ جانتے
تھے انھین کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے اونکے وجود کو خدا نے اس آیت مین ثابت کیا
اور اونکو معزز بندے فرمایا علاوہ اسکے تو یہ جو اعراض کی قسم سے ہین اُنکو معزز بندے
کہنا خلاف محاورہ ہے قوت کی صفت ضعیف اور قوی ہونے کے ساتھ کی جاتی ہے

نہ عزت و ذلت کے ساتھ پھر یہ جو صفت اُنکی بیان کی کہ خدا سے بڑھکر بات نہین کہتے یہ صفت قوتوے پر کسی طرح صادق نہین آتی باوجود ایسی تصریحات قرآنی کے ملائکہ کا انکار کرنا جو شخص قرآن کو اللہ کا کلام سمجھتا ہو اوس کا کام نہین - دلیل عقلی ملائکہ کے وجود پر یہ ہے کہ مُؤثِر اور مُؤثَّر مین مناسبت ہونی ضرور ہے اور خداوند ذوالجلال والاکرام اور اس کائنات عالم حس یا عالم ناسوت مین کہ جو محض کثیف اور تاریک اور بے ثبات ہے کچھ بھی مناسبت نہین وہ نور محض یہ تاریک و تار وہ لطیف یہ کثیف وہ غایت علو مین یہ نہایت پستی مین وہ باقی یہ فانی وہ قدیم محض یہ حادث وغیرہ وغیرہ پس جس طرح اُس نے اس عالم مین طرح طرح کے انتظامات و تدابیر کر رکھی ہین اسی طرح اُس نے تکمیل انتظام کے لئے وسائط پیدا کئے ہین کہ وہ من وجہ اس عالم کے مناسب اور من وجہ اس ذات اقدس کے مناسب ہین اور سلسلۂ موجودات کے ذات مقدس تک منتہی ہونے مین جتنا زیادہ بعد ہوگا اُتنے ہی بے شمار وسائط کی حاجت پڑے گی اور ہم ان وسائط کو ملائکہ کہتے ہین اور صوفیۂ کرام اُنکو قواے عالم کے ساتھ تعبیر کرتے ہین کیونکہ عالم مین جملہ تصرفات اُنکے ذریعہ سے ہوتے ہین جیسا کہ انسان کے کاروبار انسان کے قوے بغیر نہین ہوتے سید صاحب غلط فہمی سے یہ سمجھ گئے کہ ملائکہ قوے ہین اور اپنی تائید مین تفسیر القرآن کے اندر شیخ محی الدین بن عربی کی فصوص الحکم سے استدلال کیا ہے کہ شیخ اپنی اصطلاح مین تمام عالم کو انسان کبیر کہتے ہین اور انسان کو انسان صغیر مقصود اُن کا اس اصطلاح مین یہ ہے کہ انسان عالم کی ایک فرد ہے اور جس قدر قوے انسان مین ہین وہ جزئیات ہین اور جو اُسکے کلیات ہین وہ انسان کبیر ہے اور فرماتے ہین کہ اس عالم یعنی انسان کبیر کے جو قوے ہین انھین مین سے بعض کا نام ملائک ہے شیخ لکھتے ہین کہ وہ قوے جن کو ملائک کہتے ہین انسان کبیر یعنی عالم کے لئے ایسے ہین جیسے انسان کے لیے قوے ہین سید صاحب کہتے ہین کہ ہمارے

دلیل عقلی سے فرشتون کا ثبوت

شیخ محی الدین عربی کی فرشتون کی بابت راے

استنباط اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط مین اتنا فرق ہے کہ شیخ کے نزدیک تمام قوے جو اجسام مرئیہ اور اشیاے محسوسہ اور غیر محسوسہ مین ہین وہ جزئیات ہین اور جو اُنکے کلیات ہین وہ ملائک ہین اور یہ جزئیات اُنکے ذریات شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاشفے سے ان جزئیات سے کے کلیات کو جانا ہوگا مگر چونکہ ہم کو وہ مکاشفہ حاصل نہین ہے اس لیے ہم اپنے قوے کو جیسے دیکھنا اور سننا اور سونگھنا اور چکھنا اور قوت متخیلہ اور متفکرہ اور حافظہ اور جاذبہ اور ماسکہ اور ہاضمہ اور علم اور حلم اور وقار اور شجاعت اور عدالت اور سیاست وغیرہ جنکو شیخ اور اُنکے متبع ذریات ملائکہ قرار دیتے ہین ملائکہ کہتے ہین مطلب ایک ہے صرف لفظون مین یا جاننے نہ جاننے کا پھیر ہے ہم کہتے ہین کہ اس کے کئی جواب ہین (۱) جب ملائکہ کا وجود قرآنی آیات سے بخوبی ثابت ہے اور حدیثون مین جابجا انکی خبر دی گئی ہو اور تمام صحابہ اور تابعین کا اس مسئلے پر اجماع ہے تو اُس کے مقابلے مین کسی شخص کا قول جو صرف اپنی رائے سے ہو ہرگز قابل التفات نہین (۲) علماے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محی الدین ابن عربی کی کتابون اور اُن کی شروح مین بہت سے مسئلے کتاب و سنت کے مخالف مندرج ہین (۳) شیخ کے قول سے بھی کوئی مطلب سید صاحب کا ثابت نہین ہوتا اس لیے کہ شیخ نے فصوص الحکم مین یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ تمام عالم کو ایک شخص مقرر کر کے انسان کبیر اُس کا نام رکھا ہے پس جسطرح یہ شخص فرضی ہے اسیطرح اسکے اعضا اور قوے بھی فرضی ہین پس ایسا فرض تو اُنکے اصلی وجود مستقل کے منافی نہین اور اس سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ وہ قطع نظر اس فرض کے ملائکہ کو ان صفات کیساتھ جو قرآن مین مذکور ہین موجود نہ سمجھتے تھے اور فصوص کی عبارت مین یہانتک تصریح ہی کہ ملائکہ کو کالقوے کہا ہی جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ واقع مین قوے نہین بلکہ اسی فرضی تشخص کیواسطے اُنکو مثل قوے کے فرض کیا ہی اور اسی فرض پر شروح کی عبارتین مبنی ہین اور جو لوگ عقول عشرہ کو ملائکہ خیال کرتے ہین وہ

حکما کی اصطلاح کو اسلام کے پردے مین چھپاتے ہین اور اسلام کی تاویل مین لاتے ہین کیونکہ حقیقت مین ان دونون باتون مین بڑا فرق ہے اسلام مین ملائکہ کہتے ہین اجسام لطیف نورانی کو کہ مشکل اور شاق کام کرنے پر قادر ہین اور مختلف اشکال کے ساتھ متشکل ہو جاتے ہین اور اُنکے پر اور حواس ہوتے ہین اور حکما کے نزدیک عقل ایک ایسا موجود ممکن ہے کہ نہ جسم ہے اور نہ حال ہے جسم مین اور نہ جسم کا جز ہے بلکہ جوہر ہے کہ مجرد ہے مادے سے اپنی ذات اور فعل مین یعنی نہ جسم ہے نہ جسمانی اور نہ اُسکے کام موقوف جسم کے ساتھ تعلق ہونے پر اور دوسری عبارت مین یون سمجھو کہ وہ جوہر مجرد ہے جسم کے ساتھ اُس کا تعلق صرف تاثیر کے لیے ہے نہ تصرف وتدبیر کے لیے جن لوگون نے عقول کو ملائکہ کہا ہے اُنھون نے شاید تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح اہل اسلام کے نزدیک عالم مین تاثیر کرنے والے وہ اجسام لطیف ہین اسی طرح حکما کے نزدیک عالم مین موثر عقول مجرد ہین جو دس ہین کہ اللہ تعالے نے اول ایک عقل کو پیدا کیا بعدہ اُس عقل نے ایک دوسری عقل اور ایک آسمان پیدا کیا اور دوسری عقل نے ایک تیسری عقل اور ایک آسمان پیدا کیا اسی طرح دسون عقلین اور نو آسمان پیدا ہوے اور دسوین عقل نے تمام افراد عالم کو پیدا کیا ہے وکتبہ یہ عطف ہے ملائکتہ پر یعنی کہے کہ مین اُسکی کتابون پر ایمان لایا مشہور چار کتابین ہین جو چار پیغمبرون پر نازل ہوئین - وہ یہ ہین توریت حضرت موسے علیہ السلام پر انجیل حضرت عیسے علیہ السلام پر زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن مجید ہمارے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر و اصح ہو کہ جو کچھ پیغمبرون پر کتب وصحف سے اوترا ہی ایمان ہر ایک پر واجب ہے اور مراد کتابون پر ایمان لانے سے یہ ہے کہ اس بات کو جانے کہ کتابین اللہ کا کلام ہے جنکو اُس نے اپنے انبیا پر نازل کیا مگر شمار سے متعین نکرے کیونکہ تعداد کتابون اور پیغمبرون کی کسی قطعی دلیل سے ثابت نہین اور

تعداد کتب اسمانی

کشاف مین مذکور ہے اور بعض حدیث کی کتابون مین بھی سند ضعیف سے دیکھنے مین
آیا ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ
اللہ تعالےٰ کی طرف سے کتنی کتابین نازل ہوئی ہین آپنے فرمایا کہ ایک سو چار کتابین اور
حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے اور حضرت
ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور توریت
اور انجیل اور زبور اور قرآن اور طیبی نے کشاف کے حاشیے مین ایک سو چودہ ذکر
کی ہین اور اُن سب مین سے دس صحیفے سوا ے تورات کے موسےٰ علیہ السلام پر
زیادہ کیے ہین لیکن یہود کی زبانی سننے مین نہین آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سوا ے
تورات کے دس صحیفے دوسرے بھی نازل ہوے ہین اور ایک جماعت کہتی ہے
کہ حضرت آدم علیہ السلام پر اکیس ۲۱ صحیفے نازل ہوے اور حضرت شیث پر انیس ۱۹ اور
حضرت ادریس پر تیس ۳۰ اور حضرت نوح پر دس اور حضرت ابراہیم پر پندرہ قرآن مجید
مین اکثر جگہ توریت وانجیل وزبور وصحف ابراہیم وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور اُن کی مدح
اور تصدیق اور کتاب الٰہی ہونا بیان کیا ہے اور بعض مضامین کا حوالہ ان کی طرف
دیا ہے اسلیے جمہور اہل اسلام کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضرور ہے کیونکہ جملہ
انبیا اور تمام کتب آلہیہ کو بلا تفریق حق سمجھنا خاص اہل اسلام کا ہی حصہ ہے اس لیے
مجھکو ضرور ہوا کہ ان کتابون کا کسی قدر مختصر حال بیان کرون تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جاے
کہ اس وقت جو کتابین اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہین وہ اصل نہین۔ اجوبہ فاخرہ
مین لکھا ہے کہ عیسائی اپنی کتاب کے مبدل نہونے کا ثبوت قرآن کی آیات سے
دیتے ہین چنانچہ قرآن مین ہے وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ یعنی
ہم نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اوتاری جو اس چیز کو کہ اُس کے آگے ہے (یعنی
تورات وانجیل) سچا کرنے والی ہے اور جبکہ قرآن توریت وانجیل کی تصدیق کرتا ہے

عیسائی کہتے ہین کہ قرآن سے انجیل کا محرف نہ ہونا ثابت ہے

تو یہ مبدل و محرف نہونگی کیونکہ جب قرآن نازل ہوا تو یہ ممالک مین پھیل چکی تھین اور بعد نزول قرآن کے کمی بیشی وغیرہ ان مین اس لیے ممکن نہین کہ مشہور ہو چکی تھین پس جیسے کہ یہ کتابین نزول قرآن کے وقت تھین ایسے ہی اب بھی موجود ہین اور دوسری جگہ قرآن مین ہے الم ذلك الكتاب لاریب فیہ ھدًی للمتقین یعنی اُس کتاب مین کچھ شک نہین متقی لوگون کو راہ بتانے والی ہے مراد اس جگہ کتاب سے انجیل ہے نہ قرآن اور دلیل اس پر یہ ہے کہ قرآن مین کتاب کا لفظ انجیل پر شائع ہے چنانچہ اس آیت مین فان کذبوك فقد كذب رسل من قبلك جاؤا بالبینات والزبر والکتاب المنیر اگر یہ تجھکو جھٹلائین تو تجھ سے پہلے بھی جو نشانیان اور ورق اور چمکتی ہوئی کتاب لائے تھے جھٹلائے گئے تھے مراد یہان بھی کتاب سے انجیل ہے اور الم ذلک الکتاب مین اگر قرآن مقصود ہوتا تو اللہ تعالے ہذا کہتا نہ ذلک کیونکہ ہذا اسم قریب کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور ذلک بعید کی طرف اور ظاہر ہے کہ بہ نسبت قرآن کے انجیل بعید تھی جس وجہ سے ذلک کے ساتھ اشارہ کیا جواب مراد اس سے کہ قرآن اُن کتاب کی تصدیق کرتا ہی جو اُسکے آگے ہے یہی کہ قرآن اُن کتب تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے جو خدا کے یہان سے جس طرح نازل ہوئی تھین اور ان مین تحریف اور تبدیل اور تغیر نہین ہونے پایا تھا اور قرآن کے موافق تھین اور یہ مراد نہین کہ قرآن اُن تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہی جو اس وقت اہل کتاب کے پاس ہین کیونکہ یہ محرف مبدل ہین اور انکی تحریف و تبدیل پر بہت سی وجوہ قائم ہین جنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تورات و انجیل اللہ کے پاس سے نازل ہوئی ہین وہ یہ نہین اور ذلک الکتاب سے انجیل مراد لینا افترائے محض ہے سارے مسلمان اس بات پر متفق ہین کہ ذلک الکتاب سے قرآن ہی مراد ہی کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اس لفظ کے ناطق ہین اُنھون نے فرما دیا ہے کہ مراد ذلک سے قرآن ہے اور کیسے ہو سکتا ہے کہ ذلک الکتاب سے مراد قرآن نہو انجیل ہو

اسلیے کہ ہر شخص اپنے دعوے کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے غیر کے قول کو بگاڑتا ہی تو جبکہ حضرت نے یہ دعوے کیا کہ یہ قرآن جو مجھ پر نازل ہوا ہے کتاب الٰہی ہے تو پھر وہ کیسے کہتے کہ ذلک الکتاب سے مراد قرآن نہین انجیل ہے کیونکہ انجیل تو وہ مراد رکھینگے جو حضرت کے مخالف ہین اور ذلک اگرچہ اشارۂ بعید کے لیے موضوع ہے اور ہذا قریب کے لیے مگر قرب وبعد کبھی زمانے کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی مکان کی وجہ سے کبھی شرف کیوجہ کبھی متخیل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہی پس چونکہ قرآن کا رتبہ اعلے ہے اس لیے ذلک سے اُسکی طرف اشارہ کیا ہے بعض کہتے ہین کہ اس کا زمانہ بعید ہے اس طرح کہ کتب سابقہ مین وعدہ کیا گیا ہے اور بعض کہتے ہین کہ جبکہ وہ آواز ہے اور آواز کی بقا محال ہے اس لیے استحالے کی وجہ سے بعید ہو گیا غرضکہ جہان قرآن مین کتب سابقہ کا ذکر ہے وہان کتب منزلہ مراد ہے نہ مبدلہ اہل کتاب اپنی تمام کتب سماویہ کے مجموعے کو بائبل کہتے ہین جو لفظ یونانی بمعنی کتاب ہے پھر اُسکے دو حصہ ہین ایک عہد عتیق یعنی پرانی کتابین دوسرا عہد جدید۔ اور جس طرح ہم قرآن کے جملون کو آیت کہتے ہین یہ لوگ ورس کہتے ہین

مجموعۂ تورات کی تفصیل

پہلے حصے مین یہ کتابین ہین (۱) سفر خلقت کہ جس کو کتاب تکوین وکتاب پیدائش بھی کہتے ہین اس مین ابتداے پیدائش آسمان وزمین کے حال سے لیکر حضرت موسیٰ تک سلسلہ وار تاریخ کے طور پر بیان ہے (۲) سفر خروج جس مین بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے وغیرہ کا ذکر ہے (۳) کتاب احبار جس مین قربانی اور قصاص اور جانورون کی حلت اور حرمت وغیرہ کے احکام ہین (۴) سفر عدد جس کو گنتی کی کتاب کہتے ہین اس مین بنی اسرائیل کے فرقون کے شمار ہونے کا اور دوسرا بیان ہے (۵) سفر استثنا اس مین ملک فلستین کی تقسیم وغیرہ امور مذکور ہین ان پانچون کو تورات حضرت موسیٰ کہتے ہین (۶) کتاب یوشع (۷) قاضیون کی کتاب (۸) راغوث یا روت

کی کتاب یہ تین ورق ہین الیمک اور اُسکی جورو نعومی کا قصہ ہے (۹) صموئیل کی اول کتاب (۱۰) صموئیل کی دوسری کتاب (۱۱) سلاطین کی پہلی کتاب (۱۲) سلاطین کی دوسری کتاب (۱۳) اول کتاب تواریخ (۱۴) دوسری کتاب تواریخ جس کو اخبار الایام بھی کہتے ہین (۱۵) عزرا (یعنی عزیر علیہ السلام) کی پہلی کتاب (۱۶) عزرا کی دوسری کتاب (۱۷) کتاب ایوب (۱۸) زبور داؤد علیہ السلام اس مین بعض مناجات وخدا کی حمد وثنا ہے (۱۹) امثال سلیمان علیہ السلام اس مین پند ونصائح ہین (۲۰) کتاب واعظ جس کو جامع بھی کہتے ہین (۲۱) غزل الغزلات کہ جس کو نشید الانشا بھی کہتے ہین یہ پانچ چھ ورق کا رسالہ ہے جس مین عاشقانہ مضامین ہین بلکہ بعض فحش آمیز کلمات بھی ہین (۲۲) اشعیا نبی کی کتاب (۲۳) ارمیا نبی کی کتاب (۲۴) ارمیا نبی کا نوحہ یا مرثیہ جو تین چار ورق مین ہے (۲۵) حزقیل کی کتاب یہ صرف دو ورق ہین (۲۶) دانیال کی کتاب (۲۷) ہوسیع نبی کی کتاب (۲۸) یوئیل نبی کی کتاب یہ صرف دو ورق ہین (۲۹) عاموس نبی کی کتاب یہ کل چار ورق کی ہے جس مین کچھ پیشین گوئیان ہین (۳۰) عبدیا نبی کا خواب جو ایک صفحے پر ہے (۳۱) کتاب یونہ یعنی یونس علیہ السلام کا ڈیڑھ ورق پر مختصر سا حال (۳۲) میخا یا میکہ علیہ السلام کا چار ورق پر الہام (۳۳) ناحوم علیہ السلام کا الہام جو نینوا شہر کی نسبت ہے دو ورق ہین (۳۴) حبقوق نبی کا الہام جو دو ورق پر ہی (۳۵) صفنیا یا صفونیا نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے (۳۶) حُجی نبی کا الہام جو دارا شاہ ایران کے عہد مین ہوا ایک ورق پر (۳۷) زکریا علیہ السلام کا الہام جو دارا کے عہد مین ہوا ایک ورق پر (۳۸) ملاخیا یا ملاکی نبی علیہ السلام کا الہام دو ورق پر ہے جس مین الیاس کے آنے کی بھی خبر ہے یہ حضرت مسیح سے چار سو برس پہلے تھے اور کبھی ان صحیفون کے مجموعے کو بھی مجازاً تورات کہتے ہین ۔ یہ ۳۸ کتابین وہ ہین جن کو یہود وعیسائی

سب مانتے ہین - مگر فرقہ سامریہ ان مین سے فقط توراۃ یعنی حضرت موسےٰ کی
پانچون کتابون اور کتاب یوشع اور کتاب القضاۃ کو مانتا ہے اور سب کا منکر ہی
اور یہ سب کتابین عبرانی زبان مین تھین جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے اور یہود
کے نزدیک عبرانی مین انکے کچھ اور نام ہون تو تعجب نہین پھر انکے تراجم یونانی اور
لاطینی اور عربی وغیرہ زبانون مین ہوگئے ہین لیکن عیسائیون نے نو اور کتابین اس
مجموعے مین داخل کی ہین کہ جن کے تسلیم وعدم تسلیم مین ان کے متقدمین و
متاخرین مین سخت اختلاف ہے (۱) کتاب آستر (۲) کتاب باروخ (۳) ایک
حصہ کتاب دانیال (۴) کتاب توبیاس (۵) کتاب یہودیت (۶) کتاب وزوم
(۷) ایکلیزیاسٹیکس (۸) مقابیس کی اول کتاب (۹) مقابیس کی دوسری کتاب
یہود ان کتابون کو لغو قصے سمجھتے ہین مگر عیسائیون نے الہامی مانا ہے - عہد جدید کی یہ
کتابین ہین (۱) انجیل اول یعنی انجیل متی کہ جس کو حضرت عیسےٰ کے بعد متی حواری
نے مسیح کی پیدائش سے لیکر موت تک کے حالات مین تاریخ کے طور پر جمع کیا ہے
(۲) انجیل دوم یعنی انجیل مرقس یہ مرقس کی تصنیف ہے اس مین بھی ابتدا سے
لیکر اخیر تک حضرت مسیح کی سرگذشت سنی سنائی بیان کی ہے (۳) انجیل سوم یعنی
انجیل لوقا یہ بھی حضرت مسیح کی تاریخ ہے جس کو لوقا نے تالیف کیا ہے (۴) انجیل
چہارم یعنی انجیل یوحنا اس مین یوحنا حواری نے حضرت مسیح کا تمام حال ابتدا سے
انتہا تک لکھا ہے - ان چارون تاریخون کو کہ جنکے زمانہ تالیف مین بڑا اختلاف ہے
عیسائی اناجیل اربعہ کہتے ہین اور یہ توراۃ واناجیل اربعہ اصل توراۃ وانجیل
منزل علے موسےٰ وعیسےٰ علیہما السلام نہین بلکہ حسب اقرار علماے اہل کتاب تاریخ
اور روزنامچے ہین کہ جن مین بہت عرصہ بعد انبیا وحضرت مسیح کے احوال کو ابتدا سے
انتہا تک معتبر وغیر معتبر رُواۃ سے بلا سند متصل مجہول لوگون نے نقل کیا ہے ۵۶

انجیلون کی تفصیل

(۵) اعمال حواریین یہ ایک چھوٹی سی حضرت عیسیٰ ع کے بارہ حواریون کی تاریخ ہے کہ حواری فلان شہر مین گئے اور وہان لوگون کو یون خوارق دکھاے اور مخالفون نے اُنکو ایسی ایسی تکلیفین دین اس کے مولف کا نام بھی معلوم نہین غالبًا یہ بھی لوقا مولف انجیل سوم کی تالیف ہے (۶) حواریون یعنی مخلصون اور غیر حواریون کے خطوط جنکی یہ تفصیل ہے پولوس مقدس کے ۱۳ خطوط اور پطرس حواری کا اول خط اور یوحنا کا پہلا خط سواے چند فقرات کے یہ کل بیس کتابین ہین کہ جنکو عیسائی بالاتفاق مانتے ہین اور سات کتابین اور ہین کہ جنکو قدماے مسیحین نے رد کر دیا ہے اور متاخرین نے اُنکو اپنی کتب مقدسہ مین شمار کیا ہے (۱) پولس کا اول خط جو عبرانیون کو لکھا ہے (۲) پطرس کا دوسرا خط (۳) یوحنا کا دوسرا خط (۴) یوحنا کا تیسرا خط (۵) یعقوب کا خط (۶) یہودا کا خط (۷) مکاشفات یوحنا - اب اصلی کتابون کے گم ہوجانے کا سبب سنو کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین کاغذ نہ تھا یہانتک کہ حضرت مسیح سے کئی سو برس بعد کاغذ ایجاد ہوا اور اُسپر لکھنے کا دستور جاری ہوا چنانچہ مذبح کے پتھرون پر وضاحت سے تمام تورات کو لکھا تھا اور یہ کہنا کہ لوہے یا لکڑی یا سیسے کے تختون پر لکھی ہو بالکل لغو ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاے تو بدرجہ اولے عادتًا معلوم ہوتا ہی کہ اتنی بڑی کتاب کا ایک ہی نسخہ ہوگا اور بالفرض اگر کاغذ تھا بھی تو بہت ہی کم اور کاغذ کی لکھی ہوئی بالخصوص ایسی ضخیم کتابین کہ جیسی توریت ہے شاید تمام قوم مین ایک آدھ ہی نسخہ ہو اور حفظ کا رواج نہ تھا پس حضرت موسے ع نے وہ نسخہ توریت کہ جو کتاب الٰہی تھا احبار کو دیدیا تھا اور اُنھون نے صندوق شہادت مین رکھدیا تھا سات برس کے بعد وہ صندوق کھلتا اور یہودی اُس کو عید کے روز سنتے تھے چنانچہ حضرت یشوع تک یہی حال رہا پھر جب یہود مین انقلاب ہوا کہ کبھی مرتد ہوکر سالہا سال بت پرستی کرتے تھے اور کبھی اسلام لاتے تھے تو ان

حوادث مین توریت جاتی رہی جزماً نہین کہہ سکتے کہ کب گئی مگر اس مین شک نہین کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پیشتر تلف ہوگئی کیونکہ جب حضرت سلیمانؑ نے وہ صندوق کھولا تو اس مین فقط وہ دو لوح برآمد ہوئین جن مین دس احکام لکھے ہوئے تھے پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد تخمیناً چار سو برس تک یہ حال رہا کہ ایک مدت تک چند بادشاہ مشرک اور مرتد ہوکر دین موسوی کو برباد کرتے رہے اور بیت المقدس کو تباہ کرکے سب چیزین لے گئے اور بیچ مین ایک دو دیندار بھی ہوگئے اور منسا کے عہد مین تو خاص بیت المقدس مین بت دھرے گئے یہان تک کہ جب یوسیاہ بن آمون تخت پر بیٹھا اور صدق دل سے بت پرستی سے توبہ کرکے دین موسوی کی طرف متوجہ ہوا تو توریت کو بہت ڈھونڈا لیکن باین ہمہ اُس کو توریت کا کہین پتہ نہ ملا مگر اٹھارھوین سال خلقیا کاہن نے یہ دعوے کرکے کہ مجھکو نسخۂ توریت بیت المقدس مین دبا ہوا ملا توریت کا ایک نسخہ پیش کیا بظاہر سمجھ مین نہین آتا کہ باوجود اس تجسس کے نہ بادشاہ کو نہ کسی اور کو بیت المقدس مین نسخۂ توریت ملا خلقیا کو کیونکر ملگیا پس قطعی یہی ہے کہ اتنی مدت خلقیا حضرت موسیٰؑ کے حالات وغیرہ حکایات کو اپنے طور پر جمع کرتا رہا جب مرتب ہوگیا تو یہ دعوے کیا۔ اور پھر بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس پر چڑھائی کرکے اُسکو بالکل منہدم کرا دیا اور ہزارہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا اس حادثے مین توریت اگر فرض کیا جاے کہ وہ باقی تھی ورنہ وہی تصنیف خلقیا اور تمام کتابین روے زمین سے بالکل معدوم ہوگئین پس اگر توریت کے کئی نسخے بھی تختیون پر کھود کر مہیا کیے گئے ہونگے تب بھی اس قدر لکڑیون کا انبار بخت نصر کے سے حوادث مین محفوظ رہنا اور اس کو کہین چھپا دینا عادتہً محال ہے پس اُس انبار مین سے دس بیس تختے بھی گم ہوگئے تو توریت مین قطعی کمی ہوگئی پھر سخت مصائب اور سفرون مین اسکے محفوظ رہنے کی کیا صورت

خلقیا کا توریت کو پیش کرنا

پھر اُسکے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے حضرت عیسےٰؑ سے چار سو چھپن برس پیشتر جو کچھ اپنی یاد پر لکھا تھا جس کو اہل کتاب توریت کہتے ہین اور گو وہ بھی غلطی سے خالی نہ تھا کیونکہ سفر اول اور دوم کتاب تاریخ کو حضرت عزیرؑ نے بقول اہل کتاب حجی اور زکریا علیہما السلام کی مدد سے لکھا تھا اُس مین اولاد انبیا مین کے بیان مین توریت کا خلاف کیا ہے توریت مین جو غلطی سے دس لکھ گئے ہین انکو کبھی تین اور کبھی پانچ تبلایا ہی وہ بھی حضرت مسیح سے ۱۶۱ برس پیشتر شاہ اینٹوکس کی چڑھائی مین یہود پر برباد ہوگیا اور اُس نے عہد عتیق کی تمام کتابون کو جلا دیا اور حکم دیا کہ جسکے پاس یہ کتابین نکلینگی یا کوئی رسم شریعت بجالاے گا قتل کیا جاے گا اور ہر مہینے مین تین بار خانہ تلاشی کراتا تھا اس امر کی تصدیق اس سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم وغیرہ انبیا علیہم السلام کے صحیفے عالم سے مفقود ہو گئے اسی طرح انبیاے بنی اسرائیل کی بہت سی وہ کتابین کہ جن کا ذکر عہد عتیق مین ابتک پایا جاتا ہی ان حوادثات مین روے زمین سے معدوم ہو گئین اور ان کتابون مین بہت سے ایسے مضامین پاے جاتے ہین جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد یہ کتابین لکھی گئی ہین اُنکی تصنیف نہین ہین **شاہد اول** کتاب استثنا کا چونتیسوان باب تو یہی کہہ رہا ہے کہ حضرت موسےٰؑ کے صدہا سال بعد کوئی شخص اس کا مصنف ہی چنانچہ اُس مین یہ ہے "موسے خدا کا بندہ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سر زمین مین مر گیا اور اُسے اُس نے موآب کے ایک وادی مین بیت فغور کے مقابل گاڑا لیکن آج کے دن تک کوئی اُسکی قبر کو نہین جانتا" **شاہد دوم** ورس ۲۱- باب ۳۵ کتاب پیدائش کا یون ہے "پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ عیدر کے ٹیلے کے اُس پار استادہ کیا" حالانکہ عیدر نام اُس منارے کا ہے جو شہر یروشلیم کے دروازے پر تھا حضرت موسےٰؑ کے عہد مین اُس کا کہین نام و نشان بھی نہ تھا

عزیر نبی کا توریت بنانا

توراۃ موجودہ حضرت موسیٰ کے بعد لکھی گئی ہین

توراۃ میں وہ مضامین بھی ہیں جو کتب الہامیہ کے خلاف ہیں

بلکہ صدہا برس بعد بنایا گیا - اور ان کتابون مین بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہین جس سے خداے پاک کی ذات مقدس مین اور اس کے ملائکہ کرام اور انبیا علیہم السلام مین سخت عیب لگتا ہے اور کتب الہامیہ کی شان سے یہ ناممکن ہی کیونکہ اُنسے ہدایت مقصود ہوتی ہے نہ ضلالت چنانچہ کتاب پیدائش کے باب ۶ ورس ۵ و ۶ مین ہے "تب خداوند زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا" اس سے خدا کی جہالت اور عاجزی ثابت ہوتی ہے اور کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب اول سلاطین کے باب ۲۲ وغیرہ مقامات مین تصریح ہی کہ "خدا تعالی بدلی مین اوترا اور خیمے کے دروازے پر کھڑا رہا اور اُسکے مُنھ سے آگ اور نتھنوں سے دھوان نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہوکر اوڑا اور اسرائیل کے ستر لوگون نے موسیٰ اور ہارون کیساتھ مین خدا کو (کرسی پر بیٹھے) دیکھا اور کھایا اور پیا اس کا لباس برف سا سفید اور اُسکے سر کے بال صاف ستھرے اون کے مانند تھے" اور کتاب اشعیا کے بیالیسوین باب مین خدا کا کلام یہ ہے "مین بہت مدت چپ رہا مین خاموش ہو رہا اور اپنے آپ کو روکتا گیا لیکن اب مین اس عورت کی طرح سے جسے درد زہ ہو چلاؤنگا اور ہانپونگا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لونگا" اور نوحہ ارمیا کے تیسرے باب مین خدا کو ریچھ اور شیر بنایا ہے ملائکہ کی نسبت کتاب پیدائش کے اٹھارھوین باب کے آٹھوین ورس مین یہ ہے "پھر اُسنے گھی اور دودھ اور اُس بچھڑے کو جو اُسنے پکوایا تھا لیکے ان کے سامنے رکھا اور آپ انکے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور اُنھون نے کھایا" پس جب فرشتون نے کھایا پیا تو تمام شہوانی باتین جو تغذیہ کو لازم ہین پائی گیئن پھر قدوسیت ملائکہ کی کہان رہی - اب انبیا کی نسبت سنئے کتاب پیدائش کے نوین باب مین ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام شراب پیکر بدمست اور بدحواس ہوے کہ تمام ستر برہنہ ہوگیا اور اُنکے بیٹون نے

اُنکا

ڈھانکا" اور اسی کتاب کے انیسوین باب مین ہے کہ "حضرت لوطؑ نے شراب پیکر اپنی دونون بیٹیون سے زنا کیا اور یہ معاملہ دو بار وقوع مین آیا" کتاب خروج کے باب ۳۲ مین ہے کہ "بنی اسرائیل کے کہنے سے حضرت موسیٰؑ کی غیبت مین ہارون علیہ السلام نے زیور کا ایک بت بنایا اور تمام بنی اسرائیل سے اُسکو پجوایا اور اسکے لیے قربانیان گذارنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ یہ تمھارا معبود ہے جو تمھین مصر کی زمین سے نکال لایا" صموئیل کی دوسری کتاب کے باب ۱۱ مین ہے کہ "حضرت داؤدؑ اپنے بام پر چڑھے اتفاقاً اوریا کی جورو نبت سبع کو نہاتے دیکھکر اُس پر فریفتہ ہوگئے اور آدمی کو بھیجکر اُس کو بلوایا اور اُس سے زنا کیا جس سے وہ عورت حاملہ ہوئی پھر اُسکے خاوند کو ایک مکرو تدبیر کرکے مروا ڈالا جسکی وجہ سے ناتن نبی کی معرفت داؤدؑ پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی" علاوہ اسکے ان کتابون مین باہم ایسے مضامین متعارض پائے جاتے ہین جو الہامی کتابون کی شان سے نہایت بعید ہین ان مواقع مین مفسرین اہل کتاب لاچار ہوکر یہ کہدیتے ہین کہ سہو کاتب ہی چنانچہ گریسباخ نے ایسے غلط مقامات ایک لاکھ پچاس ہزار گنے ہین اور انسائے کلوپیڈیا برٹانیکا کی انیسوین جلد بیان اسکرپچر مین لکھا ہے کہ فاضل ڈٹیسٹین نے ایسے مقامات دس لاکھ سے زیادہ گنے ہین محققین اہل کتاب کا ان کتابون کے مصنفون کی بابت اور اُن کے زمانۂ تالیف کی بابت سخت اختلاف ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ محض تخمینی طور پر ان کتابون کو اپنے انبیا کی تصنیف تبلاتے ہین نہ کوئی اُنکے پاس مولفین تک سند متصل ہے نہ کوئی اور دلیل قابل تسکین ہے بلکہ صرف قیاس اور تخمین ہے خیر توریت مین تعجب یہ بات ہے کہ اس مین کسی قدر مطالب اصل توریت کے ہین اور کچھ پچھلے مشائخ کے لکھے ہوے تاریخی واقعات ہین جس کے مجموعے کو اہل کتاب حضرت موسیٰؑ کی تصنیف وہ کتاب توریت تبلاتے ہین جو اُنھون نے بالہام الٰہی

تصنیف کرکے لاویون کو دی تھی جیساکہ کتاب استثنا کے باب ۳۱ درس ۲۴ مین ہی
لیکن عیسائی جس کو انجیل کہتے ہین وہ تو نہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی
نازل ہوئی نہ خود اُنکی تصنیف نہ اونکے زمانے مین تصنیف ہوئی بلکہ ایک عرصہ بعد
لوگون نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے حالات اور اُنکے معجزات اور پند ونصائح کو
جمع کرلیا ہے جس مین سے دو مصنف تو وہ ہین جنھون نے حضرت عیسےٰؑ کو دیکھا
بھی نہین ایک مرقس کہ یہ پطرس حواری کا شاگرد ہے دوسرا لوقا بلکہ لوقا کے استاد
پولوس نے بھی حضرت عیسےٰؑ کی صحبت نہین پائی پس یہ دونون محض سنی سنائی باتین لکھتے
ہین جن مین الہام کو کچھ بھی دخل نہین چنانچہ خود اُنکے دیباچے سے یہ بات معلوم
ہوتی ہے جیساکہ لوقا اپنی کتاب کے اول مین خود اقرار کرتا ہے چونکہ بہتون نے کمر باندھی
کہ اُن کامون کو جو فی الواقع ہمارے درمیان ہوے بیان کرین جس طرح سے اُنھون
نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے
روایت کی مینے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے
تیرے لیے اے بزرگ تھیوفلس لکھون ۱ اور دو شخص اگر وہی متی اور یوحنا ہین جو حضرت
عیسیٰؑ کے حواری ہین تو اپنے اوپر گذرے ہوے واقعات اور کچھ سنی سنائی بات
لکھتے ہین اور اکثر جگہ توریت اور صحف انبیا کا غلط حوالہ دیتے ہین کہ یہ مضمون فلان
جگہ لکھا ہے حالانکہ وہان اُس کا کہین نام ونشان بھی نہین اور ان کتابون مین اول و
دوم صدی کے عیسائیون کو نہایت شک تھا چنانچہ محقق برشنیڈر اور راسٹاڈلن
اور فرقہ الوجین جو دوسری صدی مین تھا اس انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہین
کہتا تھا اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ جب اس انجیل کا انکار ہوا تو ارینوس نے
جو پولی کارپ کا شاگرد ہے کبھی نہین کہا کہ پولی کارپ نے جو خاص یوحنا کا شاگرد ہی
اسکو یوحنا کی تصنیف تبلایا ہے اور ہارن صاحب مفسر نے اپنی کتاب کی جلد چہارم

اناجیل حضرت عیسیٰؑ کی کتاب نہین نہ اُنکے حواریون کی

اصل انجیل کے تلف ہونے کے سبب

کے صفحہ ۳۱۶ مین لکھا ہے کہ بقول اسٹاڈلن یہ انجیل قطعی کسی طالب علم مدرسہ اسکندریہ نے لکھی ہے اور یہ کسی طرح ثابت نہین ہوا ہے کہ اس مدرسے کے قائم ہونے سے پیشتر یہ کتاب تھی اسی طرح اور تینون کتابون کی نسبت بھی بہت کچھ قیل وقال تھی۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خود حضرت عیسٰی کی بھی کوئی انجیل تھی جو حوادث مین تلف ہو گئی یا انجیل کے معنے تعلیم کے ہین خود حضرت عیسٰےؑ کی تعلیم و وعظ ہی انجیل تھا جہان تک تجسس کیا گیا ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ خود حضرت عیسٰے علیہ السلام کے عہد مین ایک کتاب تھی جس کا قرآن مین ذکر ہے اور بذریعہ روح القدس نازل ہوئی تھی اور جس کا ثبوت کتاب مرقس کے باب ۱۶ ورس ۱۵ اور پولوس مقدس کے نامہ گلاتیون کے باب اول ورس ۱۱ مین ہے آور اصل انجیل کے تلف ہونے کے کئی سبب ہین (۱) اُس زمانے مین بھی لکھنے کا دستور نہایت کم تھا اور نہ حفظ کا انکے ہان رواج تھا اور کاغذ موجود نہ تھا شاید درختون کے پتون یا کسی اور چیز پر لکھتے ہونگے (۲) اول اور دوسری صدی مین عیسائی غریب اور مفلس لوگ تھے اور بہت کم اور جہان کہین کوئی حواری جاتا تھا وہین اس پر مصیبت آجاتی تھی اس پر طرہ یہ ہوا اس وقت کے بادشاہ ان کے سخت دشمن ہو گئے اور قتل عام شروع ہو گیا چنانچہ دس بار عیسائیون پر قتل شروع ہوا اور متصل تین سو برس تک جاری رہا جن مین گرجا گرائے گئے اور تلاش کر کے کتابین جلائی گئین تو اس قدر حوادث عظیم مین اس مفلس اور غریب قوم سے انجیل کا مفقود ہونا کیا تعجب کی بات ہے دیکھو انجیل متی اصل مین عبرانی مین تھی اُس کا ترجمہ یونانی مین خدا جانے کس نے کیا اور کیا کیا ہے اور اصل کتاب عبرانی مفقود ہو گئی اسی طرح بہت سی کتابین اُس زمانے کی اب بالکل مفقود ہین چنانچہ انجیل لوقا کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اور لوگون نے بھی حضرت عیسٰےؑ کے احوال مین انجیلین لکھی تھین چنانچہ تفسیر ہنری واسکاٹ اور ڈوالی

اور چرچ ڈمینٹ مین اسکی تصریح ہے مورخ موشیم اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۲ء کی جلد اول مین ناصریون اور ابیونی کے بیان مین لکھتا ہے کہ "ان دونون فرقون کے پاس ہماری انجیلون کے علاوہ ایک اور انجیل تھی جس کے بارے مین ہمارے علما کا اختلاف ہے" اول ہی صدی مین عیسائیون مین اناجیل تصنیف کرنے کا شوق ہوگیا تھا پس وہ انجیل حضرت مسیح کی اناجیل کو الٹ پلٹ کر کے اپنی تصانیف کو زیادہ رواج دینا چاہتے تھے جیسا کہ پولوس کے نامہ گلاتیون کے باب اول سے ثابت ہوتا ہے کہ "بعض لوگ مسیح کی انجیل کو الٹ دینی چاہتے ہین لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے اوس انجیل کے جو ہم نے تمھین سنائی دوسری انجیل تمھین سنائے وہ ملعون ہووے" انتہے لہذا دوسرے قرن ہی مین صدہا انجیلین تصنیف ہوگئی تھین اور جو غیر معتبر شخص تھے وہ بتقلید فلاسفۂ یونان اپنی کتاب کو کسی اور مشہور آدمی کے نام سے شہرت دیتے تھے چنانچہ تخمینا اسی نوے کتابین ابتک عیسائیون مین مشہور ہین جنکو مرید الہامی کہتے ہین مگر جب انکی نہ چلی اور مخالفون نے اپنی کتابون کو رواج دیا تو وہ غریب بے الہامی ہو گئین اس جعل سازی کی وجہ سے بیچارہ پولوس بھی بڑا غل مچاتا تھا پس ان حوادث مین جب اصلی انجیل ہٹ گئی تو ان مین سے جس کی انجیل مشہور ہو گئی اسی پر عیسائیون نے قناعت کر لی اور تین سو برس تک عیسائیون مین بھی تنازع رہا آخر جب قسطنطین شاہ روم کہ جو بڑا ظالم اور نہایت سفاک تھا اپنے گناہ معاف کرانے اور اپنے ظلمون کو مٹانے کے لیے پولوس کی جماعت کا مرید ہوا تو اس نے شہر نائس مین ۳۲۵ء مین عیسائی علما کو جمع کر کے ان کتابون کی بابت ایک کمیٹی قائم کی اور اپنے زور اور شوکت سے تمام عیسائیون کو ان کتابون کے ماننے پر مجبور کیا اور مسئلہ تثلیث و کفارہ کو جسکے اعتماد پر وہ عیسائی ہوا تھا بحکم رواج دیا اوس وقت سے ان کے ہان اس زبردستی کا نام

اجماع سلف قرار پایا اور چونکہ مرقش اور لوقا کی نبوت ابتک کسی قوی دلیل سے تو کیا اقناعی سے بھی ثابت نہین ہوئی نہ تو کسی کتاب عہد عتیق مین انکی نبوت کی پیشین گوئی ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے انکو نبی کہا ہے نہ اُنکے بارہ حواریون مین سے کسی نے فرمایا ہے نہ انسے کوئی معجزہ یا کرامت سرزد ہوئی نہ کسی جگہ ان کا اور کوئی کمال مذکور ہے بلکہ اس سبب سے کہ انکو پولس نے تعلیم کیا ہے اُنکے جھوٹے ہونے مین کوئی شک نہین کیونکہ پولوس کا دینی امور مین جھوٹ بولنا اور جھوٹ سے اپنے خیالات کو پھیلانا ثابت ہو چکا ہے بولینجر صاحب اپنی کتاب وقائع پولوس کے باب دوم مین لکھتے ہین کہ کری ساسٹن صاحب اپنی اُس تفسیر مین جو کتاب اعمال پر چوتھی صدی مین لکھی ہے یون ذکر کرتے ہین کہ فرقۂ نزاری جو ابتدائے مذہب عیسوی مین تھا پولوس کی مکاری اور بے دینی کی وجہ سے اُسکے نامجات کو جنھین آج کل عیسائی کلام الٰہی کہتے ہین نہین مانتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص بت پرست اور بڑا قزاق تھا اور مکار اور جھوٹا بیت المقدس مین آکر اس امید سے ختنہ کرا کے اور یہودی ظاہر ہو کے ٹھہرا کہ ایک بڑے زاہد کی لڑکی سے شادی کرے جس پر وہ عاشق تھا چونکہ رومی الاصل تھا اپنی مراد کو نہ پہونچا تو یہودیون سے جھگڑا برپا کیا ختنہ اور یوم السبت کی تعظیم اور بہت سے امور دینی مین خلل انداز ہوا اور اپنے آپکو حواری مشہور کر کے عیسائیون مین مل گیا حالانکہ اس نے عمر بھر حضرت مسیح کو نہین دیکھا مگر چالاک تھا ایک خواب بیان کر دیا کہ مجھکو مسیح نے ظاہر ہو کے یون کہا یون کہا انتہے ملخصاً اب ہم بھلا اس پولس کے کلام کا کیونکر اعتبار کر سکین اور اس کو رسول کس طرح سمجھین اس کے خطوط کس طرح سے کلام الٰہی ہو سکتے ہین اس شخص نے دین عیسوی کو بھی برباد کر دیا یہ شخص اپنے ادس خط مین جو طیطس کو لکھا تھا حکم دیتا ہے کہ پاک لوگون کے لیے سور اور شراب وغیرہ جو توریت مین حرام ہے سب کچھ پاک ہے لیکن ناپاک اور بے ایمانون کے لیے

کچھ پاک نہین علاوہ اسکے اپنے خطوط مین بڑے شد و مد سے شریعت پر عمل کرنے کو حرام کہتا ہے شراب پینے اور گناہ کرنے کی اجازت دیتا ہے اسی کے فتوے پر عمل کر کے عیسائیون نے باوجود اس اقرار کے کہ توریت کے احکام ہمیشہ رہینگے سب شریعت کو بالائے طاق رکھدیا پس ایسا شخص کسی طرح نبی نہین ہو سکتا اور نامہ حواریون مین جو اُس کی کرامات لکھی ہین وہ سند نہین کیونکہ یہ اُس کے شاگرد کی تصنیف ہے اور اگر سچ ہین تو اُنھین معجزات مین شمار ہین جن کی نسبت انجیل متی کے باب ۲۴ ورس ۲۴ مین حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول منقول ہے جھوٹے نبی ظاہر ہونگے اور ایسے بڑے معجزے اور کرامتین دکھائینگے اگر ممکن ہوتا تو وہ برگزیدون کو بھی گمراہ کرتے علاوہ اسکے اس نے شریعت پر چلنے والون کو ملعون کہا اور تثلیث کی تعلیم کی اور حضرت موسےٰؑ کی توریت کو لغو اور کمزور نامۂ عبرانیون کے باب ۷ ورس ۱۸ مین بتلایا ہے بلکہ یہ شخص مسیح علیہ السلام کی جناب مین بھی نہایت بے ادبی کر کے اونکو ملعون کہتا ہے پس ایسے استاد اور اسکے شاگردونکی تصانیف کا کیا اعتبار ہے اب رہے متی اور یوحنا تو اول تو اس کا بھی کوئی کافی ثبوت نہین کہ یہ وہی متی اور یوحنا ہین جو حواری ہین دوم انکی نبوت کی بابت بھی کوئی پیشین گوئی کہین سے منقول نہین اور نہ کوئی معجزہ اور کرامت منقول ہے بلکہ سب حواری عیسائیون ہی کی کتابون کے بموجب پاکباز اور دیندار نہ تھے دیکھیے یہودا حواری نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کروادیا آخر خودکشی کر کے مرگیا اور پطرس وغیرہ پر پولس نے انجیل پر نہ چلنے کا الزام لگایا اور دنیا سے چلتے وقت حضرت مسیح سب حواریون کو بے ایمانی کا لقب دیگئے جیسا کہ مرقس کے باب ۱۶ ورس ۱۴ مین ہے اب جب تک یہ ثابت کردیا جائے کہ متی اور یوحنا ان باتون اور القابون سے مستثنےٰ اور صاحب نبوت ہین کیونکر انکی تصانیف کو آسمانی کتابین اور الہامی صحیفے مانا جائے ہان ہم اہل اسلام اپنی تحقیق سے انکو دیندار اور راستباز کہتے ہین اور بس۔ لوقا اور مرقس نے تو سنکر لکھا ہے اور متی اور یوحنا نے

متی اور یوحنا کی تحقیق

اپنے روبرو گذرا ہوا معاملہ لکھا ہے پس ان مین کوئی الہام کی ضرورت نہین چنانچہ باسوبر اور لیافان کہتے ہین کہ جب حواری بچشم خود دیدہ یا معتبر گواہون سے سنکر لکھتے ہین تو اُنکو الہام کی حاجت نہ تھی بلکہ پولس نے نامۂ گلاتیون کے باب اول ورس ۱۱ مین جو لکھا ہی اُے بھائیو مین تمھین جتاتا ہون کہ وہ انجیل جس کی مین نے خبر دی انسان کے طور پر نہین ہی (ورس ۱۲) اس لیے کہ اُسکو مین نے کسی آدمی سے نہ پایا نہ کسی نے مجھے سکھایا لیکن وہ یسوع مسیح کے الہام سے مجھے ملی انتہٰے اس قول کے موجب تو یہ چارون کتابین قابل رد ہین کیونکہ یہ چارون وہ انجیل نہین بلکہ وہ انکی غیر ہین کس لئے کہ لوقا اور مرقس اور یوحنا کی انجیل تو ابتک تصنیف بھی نہین ہوئی تھی اور متی کی انجیل پر یہ صادق نہین آتا کہ مین نے اُس کو کسی آدمی سے نہ پایا کیونکہ اگر یہ انجیل مراد ہوتی تو یہ تو اُن کو آدمیون ہی کے ذریعہ سے ملتی بلکہ پولوس نے اسی باب مین لوگون سے بطور تہدید کے کہا ہے کہ اُس انجیل کے سوا جو مجھکو مسیح سے بلا توسط ملی ہے اور کسی انجیل کے ماننے والے پر لعنت ہے اور اگر بالفرض چارون اناجیل موجودہ مین پولس کی انجیل ہوئی بھی تو ایک ہوگی پھر تین غیر معتبر رہین یہانتک کہ اُن کے ماننے والے پر لعنت پڑیگی اسکے سوا اور چند ادلہ ہین جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی نہین (۱) اُنکے مولفین نے بڑی سخت غلطیان کی ہین چنانچہ متی نے جو مسیح کا نسب نامہ لکھا ہے اوس مین کئی نام بھول گیا جس کی تاویل مین مفسرین نہایت تکلفات کرتے ہین اسی طرح لوقا نے دوسرے باب مین غلطی کی ہے کہ اوگوسطوس قیصر نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور قورینوس حاکم یہودیہ کے وقت یوسف نجار اپنی بی بی مریم علیہا السلام کو جو حاملہ تھین ہمراہ لیکر شہر بیت اللحم مین نام لکھوانے آیا تھا اور وہان حضرت مسیح پیدا ہوئے انتہٰے ملخصا حالانکہ یہ صریح غلط ہے اول یون کہ قورینوس حضرت مسیح کی ولادت کے پندرہ برس بعد وہان کا حاکم ہوا تھا دوم یہ کہ حسب بیان متی حضرت مسیح ہیرودکے

قول پولوس پر اناجیل الہامی نہین

اناجیل کی غلطیان

عہد میں پیدا ہوے تھے اور اسکی زندگی تک یہ ملک تورنیوس وغیرہ حکام روم کے قبضے میں نہ آیا تھا (۲) حضرت مسیح کی نسبت وہ قول بھی نقل کئے ہین جو انکی شان سے نہایت بعید ہین چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے باب دہم مین حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہین کہ "مجھ سے پیشتر جس قدر انبیا آے ہین سب چور اور رہزن تھے" انتہے ملخصاً اسی قول کی تقلید کرکے پولوس مقدس حضرت موسیٰ کی جناب مین بڑی بڑی گستاخیان کرتے ہین اور فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیر و مرشد لوتھر صاحب نے تو موسیٰ کو عیسیٰ کا دشمن اور جلادون کا استاد بتایا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جس کو اب عیسائی اناجیل اربعہ کہتے ہین وہ انجیل نہین جس کا قرآن مین ذکر ہے۔

پس اب جو اہل کتاب اس توریت و انجیل کو اصلی توریت و انجیل جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اور خدا تعالے نے قرآن مین متعدد جگہ جن کی بیح فرمائی ہی تبلاتے ہین یہ ان کا فریب ہے نزول قرآن مجید کے وقت اصلی توریت و انجیل و دیگر صحف انبیاے سابقین جن کا قرآن مصدق اور اصول مذاہب اور امور فطرت مین اُنکے مطابق ہے دینا پر نہ تھین حوادث زمانہ سے صفحۂ عالم سے ناپید ہو گیئن۔

ورسلہ یہ عطف ہے کتبہ پر یعنی کہے کہ مین اللہ کے رسولون پر ایمان لایا۔ یاد رکھو کہ انسان کی عقل غلطی سے محفوظ نہین بالخصوص ان چیزون مین کہ جہان حواس کی رسائی نہین جیسا کہ عالم آخرت کے حالات یا باری تعالیٰ کی ذات و صفات یا خود نفس ناطقہ کے اسباب کمالات تو رحمت الٰہی انسان کو حالت تباہ مین کیونکر دیکھ سکتی پس جس طرح اُس نے معاش کی اصلاح کے واسطے اور اُسکی تکمیل کے لیے چند لوگ مستثنےٰ کئے کہ جو بذریعہ عقل خدا داد کے طرح طرح کی ایجادون پر قادر ہو کر استاد زمانہ کہلاے اور اونکا امر معاش مین فیض عام جاری ہوا اسی طرح محض از راہ تفضل انسان کی اصلاح حال اور تہذیب نفس و نفع آخرت کے واسطے فہیم لوگون مین سے ایک جماعت برگزیدہ

رسل

لوگون کی قائم کی جنکو رسول کہتے ہین کیونکہ اللہ تعالے کی جناب سے معارف حقیہ اور
اعمال صالحہ کا حصول جس پر طریق نجات کی ہدایت اور فزروہ درجات کا وصول ہوقوف
ہی ہر ایک انسان کو بوجہ تاریکی تعلق عالم طبیعت اور کدورت بشریت کے میسر نہ آسکتا
تھا کیونکہ مفیض اور مستفیض دونون مین مناسبت شرط ہے اور رسول وہ شخص ہے
جس کو اللہ تعالے نے صفاے نفوس اور کمال طہارت کے ساتھ مخصوص کرلیتا ہے
اور اسکے باطن کو انوار وحی سے روشن اور تجلیات الہام و اسرار سے منور کرتا ہے
اور اپنے فرشتون کے ہاتھ اُس کو کتابین بھیجتا ہے تاکہ خدا کی طرف سے پیغام امر و نہی
اور وعد و وعید کا پہونچاوے اور احکام الٰہی سے بہ نسبت واجب و مندوب اور
حرام و مکروہ و مباح کے خبردار کرے پس واسطہ ہونا رسولون کا ممکنات اور واجب الوجود
کے درمیان لابد تھا کیونکہ ہدایت واجب الوجود کی نسبت ممکنات کے کہ باخود مشتغل
ہین بالواسطہ ہونا چاہیے اور وہ واسطہ دونون مین برزخ ہو پس وہ انبیا علیہم السلام
ہین اور لوازم نبوت مین سے یہ ہے کہ نبی کے نفس ناطقہ کی دونون قوتین یعنی قوت
عاقلہ اور قوت عاملہ سب انسانون سے زیادہ قوی اور کامل ہوتی ہین - خدا تعالے
محض اپنی عنایت اور فضل سے نبی کی قوت عاقلہ کو ترقی اور زیادتی دیتا ہے
سبقت عمل کا یہان لحاظ نہین اور اسی قوت عاقلہ کی وجہ سے نبی پر غیب سے
وحی نازل ہوتی ہے اور جنت و دوزخ اور ملائکہ کو ملاحظہ کرتا ہے اور واقعات عجیب و
غریب کو صور مثالیہ مین دیکھتا ہے اور اسی طرح نبی کی قوت عاملہ کو جناب الٰہی سے
مدد پہونچتی ہے جس کی وجہ سے امور خیر کی اُسکو توفیق ہوتی ہے معاصی سے بچتا ہے
اور آداب طاعات کی بجاآوری مین سرگرم رہتا ہے اور تدبیر منازل اور سیاست مدن
اس خوش اسلوبی سے عمل مین لاتا ہے کہ دوسرے سے ویسا ہونا ممکن نہین اور اسی
قوت عاملہ کی عمدگی کی وجہ سے شجاعت و سخاوت اور کفایت و عدالت اس مین موجود

رہتی ہین اور مصلحت وقت اُس سے کسی حالت مین فوت نہین ہوتی اور اس قوت کے کمال سے عصمت حاصل ہوجاتی ہے اور جب قواے عاقلہ و عاملہ اچھی طرح تہذیب حاصل کرلیتے ہین اور جناب الٰہی سے ہر ایک کو مدد پہونچتی رہتی ہے تو جس مین یہ قوتین موجود ہین اُسکے تمام کامون مین بہت سی برکتین پیدا ہوجاتی ہین جنکا شمار حد سے باہر ہے اور اُس کی اطاعت کا قردن تک دلون مین میلان اور شوق ڈالا جاتا ہے اُسکے موافق پر رحمت اور مخالف پر لعنت اترتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آجتک ہزارہا برس سے تخمیناً تمام عالم جن مین طرح طرح کے لوگ ہین انبیا علیہم السلام کا تابع چلا آتا ہے اُس کا نفس قدسی اس درجے پر صاف ہوتا ہے کہ جو اورون کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا عالم جبروت و ملکوت کی تجلی ہوتی ہے تو اُسکو ادنے توجہ سے یہ بات حاصل ہوجاتی ہے اور اس کا نفس قدسی آفتاب کے مانند ہوتا ہے کہ اُسکی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہین اور یہ شخص عقل کی غلطیون کی سخت دلدل سے نجات دیتا ہے اور یہ شخص حظیرۂ قدس کی طرف متوجہ ہوکر ہمت کرتا ہے تو عالم اجسام بلکہ عالم ملکوت مین اس کا تصرف ہوتا ہے جو باتین عادت کے خلاف ہین وہ اُس سے سرزد ہوجاتی ہین اسکے اشارے سے درخت چلے آتے ہین پتھر اپنی جگہ سے ٹل جاتے ہین دریا زمین کا کام دیتا ہے آگ پانی کی طرح سرد ہوجاتی ہے ہزارون وہ چیزین کہ حس بصر سے خارج ہین اُس کو دکھائی دیتی ہین اُس سے کلام کرتی ہین روحانی لوگ اُس کی اطاعت کرتے ہین وہ اپنے اقوال و افعال مین تمام لوگون کے لیے فطرت کا سچا نمونہ ہوتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی عادات اپنے معاملات اپنے مکاشفات بلکہ جس قدر انسان کے لیے کمالات ممکن ہون اون سب کو اس پیمانۂ فطرت کے ساتھ موافق اور اس کے مطابق کرے پس اس لیے یہ بھی ضرور ہوا کہ وہ تمام لوگون سے افضل ہو جب تم چاہو کہ نبی کی صفات پر علم آجاے تو فرض کرو کہ نبی ایک ایسا

بدن ہے جس مین چار آدمیون کو جمع کیا ہے ایک بادشاہ جو بالطبع والمرتبہ تمام عالم کا فرمان روا ہو اوس کی بادشاہت رسمی نہو یعنی ایسا بادشاہ ہو کہ اُس کے نفس ناطقہ کے سائے سے تمام عالم مین انتظام پیدا ہو جائے اور سب آدمی اپنے اپنے منصب پر مستعد ہو جائین دوسرا شخص فلاسفر ہے جو حکمت علمی مین سب سے فوقیت حاصل کر چکا ہو اور علم اخلاق اور تدبیر منازل اور سیاست مدن مین کمال رکھتا ہو اور ان صفات کے آثار اُس سے وقتاً فوقتاً لوگون مین پھیلتے رہین تیسرا شخص صوفی ہے جو صوفیون کے زمرے مین بیٹھکر جو عجیب وغریب کرامات دکھاتا ہے اور اپنی قوت ارشاد اور تاثیر صحبت سے عاصیون اور منکرون کو راہ راست پر لاتا ہے چوتھا شخص اس مجموعے کا جبریل ہے جو تدبیرات الٰہی کا آلہ ہے اور اسی کے ذریعہ سے تمام علوم حقہ جناب احدیت سے حاصل ہوتے ہین اور اسکی جبلت مین حضرت قدس کی طرف ایک راستہ ہے علوم مجردہ عالیہ اُسکی عقل وقلب پر نازل ہوتے ہین اور عالم ملک وملکوت کے تمام اسرار اُسپر کھلتے رہتے ہین نبی کی یہ شان ہے کہ وہ لوگون کو اُن باتون کی تعلیم فرمائے جو اصل فطرت مین داخل ہین اور اپنے کلام مین وہ رعایت رکھے کہ جس کو خاص وعام سمجھین اور لوگون سے اُن کی عقل کے موافق کلام کرے دلائل فلسفیہ اور براہین منطقیہ سے جو مخاطبون کے فہم مین نہ آسکین پرہیز کرے جو جو خرابیان اُس وقت لوگون مین شیوع پا گئی ہون اُنکو مٹا دے اور جو اصل فطرت کی باتین ہین اونکو قائم رکھے کیونکہ جس قوم مین نبی مبعوث ہوتے ہین گو انکی بداعمالی اور خلاف فطرت ہی انکی بعثت کا سبب ہوتا ہے لیکن اُنکی کل باتین بری نہین ہوتین پس جو باتین اچھی ہین نبی انکو قائم رکھتا ہے شرک وبدعت جور وظلم وغیرہ وغیرہ قبائح کو مٹاتا ہے عدل والصاف صلہ رحمی تواضع حلم راستبازی کو قائم کرتا ہے خدا کے اوصاف حمیدہ خلق پر ظاہر کرتا ہے اور اسکی نسبت شرک وغیرہ جو جو عیوب لوگون نے اپنی نافہمی سے لگا رکھے ہین اُنکو دور کرتا ہے انسان کے اعمال کی جزا وسزا وحسن وقبح کو وہی ترازو سے بیانین تو تباہی

عالم آخرت مین جو کچھ انسان پر بعد مفارقت جسم کے پیش آتا ہے وہی اس کا عقدہ کھولتا ہے اس عالم کی ابتدا و انتہا کو وہی پورے طور پر بتلاتا ہے اور نبی کی یہ شان نہین کہ وہ ریاضیات وطبعیات کے مسائل کی تعلیم فرمائے اور نہ یہ کہ وہ ہوا بادل بجلی آسمان وزمین بارش زلزلہ وغیرہ امور کی ماہیت اور اُنکے اسباب بیان کرے چنانچہ قرآن مین اسی لحاظ سے روح کی حقیقت بیان کرنے سے یا چاند کا چھوٹا بڑا ہونے کی وجہ بیان کرنے سے اعراض کیا اور مخاطبون کی استعداد کے لحاظ سے ان کے کسی قدر حالات سے مطلع کیا روح کی بابت من امر ربی ہی پر بس کیا اور ہلالون کی نسبت قل ہی مواقیت للناس والحج ہی پر سکوت فرمایا اور نہ نبی کی یہ شان ہے کہ وہ اگلے لوگون کی تاریخ بیان کیا کرے اور اُنکے قصے و کہانی سنایا کرے ہان اس کا مضائقہ نہین کہ کچھ وعظ و پند کے طور پر اگلے لوگون کے حالات مجمل طرح سے بیان کرے اور اسی وجہ سے ایک شخص کے قصے کو حسب وقت بلا ترتیب تقدیم وتاخیر ٹکڑے کرکے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ قرآن مجید مین بھی اسی لیے موسٰے و فرعون وغیرہما کے قصون کو بلالحاظ ترتیب چند جگہ ذکر کیا ہے ہان یہ ہو سکتا ہے کہ قومون کے آئندہ حالات یا اُن پر آنے والے مصائب بایما بطور پیشین گوئی ذکر کردے تاکہ اس وقت کے لوگون کو کارآمد ہون چنانچہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے بہت چیزون کی خبر دی ہے

فائدہ پیغمبرون کا مرتبہ چار قسمون مین منحصر ہے نبوت رسالت اولوالعزمی خاتمیت متکلمین کہتے ہین کہ لفظ نبی اُس شخص پر اطلاق کیا جاتا ہے کہ وحی اوس پر آتی ہو اور حق تعالےٰ نے اسکو تبلیغ احکام کے لیے خلق کی طرف بھیجا ہو کتاب کا ہونا اُس کے لیے شرط نہین بخلاف رسول کے کہ اُسکے لیے شرط ہے اور نبی کے لیے جس طرح جدید کتاب شرط نہین اسی طرح جدید شریعت بھی شرط نہین ہے اور نہ نسخ جمیع احکام پیغمبر اول کا یا بعض کا شرط ہے بعض کہتے ہین کہ

نبوت رسالت اولوالعزمی خاتمیت

رسول وہ ہے جس پر وحی الٰہی جبریل علیہ السلام کی وساطت سے نازل ہو صحیفہ و کتاب
ہو یا نہو اور نبی وہ ہے کہ بذریعہ الہام یا محض رویاے صادقہ سے کسی قوم کی دعوت
پر مامور ہو اور فتوحات مکیہ کے چودھوین باب مین ہے کہ نبی وہ ہے کہ جس کے
پاس اللہ کی طرف سے وحی آے جس مین ایسی شریعت کا بیان ہو کہ نبی خود اُس
کے مطابق عمل کرتا ہو پس اگر اُسکو دوسرون کی ہدایت کے لیے حکم ہو تو وہ رسول ہے
نبوت عام ہے رسالت اور اولوالعزمی خاص ہے اور خاتمیت اخص الخاص ہے
خاتم الانبیا اسے کہتے ہین جس کو مرتبہ نبوت اور رسالت اور اولوالعزمی کیساتھ تمام
کمالات حاصل ہون اور اُسکے بعد پھر کوئی نبی مبعوث نہو اور اس کا دین و شریعت منسوخ
نہو اور اولوالعزم مین بہت اختلاف ہے علما کی ایک جماعت سواے حضرت یونسؑ
علیہ السلام کے سب پیغمبرون کو اولوالعزم جانتی ہے اس لیے کہ یونسؑ سے صبر
نہو سکا تھا جیسا کہ سورۂ نون والقلم مین ہمارے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا ہے
فاصبر لحکم ربک ولاتکن کصاحب الحوت یعنی اپنے پروردگار کے حکم پر صبر کر اور یونسؑ
کی طرح ست ہو اور بے صبری شان اولوالعزمی سے نہایت بعید ہے کیونکہ اللہ تعالی
قرآن مین اولوالعزمون کو صفت صبر کے ساتھ موصوف کرتا ہے حیث قال فاصبر کما
صبر اولوالعزم من الرسل ولا تستعجل لهم یعنی تو صبر کر جیسا کہ اولوالعزم رسولون
نے صبر کیا اور اُن کے لیے جلدی ست کر اور آیۂ کریمۂ ولقد عهدنا الی ادم من قبل فنسی
ولم نجد لہ عزما یعنی ہم نے آدمؑ کو اس سے پہلے تقید کر دیا تھا پھر وہ بھول گیا اور
ہم نے اُس مین کچھ عزم نہ پایا) کہ حضرت آدمؑ کی شان مین ہے انکے اعتقاد کے
موافق مئول ہے اور یون معنے بیان کرتے ہین کہ ہم نے آدمؑ کا عزم یعنی ارادہ اُس
گناہ مین نہ دیکھا یعنی آدم علیہ السلام نے بھول کر اوس درخت کو کھایا تھا سو یہ سہواً اُنسے
گناہ سرزد ہوا لہذا عتاب ہوا پھر استغفار سے معاف ہو گیا اور جو علما اس تاویل کے

اولوالعزم

مستغرق ہین اور باتین سنتے ہین اور باتین کرتے ہین پس ایسے دلکو جو فطرت کی رو سے تمام چیزونسے بے تعلق اور روحانی طبیعت پر مصروف اور اسمین مستغرق ہو ایسے ادراکات کا پیش آنا کچھ بھی خلاف فطرت انسانی نہین ہے ہان ان دونومین فرق یہ ہے کہ پہلا مجنون ہے پچھلا پیغمبر گو کافر پچھلے کو بھی مجنون بتاتے ہین انتہے سید صاحب کی تقریر تو بالکل انکار نبوت پر مصرح ہی کیونکہ نبوت کے معنے اُنھون نے ایسے فرض کئے ہین جو درحقیقت انکار نبوت کو مستلزم ہین اس لیے کہ فطری ملکہ تہذیب اخلاق کا تو اکثر صالحین اور نیک طبیعت لوگون مین اس زمانے مین بھی ہوتا ہے اور ہر زمانے مین اس قسم کے لوگ ہزارہا موجود ہوتے رہتے ہین اور یہ ملکہ ایک امر اضافی ہے کسی مین کم ہوتا ہے اور کسی مین زیادہ اور اس زیادتی کی کوئی حد مقرر نہین ہوسکتی پس اس تقدیر پر جتنے صالحین ہین اور جن مین یہ فطری ملکہ تہذیب اخلاق انسانی کا ہے وہ سب نبی سمجھے جائینگے اور ختم نبوت کے بھی کوئی معنے نرہینگے اور کوئی امتیاز نبی اور غیر نبی مین باقی نرہے گا اور نہ انبیا پر خدا کی طرف سے کوئی پیغام آتا تھا بلکہ وہ اپنی طرف سے کچھ خیالات باندھ لیتے تھے جس طرح مجنونون کو بے اصل خیالات بندھ جایا کرتے ہین اور نیز مثل مجنونون کے انبیا کو ایسا معلوم ہوا کرتا ہے کہ کوئی شخص اُن سے باتین کرتا ہے حالانکہ درحقیقت کوئی شخص دوسرا نہین ہوتا بلکہ محض اُن کا خیال ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہم مین سے کوئی آدمی اپنی طرف سے کسی ایسے کام کے کرنے یا نکرنے کا حکم دے جو مصلحت وقت کے موافق اور عقل کے مطابق ہو تو وہ بھی بالاتفاق نبی نہین ہوسکتا پھر ایسا شخص جو سراسر خیالی پلاؤ پکائے کیونکر نبی بن سکتا ہے بلکہ جبکہ انبیا کو ایسی غلطی ہوا کرتی ہے کہ کوئی شخص واقع مین اُونکے پاس نہین آیا اور وہ سمجھ لیتے ہین کہ کوئی شخص اُنکے پاس آیا ہے اور اون سے باتین کرتا ہے اور یہی خبر اورون کے سامنے بیان کرتے ہین حالانکہ وہ خلاف واقع ہوتی ہے اور یہ خبر دینا اون کا ایک دیوانون کا سا

خیال ہوتا ہے تو جس شخص کی یہ حالت ہو اُسکی اور خبرون کا کیا اعتبار رہے گا اور پھر انبیا کو مخبر صادق کہنا کیونکر صحیح ہوگا اسلیے کہ جو خبر وہ بیان کرینگے اُس مین یہ احتمال موجود ہوگا کہ شاید اسی قسم کا اون کو دھوکا ہو گیا ہو پس انبیا اپنے تمام اقوال مین ساقط الاعتبار ہوگئے نہ قرآن کا اعتبار رہا نہ اُنکے کسی دوسرے بیان کا بلکہ قرآن ہرگز کلام الٰہی ثابت نہین ہوسکتا اور یہ سراسر کفر و زندقہ ہے سید صاحب کو حکماے یونان کے جس قدر اقوال کتب عربی مین اسلام کے خلاف ملے وہ اُنھون نے اپنی تفسیر مین درج کرکے عقائد اسلام کی باتون کو فلسفے سے ملانا چاہا ہے یہ قول بھی حکما کا ہے جسکو سید صاحب نے اس قدر آب و تاب سے بیان کیا ہے شرح مواقف مین لکھا ہے قال ما ذکروہ فی الخاصۃ الثالثۃ الی تخیل ما لا وجود لہ فی الحقیقۃ کما للمرضی والمجانین یعنی اس تیسری شرط مین فلاسفہ کے قول کا مآل معاملہ نبوت مین ایسی چیزون کے تخیل کی طرف ہے جن کا حقیقت مین کچھ وجود نہین جیسے کہ مریضون اور مجنونون کا حال ہوتا ہے کتاب الملل والنحل محمد بن عبد الکریم شہرستانی مطبوعہ مصر کی جلد دوم صفحہ ۸۶ مین عقائد حکماے مشائین کے بیان مین یون لکھا ہے کہ جن لوگون کو قوت قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیا) اُن کی قوت خیالیہ اس درجے کی قوی ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے اورکات کو بصورت جمیلہ دیکھتے ہین اور ان کا عمدہ کلام سنتے ہین یعنی در اصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی آواز یا کلام انکو سنائی دیتا ہے بلکہ محض انکی وہ معلومات جو انکو مبدء فیاض سے عطا ہوئی ہین کسی عمدہ شکل مین نظر آتی ہین اور نہایت عمدہ دلچسپ کلام کرتی ہین پس وہ فرشتہ جو نبی علیہ السلام کو دکھائی دیتا تھا وہی تھا اور وحی والہام یہی آواز تھی صحیح روایات سے یہ مضمون بتواتر ثابت ہے کہ خدا اور پیغمبر کے درمیان مین کوئی ایلچی تھا اور جبریل وحی لاتے تھے اور کیفیت تنزیل قرآن اور ابتداے زمانے مین مشقت حضرت کی اور یاد کرلینے کے واسطے جلدی جلدی اسکو پڑھنا اور پھر آخر مین بموجب حکم الٰہی کے

فلاسفہ کی نبوت کے متعلق راے

اُس جلدی کرنے کو ترک کر دینا ان سب باتون سے جبرئیل اور دیگر ملائکہ کا آنا اور خدا کی طرف سے پیغام لانا بخوبی ثابت ہے اب اگر وہ اُنھین کے خیالات تھے تو یہ مشقت کیسا ضرور تھی وہ ملکۂ فطری ہر وقت اونکے ساتھ تھا اور یہ بھی مضامین اکثر روایات سے ثابت ہین کہ کبھی وحی نہ آتی تھی اور اس کے انتظار مین کئی کئی روز حضرت کو تردد رہا ہے پس اگر منشاے وحی وہی ملکہ فطری تھا تو وحی نہ آنے کے کیا معنے پھر کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک مجسم شخص رسول اللہ کی خدمت مین حاضر ہوا ہے اور اُس وقت بعض صحابہ بھی موجود ہوے ہین اور جب وہ کچھ گفتگو کر کے چلا گیا ہے تو حضرت نے فرمایا ہے یہ جبرئیل تھے چنانچہ صحیح بخاری کے باب الایمان مین ابو ہریرہ کی ایک حدیث سے یہ بخوبی ظاہر ہے کہ سب صحابہ نے جبرئیل کو ایک آدمی کی صورت مین آتے جاتے دیکھا اور ان کی آواز سنی پس اگر پیغمبر کو اپنا خیال اور تصور ہی نظر آتا تھا اور واقع مین وہ کوئی شخص نہوتا تھا تو پھر وہ خیال مجسم ہو کر اورون کو کس طرح نظر آیا اور اُس کی آواز اورون نے کیونکر سنی اور پھر وہ نظرون سے غائب کیسے ہو گیا۔ **والیوم الآخر** یہ عطف ہے رسلہ پر یعنی کہے کہ مین روز قیامت پر ایمان لایا۔ حشر و نشر کا ہونا ضروری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدمیون کو جو پیدا کیا ہی وہ تین حال سے خالی نہین یا ضرر حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا ہے یا نفع کے لئے یا دونون مین سے کسی کے لیے نہین پہلی شق باطل ہے اس واسطے کہ یہ امر شان رحیمی و کریمی کے خلاف ہے اور تیسری شق بھی باطل ہے کیونکہ یہ حالت معدومیت کی صورت مین بھی حاصل تھی پس باقی یہ رہا کہ اللہ تعالےٰ نے سب کو نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ دنیا مین نفع کم ہے اور نقصان زیادہ سو تھوڑے نفع کو بہت سے نقصان کے واسطے اُٹھانا حکمت کے خلاف ہے تو ضرور ہے کہ دنیا کا نفع مقصود نہوگا اس صورت مین لازم ہے کہ اس حیات کے بعد کوئی اور

حیات حاصل ہوتا کہ نفع حاصل کرلے اور یہی حشر و نشر اور قیامت ہے اور امکان حشر و نشر تو دلیل عقلی و نقلی دونون سے ثابت ہے البتہ وقوع پر سوائے نقل کے کوئی دلیل عقلی قائم نہین اور امکان حشر کا اثبات ان تین مقدمات پر موقوف ہے (۱) قابل کے حالات سے بحث۔ یاد رکھو کہ انسان یا نفس سے عبارت ہے یا بدن سے پس اگر نفس سے عبارت ہے جیسا کہ مذہب حق یہی ہے تو جبکہ اُس کا پہلی بار بدن سے متعلق ہونا جائز ہوا تو اُس کا تعلق دوبارہ بھی بدن سے جائز ہوگا اور اگر انسان سے مراد بدن ہے گو یہ قول خلاف تحقیق ہے تو جس طرح پہلی بار اجزائے بدن نے ایک شکل مخصوص کے ساتھ تالیف حاصل کرلی ہے اسیطرح دوبارہ حیات کا اُس مین آنا ممکن ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو چیز بعض اوقات مین ممکن الحصول ہے تو وہ تمام اوقات مین ممکن الحصول ہوگی (۲) خالق عالم قادر مختار ہے اور یہ قادر تمام ممکنات پر قادر ہے اور یہ مسئلہ ثابت ہے (۳) خالق عالم تمام جزئیات اور معلومات کو بخوبی جانتا ہے اور ہر ایک شے اُس کے علم مین ہے اور جب یہ بات مقرر ہوئی تو بالضرور زید کے اجزائے بدن کو گو مٹی مین مل جائین دریا مین ڈوب جائین تمیز کرسکتا ہے اور اُس کے لیے بعض کو بعض سے پہچان لینا ممکن ہے جب یہ مقدمات ثابت ہوچکے تو یقین کرلینا چاہیئے کہ حشر و نشر ممکن ہے اور اُس کے وقوع کا ثبوت انبیا کی زبانی ہوتا ہے اور دلائل سے انبیا کی صداقت بخوبی ثابت ہے تو اُنھون نے جو اس امر ممکن کے واقع ہونے کی خبر دی ہے صحیح ہے پس قیامت کے واقع ہونے پر یقین کرلینا واجب ہو ورنہ تکذیب انبیا کی لازم آئے گی اور یہ باطل ہے اور باطل کرنے والے اس کے وہ دلائل ہین جو اون کی صداقت کے باب مین وارد ہوئے ہین جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ اگر یہ عالم دوسرے عالم کے ساتھ تبدیل پائے گا

ثبوت قیامت پر دلائل

منکرین قیامت کے دلائل

تو دیکھنا چاہیے کہ وہ عالم اس عالم کی مثل ہوگا یا اِس سے بُرا یا بہتر اگر اس کی مثل ہوا تو تبدیل عبث ہے اور اگر برا ہوا تو تبدیل حماقت ہے اگر بہتر ہوا تو پہلے اُس کے پیدا کرنے پر قادر تھا یا نہ تھا اگر قادر تھا اور اُسے پیدا نکیا اور برے کو پیدا کیا تو یہ بھی بے وقوفی ہے اور اگر کہا جاے کہ قادر نہ تھا پھر قادر ہوگیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ پہلے عاجز تھا پھر قادر بنا یا پہلے جاہل تھا پھر حکمت حاصل ہوئی اور یہ خالق عالم کی شان سے بعید ہے جواب یہ ہے کہ اس عالم کی تقدیم عالم آخرت پر مصلحت کی وجہ سے ہے اس واسطے کہ کمالات نفسانی جیسے سعادت اخروی وغیرہ حاصل ہوسکتی ہین اور اُن کی تحصیل بجز اس عالم کے ممکن نہ تھی پھر ان کمالات کے حصول کے بعد ان کا اس عالم مین باقی رہنا فساد کا سبب اور خوبیون سے محرومی کا باعث تھا اور اگر حشر و نشر نہوتا تو عاصی و مطیع کا حال ایک سا نہوتا بلکہ مطیع نقصان مین رہتا اور یہ حکمت کے خلاف ہے اور جبکہ یہ امر حکمت کے خلاف ہے تو انکار حشر و نشر اللہ کی حکمت سے انکار کا موجب ہے۔ قانون قیامت یہی ہے کہ جب نفس انسانی نے بدن سے متعلق ہو کر معارف حقہ اور اخلاق حسنہ کے حاصل کرنے کے لیے اُس کو اپنا آلہ بنایا پھر جس وقت بدن سے جدا ہوا اور اس کو اپنی اُس خدمت کا نتیجہ و ثمرہ نہ ملا اور جس واسطے اس نے یہ محنت کی تھی وہ مطلب بر نہ آیا تو کتنی بڑی حسرت کا موجب ہوگا یا نفس انسانی نے آلۂ بدن کے ذریعہ سے لذات دنیاوی حاصل کین اور تحصیل جاہ و جلال مین مصروف رہا پھر اسے کوئی سزا نہ پہونچے تو یہ اپنی بدکاری سے منفعل و شرمندہ نہوگا اور اُس نفس کی محرومی اور اس کا سزایاب نہونا اعلےٰ درجے کا ظلم ہے اس لیے قیامت کا قائم ہونا سزا و جزا کے لیے ضروری ہے اور قیامت کو کئی چیزین لازم ہین اول یہ کہ رُوح کا تعلق بدن کے ساتھ کہ اب حاصل ہے جدا ہونے کے بعد رُوح

جواب

قانون قیامت

بدن سے پھر ملے اسی واسطے عالم برزخ مین بھی یہ امر ممکن نہین اسلیے کہ وہان روح کو بدن سے ہرگز علاقہ نہین اور روح کو بدن سے تعلق رکھنے کے سوا اس بدن کے کیے ہوے کامون کی جزا و سزا دیکھنا ممکن نہین ہے اس واسطے کہ روح کو تعلق بدن کے بغیر تمام عالم کی سیر کرنا مثل خیال کرنے کے ہے اور بس جیسے ایک لکھنے والیکا ہاتھ کاٹ ڈالین اور وہ اپنی انگلیان ہلاے گویا اپنے خیال مین لکھتا ہے پس یہ حقیقت مین کچھ لکھنا نہین خیال محض ہے دوسرے یہ کہ روحین اور بدن سب تعلق مین جمع ہون اسلیے کہ فرق اور جدائی بغیر جمع ہوے ممکن نہین مثلاً ایک جماعت کے ساتھ ایک جگہ پر ایک طرح کا معاملہ کیا تو اس جماعت کو امتیاز حاصل نہ ہوگا جب تک اور جماعتون کے ساتھ اسی جگہ پر اسی وقت دوسری طرح کا معاملہ نہ کرین نہین تو اس بات کا گمان ہوتا کہ شاید یہ معاملہ اُس وقت کے مقتضا کے موافق اس جگہ پر ہوا اور اگر اور جماعتین اس وقت اس جگہ ہوتین تو اُنکے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا جیسا کہ اہل دنیا عزت اور ذلت اور رزق کی کثرت و قلت کو گردش زمانہ کا مقتضا سمجھتے ہین اور اپنے دل کو سمجھاتے ہین کہ اگر اگلے آدمی اس وقت مین ہوتے تو اسی حالت مین گرفتار ہوتے اور اگر ارزانی کے ملکون کے رہنے والے قحط والے ملکون مین ہوتے تو بھوک بھوک پکارتے اس لیے ضرور ہے کہ قیامت کا دن اس وقت واقع ہو جب کہ نوع انسانی کی تمام ارواح اپنے بدن سے جدا ہوجائین تاکہ ایک وقت مین ایک جگہ پر سب روحون کا انکے بدنون سے تعلق ہو تیسرے یہ کہ مشترک نعمتین جو فقیر و غنی مومن و کافر سعید و شقی تندرست و بیمار کے درمیان دنیا مین برابر ہین کچھ باقی نہ رہین ورنہ برابری اور اشتراک لازم آتا ہی اور مقصود اصلی کہ تفرقہ اور امتیاز ہی فوت ہوتا ہی چوتھے یہ کہ اس آسمان و زمین کے بدلے ایک اور مکان چاہیے اور جب وہ مکان اور جگہ اس عالم مین آسمان اور زمین سے مخفی اور علیحدہ ہے تو

اُس کے ظاہر کرنے میں آسمان اور زمین کا نیست کرنا بھی ضرور ہوا تا کہ نیکوں پر بہشت اور بدوں پر دوزخ ظاہر ہو اسی لیے وہ روز سب کے خاتمے کے بعد آئے گا۔

قیامت کی نسبت خیالات

گو حضرت آدمؑ کے وقت سے اس دم تک حق تعالیٰ انبیا اور رسولوں کی زبانی قیامت کی خبر پے در پے اپنے بندوں کو پہونچاتا رہا اور انبیا و رسول اس خبر کے ثابت کرنے میں دلیلوں اور مثالوں کے ساتھ دل و جان سے کوشش کرتے رہے ہیں اور اس کی علامتیں اور نشانیاں مفصل اور مجمل کھلی کھلی بیان کرتے رہے ہیں کہ اس میں کسی طرح کا دھوکا باقی نہیں رہا لیکن ان سب باتوں کے ہوتے بنی آدم کا شبہہ ہرگز دفع نہیں ہوتا بعض تو بالکل قیامت کے وجود کا انکار ہی کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مجاز عقلی ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ خیالی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حسی ہے یعنی ظاہر میں ہوگا اور بعض ایک اور طرح سے کہ سوائے عقلی و خیالی و حسی کے ہے سمجھتے ہیں اور بعض معاد کو تناسخ کے طریقے میں منحصر جانتے ہیں یعنی ایک مرتا ہے وہی روح دوسرے جسم میں آتی ہے اور اسی عالم دنیا کو جزا اور سزا کی جگہ جانتے ہیں اور عالم کے خراب ہونے کی جو خبر رسولوں اور نبیوں نے دی ہے اُسے آدمیوں کے بدن کی خرابی کے احوال پر حمل کرتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے بیان واضح کے ہوتے ہوئے جو اختلاف اس مسئلے میں ہے اور کسی مسئلہ میں نہیں ہے اور یہی اختلاف انکار و شک کا سبب بنا ہے جو اکثر ذہنوں میں موجود ہے

ملحدوں کا اعتراض

اکثر ملحدوں اور زندیقوں کے خیال میں گذرتا ہے اور اس شبہے پر انبیا اور واعظوں سے مقابلہ کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو نہ بندوں کے گناہوں کی پروا ہے نہ نیکی کی اور یہ جو انبیا اور واعظ کہتے ہیں کہ دنیا کی فنا کے بعد از سر نو ایک اور عالم پیدا ہوگا کہ حشر اور نشر اور سوال و جواب اور بدلہ دینا اُس میں ہوگا سو اس بات کی کچھ اصل نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بنی آدم

کے سب برے بھلے کاموں سے خبردار ہے اور ہر شخص کو اُس کے کام کی سزا اور جزا دینے پر قادر ہے اگر طاعتوں سے خوش ہوتا اور گناہوں سے ناخوش تو کس واسطے نیکوں کو نعمتوں سے نوازش نہیں کرتا اور بدکاروں کو گناہوں کے بدلے عذاب میں گرفتار نہیں کرتا پس تاخیر کرنا جزا دینے میں اور انتظار کرنا قیامت کے دن کا یا تو اس لیے ہے کہ اب اُس کو آدمیوں کے نیکی بدی کے کاموں پر اطلاع نہیں ہے یا اس سبب سے ہے کہ اس وقت بدلہ لینے کی طاقت نہیں رکھتا ہے اور یہ دونوں باتیں اس کی ذات پاک کی طرف متصور نہیں ہو سکتیں ہیں پس معلوم ہوا کہ بدلہ نیک اور بدکا اُس کو منظور نہیں ہے اور جو کچھ کہ کرتا ہے سو اسی دنیا میں کرتا ہے مگر بے پروائی کے طور سے کسی کو دولت و حشمت دیکر معزز اور مکرم کر دیتا ہے اور کسی کو دکھ درد و محنت اور مشقت میں ڈال کے ذلیل کرتا ہے جواب اس شبہہ کا یہ ہے کہ حق تعالےٰ باوجود اپنے کمال علم اور قدرت کے حکیم مطلق بھی ہے اور اُس کی حکمت چاہتی ہے کہ ہر شخص کو سزا اور جزا پہونچانے کے واسطے قیامت کا انتظار کیا چاہیے اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آدمی کے تین حال ہیں اول تو دنیا کا حال کہ اُس میں طرح طرح کی حاجتوں میں گرفتار ہے اور قسم قسم کے علاقے قرابت اور دوستی اور ہمسائگی کے مخلوق سے رکھتا ہے اور مکلف طاعت اور بندگی کا ہے اور آخرت کا توشہ حاصل کرنے اور اپنے اصل سرمایہ کو نفعوں اور فائدوں سے بڑھانے میں مشغول ہے دوسرا حال برزخ کا ہے کہ مرنے کے بعد وہاں رہتا ہے اور ان شغلوں سے فارغ ہوتا ہے لیکن جو کچھ بھلائی بند یار آشنا شاگرد مرید اپنی طرف سے یا اُس کے کہنے سے اُس کے واسطے دنیا میں کرتے ہیں اُس کا ثواب اُسکو ملتا ہے اور اُس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے تو گویا کہ ابھی وہ دار العمل یعنی دنیا میں ہے اور یہ بھی ہے کہ برزخ میں

جواب

جمع ہونا حقدارون کا کہ دنیا مین اُن سے طرح طرح کے معاملے نیکی اور بدی کے کئے تھے ممکن نہین اس لیے کہ ہر شخص کی موت اپنے وقت پر مقرر ہے پھر انفصال کرنا معاملون کا بغیر حاضر ہونے حقدارون کے عدالت کے خلاف ہے تیسرا حال آخرت کا ہے کہ ہرگز کسی طرح کا عمل اور کسی طرح کا شغل وہان نہو گا اور بنی نوع اور اُس کے تابعدار اور آشنا سب وہان حاضر ہون گے اور جو کچھ کہ اُس نے خود کیا تھا یا دوسرون نے اُس کے واسطے اُس کے کہنے سننے سے کیا تھا سب اُس کو پہونچ چکا اور جمع ہو گیا اب آئندہ کو کسی اور چیز کے آنے کی اُمید بہ سبب منقطع ہونے نوع انسانی کے نرہی پس حکمت ہرگز اس بات کا تقاضا نہین کرتی کہ اُس کو دنیا کے حال مین سزا دی جائے اس لیے کہ وہ ابھی اُس کام مین مشغول ہے اور اُس کی عمر کی مدت کہ اُس کے سرمایے کی قائم مقام ہے ہنوز بالکل اُس کے ہاتھ مین نہین آئی ہے اور اپنی گذری ہوئی عمر کے جمع خرچ کو برابر نہین کیا ہے اگر اُس کو اس حالت مین جزا اور سزا مین گرفتار کرین تو وہ جواب مین ضرور کہے گا کہ ابھی مجھ کو فرصت دینا چاہیے کہ مین اپنی عمر پوری کرلون اور جو جو تقصیرین مجھ سے ابتداے جوانی اور ناتجربہ کاری مین ہو گئی ہین اُن کا بدلہ آخر عمر مین ادا کرون اور تاجرون کا بھی یہی معمول ہے کہ جب کسی گماشتے کو تجارت کے واسطے کسی طرف بھیجتے ہین تو اُس کو مہلت دیتے ہین کہ چند مدت اپنی راے کے موافق لین دین کرے اور اگر ایک معاملے مین کچھ کھو بیٹھا اور نقصان کیا تو بھی نہین بولتے کہ شاید دوسرے سودے مین کمائے گا اسی طرح عالم برزخ مین بھی جزا دینا حکمت کے خلاف ہے اس لیے کہ ابھی نیکیان اور نتیجے ہر آدمی کے عملون کے اس کی بنی نوع کے باقی رہنے کے سبب سے اس کو چلے آتے ہین پس گویا کہ ابھی جمع خرچ اُس کا برابر نہین ہوا اور حق کے لینے دینے والے بھی ابھی جمع نہین ہوے ہین تا کہ معلوم ہو کہ اُس کا حق کسی پر ہے اور اُس پر کسی کا حق ہے

اور کونسا حقدار اپنا حق معاف کرتا ہے اور کونسا طلب کرتا ہے پس چار و نا چار بدلہ لینے کے واسطے آخرت کا قائم ہونا مقرر ہوا اور اس وقت کے آنے تک حقتعالیٰ بندون کے خیر وشر کے اعمال کو دیکھتا ہے سو یہ ہرگز غفلت نہین ہے **والبعث بعد الموت** اور کہے کہ مین موت کے بعد اٹھنے یعنی زندہ ہونے پر ایمان لایا عاقل و مجنون وصبی وجن وشیاطین وبہائم وطیور اور حشرات کل اٹھینگے بسبب عموم قول حق تعالےٰ کے قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ وہو بکل خلق علیم یعنی تو کہہ کہ اُن کو وہ جلائے گا جس نے کہ اُن کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب پیدا کرنا جانتا ہے ظاہر ہے کہ جس نے اول عدم صرف اور نابود محض سے پیدا کیا اور کتم عدم سے وجود مین لایا وہ بار دیگر بھی پیدا کرنے پر قادر ہے سورۂ روم مین ہے وہو الذی یبدء الخلق ثم یعیدہ وہو اہون علیہ یعنی وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اُس کو دوہرائیگا اور یہ کام اُس پر آسان ہے۔

فلاسفہ حشر اجساد کے منکر ہین

فلاسفہ حشر اجساد کے منکر ہین اس لیے کہ معدوم کا اعادہ بشخصہ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ حشر اجساد سے ہماری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ انسان کے تمام اجزاے اصلی کو جمع کرکے اُس مین روح داخل کر دے گا اب تم اس کا نام اعادۂ معدوم بعینہ رکھو یا نہ رکھو اختیار ہے اور ان کا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ اگر ایک انسان دوسرے انسان کو کھالے اور وہ اس کا جزو بدن بالکل ہو جائے حشر کو اجزا کا یا تو ان دونون مین اعادہ ہوگا یا صرف ایک مین پہلی صورت محال ہے اور دوسری صورت مین لازم آتا ہے کہ ایک کا اعادہ اُس کے تمام اجزا کے ساتھ نہین ہوا

جواب

جواب اس کا یہ ہے کہ اعادہ اُن اجزاے اصلیہ کا ہوگا جو ابتداے عمر سے آخر تک باقی رہتے ہین اور کھائے ہوئے اجزا فضلہ ہوتے ہین اصلی نہین ہوتے۔ اگر معترض یہ کہے کہ اس ساری تقریر سے تناسخ لازم آتا ہے اس لیے کہ روح پہلے جس

جسم مین تھی وہ اور تھا اور جس جسم مین اعادہ کرے گی وہ اور ہوگا چنانچہ ابوہریرہ
کی حدیث مین ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اہل الجنۃ جرد مرد کحلے
لا یفنے شبابہم ولا یبلے ثیابہم رواہ الترمذی والدارمی یعنی بہشتی بے بال کے
امرد ہونگے آنکھین اُن کی سُرمگین ہون گی کبھی اُنکی جوانی فنا نہو گی اور نہ کبھی اُن کے جنتی
کپڑے پرانے ہونگے اور ابن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا یعظم اہل النار فی النار حتے ان بین شحمۃ اذن احدہم الے عاتقہ
مسیرۃ سبعمأۃ عام وان غلظ جلدہ سبعون ذراعا وان ضرسہ مثل اُحد رواہ احمد
یعنی دوزخ مین دوزخیون کے بدن اتنے بڑے ہو جائینگے کہ ان مین سے ایک
شخص کے کان کی لو سے کندھے تک سات سو برس کی راہ کا فاصلہ ہوگا اور کھال
کا موٹاپا ستر گز ہوگا اور دانت کوہ احد کی برابر ہونگے جواب اس کا یہ ہے کہ تناسخ
اس صورت مین لازم آتا کہ جسم ثانی جسم اول کے اجزاے اصلیہ سے نہ بنتا اور
حشر اجساد کے یہ معنے ہین کہ اللہ تعالے مردون کے اجزاے اصلی زمین اور
دریا اور جانورون کے پیٹون مین سے جہان جہان ہونگے ان کو جمع
کرکے پہلی شکل پر تیار کرے گا اور پہلے بدن سے ایک ادنے جز بھی متبدل نہوسکیگا
اور اس قالب مین اور پہلے مین مطلقا فرق نرہے گا اُس وقت روح اس مین داخل
کی جاے گی پس جس جسم مین روح آئے گی وہ وہی ہوگا جو دنیا مین تھا اور وجہ حشر اجساد
حشر اجساد کی وجہ یہ ہے کہ جبکہ روح اور جسد دونون طاعت و معصیت مین شریک
ہین اور امر و نہی اور وعد و وعید دونون کے حق مین وارد ہین تو اسلیے دونون کو ثواب
یا عذاب پہونچانا منظور الٰہی ہوا اور یہ مصلحت جب ہی پوری ہوسکے گی کہ جو بدن
دنیا مین تھا وہی اس وقت بھی ہو کیونکہ ثواب و عذاب اسی کو پہونچانا ہے امام فخر الدین
رازی رح نے کہا ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لائے ہین اس پر ایمان ۲۰

نے کو حشر جسمانی کے انکار کے ساتھ جمع کرنا ممکن نہین اس لیے کہ قرآن مین کئی جگہ
حشر جسمانی کی تصریح اس طرح پر موجود ہے کہ اُس کی تاویل ممکن نہین اسی طرح قدم
عالم اور حشر جسمانی کا جمع کرنا ناممکن ہے اس لیے کہ اگر نفوس ناطقہ غیر متناہی ہونگے
جیسا کہ قدم عالم کا مقتضے ہے تو حشر جسمانی اون پر ممتنع ہوگا اس لیے کہ تمام نفوس ناطقہ
کے حشر کے لیے ابدان غیر متناہی اور مکانات غیر متناہی کا موجود ہونا ضرور ہے
حالانکہ یہ بات کتب فن مین ثابت ہو چکی ہے کہ ابعاد متناہی ہین **والقدر خیرہ و
شرہ من اللہ تعالے** اور اس پر ایمان لاے کہ خیر و شر دونون اللہ کی
تقدیر سے ہوتے ہین یعنی مقدر کرنے والا اور پیدا کرنے والا خیر و شر کا
حق تعالے ہے چنانچہ سورۂ نساء مین ہے قل کل من عند اللہ تو کہہ سب اللہ کیطرف
سے ہے اور جن کو یہ زعم ہے کہ خیر اور شر کا تقدیر کرنے والا سوا اللہ کے اور کوئی ہے
وہ کافر ہین اور اگر وہ موحد ہین تو اُن کی توحید اس اعتقاد سے باطل ہوگئی اور قدر
مصدر ہے مراد یہان اس سے مقدر ہے قدر کے معنے ہین مقرر کرنا حق تعالیٰ
کا ہر چیز کو اپنے مرتبے مین کہ اس طرح پائی جاے گی بُرائی ہو یا بھلائی مجوس
کہتے ہین کہ عالم مین خیر و شر زیادہ پاے جاتے ہین اور ایک ذات شریر اور صاحب
خیر نہین ہو سکتی پس ہر ایک کے لیے علٰحدہ فاعل ہے فاعل خیر نور ہے اور فاعل
شر ظلمت نور کا نام یزدان ہے اور جتنی اچھی چیزین اور نورانی ہین اوس کی پیدا کی
ہوئی ہین اور ظلمت کا نام اہرمن ہے اور اُس کو قوت تاثیر مین یزدان کے برابر جانتے
ہین اور کہتے ہین کہ جتنی چیزین تاریک اور ایذا دینے والی ہین اور سب بدیان اور
بُرائیان اُس کی پیدا کی ہوئی ہین اور ہمیشہ یزدان کے لشکر اور اہرمن کے لشکر
سے جھگڑا قضیہ رہتا ہے سو کبھی یزدان غالب ہو جاتا ہے اور اُس کا حکم جاری
ہوتا ہے تو عالم مین بھلائیان غالب ہوتی ہین اور کبھی اہرمن کا لشکر زور کرتا ہے

مجوس

تو عالم مین برائیان پھیل پڑتی ہین مگر یہ راے اون کی باطل ہے اس لیے کہ نور و ظلمت
عرض ہین اور اُن کے فاعل ماننے کی صورت مین جسم کا قدم لازم آتا ہے اور خالق
کا جسم کیطرف محتاج ہونا لازم ہوتا ہے مجالس الابرار مین لکھا ہے کہ ایمان لانا تقدیر پر
واجب ہے اور مراد تقدیر پر ایمان لانے سے یہ ہے کہ جانے کہ جو کچھ عالم مین ہوتا
ہے خیر اور شر نفع اور ضرر اسلام اور کفر طاعت اور عصیان ارادہ اور خطرہ حرکات اور
سکنات سب کچھ اللہ ہی کی قضا و قدر سے ہوتا ہے **والحساب** اور اس بات
پر ایمان لانے کہ قیامت مین بندون کے نیک و بد کام کا حساب ہوگا اگرچہ سب کچھ
خدا تعالے کو معلوم ہے اور اُس پر روشن ہے ولیکن یہ اس لیے کرینگے تاکہ اُن پر
حجت ہو اور خلائق پر روشن ہو یہ حساب قرآن مجید اور احادیث صحیح سے ثابت ہے
پس اس کا اعتقاد واجب ہے سورۂ زخرف مین ہے ستکتب شہادتہم ویسئلون یعنی اُن
کی گواہی لکھ رکھین گے اور اُن سے پوچھ ہوگی اور سورۂ نحل مین ہے لتسئلن عما کنتم
تعملون یعنی تم جو کام کرتے تھے تم سے اُس کی پوچھ ہونی ہے اور حدیث مین آیا ہے
کہ بندے کا قدم اپنی جگہ سے اوس وقت تک نہین ڈگ مگاتا جب تک چار چیزون
کا اُس سے سوال نکیا جاے ایک یہ کہ اوس نے اپنی عمر کس چیز مین کھوئی دوسرے
اُس نے اس عمر مین کیا کام کیا تیسرے اُس نے مال کہان سے کمایا اور کہان صرف
کیا چوتھے اُس نے اپنا جسم کس چیز مین پرانا کیا اس حدیث کو ترمذی نے روایت
کیا ہے اور حساب حشر مین اختلاف ہے بعض کہتے ہین کہ اللہ تعالے ایک بار ہی
سب کا حساب کرے گا اور اللہ کی بات ایک کی دوسرے کے ساتھ اس طرح نہوگی
کہ مختلط ہو جاے یا ایک سے بات کرنا دوسرے سے بات کرنے کو حارج ہو اور
بعض کہتے ہین کہ اللہ تعالے کے حکم سے ملائکہ علیحدہ علیحدہ حساب کرینگے وجہ اس
کی یہ ہے کہ اگر اللہ خود کفار سے حساب لے گا تو اُن سے بات کرنا پڑے گی حالانکہ وہ

ان کے حق مین فرما چکا ہے لایکلمھم اللہ یعنی اللہ اُن سے بات نہین کرے گا بخاری مسلم نے بی بی عائشہ سے روایت کی ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لیس احد یحاسب یوم القیامۃ الا ہلک قلت اولیس یقول اللہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا فقال انما ذلک العرض ولکن من نوقش فی الحساب یہلک یعنی جناب سرور کائنات نے فرمایا کہ جو شخص قیامت کے دن حساب کیا جاے گا تو وہ ہلاک ہوگا حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالے نے یہ نہین فرمایا ہے اما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا یعنی جس شخص کو نامۂ اعمال دہنی طرف سے دیا جاے گا اوس سے آسانی کے ساتھ حساب کیا جاے گا حضرت نے جواب دیا کہ جس حساب کے باب مین اللہ تعالے نے سہولت وآسانی برتنے کے لیے فرمایا ہے یہ عرض محض اور صرف بیان کرنا ہے جیسے کہین کہ تو نے یہ کیا اور تو نے وہ کیا بغیر اسکے کہ اُس سے کد وکاوش کرین اور اُس پر دقت ڈالین اور حساب مین جس پر گرفت ہوگی اور پورا حساب لیا جاے گا تو قلیل وکثیر مین سے کچھ نہ چھوڑا جاے گا وہ ہلاک کیا جاے گا اور حساب حقیقت مین یہی ہے اور اول عرض واظہار ہے حدیث اور قرآن کے مضمونون مین تطبیق کی یہی صورت ہے کہ آیت مین حساب سے مراد عرض ہے اور مطلب اس سے یہ ہے کہ اعمال ظاہر کرینگے اور گناہگار اون اعمال کا اقرار کرے گا پھر اظہار فضل کی غرض سے اُس سے درگذر کیا جائیگا اور حدیث مین حساب سے مراد مناقشہ ہے کہ اظہار عدل کی غرض سے گرفت کیجائیگی والمیزان اور ایمان لاے ترازو پر جو نیکیون اور بدیونکے تولنے کیلیے قائم کیجائیگی اُسکا ایک پلہ نورانی ہوگا اور دوسرا ظلمانی ہرگا وسعت ہر پلے کی پانسو برس کی راہ ہوگی اور بعض کہتے ہن کہ آسمان اور زمین کے برابر وسعت ہوگی اور بعض نے مشرق سے مغرب تک وسعت کا اندازہ لکھا ہے بعض نے لکھا ہے کہ ترازو کا ہونا تو حق ہے مگر معلوم نہین کہ کس مقام پر قائم ہوگی جو قادر ایسا ہے کہ جسنے ستارونکو معلق کر رکھا ہے وہ ترازو

بھی آویزان کرسکتا ہے اللہ نے سورۂ انبیا مین کہا ہے ونضع الموازین القسط
لیوم القیامۃ یعنی ہم انصاف کی ترازوین قیامت کے دن رکھین گے بعض معتزلہ کہتے
ہین کہ میزان کا ہونا جائز ہے مگر ثبوت کے قائل نہین اور بعض معتزلہ کہتے ہین کہ یہ بات
محال ہے اور کہتے ہین کہ قرآن مین جو وزن اور میزان کا ذکر ہے اوس کا یہ مطلب
ہے کہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا اس مین ذرا فرق نہوگا اور اس بیان سے
دراصل ترازو مراد نہین والجنۃ اور جنت پر ایمان لاے جنت اصل لغت مین چھپانے
کے معنے مین ہے بعد اس کے لفظ جنت سایہ دار درختون کا نام ہوگیا کیونکہ یہ بھی
اُس چیز کو ڈھکتے ہین جو ان کے نیچے ہوتی ہے پھر باغ کا نام ہوگیا کیونکہ اوس
مین سایہ دار درخت ہوتے ہین اس کے بعد دار ثواب کی طرف نقل کیا گیا جو
بہشت ہے بیہقی کہتے ہین کہ قرآن وحدیث اس پر دلالت کرتے ہین کہ جنتین چار ہین
اللہ تعالےٰ نے سورۂ رحمان مین فرمایا ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان جو شخص اپنے
رب کے سامنے کھڑے رہنے سے ڈرے اُسکے واسطے دو بہشتین ہین اور اُن
کا وصف بیان کیا پھر فرمایا ومن دونہما جنتان اور ان دونون جنتون کے سوا دو جنتین
اور ہین اور ان کا وصف بیان کیا اور ابو موسے سے مروی ہے کہ جناب
سرور کائناتؐ نے فرمایا جنتان من فضۃ آنیتہما وما فیہما وجنتان من ذہب آنیتہما
وما فیہما اخرجہ الشیخان والترمذی یعنی دو بہشتین ایسی ہین جن کے برتن اور جو
کچھ اون مین ہے چاندی کے ہین اور دو جنتین ایسی ہین جن کے برتن اور جو کچھ
اُن مین ہے سونے کے ہین اور بعید نہین کہ مراد جنتان سے جنت کی دو قسمین ہون
جن مین سے ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی ہے اور مؤید اس کے یہ ہے
کہ جنت کے دروازے اور طبقے آٹھ ہین جنت عدن جنت الفردوس جنت الخلد
جنت النعیم جنت الماوے دار السلام دار القرار دار المقامہ سید احمد خان اپنی تفسیر

مین لکھتے ہین یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے اُس مین سنگ مرمر
اور موتی کے جڑاؤ محل ہین باغ مین شاداب سرسبز درخت ہین دودھ اور شراب
اور شہد کی ندیان بہ رہی ہین ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے ساقی ساقنین نہایت
خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوے جو ہمارے یہان کی گھوسنین پہنتی ہین
شراب پلا رہی ہین ایک جنتی ایک حور کے گلے مین ہاتھ ڈالے پڑا ہے ایک
نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے ایک نے لب جان بخش کا بوسہ
لیا ہے کوئی کسی کونے مین کچھ کر رہا ہے کوئی کسی کونے مین کچھ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہی
اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اُس سے ہزار درجہ بہتر ہین اس
امر کے ثبوت کے لیے کہ بانی مذہب کا ان چیزون کے بیان کرنے سے صرف
اعلےٰ درجے کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا نہ واقعی اِن
چیزون کا بہشت مین موجود ہونا ایک حدیث کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہون جو ترمذی
نے بریدہ سے روایت کی ہے اُس مین بیان ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت
سے پوچھا کہ بہشت مین گھوڑا بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو سرخ یاقوت کے
گھوڑے پر سوار ہو کر جہان چاہے گا دوڑتا پھرے گا پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت
وہان اونٹ بھی ہوگا آپ نے فرمایا کہ وہان جو کچھ چاہو گے سب کچھ ہوگا پس اس
جواب سے مقصود یہ نہین ہے کہ درحقیقت بہشت مین اونٹ اور گھوڑے موجود
ہونگے بلکہ صرف اُن لوگون کے خیالمین اُس اعلےٰ درجے کی راحت کا خیال پیدا کرنا
ہے جو اُن کے خیال اور اُن کی عقل وفہم وطبیعت کے مطابق اعلےٰ درجے کی
جواب ہوسکتی تھی انتہے کلام السید قرآن مین جابجا صفت جنت کی مذکور ہے اور حدیثون
مین بھی صفت جنت کا ذکر ہے اس قسم کی آیتون اور حدیثون کے جمع کرنے سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اپنے مقبول بندون کے لیے بہشت مین ان سامانون

کا وعدہ کیا ہے وہان حورین اور غلمان ہونگے اور عمدہ عمدہ مکان اور باغ ہونگے اور عمدہ عمدہ شرابین ہون گی اور طرح طرح کے عیش وعشرت کے سامان بھی ہونگے اور ایسی نعمتین ہونگی کہ نہ کسی نے دیکھین نہ سنین نہ کسی کے دل مین خیال گذرا اس قدر ماہیت جنت کی خدا اور رسول نے تبلائی ہے اور اسی وجہ سے تمام مسلمانون کا یہی اعتقاد ہے چنانچہ نووی نے شرح مسلم مین لکھا ہے اہل سنت اور عام مسلمانون کا مذہب یہ ہے کہ اہل جنت کھاتے اور پیتے ہین اور اوس کی طرح طرح کی نعمتون سے ہمیشہ لذت حاصل کرتے ہین اور نعمات بہشت کبھی تمام نہونگی اور اہل بہشت جنت مین اوسی طرح نعمت حاصل کرین گے جس طرح اہل دنیا حاصل کرتے ہین مگر دونون کی نعمتون مین باعتبار خوبی اور لذت ونفاست کے بڑا فرق ہے دنیا کی نعمتین جنت کی نعمتون کے ساتھ صرف نام اور اصلی ہیئت مین مشارکت رکھتی ہین اہل جنت کو نہ پیشاب ہوگا نہ پاخانہ اور نہ ناک سے ریزش ہوگی اور نہ منھ سے تھوک آئے گا انتہے اور آیات محکمات اور احادیث صحیحہ صفت جنت مین جو آئی ہین اُن کے سیاق سے یا کسی اور قرینہ عبارت سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ تمام تصریحات سے مراد وہ نہین ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ مین آتا ہے اور نہ کوئی محال عقلی ان چیزون کے وقوع پر قائم ہے اور نہ کوئی دوسری چیز ان کی معارض ثابت ہوئی یہی معنے اس کے صحابہ اور تابعین اور اُس زمانے کے اہل عرب نے جو اہل لسان اور اصل مخاطب قرآن کے تھے سمجھے اور اسی پر مسلمانون کا اجماع آج تک قائم رہا پس بغیر معارض اور بغیر کسی قرینے اور اشارے اور کسی ضرورت کے محض اپنی رائے سے ان مضامین کو خلاف واقع اور صرف مثال فرض کرنے مین مخالفت اجماع صحابہ وتابعین وجمیع اہل اسلام کی اور تکذیب کلام الٰہی اور احادیث رسول ؐ کی لازم آتی ہے جو درحقیقت کفر ہے اور نیز اس صورت مین بالکل مدلولات لغوی سے

جو محکمات کلام شارع مین ہین اعتماد اوٹھ جاے گا اور کسی آیت یا حدیث کے معنے جو مسلمان سمجھے ہوے ہین قابل اعتماد نہین گے اس واسطے کہ یہی احتمال ہر جگہ جاری رہے گا کہ شاید جو معنے آج تک تمام مسلمان سمجھ رہے ہین وہ خلاف نفس الامر ہون اور تمام دین ملعبۂ جہال بن جائے گا اور غرض خطاب کی بالکل مفقود ہو جائے گی۔

انجیل سے جنت کی حقیقت کا ثبوت

مکاشفات انجیل مین بھی جنت کا بیان ہے اور باب اول کی آیت ۱ و ۲ مین اسکو شہر مقدس کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور باب ۲۱ آیت ۴ مین ہے کہ اُن کی آنکھون سے ہر ایک آنسو پونچھے گا اور پھر نہ موت ہوگی اور نہ غم اور نہ نالہ اور نہ پھر دکھ ہوگا کیونکہ اگلی چیزین گذر گئین اور یہ بیان موافق ہے آیات قرآنیہ کے آیت ۱۸ اور اُس کی دیوار یشب کی بنی تھی اور وہ شہر خالص سونے کا شفاف شیشے کی مانند تھا آیت ۱۹ اور اُس شہر کی دیوار کی نیوین ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھین پہلی نیو یشب کی دوسری نیلم کی تیسری شب چراغ کی چوتھی زمرد کی پانچوین عقیق کی چھٹی لعل کی ساتوین سنہرے پتھر کی آٹھوین فیروزے کی آیت ۲۱ مختصراً ہر ایک دروازہ ایک موتی کا اور سڑک خالص سونے کی شفاف شیشے کے مانند آیت ۲۳ مختصراً اور وہ شہر سورج کا محتاج نہین اور نہ چاند کا کہ وہ اُس کو روشن کرین کیونکہ خدا کے جلال نے اُسے روشن کر رکھا ہے اور یہ مطابق ہے قرآن اور حدیث کے چنانچہ

قرآن مین ہے وجزاهم بما صبروا جنة وحريرا متكئين فيها على الارائك لا يرون فيها شمسا الآیہ یعنی اُن کو صبر کے بدلے مین بہشت اور ریشمی پوشاک دی اُس مین تختون پر تکیہ لگاے ہونگے اور وہان سورج کو نہین دیکھین گے اور احادیث مین آیا ہے کہ جنت مین عرش کی روشنی ہوگی آیت ۲۷ کوئی چیز ناپاک یا نفرت انگیز یا جھوٹ

اُس مین کسی طرح نہ آئے گا قرآن مین بھی اللہ نے فرمایا ہے لا یسمعون فیہا لغواً

ولا تاثیما یعنی وہان بیہودہ اور گناہ کی بات سننے مین نہ آئے گی باب ۲۲ آیت

 شرح فقہ اکبر

اول پھر اُس نے آب حیات کی ایک صاف ندی مجھے دکھائی جو بلور کی طرح شفاف
اور خدا کے تخت سے نکلتی تھی شاید یہ نہر تسنیم کا بیان ہے جو عرش سے نکلتی ہے
آیت ۴ اور وہ اُس کا منہ دیکھیں گے یعنی وہاں دیدار الٰہی ہوگا جیسا کہ قرآن سے
ثابت ہے آیت ۵۔ اور وہاں رات نہو گی اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے
محتاج نہونگے اور وہ ابد الآباد بادشاہت کرینگے قرآن مین بھی خلود اور خالدین فیہا
آیا ہے کہ وہاں اہل جنت ہمیشہ رہینگے ۔**والنار** اور دوزخ پر ایمان لائے دوزخ کے سات دوزخ
طبقات اور سات دروازے ہین کہ ایک دوسرے پر لگا ہوا ہے اور ہر دروازے
سے ایک خاص جماعت داخل ہوگی پہلے طبقے کا نام جہنم ہے اس مین عذاب کم
ہوگا اُس کے تلے طبقہ لظیٰ ہے اُس کے تلے سعیر اُسکے تلے حطمہ اُسکے تلے سقر اُسکے
تلے جحیم اُس کے تلے ہاویہ مشرک اور منافق سب سے تلے کے طبقے مین رہینگے
اور امت محمدی کے گناہگار سب سے اوپر کے طبقے مین اور ویل نامی دوزخ مین
ایک گہرا میدان ہے کہ کافر اُس مین چالیس برس تک سفر کرے گا جب اُس کی تہ
کو پہونچے گا اور ایک روایت مین یون بھی آیا ہے کہ اُس مین دوزخیون کی پیپ جمع
ہوا کرے گی اور دوزخ کے قعر مین غی اور آثام نام دو نہرین ہین جو دوزخیون کی پیپ
سے بھری رہتی ہین اور موبق نام ایک گہرا بیابان ہے جو قیامت کو کافرون اور مسلمان دوزخیون
کے درمیان حائل ہوگا اور جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید مین جو
صعود واقع ہے چنانچہ سارہقہ صعودا (یعنی قریب ہے کہ مین اُس کو صعود پر چڑھاؤنگا)
یہ ایک پہاڑ ہے آگ کا جس پر کافر ستر برس چڑھایا اور ستر برس اوس سے دوزخ
مین گرایا جائے گا اور ہمیشہ چڑھنے اوترنے مین رہے گا اخرجہ الترمذی عن ابی سعید
اور حضرت نے فرمایا ہے ان فی جہنم لوادیا یقال لہ ہبہب یسکنہ کل جبار رواہ
الدارمی عن ابی بردہ عن ابیہ یعنی جہنم مین ایک نالہ ہے جس کا نام ہبہب ہے

اس مین ہر سرکش متکبر رہے گا **فائدہ** بعض احادیث سے جو دوزخیون کے بدن کا بڑھ جانا مستفاد ہوتا ہے تو مقصود اس مٹاپے سے یہ ہے کہ عذاب زیادہ ہو اور مٹاپے کی مقدارون کا اختلاف تعذیب کے مطابق ہوگا یعنی جس کو عذاب زیادہ دینا ہوگا اس کا قد بھی بھاری ہوجائے گا تاکہ زیادہ جگہ مین بیٹھے اور عذاب زیادہ اوٹھائے اور جس کو عذاب کم دینا منظور ہوگا اس کا مٹاپا بھی کم ہوگا تاکہ کم جگہ مین بیٹھے اور کم معذب ہو **وذلک کلہ حق** اور وہ سب حق ہے اور بعض نسخون مین حق کلہ واقع ہے اسلام کا طریقہ اور ایمان کا نشان یہ ہے کہ جب ایسی کوئی مشکل بات جو عقل مین نہ آئے اور آدمی اس کی حقیقت اور کنہ دریافت نکر سکے پیغمبرون کی زبان سے یقیناً سنے تو فی الفور اوس پر ایمان لے آئے اور اسے مان لے اسی کا نام ایمان اجمالی ہے کہ دائمی سعادت کا موجب اور نجات کا سبب ہے اور زیادہ غور و تلاش اس کے احوال اور خصوصیات مین نکرے ورنہ مطلب اصلی کہ ایمان مجمل ہے ہاتھ سے نکل جائے گا خرابی مین پڑے گا کچھ حاصل نہوگا **واللہ تعالے واحد** اور اللہ تعالے اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہین قرآن پاک مین توحید کی دلیلین بے گنتی آئی ہین ایمان درست کرنے کے لئے وہی دلیلین اہل علم و ایمان کے نزدیک کافی اور شافی ہین کسی دوسرے شخص کے بیان و برہان کی حاجت نہین قال اللہ تعالیٰ الٰھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم یعنی تمھارا معبود ایک ہے وہی اللہ جو رحمت والا ہے اس مین شریک قسیم اور شبیہ کی نفی ہے اس طرح پر کہ اللہ اپنے افعال مین ایک ہے اس کی مصنوعات مین کوئی اوس کا شریک نہین ہے اپنی ذات پاک مین ایک ہے کوئی اس کا قسیم نہین ہے اپنی صفات مین ایک ہے خلق مین سے کوئی شے اوس کے مشابہ نہین ہے اسی کی مؤید دوسری آیت ہے مامن الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہین اس مین مجوس

اور نصاریٰ وغیرہ پر رد ہے مجوس کہتے ہین کہ عالم کے دو خالق ہین یزدان
و اہرمن قال تعالےٰ لا تتخذوا الٰہین اثنین یعنی تم دو خدا نہ ٹھہراو آدم علیہ السلام کے
بعد سب سے پہلے زمین والون کی طرف نوح ہی رسول ہوکر آئے تھے انسے پہلے جو قرن
گذر چکے تھے وہ سب شریعت حقہ پر تھے اُنکے زمانے مین شرک عام ہو گیا تھا خاص
انکی قوم تو بالکل مشرک خالص تھی اللہ نے اُنکی ہدایت کے لیے اُنکو بھیجا جب قوم
نے انکا کہنا نہ مانا تو طوفان آیا سب ڈوب گئے وہی چند موحد بچے جو ایمان لائے
تھے اور انکے بعد جو پیغمبر وقتاً فوقتاً آتے رہے وہ سب یہی پیغام لایا کئے کہ توحید
اختیار کرو شرک سے بچو جب اُنکی قومون نے نہ مانا تو عذاب الٰہی آتا رہا قال
اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدونی یعنی جو کوئی
رسول تجھ سے پہلے آیا اُس کو ہم نے یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہین ہے
سو تم سب میری ہی عبادت کرو گویا توحید مجمع علیہ جمیع رسل ہے پھر سب کے بعد ہمارے رسول
صلے اللہ علیہ وسلم آئے وہ بھی یہی کہتے آئے کہ اللہ کو ایک سمجھ کر اُسی کی عبادت تنہا
بلا شرکت غیر کرو قل امرت ان اعبد اللہ ولا اشرک بہ الیہ ادعو والیہ ماٰب یعنی مجھکو
یہ حکم ہے کہ مین اللہ کی عبادت کرون کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤن اسی کی طرف
لوگون کو بلاؤن اسی کی طرف لوٹنا ہے قال اللہ تعالےٰ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم
الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون اے لوگو تم اپنے رب کی عبادت کرو جس
نے تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا ہے شاید تم ڈرو امام فخر الدین
وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس آیت سے وجود صانع عالم پر استدلال کیا
ہے اور تفسیر ابن کثیر مین آیا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے توحید باری تعالےٰ پر یعنی اُس
کی عبادت مین کسی کو شریک نکرے سو جس طرح اس آیت کو وجود صانع پر دلالت
ہے اسی طرح یہ آیت توحید عبادت پر بھی دال ہے بلکہ بطریق اولےٰ کیونکہ جو کوئی

شخص ان موجودات سفلیہ وکائنات علویہ اوران کے اختلاف اشکال والوان وطبائع ومنافع مین تامل کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ ان اشیاء ومنافع کو کس طرح پر اون کی جگہون مین کسی عمدہ طریق وصنع بدیع وطرز مرغوب سے رکھا گیا ہے تو ضرور یہی قدرت وحکمت وعلم واتقان وعظمت وشان خالق وصانع ان اشیا کو معلوم کرلے گا اور عمران بن حصین سے بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے سوال اہل یمن کے جواب مین کہا کان اللہ ولم یکن شیئے قبلہ یعنی ازل مین ایک اللہ تھا اور کوئی شے اسکے ساتھ وہان نہ تھی یہ دلیلین منقولی دلالت کرتی ہین کہ حق جل شانہ واحد ہے عیسائی کہتے ہین کہ خدا ان تین کا مجموعہ ہے باپ بیٹا روح القدس اور یہ تین اقنوم یعنی حصے یا ٹکڑے یا جز ہین اور یہ بالکل محال عقلی ہے اسکے ابطال مین علمانے بہت سی دلائل عقلیہ قائم کی ہین جن کا جواب آج تک پادریون سے نہوا نہوگا اور میرے نزدیک تو اس بدیہی البطلان بات پر دلیل کی بھی حاجت نہین کیونکہ ہر انسان اپنی فطرت کی وجہ سے جان سکتا ہے کہ یہ تینون چیزین اپنے وجود اور تشخص اور خدائی مین مستقل ہین یا نہین اگر ہین تو تین خدا ہونے مین کیا حجت ہے پھر ایک کہنا چہ معنے دارد اور اگر نہین تو پھر ایک کو خدا کہنا اور ازلی سمجھنا محض لغو ہے اور ان اجزاے غیر مستقلہ سے جو مرکب ہے اسکا کیا نام ہے وہ خدا ہے یا نہین اگر ہے تو دو خدا مستقل پھر بھی ماننے پڑے ایک تو یہ کہ جو مجموعہ مرکب ہے دوسرا باپ جو اس مجموعے کا جزو سوئم ہے اور اگر کہو کہ مجموعے کا نام باپ ہے تو پھر تین جز کہان بلکہ دو رہینگے ایک بیٹا دوسرا روح القدس اس عقیدے کی تغلیط مین یہ آیت نازل ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ وما من الہ الا الہ واحد یعنی جو لوگ تین مین کا تیسرا خدا بتاتے ہین وہ کافر ہین اور سواے ایک معبود کے کوئی معبود نہین اگر کوئی عیسائی کہے کہ تثلیث باعتبار تعدد اعتباری کے ہے نہ باعتبار تعدد شخصی کے تو یہ بھی دو وجہ سے غلط ہے وجہ اول یہ کہ خداے تعالے

کی نسبت اگر تعدد اعتباری باعتبار اس کی تعدد صفات کے لیجئے تو صفات غیر محصورہ کا تعدد نکلے گا نہ کہ تین صفات کا دوسری وجہ یہ کہ عیسائیون کی ساری دینی کتابین اس مضمون سے بھری ہوئی ہین کہ بیٹا باپ سے متولد ہوا اور دونون سے روح القدس ہوا چنانچہ کتاب نماز اور عقائد وغیرہ کی جو فارسی زبان مین ترجمہ ہوکر ۱۸۳۰ء عیسوی مین کلکتے مین چھپی ہے اُس کے عقائد مقدس اتھاناسییس مین لکھا ہے پسر فقط از پدر ست و متولد ست و روح القدس از پدر ست و از پسر ست و متخرج ست پس ایک چیز سے ایک کا پیدا ہونا صریح اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اقانیم ثلثہ مین ویسا تعدد نہین جیسا ذات اور صفات مین ہے اور جب ایسا نہ ٹھہرا بلکہ ایک سے دوسرے کا نکلنا ثابت ہوا تو تینون کے مرتبے کی مساوات باطل ٹھہری اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جو نکلا وہ موخر ہے اور جس سے نکلا وہ رتبۃً اور ذاتاً مقدم ہے غرض کہ ان دونون باتون کا معاً قائل ہونا یعنی بیٹے کو صادر اور باپ کو مصدر قرار دینا اور دونو کو مرتبے مین مساوی جاننا اجتماع النقیضین کا قائل ہونا ہے اور اگر صادریت اور مصدریت کے اعتبار سے قطع نظر کی جاے تو تعدد شخصی نہ نکلے گا اور جب تعدد شخصی نہ نکلا تو تثلیث بھی نہ نکلے گی اور جو مرتبہ صادریت سے اوپر مصدریت کا ہے اُسکی نسبت ہر چیز کی طرف برابر ہے کچھ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی خصوصیت نہین سارا عالم اسی کا ظہور ہے ہان اتنی بات البتہ مسلم ہے کہ ہر چند جو چیز موجود ہے اس کے موجود ہونے کے یہی معنے ہین کہ واجب الوجود کی شان ارادی کی طرف منسوب ہے گو وہ نسبت معلوم نہین ہوسکتی معہذا کوئی برہان عقلی اس بات کے امتناع پر قائم نہین ہے کہ بعض موجودات مین واجب الوجود کی شان ارادی کا ظہور اقدم اور اتوے ہو اور اُس موجود کی نسبت اُس کی طرف بنظر اور موجودات کی نسبتون کے اشرف اور اعلےٰ ہو مثلاً نفس ناطقہ کو بدون اس کے کہ جزو بدن ہو سارے بدن سے علاقہ ہوتا ہے مگر وہ

نفس ناطقہ کا بدن سے علاقہ

علاقہ جو دل اور دماغ کے ساتھ ہے اقوے اور اعلے ہے اُس علاقے سے جو پانون کیساتھ ہے اسلیے پانون کے کچل جانے سے بشر بشریت سے باہر نہین ہوتا بخلاف دل و دماغ کے کہ اُن کے کچل جانے سے بشر بشر نہین رہتا اسی طرح عقلاً جائز ہے کہ اُس ہوا کے ساتھ جو بقول صاحب توریت عدن مین صبح کے وقت ایکبار چلی اور آدم نے اس مین سے خطاب پر عتاب سنا اور اُس نور کے ساتھ جو ہمرنگ آتش وادی ایمن مین حضرت موسےؑ کو ایک درخت پر نظر آیا اور اُس ابر کے ساتھ جو خیمۂ مقدس موسوی پر گھر جاتا تھا اور اسی طرح اُس جسم اقدس کے ساتھ جو مریم کے پیٹ سے ظاہر ہوا اور اُس بدن اطہر کے ساتھ جو آمنہ کے بطن سے جلوہ گر ہوا مبدأ کل واجب الوجود کی نسبت ایسی اقوے اور اشرف ہو کہ ویسی اور موجودات کیساتھ نہو پس کچھ خصوصیت حضرت عیسےؑ کی اس مین نہین ہے اور نہ حضرت عیسےؑ کی نسبت ایسا ہونا عقلاً محال ہے بلکہ نقلاً اُس کو ماننا چاہیے بشرط تصدیق خاتم النبیین کے ورنہ اب کوئی دلیل حضرت عیسےؑ کے ساتھ اس نسبت ہونیکی ثابت نہو سکے گی -

واجب الوجود کی نسبت بعض مخلوقات کیساتھ اقوی ہونی ممکن ہے

یاد رکھو کہ واحد کا لفظ شریک عددی کی نفی مین اکثر بولا جاتا ہے نہ اجزا کی نفی مین جیسا کہ کہتے ہین زید انسان واحد ہے اگرچہ ہاتھ پیر آنکھ ناک کان اور سوا اس کے اور بہت اجزا رکھتا ہے اور احد اجزا کی نفی مین آتا ہے اسی سبب سے زید کو احد نہین کہتے پس احد وہ ہے کہ کسی طرح سے قسمت اور بانٹ اوس مین نہو سکے اور یہ بات خاص خدا ہی مین پائی جاتی ہے اور کسی مین نہین پائی جاتی -

فرق واحد اور احد مین

لا من طریق العدد یعنی اللہ تعالے کی وحدت عدد کی جہت سے نہین ہے مطلب یہ ہے کہ ان وحدات مین سے نہین ہے جن سے عدد بنتا ہے بلکہ اُس کی وحدت حقیقی ہے پھر اس وجہ سے وہ واحد نہین ہے کہ اُس کو واحد مان لیا گیا ہے بلکہ وہ فی نفسہ وبالذات واحد ہے اور اُس کی وحدانیت ایسی کامل ہے

خدا کی وحدت عددی نہین

کہ خود اس کی ذات سے امتناع تعدد وجود ظاہر ہوتا ہے اور اس کمال کے بعد اس کو یہ وحدت اعتباری عارض ہوئی ہے یہ نہین ہے کہ جب وحدت اعتباری اسکو عارض ہوئی تو وہ واحد کہلایا اور جناب امیرؑ سے کتب امامیہ مین نقل کیا ہے کہ جب واحد کا اطلاق جناب باری پر کیا جاوے تو اُس وقت واحد عددی کے معنون مین نہ لینا چاہیئے کیونکہ ایسے واحد کے واسطے ثانی کا ہونا ضرور ہے جب تک ثانی موجود نہ ہو واحد کا استعمال جائز نہین اور علمانے اس مطلب کو کئی طرح سے بیان کیا ہے کہ اعداد مین واحد پہلے کو کہتے ہین اور پہلا وہان مستعمل ہوتا ہے جہان دوسرا بھی موجود ہو چونکہ حق تعالےٰ کا مثل نہین ہے کہ وہ اس کا دوسرا واقع ہوتا اور حق تعالےٰ اس کا پہلا بنتا اس واسطے حق تعالےٰ کو واحد ان معنون مین نہین کہہ سکتے اور جو واحد جناب الٰہی پر بولا جاتا ہے اُس کے لیے دوسرا ممکن نہین وہ بہمہ وجوہ واحد ہے ایسی وحدت اوسی ذات پاک سے مخصوص ہے اور شمار سے باہر ہے یا ہر واحد کو تصور مین لاسکتے ہین اور جناب الٰہی کا تصور کسی طرح ممکن نہین یا چونکہ خدا کی وحدت اس کی ذات کی عین ہے اور اُس کی ذات کسی کو معلوم اور مدرک نہین ہوسکتی تو اس کی وحدت بھی معلوم اور مدرک نہین ہوسکتی حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے۔

احدست و شمار از و معزول	صمدست و نیاز از و مخذول
آن احد نہ کہ عقل داند و فہم	وان صمد نہ کہ حس شناسد وہم

جامی بھی کہتے ہین

واحدست و بذات خویش احد	وحدتش برتر از شمار و عدد

ولکن من طریق انہ لاشریک لہ لیکن اس طور سے واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہین عمدہ دلیل اللہ تعالےٰ کے شریک کی نفی پر برہان تمانع ہے جو

اس آیت سے بھی مستفاد ہوتی ہے لوکان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا یعنی اگر آسمان وزمین مین بہت سے معبود ہوتے تو جہان کا انتظام بگڑجاتا فی الحقیقۃ ایسے عالم کا بنانے والا اور اُس کا انتظام کرنے والا ایک ہی صانع اور حاکم چاہیئے ایسی بات شرکت مین عمدہ اسلوب سے نہین ہوسکتی شرکت کا معاملہ بُرا ہوتا ہے ایک نہ ایک نقص اور فتور اس مین ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگر دو ہوتے تو دو قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لائق نہوتا اور دونون قدرت والے ہونہین سکتے کیونکہ اُن کے آپس مین مخالفت ممکن ہوگی اگرچہ بالفعل آپس مین اتفاق ہو مثلاً اُن مین سے ایک زید کو مارنا چاہے اور دوسرا اُسی وقت اس کے لیے زندگی چاہے پس ضرور ہے کہ یا اس کے لیے موت ہوگی یا زندگی کیونکہ دونون باتون کا ایک وقت مین پایا جانا محال ہے پس اگر اوس کو موت ہوئی تو جس نے اُس کی زندگی چاہی تھی وہ عاجز ہوگیا اور اگر زندہ رہا تو جس نے اُس کے لیے مرنا چاہا وہ عاجز ہوا بہر تقدیر دونون مین سے ایک کو ضرور عاجز ہونا پڑا اور جو عاجز ہے وہ عالم کا پیدا کرنے والا اور واجب الوجود بھی نہین ہے عاجز ہرگز خدا نہین ہوسکتا **سوال** ممکن ہے کہ دونون اتفاق کرلین یا آپس مین یہ مخالفت ہی ممکن نہو کیونکہ اس سے محال لازم آتا ہے یا دونون کے ارادے ایک شخص پر جمع نہوسکین **جواب** بالفعل اگرچہ اتفاق ہو لیکن مخالفت بھی ممکن ہے کیونکہ ہر ایک کے لیئے زید کے مارنے اور زندہ کرنے کا ارادہ ممکن بالذات ہے اور یہی معنے امکان کے ہین اور یہ محال دو خدا فرض کرنے سے لازم آتا ہے نہ ہکلن اختلاف سے اور دونون کے ارادے کا جمع ہونا بھی ممکن ہے ہان دونون کی مرادین جمع نہین ہوسکتی ہین کہ زید زندہ بھی رہے اور اُسی وقت مر بھی جاے۔

کوئی آدمی ایسا دنیا مین نہین کہ خدا کا شریک جو وجوب وجود اور علم و قدرت اور حکمت مین کسی کو خیال کرے لیکن بہت سے گروہ دوسری باتون مین غفلت کی وجہ سے خدائے تعالے کا شریک مقرر کرتے ہین اور جب غور سے دیکھا جائے تو اُن چیزون مین شریک ماننا ہی ان صفات مین شریک ماننے تک پہونچا دیتا ہے اور انواع شرک کی تفصیل جو عالم مین واقع ہے یہ ہے ایک گروہ عالم کے دو خالق مانتا ہے حکیم جو خیر و نیکی کا خالق ہے اور سفیہ جو بدیون کو پیدا کرتا ہے اس جماعت کو ثنویہ[۱] کہتے ہین اور ان کے مذہب کا بطلان خود ان کی زبان سے ہوتا ہے اس لیے کہ وہ مصنوع احمق کس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر صانع حکیم کا پیدا کیا ہوا ہے تو شر کا صادر ہونا حکیم سے لازم آیا اور اگر آپ ہی آپ موجود ہوگیا تو واجب الوجود ہوا اور واجب الوجود کو کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت لازم ہے کیا وجہ کہ یہ واجب الوجود جاہل اور سفیہ رہا اور دوسرا گروہ جو اپنے آپ کو صابئین کہتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہر چند وجوب وجود اور علم اور قدرت اور حکمت خاص خدا کی ذات سے ہے لیکن اُس نے اس عالم کے کام ستارہاے آسمانی کے سپرد کر دیے ہین اور تمام خیر و شر کی تدابیر اُنکے تفویض فرما دی ہین پس ہم کو لازم ہے کہ ان ستارون کی ارواح کی بغایت تعظیم کرین کہ یہ عبادت ہے تا کہ ہماری کار برآری ان سے ہوتی رہے اور ان کا مذہب بھی ان کی زبان سے باطل ہوتا ہے اس لیے کہ اگر خدا تعالے ہماری عبادت کو جانتا ہے تو یہ عبادت کواکب کی بے حاصل رہی اس وجہ سے کہ جو تقرب ہم کو عبادت الٰہی کرنے سے خدا کے ساتھ حاصل ہوگا وہ ان کواکب کی ارواح کی احتیاج سے مستغنی کر دے گا اور اگر اللہ ہماری عبادت سے واقفیت نہین رکھتا ہے تو اُس کے علم مین قصور ہے اور یہ بھی ہے کہ جو کواکب ہماری کارروائی کرتے ہین اگر اپنی خوشی سے کرتے ہین تو قدرت اور اختیارات مین خدا

[۱] یہ ایک فرقہ ہے مجوس کے کئی فرقون مین سے جو ثنویہ ... کا متبع ہے ۱۲

ثنویہ کا شرک

صابئین کا شرک

کے برابر ہوئے اور قدرت مین شرک لازم آیا اور اگر خدا کے قدرت بخشنے سے کرتے ہین توہم کو کیا ضرور ہے کہ ان وسائط کی عبادت کرین اس لیے کہ جس طرح خدا کی قدرت نے ان وسائط کو ہماری کارروائی کا وسیلہ گردانا ہے اسی طرح ہماری فیض رسانی کا داعیہ وہ ان کے دلون مین ڈال سکتا ہے اور تیسرا فرقہ ہندوون کا ہے وہ یہ کہتے ہین کہ روحانیات غیبی کہ امور عالم کے مدبر ہین رنگ برنگ کی صورتین رکھتے ہین اور ہم سے پردۂ حجاب مین رہتے ہین پس ہم کو واجب ہے کہ اُن روحانیات کی صورتین عمدہ عمدہ اجسام مثلاً پیتل سونا چاندی وغیرہ سے بنا کر پرستش کرین تاکہ وہ ہم سے راضی رہین چوتھے جہال کہتے ہین کہ حقتعالی کی ذات اس بات سے منزہ ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے پس اس کی عبادت کا طریق یہ ہے کہ مخلوقات مین سے کسی کو قبلہ توجہ مقرر کرلیا جائے تاکہ توجہ اس قبلے کی طرف عین توجہ خدا کی طرف ہو اور جو مخلوقات کہ قبلہ بننے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ایک ہی جنس مین منحصر نہین ہے بلکہ جس مین عجیب وغریب خواص ہون وہ اس قابل ہے جیسے دریاون مین سے گنگا کا پانی اور نباتات مین سے تلسی کا درخت اسی طرح حیوانون اور معدنون اور پہاڑون اور پریون مین سے قبلہ بناتے ہین یہ تفصیل اُن لوگون کی ہے جو عبادت مین خدا کا شریک مقرر کرتے ہین اور یہ شرک اکبر ہے صاحب شرک کو مخلد فی النار بنا دیتا ہے اُس کے خون اور مال کو حلال کر دیتا ہے اور اُس سے حرب و قتال کرنا حجت و بلوغ دعوت و وصول علم و ظہور کفر کے بعد واجب ہوتا ہے لیکن ان اشیا کے لیے قیود و شروط ہین جو اپنے محل مین مذکور ہین اور جو لوگ غیر خدا کو عبادت کے علاوہ اور باتون مین خدا کا ہمسر بناتے ہین وہ بہت سے ہین ازانجملہ وہ لوگ ہین کہ ذکر مین اورون کو خدا کا ہمسر کرتے ہین اور اورون کا نام خدا کے نام کی طرح بطریق تقرب کے ذکر

کرتے ہین اور از انجملہ وہ ہین جو جانورون کو غیر خدا کے لیے ذبح کرتے ہین اور ان کی منتین مانتے ہین اور از انجملہ وہ ہین کہ دفع بلاؤن کے لیے اورون سے التجا کرتے ہین یا منافع حاصل کرنے ہین اورون کی طرف رجوع کرتے ہین اور بعض افعال اگرچہ شرک حقیقی یعنی کفر نہین ہین لیکن مشرکون اور بت پرستون کے افعال کے مشابہ ہین اُن سے بھی بچنا لازم ہے جیسے آدمی علما اور فقرا اور بادشاہون وغیرہ کے سامنے زمین کو چومتے ہین اس فعل کے کرنے والے اور جو کہ اس پر خوش ہوتے ہین دونون گناہگار ہوتے ہین کیونکہ یہ فعل حرام اور کبیرہ گناہ ہے اس مین بت پرستی کی مشابہت ہے کذا فی تحفۃ الملوک پس اگر زمین چومنی بطور عبادت یا تعظیم کے ہو تو کفر ہے اور اگر بطور تحیت یعنی ادب کے ہو تو کفر نہین لیکن گناہ کبیرہ ہے کذا فی در المختار بلکہ جس نام مین اضافت عبد کی غیر خدا کی طرف ہو وہ نام رکھنا بھی خوب نہین شیخ عبد الحق دہلوی نے مدارج النبوۃ مین وفود یعنی ایلچیون کے ذکر مین لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبد عوف کا نام عبد اللہ رکھا اور وفد بنی البکا مین عبد عمرو کا نام عبد الرحمن رکھا قرآن پاک مین مذمت اہل شرک کی بے گنتی آیتون مین آئی ہے قرآن مین ایسی آیات بھی آئی ہین جو خاص خاص انبیا بلکہ افضل انبیا اور رسول منیر اس امت کے حق مین اتری ہین اور اون مین بیان کیا گیا ہے کہ شرک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے پس یہ رد شرک کے واسطے کافی ہے بلکہ یہان تک فرمایا ہے انما المشرکون نجس یعنی مشرک نجس ہین شرک کو نجاست ٹھہرایا ہے بعض اہل ظاہر نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ مشرک نجس الذات ہوتا ہے لیکن اہل مذاہب اربعہ کے نزدیک نجس الذات نہین اس لیے کہ ان کا کھانا حلال ہے ان کے برتنون کا استعمال مین لانا جائز ہے حدیث سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے یہی حق ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دیوان اللہ کے نزدیک تین ہین ایک وہ دیوان ہے جس کی اللہ کچھ پروا نہین کرتا ہے دوسرا دیوان وہ ہے جس

زمین بوسی

مشرکوں کی نجاست

مین سے کچھ نہین چھوڑتا تیسرا دیوان وہ ہے جس کو نہین بخشتا سو وہ دیوان جس کو نہین بخشتا
شرک باللہ ہے اس کو احمد نے تفرداً روایت کیا ہے دوسری حدیث انس بن مالک
کی ہے مرفوعاً کہ ظلم تین طرح کے ہین ایک وہ جسکو اللہ نہین بخشتا دوسرا وہ ظلم جس کو بخش
دیتا ہے تیسرا وہ ظلم جس مین سے کچھ نہین چھوڑتا سو وہ ظلم جس کو بالکل نہین بخشتا وہ شرک
ہے شرک کو اللہ نے ظلم عظیم کہا ہے رواہ البزار تیسری حدیث ابوذر کی ہے مرفوعاً اللہ
فرماتا ہے اے میرے بندے اگر تو مجھ سے زمین بھر خطائین لے کر ملے گا پھر تو مجھ سے
ایسی حالت مین ملے گا کہ تو میرے ساتھ کوئی شریک نکرتا تھا تو مین تجھ سے زمین بھر مغفرت
لے کر ملون گا تفرد بہ احمد من ھذا الوجہ حدیث عبادہ بن صامت مین آیا ہے کہ حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت صحابہ سے شرک نکرنے پر بیعت لی تھی متفق علیہ
معاذ نے کہا اے رسول اللہ ایسا عمل بتاؤ جو مجھے جنت مین داخل کرے آگ سے
دور رکھے فرمایا تو نے بڑی بات پوچھی لیکن جسپر اللہ اُسکو آسان کرے آسان ہے
تو عبادت کر اللہ کی اُس کے ساتھ کسی شے کو شریک نکر الحدیث رواہ احمد والترمذی
وابن ماجہ حابر سے مرفوعاً مروی ہے بندے کی ہمیشہ مغفرت ہوتی ہے جب تک
حجاب واقع نہو کہا اے نبی اللہ حجاب کیا ہے فرمایا اشراک باللہ الحدیث رواہ
ابو یعلے بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ جو شخص مرا اور وہ جانتا ہے کہ سوا
اللہ کے کوئی معبود نہین ہے وہ جنت مین جاے گا رواہ مسلم یعنی اگر مرتے وقت
منھ سے کلمہ نکہا اور دلمین اسکے تصدیق تھی تو بھی جنتی ہوگا اہل توحید کیواسطے بہت بڑی بشارت ہے
کیونکہ کبھی آدمی کو ایسا مرض لگ جاتا ہے جس سے زبان بند ہو جاتی ہے زبان سے کوئی بات نہین کہہ
سکتا کلمہ نہین پڑھ سکتا لیکن اگر دلمین اعتقاد صحیح ہے تو یہ بندش زبان اُسکو مضر نہین ہوتی محمد بن ابی بکر قیم
نے اپنی کتاب موسوم بہ جواب کافی مین لکھا ہے کہ اللہ نے رسول اور کتابین اسلیے بھیجی ہین کہ لوگ
عدل اختیار کرین سب سے بڑا عدل یہ ہے کہ موحد ہین کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے عمل کو جتنی

منافات عدل سے زیادہ ہوتی ہے اوتنا ہی گناہ اکبر کبائر ہوتا ہی تفاوت مراتب معاصی کا
مطابق منافات کے سمجھا جاتا ہی جسقدر موافقت عدلسے زیادہ ہوتی ہے اُتنا ہی عمل اوجب
واجبات افرض طاعات ٹھہرتا ہے سو شرک باللہ بالذات مقصود توحید کو منافی ہے
اسی لیے علی الاطلاق اکبر کبائر ٹھہرایا ہے ہر مشرک پر جنت حرام ہے اُس کا مال و
خون مباح ہے اُس کا غلام بنانا اہل توحید کو روا ہے کیونکہ اہل شرک اللہ کی بندگی سے
باہر ہو گئے ہین تارک عبودیت ہین اللہ کوئی عمل کسی مشرک کا قبول نہین کرتا ہے نہ اُس
کے حق مین کسی کی سفارش چلتی ہے نہ آخرت مین کوئی دعا اُس کی قبول ہوتی ہے نہ
کوئی لغزش اُس کی معاف کی جاتی ہے مشرک اجہل جاہلین باللہ ہوتا ہے اس سے
زیادہ اور کیا جہل ہوگا کہ اوس نے خدا کی مخلوق کو جو مثل اُس کے عاجز ہے خدا کا ہمسر
ٹھہرایا ہے سو حقیقت مین یہ ظلم مشرک نے کچھ خدا پر نہین کیا ہے بلکہ اپنی ہی جان پر ظالم
بنا ہے **لم یلد** نہ جنتا ہے اس لیے کہ اگر کسی چیز کو جنے تو حقیقت مین وہ چیز اُس کی
شریک ہو جاوے اور جب شریک ہوئی تو خدا سے بے پروائی حاصل ہوئی اور جب اُس
سے بے پروائی ہوئی تو وہ خالق نرہا قرآن مین ہے وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم وخرقوا لہ
بنین وبنات بغیر علم سبحانہ وتعالی عما یصفون بدیع السموات والارض انی یکون
لہ ولد ولم تکن لہ صاحبہ یعنی اللہ کے لیے جن شریک ٹھہراتے ہین حالانکہ اُس نے
اُن کو بنایا ہے اور اس کے لیے بیٹے اور بیٹیان تراشتے ہین وہ اس لائق نہین اور
اُن باتون سے بہت دور ہے جو بناتے ہین۔ آسمانون کا اور زمین کا پیدا کرنے والا
ہے اُس کے کہان سے بیٹا ہو اُس کے کوئی عورت نہین **ولم یولد** اور نہ کسی سے
جنا گیا ہے اس لیے کہ اگر کسی سے جنا جاتا تو اُس کا محتاج ہوتا اور جب محتاج ہوتا تو
خالق عالم نہوتا **ولم یکن لہ کفوا احد** اور اُس کے لیے کوئی برابری والا نہین ہے
اس لیے کہ اگر کوئی اُس کا کفو ہوتا تو وہ دونون ایک چیز مین شریک ہوتے اور

دوسری چیز مین دونون علیحدہ علیحدہ خاص ہوتے تو اُس کی ذات پاک بیگانہ نہوتی اُبی ابن کعب نے کہا ہے کہ مشرکون نے جناب سرور کائنات سے کہا تھا کہ تم اپنے رب کا نسب بیان کرو اُس پر سورۂ اخلاص اوتری اللہ نے فرمایا ایک ہے صمد ہے یعنی سب اُس کے محتاج ہین وہ کسی کا محتاج نہین ہے اُس نے نہ کسی کو جنا ہے نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے یعنی نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ہے شیخ ابو علے رودباری قدس سرہ نے لکھا ہے کہ سورۂ اخلاص کا نام اخلاص اس لیے رکھا گیا ہے کہ شرکت عدد اور تغلب اور علت اور معلول اور تشکل اور ضدین دائر ہے اور اللہ تعالے نے عدد اور کثرت کی نفی اپنی ذات سے ہو اللہ احد کے ساتھ فرمائی اور تغلب اور تنقیص کی نفی اللہ الصمد کے ساتھ فرمائی اور علت و معلول کو لم یلد و لم یولد کے ساتھ منفی کیا اور اضداد اور اشکال کو لم یکن لہ کفوا احد کے ساتھ مرتفع کیا **لایشبہ شیئاً من الاشیاء من خلقہ ولایشبہ شیئٌ من خلقہ** یعنی اللہ اپنی مخلوق مین سے کسی چیز کے مشابہ نہین اور نہ اوس کی مخلوق مین سے کوئی چیز اُس کے مشابہ ہے وہ ذات و صفات مین سب مخلوق سے نرالا ہے کیونکہ اللہ کی ذات و صفات دونون قدیم ہین اور ممکنات کی ذات و صفات حادث پس قدیم حادث کا اور حادث قدیم کا قائم مقام اور مماثل کیونکر ہوسکتا ہے قرآن مین ہے لیس کمثلہ شیئے یعنی اُس کے مثل کوئی چیز نہین مسلمانون مین ایک فرقہ ہے جس کو مشبہہ کہتے ہین اون کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے مخلوق کے ساتھ مشابہ ہے اسی لیے جناب باری کی تمثیل مخلوقات کے ساتھ دیتے ہین اللہ کی صفات کے ثابت کرنے مین انکو بڑا غلو ہی یہ معتزلہ کی ضد ہین جو اللہ کے لیے صفات ثابت نہین کرتے کیونکہ اثبات صفات مین اللہ تعالے کی تشبیہ لازم آتی ہے اور جس نے اللہ کو اُسکی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی وہ مشرک ہے اور جو لوگ اللہ کے لیے صفات ثابت نہین کرتے وہ معطلہ

مشبہہ

معتزلہ

معطلہ

کہلاتے ہین اہل سنت یہ کہتے ہین کہ تعطیل اور تشبیہ دونون کی نفی کی جاے تعطیل سے
کہتے ہین کہ اُس ذات مقدس کے لیے صفات کمال ثابت نکرین اور تشبیہ یہ ہے کہ
اُس کے لیے صفات کمال اس نہج سے ثابت کرین کہ مخلوق کے ساتھ مشابہت
پیدا ہوجاے اور مثال دونون قسمون کی اس طرح ہے کہ جب کہین کہ خدا عالم نہین
ہے یا عالم کا اطلاق خدا پر نکرنا چاہیئے یہ تعطیل ہوگئی اس لیے کہ صفت علم سے کہ
جو صفت کمال ہے اُس کو معطل اور معرا کر دیا اور اگر یون کہین کہ جس طرح ہم عالم ہین خدا
بھی عالم ہے یہ تشبیہ ہے اس لیے کہ خدا کو صفت علم مین مخلوق سے مشابہ کر دیا
ہے اور اگر کہین کہ خدا کو علم حاصل ہے اس طرح کہ ہمارے علم سے اُس کے علم
کو کسی طرح مشابہت نہین یہ صورت علم کے اثبات اور تشبیہ کی نفی کی ہے اسی طرح
سمع اور بصر اور تمام صفات کو خیال کر لینا چاہیے اور توضیح اس کی یہ ہے کہ ہم اشیا
کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہین اور اس دیکھنے مین ہم کو کمال حاصل ہوتا ہے مگر یہ کمال
نقصان سے خالی نہین اس لیے کہ ہم کو یہ کمال قوت باصرہ اور عضو مخصوص کی استعانت
کے بدون حاصل نہین ہوتا یہی بہت بڑا نقصان ہے کہ ہمارے عجز کی وجہ سے پیدا
ہوا ہے اور خدا پاک ہے اس سے کہ کوئی عضو یا جز رکھتا ہو یا کسی چیز کے ادراک
مین اُسے کسی عضو کی طرف احتیاج پڑے اور نیز ہمارا علم عدم کے بعد حاصل ہوا ہے
اور خدا اس سے منزہ ہے کہ اُس کو علم جہل کے بعد حاصل ہوا ہو اور نیز ہم کو کسی
شے پر علم جب آتا ہے کہ اُس کا مفہوم خاطر نشین ہو جاے اور یہ بھی ہمارے نقصان
کی وجہ سے ہے اور خدا محل حوادث ہونے سے منزہ ہے اور نیز چیز جب غائب
ہوجاتی ہے تو ہمارا علم بھی زائل ہو جاتا ہے اور خدا مین علم کا زوال محال ہے
اور ہمارا علم علتون کا معلول ہے اور خدا کے علم کیواسطے علت کی ضرورت نہین حاصل
یہ ہے کہ خدا کے لیئے اشیا کا علم اس طرح ثابت کرنا چاہیے جس مین کمال پیدا ہو

اور نقصان کے وجوہات جو ہمارے علم مین لازم ہین اُن کی نفی کرنا چاہیے **لم یزل ولا یزال باسمائہ وصفاتہ الذاتیۃ والفعلیۃ** اپنے اسماء اور صفات ذاتی وفعلی کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا فرق اسماء وصفات مین یہ ہے کہ اسماء سے مراد مشتقات ہین جو ذات پر مع صفت کے دلالت کرتے ہین اور وہ رحیم وعلیم وقدیر وغیرہ ہین اور صفات وہ ہین جن سے یہ مشتقات نکلے ہین مثلاً رحم اور علم اور قدرت کہ یہ مبادی ہین اُن مشتقات کے صفات تین قسم کی ہوتی ہین (١) حقیقی محض جیسے حیات اور بصارت اور سیاہی وسفیدی (٢) حقیقی اضافی جیسے علم اور قدرت (٣) اضافی محض جیسے قبلیت اور بعدیت پس جب صفات کے ان اقسام کو خدا کے لیے ثابت کیا جاے تو پہلی قسم مین مطلقاً اور کسی حالت مین تغیر نہین آسکتا تیسری قسم مین تغیر جائز ہے دوسری قسم مین تفصیل اور تفریق ہے وہ یہ کہ خود صفات مین تو کبھی تغیر نہین ہوسکتا مگر اُن کے تعلقات مین متعلقات کی وجہ سے تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی صفات دو حال سے خالی نہین یا سلبی ہوتی ہین یا ثبوتی صفات سلبی وہ ہین جن سے خدا تعالےٰ کی ذات پاک اور منزہ ہے جیسے جسم نہونا جوہر نہونا عرض نہونا محتاج نہونا اور صفات ثبوتی وہ ہین جو خدا تعالےٰ کی ذات مین پائی جاتی ہین اور اُن کی بھی دو قسمین ہین ایک صفات ذات دوسرے صفات فعل علماے معتزلہ کے نزدیک صفات ذات اور صفات فعل مین اسی طرح فرق ہے کہ جن اوصاف الٰہی مین اثبات ونفی جاری ہوسکتے ہین وہ تو صفات فعل ہین جیسے کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ نے فلان شخص کے بیٹا پیدا کیا یا اُس کے بیٹا پیدا نکیا یا زید کو رزق بخشا اور عمر کو رزق نہ بخشا پیدا کرنا اور رزق بخشنا صفات فعل ہین اور جنہین نفی جاری نہوسکے وہ صفات ذات ہین جیسے علم اور قدرت کہ یہ نہین کہہ سکتے ہین کہ اللہ تعالےٰ عالم یا قادر نہین ہے اور معتزلہ کے نزدیک کلام اور ارادہ بھی صفات فعل مین داخل ہین اس لیے

اسماء وصفات مین فرق

صفات سلبی وثبوتی ومعتزلہ کے نزدیک صفات ذات وفعل

کہ ان مین نفی جاری ہوسکتی ہے چنانچہ قرآن مین ہے ولا یرید بکم العسر یعنی تپر دشواری کا
کا ارادہ نہین کرتا ولا یکلمہم اللہ یعنی اللہ اُن سے کلام نکرے گا پس معتزلہ کے نزدیک
یہ دونون حادث ہین اور شیخ اشعری کی رائے یہ ہے کہ جن اوصاف کی نفی سے نقصان
پیدا ہوتا ہو وہ صفات ذات ہین ورنہ صفات فعل چنانچہ حیات کی نفی سے موت
اور قدرت کی نفی سے عجز اور علم کی نفی سے جہل لازم آتا ہے تو یہ صفات ذات
ہین اسطرح ارادے کی نفی سے جبر اور کلام کی نفی سے خاموشی یا گونگاپن لازم آتا ہی
اور یہ جناب آلہی کے حق مین نقصان اور عیب ہے پس ارادہ اور کلام بھی صفات
ذات مین داخل ہین اور قرآن مین جو وارد ہے ولا یرید بکم العسر و لا یکلمہم اللہ ۝ تو
ارادے اور کلام کی نفی سے نقصان ذات باری مین اس وجہ سے نہین آسکتا
کہ یہان ارادہ اور کلام مطلق کی نفی نہین کی گئی ہے بلکہ اُن کی ایک فرد کی نفی مقصود
ہے جو نقصان اور عیب کی موجب نہین ہان اگر مطلق ارادے اور کلام کی نفی ہوتی تو
ضرور نقصان لازم آتا اور صفات ذات مین شمار نہ پاتے دیکھو یون تو قدرت کی
ایک فرد کی بھی نفی کرتے ہین مثلاً خدا کو اپنے شریک پر قدرت نہین ہے پھر اس
سے نقصان اُس ذات پاک مین کب پیدا ہوسکتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ قدرت
مطلق کی نفی نہین ہوتی اور علماے ماتریدیہ کہتے ہین کہ جن صفات کے ساتھ خدا
کی توصیف نکرسکین وہ صفات ذات ہین اور جن کی اضداد کے ساتھ اُس کا وصف
ہوسکے وہ صفات فعل ہین چنانچہ رحمت اور غضب اور رضا وغیرہ کے اضداد کے
ساتھ بھی اللہ تعالے موصوف ہوسکتا ہے تو صفات فعل ہین اور حیات اور
علم اور قدرت وغیرہ کے اضداد مثلاً موت یا جہل یا عجز وغیرہ کے ساتھ خدا تعالے کا
اتصاف ممتنع ہے تو یہ صفات ذات ہین پس یہ نہین ہوسکتا کہ خداے تعالے کبھی عالم ہو
کبھی جاہل ہو ایک زمانے مین قادر ہو اور دوسرے زمانے مین قادر نہو کسی زمانے

شیخ اشعری کے نزدیک صفات ذات و فعل مین فرق

علماے ماتریدیہ کے نزدیک صفات ذات و فعل مین فرق

کلینی کی رائے صفات ذات وفعل پر

ہین زندہ اور کسی زمانے مین مردہ ہو اور کلینی نے جو نامی علماے شیعہ سے ہین صفات ذات اور صفات فعل مین اس طور پر فرق بیان کیا ہے کہ قدرت اور ارادہ صفات ذات کے ساتھ متعلق نہین ہوسکتے اور صفات فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتے ہین۔ چنانچہ یون نہین کہہ سکتے کہ خدا قادر ہے جاننے پر اور خدا قادر ہے نہ جاننے پر اور قادر ہے اپنی عزت پر اور قادر ہے اپنی بے عزتی پر اور اس طرح کہہ سکتے ہین کہ خدا قادر ہے بخشنے پر اور خدا قادر ہے نہ بخشنے پر اور خدا قادر ہے پیدا کرنے پر اور خدا قادر ہے نہ پیدا کرنے پر اور خدا قادر ہے روزی دینے پر اور خدا قادر ہے روزی نہ دینے پر اور یہ بھی نہین کہہ سکتے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ عالم ہو اور رب ہو اور قدیم ہو اور عزیز ہو اور حکیم ہو اور مالک ہو اور قادر ہو اس لیے کہ یہ تمام صفات ذات ہین اور قدیم ہین اور ارادہ حوادث سے متعلق ہوتا ہے اور یون کہہ سکتے ہین کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ پیدا کرے اور روزی دے اور بخشے اور ثواب دے اور عذاب کرے کیونکہ یہ صفات فعل ہین اور حادث ہین۔ واضح ہو کہ علماے اہل سنت اور مخالفین سب اس بات کے تو قائل ہین کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور زندگی اُس کی صفت ازلی ہے یعنی اُس کی ابتدا نہین اور وہ عرض نہین ہے اس لیے کہ وہ حیز سے بری ہے اور اسی لیے اس کے لیے فنا بھی ممکن نہین بخلاف عرض کے کہ اس کی بقا محال ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ عالم ہے اور علم اُس کی صفت ازلی ہے تمام ممکنات اور ممتنعات سے متعلق ہے اور نہ وہ عرض ہے اسی لیے واجب البقا ہے اور نہ وہ بدیہی ہے اور نہ نظری وکسبی ہے اسی طرح باقی اور صفات بھی اللہ تعالےٰ کے ازلی ہین اعراض وکیفیات نہین ہین بخلاف ہمارے صفات کے کہ وہ اعراض ہین اور ہمارے ساتھ قائم ہین اور حادث ہین اختلاف اس مین ہے کہ جس طرح ہمارے صفات ہماری ذات پر زائد ہین کیا خداے تعالیٰ کے

صفات بھی اس کی ذات پر زائد اور اُس کے ساتھ قائم ہین ۔ اشاعرہ کہتے ہین کہ صفات
الٰہی ذات حق تعالےٰ پر زائد ہین یعنی ذات الٰہی سے مغائر ہین اور اُس کے ساتھ
قائم ہین اور موجودات قدیم ہین اور فلاسفہ اور شیعہ امامیہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ کے
صفات حقیقی یعنی صفات ذات اس کی ذات پر زائد نہین ہین بلکہ ذات اور صفت دونون
ایک ہین عین ذات سے سب اوصاف کے کام نکلتے ہین ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ
اپنی اسی ایک ذات سے عالم بھی ہے اور اسی ایک ذات سے قادر بھی ہے وغیرہ
وغیرہ یعنی جو کام صفات سے ہم مین نکلتا ہے وہ خداے تعالےٰ کی ذات خود سرانجام
دیتی ہے مثلاً اشیا کو ہم علم سے جانتے ہین اور خدا خود اپنی ذات سے جانتا ہے
اور ہم کو اشیا پر قابو ایک صفت کی وجہ سے ہے جسے قدرت کہا کرتے ہین اور خدا
کو اپنی ذات پاک کے ساتھ سب پر قابو ہے اسی طرح اور صفات ذات کو قیاس
کر لینا چاہیے اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہین کہ صفت وجودی کا خداے تعالےٰ
کے لیے ثابت کرنا اُس کی ضد کی نفی کی طرف کھینچتا ہے مثلاً خدا کے لیے صفت علم
کا ثابت کرنا نفی جہل کی طرف لیجاتا ہے جب کہتے ہین کہ خدا عالم ہے تو اُس کے
معنے یہ ہوتے ہین کہ خدا جاہل نہین ہے اسی طرح صفت قدرت کا ثابت کرنا نفی
عجز کی طرف پہونچاتا ہے چنانچہ جب کہتے ہین کہ خدا قادر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ
عاجز نہین ہے اور جب کہتے ہین کہ خدا زندہ ہے تو اس کی ضد یعنی موت کی نفی کرتے
ہین اور جب کہتے ہین کہ خدا سمیع ہے تو اس کی ضد یعنی بہرے پن کی نفی کرتے ہین اور
جب کہتے ہین کہ خدا متکلم ہے تو اُس کی ضد یعنی گونگے پن کی نفی کرتے ہین اور جب کہتے
ہین کہ خدا بصیر ہے تو ضد بینائی یعنی اندھے پن کی نفی کرتے ہین اور یہ لوگ اپنے ان
خیالات کو کمال توحید جانتے ہین ابن بابویہ نے اپنی کتاب توحید مین کہا ہے اگر ہم کہین
کہ یہ تمام صفات موجود ہین اور خدا ان سے متصف ہے تو بے شک ہم پر یہ الزام عائد

ہوگا کہ ہم نے خدا کے لیے کئی چیزین ایسی ثابت کین جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہین تو اس صورت مین اللہ تعالے کے غیر کا قدم اور تعدادِ قدما لازم آتا ہے اس لیے کہ ان اوصاف کے اثبات سے یہ مراد ہوتی ہے کہ خدا ہمیشہ علیم وحی وسمیع وبصیر وقادر ہوتا ہے اور جب ان صفات کو موجود نہ مانین اور اُن کے اضداد کی نفی کی طرف متوجہ ہون تو اس سے یہ نتیجہ نکلے کہ خدا واحد ویگانہ ہے اور کوئی اور چیز اُس کے ساتھ نہین اور صفات افعال صفات ذات کی طرح نہین ہین اس لیے کہ یہ کہنا جائز نہین ہے کہ خدا ہمیشہ غضب یا رحمت کرنے والا ہے جس طرح یہ کہنا جائز ہے کہ خدا ہمیشہ عالم یا قادر ہے انتہے ملخصاً اسی لیے یہ شیعہ امامیہ کہتے ہین کہ اسماے حسنے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نادرست ہے اور اُن مین سے بعض جائز رکھتے ہین اور امامیہ یہ بھی کہتے ہین کہ اس ذات مقدس پر صفات کے اسماے مشتق کا اطلاق درست ہے مثلاً یون کہنا جائز ہے کہ اللہ حی ہے اور سمیع ہے اور بصیر ہے اور قدیر ہے اور قوی ہے مگر یون نہین کہہ سکتے کہ اُس کے لیے حیات ہے اور علم ہے اور قدرت ہے اور سمع ہے اور بصر ہے اور یہ سراسر کلام آلہی اور حدیث رسالت پناہی اور اقوال اہلبیت کے خلاف ہے سورۂ بقرہ مین آیا ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ یعنی اُس کے علم مین سے یہ کچھ نہین گھیر سکتے اور سورۂ نسا مین ہے لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ یعنی جو تجھ کو نازل کیا اللہ اس پر شاہد ہے کہ اس نے یہ اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے اور جناب امیر کی نہج البلاغت اور ائمہ کی روایات مین جابجا ایسی صفات کا خدا تعالے کے لیے اثبات موجود ہے جب یہ بات ثابت ہوچکی کہ اللہ تعالے زندہ ہے قدرت والا ہے جاننے والا ہے سننے والا ہے دیکھنے والا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ بھی معلوم ہے کہ زندگی اور قدرت وغیرہ ہر ایک چیز ایک ایسے مفہوم پر دلالت کرتی ہے جو مفہوم واجب کا عین نہین ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حمل مشتق بدون قیام

امامیہ کے نزدیک اسماے حسنے کا اطلاق اللہ پر جائز نہیں

ہونے ماخذ اشتقاق کے علمائے عربیت جائز نہیں رکھتے ہین تو ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ
کو زندگی اور قدرت اور جاننے اور سننے اور دیکھنے وغیرہ کے صفات حاصل ہین اور
معتزلہ بھی صفات الوہیت کا انکار کرتے ہین اور یہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ بے شک
عالم بھی ہے اور قادر بھی ہے اور بصیر بھی ہے وغیرہ وغیرہ مگر صفت علم اور قدرت
اور بصارت وغیرہ اُس کو حاصل نہین ہے مطلب ان لوگون کا یہ ہے کہ صفات الٰہی
ذات الٰہی سے جدا نہین ہین بلکہ تمام ایک ذات ہے اور ایک ہی مفہوم کیونکہ اگر
صفات باری تعالےٰ کو اُس کی ذات کا عین نہ مانا جاے گا تو بہت سے قدما و معبود
ثابت ہوجائین گے اور یہ کفر ہے۔ معتزلہ کا یہ قول محض غلط ہے بلکہ اُسکی ٹھیک مثال
یہ ہے کہ کوئی کہے کہ فلان آدمی سیاہ تو ہے مگر سیاہی اس مین موجود نہین ہے اور
قرآن وحدیث اور بزرگون کے کلام سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ صفت حیات
اور قدرت اور علم وغیرہ کے ساتھ موصوف ہے محض نام ہی اس کا قادر اور عالم اور حی وغیرہ
نہین رکھدیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ صفات اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہین اور
عین ذات نہین ہین۔ صفات الٰہی کا انکار کرنے اور اُن کو عین ذات ماننے مین
جیسا کہ مذہب امامیہ اور فلاسفہ اور معتزلہ کا ہے بڑی قباحت لازم آتی ہے اور
دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر مثلاً علم اور قدرت دونون عین ذات ہوتے تو علم اور
قدرت ایک ہی چیز ہوجاتے علم نفس قدرت ہوتا اور قدرت عین علم اور دونون
سے جو کچھ مفہوم ہوتا وہ ایک ہی چیز ہوتی اور یہ محض غلط ہے پس اسی پر باقی اوصاف
کو قیاس کرلینا چاہیے دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر خدا کی ذات مین اور اُس کے عالم
ہونے اور حی ہونے اور قادر ہونے مین کوئی فرق نہوتا تو عالم اور قادر اور حی کا
حمل خدا کی ذات پر بے معنے ہوتا اور یہ کہنا کہ خدا عالم ہے یا قادر ہے یا حی ہے مہمل ہوتا
اسلیے کہ کسی شے کا اس کے نفس پر حمل کرنا لغو ہے مثلاً یون کہنا کہ انسان انسان ہے حالانکہ

معتزلہ کا مذہب صفات الٰہی ذات الٰہی کی عین ہین

اقوال بالا بالاتفاق جائز اور بامعنے ہین اور اُن سے فائدہ صحیح حاصل ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان اوصاف مین اور ذات باری مین مغائرت ہی اگر مغائرت نہوتی تو انکا حمل اس ذات پر ایسا ہوتا جیسے کوئی کہے کہ ذات باری ذات باری ہی اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذات باری اور صفات ایک شے نہین ہین تو جزئیت بھی ثابت نہین ہو سکتی یعنی یہ بھی نہین تسلیم کر سکتے کہ وہ عین ذات نہین تو ذات کے اجزا ہون گے مخالفین کہتے ہین کہ اگر صفات باری تعالے کو اُس کی ذات پر زائد مانا جاے گا تو بہت سے قدما و آلہ ثابت ہوجائینگے اور یہ کفر ہے نصارے حق تعالے کے لیے ایک بیٹا ہونے کے قائل ہوے تو اُس نے اُن کے کفر کا حکم فرمایا اور علماے اشاعرہ آٹھ خداؤن کے قائل ہوگئے ہین ان کا کیا حال ہوگا جواب اس کا یہ ہے کہ ذوات قدیمہ کا اثبات بے شک کفر ہی اور یہ کفر نہین کہ ایک ذات کو قدیم مانکر اُس کے لیے کئی ایک صفات قدیمہ ثابت کی جائین اُن کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خدا تعالے اپنے کمال مین دوسرے کا محتاج نہین اور جب صفات زائد کا اُس کے ساتھ قیام مانینگے تو لازم آے گا کہ وہ خود تو ناقص ہو اور غیر سے اُس کو کمال حاصل ہو اور یہ باطل ہے جواب اس کا یہ ہی کہ خداے تعالے کا غیر سے صفت کمال کو حاصل کرنا محال ہے اور یہ محال نہین کہ وہ کسی صفت کمال کے ساتھ جو اُس سے علیحدہ ہو بطور خود متصف ہوجاے اور اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سے یہی مراد ہے اور مخالفین نے غلطی کی جو ویسا سمجھا اسی قسم کے اعتراضون سے بچنے کے لیے ماتریدیہ نے کہا ہے کہ صفات الٰہی ذات الٰہی کے نہ عین ہین نہ غیر ہین اس صورت مین قدم غیر اور تعدد قدما کی قباحت نکل گئی اور تمثیل اس کی یہ ہے کہ لالٹین مین ایک شمع روشن کرنے سے وہ شمع سرخ آئینے مین سے سرخ اور زرد مین سے زرد اور سبز مین سے سبز نظر آتی ہے حالانکہ یہ مختلف رنگ کی شمعین نہ تو اُس شمع کی عین ہین نہ غیر ۔ اور یہ بھی اعتقاد کرنا چاہیئے

ماتریدیہ کے نزدیک صفات الٰہی ذات الٰہی کی نہ عین ہین نہ غیر

کہ خدا کی ایک صفت دوسری صفت کی نہ عین ہے اور نہ غیر عین اس لیے نہین کہ مثلاً قدرت مقدور سے متعلق ہوتی ہے نہ معلوم سے اسی طرح علم معلوم سے متعلق ہوتا ہے نہ مقدور سے اور غیر اس وجہ سے نہین کہ ایک صفت کی فنا دوسری کی بقا کے ساتھ ممکن نہین اس سے معلوم ہوا کہ ایک صفت دوسری کی غیر نہین ہی اسی طرح عین بھی نہین ہے۔ اور یہ بھی اعتقاد کرنا چاہیئے کہ حق تعالےٰ کی صفات ذات اور صفات فعل کی ازلیت مین فرق نہین ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مدح صفات ذات کے ساتھ اس طرح کی ہے اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اور دوسری جگہ فرمایا ہے ہوالسمیع البصیر اسی طرح صفات فعل کے ساتھ اپنی ذات کی توصیف کرتا ہے هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ یہان سے معلوم ہوا کہ خدا ے تعالےٰ کا وصف صفات فعل کے ساتھ اُس کی مدح ہے اور مدح صفات کمال کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور ازل مین اس صفت کے ساتھ موصوف نہونا نقصان کو مستلزم تھا اگر پھر خلق کو پیدا کرکے اس مدح کا مستوجب ہوتا تو اس مین خلق کی محتاجی ٹھہرتی کہ جب وہ پیدا ہوئی تو خداے تعالےٰ اس صفت فعل کے ساتھ متصف ہوا اور احتیاج حدوث کی نشانی ہے جس سے خداے تعالےٰ منزہ ہے قطع نظر اسکے اگر کہین کہ ایک وقت مین خدا خالق نہ تھا پھر خلق کو پیدا کرنے سے خالق بنا تو اس قول سے تبدل صفات لازم آتا ہے کیونکہ پہلے صفت خالق نہونے کی تھی اس کے بعد خالق ہونے کی صفت حادث ہوئی اور اس سے تغیر و زوال لازم آتا ہے جو خدا تعالےٰ اور اُس کی صفات کے حق مین ناروا ہے۔ **اما الذاتیۃ فالحیوۃ**

والقدرۃ والعلم والکلام والسمع والبصر والارادۃ صفات ذات صفات حقیقی اور کمالی ہین اُس ذات مقدس سے ان کا انفکاک محال ہے اس لیے کہ یہی صفات اُس ذات پاک کے کمالات مین سے ہین پس ان سے اُوس ذات پاک

صفات ذات و صفات فعل کی ازلیت مین فرق نہین

کا خالی ہونا موجب نقصان اور احتیاج کا ہے اور نقصان اور احتیاج کو امکان لازم ہے اور اللہ تعالےٰ امکان سے بُری ہے اور وہ صفات کمال سات ہین حیات قدرت علم کلام سمع بصر اور ارادہ واما الفعلیۃ فالتخلیق والترزیق والانشاء و الابداع والصنع وغیر ذلک من صفات الفعل صفات فعل صفات ذات کے آثار ہین کہ فی الحقیقت ان کے ساتھ متصف ہونا کمال نہین بلکہ ان پر قابو رکھنا کمال ہے مثلاً پیدا کرنا حقیقت مین کمال نہین ہے جس کا ذات باری سے جدا ہونا محال ہوتا بلکہ پیدا کرنے پر قدرت حاصل ہونا کہ جس زمانے مین اس کی ضرورت ہو وقوع مین آسکے یہ کمال ہے پس یہ ممکن نہین کہ حقتعالےٰ ایک زمانے مین تو پیدا کر سکتا ہو اور دوسرے زمانے مین پیدا نکر سکتا ہو اسی طرح رازق ہونا زندہ کرنا مارنا ان سب پر قدرت ہونا کمال ہے اور یہ نہین ہوسکتا کہ یہ صفات جس زمانے مین کہ مصلحت نہو اُس سے صادر نہو سکین وہ ہر زمانے مین ان کے صدور پر قادر رہے لم یزل ولا یزال بصفاتہ واسمائہ لم تحدث لہ صفۃ ولا اسم وہ اپنی صفات اور نامون کے ساتھ ازلی ہے جس کی ابتدا نہین نہ کوئی صفت اُس کی نو پیدا ہے اور نہ کوئی نام اُس کا ایسا ہے ازلی اُس شے کو کہتے ہین جس کی ابتدا نہ ہو عقلا کی راے نے اس مسئلہ مین باہم بڑا اختلاف کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک کے ساتھ حادث یعنی وہ چیز جو پہلے نہ تھی اور پھر ہو گئی قائم ہو سکتی ہے یا نہین تمام مذاہب کے اکثر فرقے تو اس کے منکر ہین مگر مجوس کہتے ہین کہ جو حادث صفات کمالیہ مین سے ہے وہ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور کرامیہ کہتے ہین کہ صفات کمال ہی پر کیا موقوف ہے ہر ایک حادث خدا کی ذات کیساتھ قائم ہو سکتا ہے جبکہ خدا کو مخلوق کے ایجاد کرنے مین اس کی احتیاج پڑے پھر کرامیہ مین بہت سے فرقے ہو گئے ہین

مجوس
کرامیہ

بعض کی یہ رائے ہے کہ جس حادث کی طرف اللہ تعالےٰ کو احتیاج ہوتی ہے وہ ارادہ ہے اور بعض کہتے ہین کہ وہ قول کُن (امر مبنی ہو) ہے پس جب ضرورت ہوتی ہے تو قدرت الٰہی اس قول کو یا ارادے کو ذات الٰہی مین پیدا کر دیتی ہے اور وہ قدرت قدیم ہے پھر باقی مخلوقات اس ارادے یا قول کن کے ذریعہ سے ظہور مین آتی ہے کرامیہ یہ بھی کہتے ہین کہ جو حادث خدا کی ذات سے قائم ہوتا ہے اُس کا نام حادث ہے اور جو اس کی ذات سے قائم نہین ہو سکتا اوسے محدث کہا کرتے ہین حادث نہین کہتے اس سے معلوم ہوا کہ دونون اصطلاحون مین فرق ہے اب ہم ان لوگون کی طرف سے دلائل بیان کرتے ہین جو اس بات کے قائل ہین کہ خدا کی ذات حوادث سے پاک ہے **دلیل اول** اگر حادث کا قیام ذات باری کے ساتھ جائز ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ ازل مین بھی جائز ہوا اور یہ بات غلط ہے کیونکہ حادث کے قائم کرنے کی قابلیت ذات باری تعالیٰ مین ہے اور وہ قدیم ہے تو قابلیت بھی قدیم ہوگی اور جب قابلیت قدیم ہوئی تو یہ قابلیت ہمیشہ ہی چاہے گی کہ باری تعالےٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم رہین کیونکہ قابلیت کے یہی معنے ہین کہ ذات باری تعالیٰ کا حوادث کے ساتھ متصف ہونا جائز ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت مین حوادث کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے گا اور جب وہ قدیم ہونگے تو حادث کیسے ہو سکتے ہین کیونکہ حادث قدیم کی ضد ہے **دلیل دوم** خدا کی جتنی صفتین ہین وہ سب کامل اور عمدہ ہین اور اس کی ذات پاک کو اُن سے کمال حاصل ہے اور جبکہ خدا کو بعض وقت وہ صفت اپنے حدوث کی وجہ سے حاصل نہوگی تو اُس کی تکمیل مین نقصان رہے گا اور خدا کے لیے نقصان ثابت کرنا محال ہے تو ضرور ہے کہ خدا کی صفت سے حادث واقع نہو سکے ورنہ اس کے حدوث سے قبل اس کی ذات پاک کا اس صفت سے خالی ہونا لازم آجائے گا جو بڑا نقصان ہے

دلیل سوم خدائے تعالے پر کوئی چیز اثر نہین کر سکتی اور جب یہ مان لیا جائے کہ کبھی کوئی حادث اُس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہوجاتا ہے تو یہ لازم آئے گا کہ اُس کی ذات غیر سے متاثر ہوجاتی ہے اور یہ محال ہے **لم یزل عالما بعلمه والعلم صفة فی الازل** ہمیشہ سے وہ اپنے علم سے جانتا ہے اور علم اس کی صفت ہے قدیم سے جس مین نہ نقصان آتا ہے نہ زیادتی پیدا ہوتی ہے اور اشیائے متغیر کے جاننے سے اُس کے علم مین تغیر نہین آسکتا تغیر جب آتا کہ اس کا علم ازلی نہوتا اور اُس کا علم تمام اشیا کو حاوی و محیط ہے اور علم آلٰہی کے تمام اشیا کو حاوی ہونے پر جو دلیل ہے اس مین تین باتین قابل تسلیم ہین (۱) علم اللہ تعالے کی ذات سے منسوب ہے (۲) معلومات کی ذات اور ان کے مفہومات معلومیت کے مقتضی ہین (۳) اللہ تعالے کی ذات کو سب کے ساتھ ایک سی نسبت ہے۔ پس جب یہ تینوں باتین مان لی جائین گی تو یہ بھی مان لینا پڑے گا کہ جب اللہ تعالیٰ بعض معلومات، کا عالم ہے تو کل کا بھی عالم ہوگا کیونکہ اُس کے نزدیک سب برابر ہین۔ منکرین کہتے ہین کہ اللہ تعالے معلومات کو نہین جان سکتا اس لیے کہ جب کسی چیز کو جانے گا تو ضرور ہے کہ اس کے علم کو بھی جانے گا کیونکہ یہ علوم بھی شے او رمفہوم مین داخل ہین یہان تک کہ ہر ایک شے کے علم کیساتھ تسلسل لازم آجائے گا اور یہ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تسلسل اضافات اور تعلقات مین ہے نہ اعیان اور موجودات مین اس لیے کہ علم تعلق و اضافت و نسبت کی قبیل سے ہے اور تعلقات کا تسلسل ممتنع نہین ہے بلکہ اگر علم کو صفت حقیقی بھی مان لین تب بھی یہ قباحت لازم نہین آتی اسلیے کہ علم کا علم وہی علم ہے کوئی غیر چیز نہین **وقادرا بقدرته والقدرة صفة فی الازل** اور وہ قدرت والا ہے ساتھ قدرت اپنی کے اور قدرت اُس کی صفت قدیمی ہے اس کی قدرت سے کوئی شے

باہر نہین قرآن مین ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی اللہ ہر شے پر قادر ہے موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کر سکتا ہے آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان اور کافر کو ولی اور ولی کو کافر بادشاہ کو فقیر اور فقیر کو بادشاہ بنا سکتا ہے غرض کہ کسی چیز سے وہ عاجز نہین ہر چیز کی اس کو قدرت ہے کیونکہ اگر اس مین صفت قدرت حاصل نہو تو لازم آے کہ وہ عاجز و بیکار رہو اور عالم کا پیدا کرنا بالکل باطل ہو جاے کیونکہ عاجز سے عالم کا پیدا کرنا محال ہے پس جب تمام عالم اس کا پیدا کیا ہوا ہے تو اس کو مقدور پر قدرت بھی ہے اہل سنت وجماعت کے مغائر اکثر فرقون نے اپنے عقائد مین اللہ کو عاجز سمجھ رکھا ہے اور اللہ کو بہت سی باتون مین قادر نہین مانتے چنانچہ شیخ ابو جعفر طوسی اور شریف مرتضےٰ وغیرہ امامیہ کہتے ہین کہ اللہ عین مقدور بندہ پر قادر نہین اور اسماعیلیہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ کسی چیز پر قادر نہین بلکہ آج کل اس امر کا بڑا چرچا ہو رہا ہے کہ قدرت عقل انسانی کے خلاف سے عاجز ہے خصوصًا فرقۂ نیچریہ کے اقوال جس قدر دیکھے اور سنے جاتے ہین اپنے نزدیک وہ لوگ اپنے طریقے کا مدار امور دینی اور دنیاوی مین اسی پر ٹھہراتے ہین اور انہیر کو اپنے مذہب سے بالکل جدا ہو کر نرے آزاد منش بے باک غیر پابند امور مذہبی ہو جاتے ہین اور سبب یہ ہے کہ ان لوگون کو قدرت کے خلاف اور عقل کے خلاف مین مساوات کا اعتقاد ہے اور دراصل یہ بات صحیح بھی ہے مگر دھوکا اور غلطی بہت بڑی یہی ہے کہ قدرت اور عقل کے معنے اُن پر ظاہر نہین ہوتے بلکہ ان کو یہ دھوکا ہے کہ جو چیز ہماری عقل کی رُو سے نادرست ہے وہی قدرت کے بھی خلاف ہے اگر قدرت سے مراد قدرت کاملۂ الٰہی ہے اُس کی تو یہ صورت ہے کہ اعلےٰ درجے کے کمالات پر ہر شے کو اُس نے پیدا کیا ہے اور جو شے جس امر کے لائق تھی وہی اُسکو عطا فرمائی اور قرآن مجید مین اسی طرف

یعنی امامیہ و اسماعیلیہ و نیچریہ

اشارہ ہے اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ یعنی ہمنے ہر شے کو اُسکے اندازہ مناسب پر پیدا کیا ہے اور فرمایا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی جس شے کو خدا نے جس طرح پیدا کیا ہے دوسرا اُس کو نہین بدل سکتا اور چونکہ صانع بے چون وچرا واحد اور یکتا بے مثل اور بے ہمتا ہے اُس کی جو تجویز ہے وہ بھی بے مثل ہے لہذا اُس کی قدرت کے خلاف کوئی دوسرا نہین کرسکتا اور نہ کوئی شے اس خلاف کو قبول کرسکتی ہے اسی وجہ سے قدرت کے خلاف کوئی بات ظاہر نہین ہوسکتی اب رہی یہ بات کہ قدرت کے خلاف کسی چیز کا ہونا یا قدرت کے مطابق اشیا کا ہونا ہم کیونکر پہچان سکتے ہین اور جو جو صفات کسی شے مین کسی وقت بمقتضاے قدرت تھے ہمیشہ وہی صفات اس کے لائق ہین یا یہ کہ حکمت الٰہی کے نزدیک کبھی وہ صفات اُس کے لائق نہونگے مثلاً کسی وقت انسان کا قد سو گز خواہ پچیس گز کا مناسب تھا اور اب تین گز خواہ اڑھائی گز کا ہونا چاہیے یا طول عمر کبھی ہزار برس یا زیادہ کا تھا اور اب سو برس بھی شاذ و نادر ہوگیا جب یہ بات معلوم ہوئی کہ قدرتی اشیا سے قدرت کا تعلق ہمیشہ بطرز واحد ضرور نہین اور امر خلقی اور قدرتی ہر چیز کا ضرور نہین ہے کہ ہمیشہ ایک سے شے ہوا کرے تو ایسے ایسے امور مختلف قدرت کے کب واقع ہونے چاہئین اور کب نہونے چاہئین اور کیون ہوے اور کیون نہوے اور ہونے کا کیا سبب اور نہونے کی کیا وجہ اور جملہ مخلوقات کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف ہے یعنی اجراے قدرت جملہ مقدورات اور تمامی مخلوقات پر ایک ہی طرح سے ہے یا مختلف اطوار پر اور بحسب اختلاف زمانہ حکم قدرتی اور نواہی تقدیر مین تبدیل اور اختلاف ہوسکتا ہے یا نہین اس کا سمجھنا اور پہچاننا ہم کو کس طرح ممکن ہے اب ہم کو حیرت ہے کہ قدرت کے نازک اور مختلف تعلقات جو مخلوقات سے ہو رہے ہین اُن کو ہم طرز واحد پر خیال کرین تو کیونکر کرسکتے ہین یہان تک تو ہم نے بیان کیا کہ قدرت کے خلاف کے کیا معنے ہین اور اب ہم یہ کہتے ہین کہ

قدرت کے خلاف کسی شے کا ہونا گو دراصل محال ہے مگر ہم کو اس کی شناخت کہ یہ امر قدرت کے خلاف ہے یا قدرت کے موافق ہے کیونکر ہو سکتی ہے اور جس بات کو کسی شے کی نسبت ہماری عقل تجویز کرے کہ قدرت کے خلاف ہے اس تجویز کے صحیح ہونے خواہ صحیح نہونے پر ہم کو کیونکر اطمینان ہو سکے کیا کوئی عام فہم قاعدہ اس کا ایسا ہو سکتا ہے کہ جاہل اور عالم ہر شخص کے واسطے جملہ امور قدرتی کی شناخت پوری پوری ہو جایا کرے جس طرح یہ بات کہ کل بڑا ہے جزء سے بظاہر آسان اور عام فہم معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ بات کہ قدرت کے خلاف واقع ہونا خلاف عقل ہے ظاہر نظر مین تو آسان اور عام فہم ہے مگر دراصل نہایت دقیق مسئلہ ہے۔

قدرت الٰہی کے عام ہونے کی دلیل

اور خدا کی قدرت کے عام ہونے کی بھی وہی دلیل ہے جو علم کی دلیل مین ہم ذکر کر چکے ہین یعنی قدرت کی بھی مقتضی ذات باری ہے کیونکہ قدرت بھی اور صفات باری تعالےٰ کی طرح اُس کی ذات سے متعلق ہے اور قدرت کا اثر مقدور مین اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ ممکن ہے اگر اس مین امکان نہو تو مقدوریت اُس کی باطل ہو جاے اس لیے کہ اگر ممکن نہوگا تو یا واجب ہوگا یا ممتنع اور یہ دونون باتین مقدوریت کے منافی ہین پس اثر قدرت کے واسطے امکان ضروری ہے اور نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ قدرت کا اقتضا ذات باری کی طرف سے ہوتا ہے اور اشیا مین بوجہ امکان کے مقدوریت کی صلاحیت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ذات باری کو تمام ممکنات سے ایک سا علاقہ ہے پس جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ کو بعض ممکنات پر قدرت ہے تو اس کے ساتھ ہی سب ممکنات پر بھی اُس کی قدرت کا ثبوت بخوبی ہوتا ہے اور اس دلیل کی بنا اس قول کے مان لینے پر ہے کہ معدوم کچھ چیز نہین ہے اور نہ معدومات مین کسی قسم کا امتیاز ہے اور نہ اُن کے لیے

مادہ ہے اور نہ صورت ہے اور بعض لوگ اس بات کو نہین مانتے جیسے معتزلہ کہ وہ کہتے ہین کہ معدومات ثابت و متمیز ہین اور فلاسفہ کہتے ہین کہ مادہ اور صورت ہر ایک معدوم کے لیے ہے تو معتزلہ کے مذہب کی بنا پر جائز ہے کہ بعض معدومات مین قدرت سے خارج ہونے کی کوئی خصوصیت ہو اور فلاسفہ کی راے کے مطابق جائز ہے کہ مادہ بعض ممکنات کے حدوث کے لیے طیار ہو اور بعض کے لیے نہو اور مطلب ان دونون رایون کا یہ ہوا کہ ذات باری تعالے کو تمام ممکنات سے برابر نسبت نہین ہے اگر برابر نسبت ہوتی تو ان مین تغائر کیون واقع ہو سکتا اور واضح ہو کہ جو لوگ خدا کی قدرت کو تمام ممکنات پر حاوی نہین مانتے ہین اُن مین سے بہت بڑا گروہ فلاسفہ یونان کا ہے کہ وہ یہ کہتے ہین کہ اللہ تعالے یکتاے محض ہے پھر اُس سے دو اثر کیسے صادر ہو سکتے ہین کیونکہ ان کے نزدیک ایک فاعل سے دو فعل صادر نہین ہو سکتے پس اول اول جو کچھ خدا سے ظہور مین آیا ہے وہ عقل اول ہے اور باقی چیز اللہ تعالے سے وسائط کے ذریعہ سے صادر ہوئی ہین جواب اس کا یہ ہے کہ یہ مسئلہ فلاسفہ کا غلط ہے کہ ایک ذات سے سواے ایک چیز کے صادر نہین ہو سکتا دوسرا فرقہ منجمین کا ہے انھین مین سے صابئین ہین ان کا قول یہ ہی کہ سیارے عالم کے مدبر ہین دنیا مین جاڑہ گرمی برسات خوشی غم صحت مرض لڑائی ملاپ موت زیست جو کچھ ہوتا ہے وہ سب انھین کی تاثیرات کا نتیجہ ہے اور یہ تو بدیہی ہی کہ سورج کے سمت الراس سے دور اور نزدیک اور متوسط ہونے کے سبب سے چارون فصلین پیدا ہوتی ہین اور موسم مین گرمی و سردی اور اعتدال آتا ہے اور مولود کے طالع کی تاثیر بھی سعادت اور نحوست کے ساتھ ظاہر ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امور عالم کی کارروائیون کی علت نہین ہو سکتے اکثر ایسا مشاہدہ ہوا ہی کہ دو توام بچے پیدا ہوتے ہین جن مین سے ایک خوش حال فارغ البال اور

(حاشیہ: ف معتزلہ و ف فلاسفہ — جواب — ف ف منجمین صابئین — جواب)

دوسرا بے نوا محتاج رہتا ہے ایک نیک ہوتا ہے دوسرا بد اور یہان یہ نہین کہہ سکتے کہ دونون کی پیدایش مین تفاوت ہوگیا کیونکہ بقدر ایک درجے کے فرق پڑجانے سے منجمین کے نزدیک احکام نہین بدل سکتے اس کے علاوہ جتنی دلیلین علم نجوم کے مسائل پر ہین وہ سب ظنی ہین اور پھر ہر ایک محقق نے بطور خود تحقیقات کی ہے یہان تک کہ کوئی مسئلہ اختلاف کثیر سے خالی نہین رہا اور مجوس کہتے ہین کہ اللہ تعالی کو شر پر قدرت نہین ہے اگر اُس کی ذات سے شر بھی پیدا ہوتا تو وہ صاحب خیر بھی ہوتا اور صاحب شر بھی ہوتا اور خدا کو شریر کہنا کتنی بڑی گستاخی ہے جواب اِس کا یہ ہے فی الحقیقہ اللہ تعالے خیر اور شر دونون پر قادر ہے مگر بوجہ ادب کے اس کو شریر کہنا ناجائز ہے دیکھو اللہ تعالے نے بندر اور سور اور سگ تینون کو پیدا کیا ہے مگر اُس کو یہ نہین کہا کرتے کہ بندر کا خالق ہے یا سور کا خالق ہے یا کتے کا خالق ہے اور لفظ شریر کا اطلاق اُس ذات عالی پر اس واسطے جائز نہین ہے کہ اس بات کا خیال پیدا ہوتا کہ اللہ تعالے کے کامون مین شر زیادہ ہے بہ نسبت نیکی کے جس طرح کسی آدمی کو کہتے ہین کہ وہ شریر ہے تو مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ اُس کی طبیعت مین شر غالب ہے اور نہ شارع نے ایسے نام کے ساتھ اللہ کو پکارنے کا اذن دیا ہے۔

نظام معتزلی اور اُس کے متبع کہتے ہین کہ اللہ تعالے فعل قبیح کے کرنے پر قادر نہین ہے اس واسطے کہ اگر اُس کو برا سمجھ کر کرتا تو بے وقوفی اور بیہودگی لازم آتی اور جو اس کو ناسمجھی سے کرتا تو جہل لازم آتا اور ان دونون عیبون سے اللہ کی ذات پاک ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اُس کے سامنے کچھ قبیح نہین ہے کیونکہ وہ سب کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے کام مین کسی کو دخل نہین اور یون بھی جواب دے سکتے ہین کہ اگر وہ کسی فعل کو قبیح سمجھ کے نہین کرتا ہے تو اس نکرنے

سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ فعل اُس کی قدرت سے خارج ہے اور ابوالقاسم بلخی معتزلی
اور اُس کے مذہب کے مقلد یہ کہتے ہین کہ جس طرح بندہ قادر ہے کام کرنے پر
خدا کو اس طرح قدرت نہین کیونکہ بندے کے کام تین قسم کے ہین یا طاعت ہے
یا معصیت ہے یا فعل عبث ہے کہ نہ طاعت ہے نہ معصیت اور اللہ تعالےٰ
کی ذات سے تینون چیزین بعید ہین جواب اس کا یہ ہے کہ جب بندہ کوئی کام کرتا
ہے تو جیسا اس کا منشا ہوتا ہے اسی کے مطابق اُس کے کام مین یہ اعتبارات
عارض ہو جاتے ہین اور اللہ کا کام ان اعتبارات سے خالی ہے پس ممکن ہے
کہ اس سے اسی طرح کام ظہور مین آئین جیسے بندے کرتے ہین مگر یہ اوصاف
اُن کو لاحق نہون کیونکہ بندہ جو کام کرتا ہے تو وہ یا کسی مصلحت کی وجہ سے کرتا ہے
ایسا کام طاعت مین شمار پاتا ہے یا کسی مفسدے کی غرض سے کرتا ہے یہ
کام معصیت ہوتا ہے یا اس کا کام ان دونون سے خالی ہوتا ہے یہی عبث ہے
اور اللہ تعالےٰ کے جملہ کام غرض سے خالی ہوتے ہین تو اُس کے افعال مین
نہ مصلحت ہوگی نہ مفسدہ نہ عبث کیونکہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے اپنی تکمیل نفس
کے لیے اور خداوند تعالےٰ کا ہر کام حکمت کے ساتھ ہے دوسرے کو اُس کی
حقیقت ہرگز معلوم نہین اور اس حکمت کا فائدہ خلق کی طرف راجع ہے جناب
باری کو کسی طرح کا فائدہ نہین مخلوقات کا عدم اور وجود اور اس کے مصالح اور
منافع اس کے نزدیک برابر ہین خداوند بمقتضاے جود حقیقی اپنی خواہش سے
جو چاہتا ہے کرتا ہے **ومتکلما بکلامہ والکلام صفۃ فی الازل** اور کلام کرنے
والا ہے ساتھ کلام اپنے کے اور کلام اس کی صفت قدیم ہے اور کرامیہ کہتے
ہین کہ خدا کا کلام اُس کی ذات مین حادث ہے حدوث سے پہلے خدا متکلم
نہ تھا جواب یہ ہے کہ جب تک حق تعالےٰ کے ساتھ کلام ثابت نہو اس وقت

ابوالقاسم معتزلی

نماز

اللہ کے کام غرض سے خالی ہین

کرامیہ

جواب

تک اُسے متکلم نہین کہہ سکتے کیونکہ کسی پر متکلم کا حمل اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اُس مین کلام بھی ثابت ہے مشتق بغیر اپنے ماخذ کے ثبوت کے کسی پر صادق نہین آ سکتا پس متکلم کہ لفظ مشتق ہے بغیر ثبوت کلام کے جو اس کا ماخذ ہے اللہ پر کیونکر محمول ہو سکتا ہے اور اللہ کا ایک ایسی صفت کے ساتھ متصف ہونا جو حادث ہوا ور دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہو محال ہے اسی طرح حق تعالے کا محل حوادث ہونا بھی محال ہے اس لیے حق وہی ہے جو اہل سنت کا قول ہے کہ اللہ تعالے کا کلام اس کی صفات مثل سمع و بصر کے قدیم ہے اور چونکہ کلمات مین تقدم و تاخر ہوتا ہے جو حدوث کو مستلزم ہے اس لیے اکثر متکلمین اہل سنت کلام نفسی کے قائل ہوے ہین اور لفظی کو جو الفاظ اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے کلام اس وجہ سے کہتے ہین کہ وہ کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے معتزلہ کلام نفسی کے قائل نہین اگر مان لین تو وہ بھی اس کے قدم کے قائل ہو جائین اس لیے اُن کے نزدیک اللہ کا کلام حادث ہے انسانون کا جو کچھ تلفظ اور عبارت ہے اسی کے ساتھ کلام الٰہی قائم ہے خدا کے ساتھ قائم نہین ہو سکتا یہ تو بندون کا تلفظ ہے اُنھین کے ساتھ قیام پکڑتا ہے مگر حق یہ ہے کہ معتزلہ کی مراد یہ ہے کہ کلام اللہ تعالے کی صفات مین سے نہین ہے اور اُن کا مقصود یہ نہین ہے کہ کلام اللہ تعالے کی صفت بھی ہے اور اس کے ساتھ قائم بھی نہین بلکہ بندون کے ساتھ قائم ہے کیونکہ جس جس وصف کو وہ اللہ تعالے کی صفات مین جانتے ہین اس کا قیام بھی ذات الٰہی کے ساتھ مانتے ہین اور کرامیہ کے نزدیک خدا کا کلام حادث اُس کی ذات پاک سے قائم ہے کیونکہ ان کے نزدیک خداے تعالے کی ذات پاک سے حوادث کا قایم ہونا جائز ہے پس کرامیہ اور معتزلہ کلام الٰہی کے حدوث کے قول مین شریک ہین مگر اُسکی ذات پاک کیساتھ قائم ہونے کے قول مین باہم

معتزلہ

مخالف ہین۔ وخالقا تخلیقہ والتخلیق صفۃ فی الازل اور وہ ہمیشہ پیدا کرنے والا ہے اپنی صفت تخلیق کے ساتھ اور پیدا کرنا اس کی صفت ازلی ہے کیونکہ پیدا کرنا خدا کا کام ہے اور خدا تعالےٰ قدیم ہے اور اس کی صفتین بھی قدیم ہین پس صفت تخلیق بھی قدیم ہوگی دوسرے حوادث کا قیام اُس کی ذات پاک کے ساتھ محال ہے تیسرے اُس نے اپنے کلام قدیم مین اپنا وصف خالق کے ساتھ کیا ہے پس اگر تخلیق قدیم نہوگی تو باری تعالےٰ کے کلام مین دروغ لازم آے گا اور یہ محال ہے اور اس استحالے کی تین وجہین ہین (۱) کذب صفت نقصانی ہے اور اللہ پر نقصان ثابت ہونا محال ہے اور نیز اس کے کلام مین کذب ہونے سے یہ لازم آے گا کہ انسان اُس سے بعض اوقات مین کامل ہو جاے کیونکہ سچ بولنے کے وقت سچا جھوٹے سے کامل ہوتا ہے (۲) خدا کے کلام کا کذب ضرور ہے کہ قدیم ہوگا اس لیے کہ ذات واجب کے ساتھ حوادث کا قائم ہونا محال ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا صدق کے ساتھ کبھی موصوف نہو سکے اس لیے کہ صدق ضد ہے کذب کی اور اگر صدق کے ساتھ بھی موصوف ہو سکے گا تو اس حالت مین کذب کا اطلاق اُس پر نہو سکے گا کیونکہ دو ضدین ایک وقت مین ایک چیز کے ساتھ جمع نہین ہو سکتین اور صدق کے ساتھ خدا کا ہر حالت مین متصف ہونا محال ہے اس لیے کہ کذب اس کی صفت ہونے کی وجہ سے قدیم مان لیا گیا ہے اور جب کذب کا قدم ثابت ہوا تو یہ لازم آیا کہ خداے تعالیٰ کبھی صادق نہوا اور یہ غلط ہے اس لیے کہ جو کوئی کسی چیز کو اصلی حالت کے ساتھ جانتا ہے تو ممکن نہین کہ وہ اس کو اسی طرح بیان نکرے (۳) تمام انبیا نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالےٰ صادق ہے کذب سے اُس کی ذات بری ہے یا خالق کے حقیقی معنے چھوڑ کر مجاز اختیار کرنا ہوگا اس طرح کہ وہ ازل مین خالق نہ تھا مگر باعتبار

انکے کہ ازل مین ...

زمانۂ آئندہ کے اپنی ذات کو ازل مین خالق کہدیا اور واقع مین زمانۂ آئندہ مین خالق
بنے گا کیونکہ مجاز کی یہ بھی ایک قسم ہے کہ کسی شے پر کسی ایسے نام کا اطلاق کرین کہ
زمانۂ آئندہ مین وہ نام اس پر صادق آجاے یا یہ کہنا پڑے گا کہ خداے تعالے
نے خالق کا اطلاق اپنی ذات پر اس وجہ سے کیا ہے کہ وہ پیدا کرنے پر قادر
ہے مگر مجازی معنے وہان اختیار کئے جاتے ہین جہان حقیقی معنے نہ بن سکین
اور یہان یہ بات درست نہین کیونکہ خالق کے حقیقی معنے صحیح ہو سکتے ہین علاوہ
اس کے اگر اس وجہ سے خالق کا اطلاق مانا جاے گا کہ وہ پیدا کرنے پر قدرت
رکھتا ہے جیسا کہ اشاعرہ کی راے ہے تو اس سے یہ لازم آجائے گا کہ جس
چیز پر اُس کو قدرت ہو اُس چیز کا اطلاق باری تعالے پر درست ہو سکے جیسے
سیاہی اور سفیدی پر قادر ہے تو اس کو سیاہ اور سفید کہنے لگین حالانکہ یہ بالکل ناجائز
اور محال ہے - چوتھے اگر تخلیق حادث ہو گی تو اس کے لیے جس طرح خالق
کی ضرورت ہے اسی طرح دوسری تخلیق کی بھی حاجت ہے جس کے سبب سے
اُسے وجود حاصل ہو اور چونکہ یہ بھی حادث ہو گی تو اس کے واسطے اور تخلیق
نکلے گی یہان تک کہ تخلیقات مین تسلسل لازم آے گا اور یہ محال ہے اور اس
سے پیدائش عالم مین استحالہ لازم آتا ہے کیونکہ کوئی تخلیق ایسی نہین نکلتی جس
سے سب کی پیدائش وقوع مین آتی ہو حالانکہ عالم موجود ہے اور یہ بھی معلوم ہے
کہ اس کو پیدائش حاصل ہوئی ہے کیونکہ ممکن ہے اور ممکن کے لیے پیدائش
ضروری ہے اور اگر تسلسل سے چھٹکارے کے لیے یہ کہا جاے کہ تخلیق
واقع مین حادث و مخلوق تو ہے مگر اور تخلیق کی اس کے لیے ضرورت نہین تو اب
یہ لازم آئے گا کہ مخلوق اپنے موجود ہونے مین خالق اور تخلیق دونون سے
مستغنی ہے اس صورت مین خالق عالم بیکار رہا جاتا ہے وفا علا بفعلہ

والفعل صفة فی الازل والفاعل ھو اللہ تعالیٰ والمفعول مخلوق وفعل اللہ تعالیٰ غیر مخلوق فعل حرف اول کے فتحہ اور دوم کے سکون سے مصدر رہے کرنے کے معنے مین اور حرف اول کے کسرے اور دوم کے سکون سے اسم مصدر رہے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے تحقیق کیا ہے اور بعض مکسور کو بھی مصدر جانتے ہین چنانچہ ہم نے نہج الادب مین جو صرف ونحو زبان فارسی مین نہایت مبسوط کتاب ہے اس کو بیان کیا ہے اور یہان مصدر ہی مراد ہے اور معنے اُس کے تکوین اور تخلیق اور ایجاد ہین مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو ایجاد کرتا ہے تو اُس کو اپنے فعل یعنی صفت تکوین سے ایجاد کرتا ہے جو ازلی ہے نہ ایسے فعل سے جو حادث ہے کیونکہ حادث اس فعل کا اثر ہے بخلاف مفعول کے کہ وہ اثر فعل کے واقع ہونے کا محل ہے اور یہ بالاتفاق مخلوق ومحدث ہے تفصیل مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ یہ سات ہین حیات علم قدرت ارادہ سمع بصر اور کلام امام نے ان سات پر ایک صفت اور اضافہ کی ہے اور وہ تکوین کہلاتی ہے جس کو امام نے فعل کے ساتھ تعبیر کیا ہے پس ابن ہمام سے تعجب ہے جو اُنھون نے یہ کہا ہے کہ اس بات کی امام کے کلام مین کوئی تصریح نہین ہے کہ اُن سات صفات کمالیہ کے علاوہ صفت تکوین بھی قدیم ہے بلکہ متاخرین حنفیہ نے امام کے اس قول سے کان اللہ تعالیٰ خالقا قبل ان یخلق ورازقا قبل ان یرزق اس صفت کو اخذ کیا ہے حالانکہ یہان فعل سے مراد امام کی یہی صفت ہے اگر ابن ہمام اس قول پر غور وخوض کرتے تو ایسی بات مُنھ سے نہ نکالتے۔ اشاعرہ صفت تکوین کے قائل نہین وہ کہتے ہین کہ تکوین کوئی صفت حقیقی ازلی موجود فی الخارج قدرت سے علیحدہ نہین بلکہ ایک انتزاعی اور اضافی امر ہے جسے عقل نے

تکوین

اشاعرہ

اعتبار کر لیا ہے جس طرح اللہ تعالےٰ کی یون توصیف کرتے ہین کہ وہ ہر شے سے قبل ہے اور بعد ہے اور تمام اشیا کے ساتھ ہے اور سب کا معبود ہے اور مارتا ہے اور جلاتا ہے وغیرہ وغیرہ اور جن علما نے ان مین سے ہر ایک کو صفت حقیقی مانا ہے یہ نادرست ہے کیونکہ اس مین بے ضرورت وحاجت کے قدما کی کثرت لازم آتی ہے اگرچہ بالذات متغائر نہین بلکہ بالصفات متغائر ہین تاہم تقلیل واجب ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ایک ذات قدیم کے واسطے اوصاف قدیم بہت سے ثابت کر کے باعتبار ان صفات کے اس مین تعدد بڑھایا جاے پس حق وہی ہے جو ماورار النہر کے علماے ماتریدیہ کی راے ہے کہ ان سارے اوصاف کا مبدر وہی ایک صفت حقیقی تکوین ہے یہ جب زندگی سے متعلق ہوتی ہے تو اسے احیا کہتے ہین اور جب موت سے متعلق ہوتی ہے تو اماتت نام پاتی ہے اور جب صورت سے متعلق ہوتی ہے تو تصویر کہلاتی ہے اور جب رزق سے متعلق ہوتی ہے تو ترزیق کہتے ہین اور جب پیدایش سے متعلق ہوتی ہے تو تخلیق کے ساتھ موسوم ہوتی ہے پس مآل ان سب اوصاف کا ایک ہی تکوین ہے جو خدا کی صفت حقیقی اور قدیم ہے گو اسکے انواع اور فصول امور اعتباری غیر قدیم ہون یا از روے اعتبار کے متکثر ہون مگر درحقیقت سارے عین تکوین ہین فرق صرف اختلاف تعلقات پر لحاظ کرنے سے بوجہ اختلاف تعلقات کے پیدا ہو گیا ہے اور تکوین کا وجود منحصر ہے اس بات کے اثبات پر کہ یہ قدرت سے الگ ہے اور واقعی یہی ہے اس لیے کہ قدرت کو پیدایش اشیا مین صرف اسی قدر دخل ہے کہ اس کی وجہ سے حادثات مین وجود حاصل کر لینے کا امکان اور صحت پیدا ہو جاتی ہے اس کے بعد تکوین حادثات کو وجود بخشتی ہے قدرت سے وجود حاصل نہین ہو سکتا وجود

کا دار مدار تکوین پر ہے خلاصہ یہ ہے کہ تکوین قدرت سے غیر ہے اس لیے کہ قدرت کا اثر صرف صحت و امکان ہے اور وجود کو مستلزم نہین تاکہ یہ کہنے کی گنجایش ہو کہ وجود قدرت کا اثر ہے بلکہ وجود تکوین کا ثمرہ ہے اور اشاعرہ کے نزدیک وجود قدرت کا اثر ہے یعنی مقدور کا وجود قدرت سے وقوع مین آتا ہے اور کسی اور صفت کی ضرورت نہین ہوتی ان کے نزدیک صفت تکوین ثابت کرنا بالکل فضول ہے اشاعرہ نے فعل بمعنی تکوین کے حدوث و تجدد پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ فعل کا تصور بے مفعول کے محال ہے جس طرح ضرب بدون مضروب کے موجود نہین ہوتی پس اگر فعل قدیم ہو گا تو مفعول یعنی موجود کا قِدم بھی لازم آے گا اس لیے کہ فعل کا وجود مفعول کے وجود کو مستلزم ہے اور چونکہ وہ قدیم ہے تو یہ بھی قدیم ہوگا اور یہ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ تمام موجودات کو اللہ تعالےٰ نے ازل ہی مین پیدا نہین کر دیا تھا بلکہ جو وقت جس کی پیدائش کا اُس کے علم و ارادے مین تھا اُس وقت اوسے پیدا کیا پس فعل ازل سے ابد تک باقی ہے اور مفعولات یعنی مخلوقات مین سے جس کے ساتھ فعل کا تعلق حادث ہو گیا وہ موجود ہوتا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کو صفت ربوبیت بے مربوبیت کے اور صفت خالقیت بے مخلوقیت کے ازل سے حاصل ہے اور فعل زمانی نہین ہو سکتا بلکہ جس چیز کو نسبت وقت سے ہے وہ فعل کا تعلق ہے عالم اور اجزاے عالم کے ساتھ نفس فعل کو وقت سے کوئی سروکار نہین کیونکہ باری تعالےٰ کی صفات نہ زمانی ہین اور نہ اُنھین زمانے سے کام ہے کیونکہ زمانے کو اسی کی ایک صفت حقیقی سے جس کا نام فعل ہے وجود حاصل ہوا ہے پھر زمانہ کیسے اُس کا ظرف بن سکتا ہے بلکہ جب زمانے کو مفعول (موجود اور مخلوق) فرض کرین تو نتیجہ

اشاعرہ

جواب

یہ نکلتا ہے کہ مطلقاً زمانے کی طرف تعلق فعل کو بھی احتیاج نہین اور نہ وہ اس کا ظرف
ہو سکتا ہے اس واسطے کہ اللہ تعالے ہر شے کا خالق اور مقلب الدہر ہے
اور زمانے کو اُسی کے فعل کی بدولت وجود حاصل ہوا ہے کیونکہ ہر ایک ممکن
خواہ وہمی اعتباری ہو یا حقیقی محتاجی سے خالی نہین اور فعل ومفعول مین اتحاد نہین
ہے کیونکہ دونون مین بڑی مغایرت ہوتی ہے جیسے ضرب مضروب سے
غیر ہے یا یون سمجھو کہ جو چیز کھائی جاتی ہے وہ کھانے سے جدا ہوتی ہی دوسرے
اگر فاعل یعنی خالق اور مفعول مین فرق نہ ہو تو یہ لازم آجائے گا کہ موجود نے
اپنی ذات کو آپ پیدا کر لیا ہے اس لیے کہ اُس کو اسی فعل کے ساتھ وجود حاصل
ہوا ہے جو اس سے علیحدہ نہین ہے دونون کی ذات ایک ہے پس یہ مفعول
قدیم ہوگا اور اس کو اپنے پیدا ہونے مین صانع عالم کی کسی طرح محتاجی نہو گی وہ
یہ محال ہے تیسرے خدائے تعالےٰ کو عالم کی پیدائش اور کاریگری مین کوئی
تاثیر اور تعلق نہو گا اس لیے کہ عالم نے اس کے فعل سے وجود نہین پایا ہے
کیونکہ خدا کا فعل عالم کا عین نہین ہے اور جو پیدایش عالم ہے وہ پیدائش الٰہی
نہین ہے پس اس حالت مین اللہ تعالےٰ کو عالم پر صرف تقدیم اور قدرت
کا شرف حاصل رہے گا کیونکہ اسے واجب اور قدیم مان لیا گیا ہے اور پیدائش
عالم مین کوئی دخل نہو گا اور اس سے لازم آیا کہ نہ اللہ تعالےٰ خالق ہے نہ
عالم مخلوق ہے اور حالانکہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام عالم کا بنانے والا اللہ تعالیٰ
ہے چوتھے فعل اللہ تعالےٰ کی صفت بھی نہو سکے گا اس لیے کہ صفت وہ ہوتی
ہے جو موصوف کے ساتھ قائم ہو اور جب فعل کو مفعول کا عین مان لین گے
تو وہ خدا کی ذات کے ساتھ قائم نہو گا بلکہ مخلوق کے ساتھ قائم ہو گا ان دلائل
سے ثابت ہوا کہ فعل اور مفعول مین تغائر ضروری ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ فعل فاعل کا

اثر ہے اور مفعول سے جداگانہ ہے۔ ابوشکور سالمی نے تمہید میں لکھا ہے کہ ابوالحسن اشعری اور کرامیہ اس کے قائل ہیں کہ تکوین اور مُکوّن (مفعول) دونوں واحد ہیں اور دلیل اس پر یہ ہے کہ مُکوِّن (فاعل) یعنی پیدا کرنے والا جب کسی چیز کو پیدا کرتا ہے تو فعل فاعل سے نکل کر مفعول یعنی اُس پیدا کی ہوئی چیز میں داخل ہو جاتا ہے اور حنفیہ کے نزدیک فعل فاعل سے زائل نہیں ہوتا سالمی کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ ایک اور مسئلے سے متفرع ہوا ہے وہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی صفات اشاعرہ اور کرامیہ کے نزدیک حادث ہیں اور اہل سنت وجماعت قدیم اعتقاد کرتے ہیں پس جبکہ ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے اوصاف وافعال کے حدوث کو مان لیا تو یہ بھی کہنے لگے کہ اللہ تعالےٰ سے تکوین وقوع میں آتی ہے اور پھر اُس سے نکل کر موجود میں حلول کر جاتی ہے اور یہ بالکل کفر ہے اس لیے کہ ان کے قول سے دو باتیں لازم آتی ہیں (۱) یا تو یہ کہ فعل الٰہی حادث ہے اور اس سے خدا کا محل حوادث ہونا پایا جاتا ہے اور اس پر تغیر وتبدل بھی لازم آتا ہے (۲) یہ کہ حادث نہیں قدیم ہے تو اس صورت میں اس صفت قدیم کا محدثات اور موجودات میں حلول لازم آتا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ وہ ہر قدیم ہے کیونکہ جب موجودات ومحدثات میں ایک صفت قدیم حلول کرے گی تو وہ ہر محل قدیم ہو جاوے گا اور قدیم کا محل قدیم ہوا کرتا ہے اور یہ سراسر کفر وزندقہ ہے انتہی سالمی کے تعصب پر افسوس ہی کہ اُس نے شیخ المشائخ اشعریہ عمدۃ الاراکین ابوالحسن اشعری کی نسبت کیسے کیسے کلمات سخت اور ناملائم کہے ہیں علما کے داب سے یہ نہایت بعید ہے کہ وہ مسائل اختلافیہ میں ایسے بزرگواروں کی تکفیر کریں بلکہ سالمی میں یہ اور طرفگی ہے کہ اُس نے ہر اختلافی مسئلے میں علما اشعری کو اہل سنت وجماعت کا مقابل

سالمی کا ابوالحسن اشعری سے تعصب

[illegible]

گردانا ہے گویا اُس کے نزدیک یہ علماے دین سنت وجماعت سے خارج ہین اور بڑا سخت افترا یہ کیا ہے کہ شیخ اشعری کی نسبت یہ کہا ہے کہ وہ صفات آلٰہی کو حادث جانتے ہین حالانکہ اُن کے نزدیک تمام صفات حقیقی قدیم ہین ہان صفات سلبی اور اضافی محض اعتباری کا قدیم ہونا علماے ماتریدیہ کے نزدیک بھی واجب نہین ہے اور کلام یہان اصل صفات مین کب ہے جو یہ تسلیم کیا جاتا کہ یہ مسئلہ متفرع ہے ایک اور مسئلے پر بحث یہان اس قدر ہے کہ تکوین صفت حقیقی ہے یا اعتباری عاقل کو چاہیے کہ مغز سخن کو پہونچے اور خیال کرے کہ قائل کا کیا مطلب ہے اور جو بات لبظاہر مستبعد اور بعید معلوم ہو اُس کو علماے راسخین کے دامن پاک سے نہ باندھے اور مطلب صحیح موافق مذاق سلیم کے نکال لے اس لیے کہ شیخ اشعری نے جو یہ کہا ہے کہ تکوین اور مکوَّن ایک ہین تو اُن کا مطلب یہ ہے کہ فاعل جس وقت کوئی کام کرتا ہے تو اُس کام کے کر لینے کے بعد یہان دو چیزین رہ جاتی ہین ایک فاعل دوسرا مفعول اور جو مفہوم اور معنے تکوین یا ایجاد یا فعل کے ساتھ تعبیر کئے جاتے ہین وہ امر اعتباری ہوتے ہین کیونکہ یہ مصدری معنے ہوتے ہین جنکو عقل ایسی دو چیزون سے جنمین باہم فاعل ومفعول ہونے کا علاقہ ہوتا ہے انتزاع کر لیتی ہے اور یہ معنے مصدری اشیاے حقیقی مین سے تو ہین نہین جو مفعول سے الگ ہوکر خارج مین پائے جاتے اور شیخ مرحوم کی یہ مراد نہین کہ تکوین کا مفہوم ومصداق اور مخلوق کا مفہوم ومصداق دونون ایک ہین تاکہ استحالہ وارد ہو حاصل یہ ہے کہ اشعری کے نزدیک تکوین نہ مخلوق دموجود کا عین ہے اور نہ غیر ہے کیونکہ وہ ایک اعتباری شے ہے کہ نہ یہ اُس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ وہ اس سے جدا ہو سکتی ہے۔ تکوین صفت حقیقی ہے یا اعتباری

وصفاته فی الازل غیر محدثة ولا مخلوقة فمن قال انها مخلوقة او محدثة

و وقف فیہا او شک فیہا فہو کافر باللہ تعالے ملا علی وغیرہ کی شروح مین
عبارت اسی طرح ہے مگر اصول امام بزدوی کی شرح کشف الاسرار آنخ مین اس
عبارت کو یون لکھا ہے وصفاتہ ازلیۃ غیر مخلوقۃ ولا محدثۃ فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ
او وقف فیہا او شک فہو کافر یعنی اللہ کی صفات ذاتی وفعلی ازلی ہین نو پیدا اور مخلوق نہین
محدث اور مخلوق کے ایک معنے ہین اور ان دونون مین عطف تفسیری ہے اور
جو کوئی یہ کہے کہ اللہ کی صفات مخلوق ہین یا نو پیدا ہین یا اُن صفات مین یا اُن کے
ازلی ہونے مین توقف اور شک کرے وہ خدا کا منکر ہے اور فیہا کی تقدیر پر مراد
یہ ہے کہ جو کوئی اس مسئلے مین توقف یا شک کرے وہ کافر ہے کرامیہ اللہ تعالیٰ
کی صفات کو حادث مانتے ہین اور اپنے مذہب کی دلیل مین بیان کرتے ہین کہ سب
کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالے متکلم اور سمیع اور بصیر ہے اور یہ تینون صفتین
اسی وقت خدا مین موجود ہوسکتی ہین جب کوئی مخاطب اور مستمع اور مبصر موجود ہو جاے
اور یہ تینون حادث ہین تو وہ اوصاف بھی حادث ہون گے جواب اس کا یہ ہے
کہ یہ تینون صفتین خدا کی قدیم ہین ہان ان کا تعلق مخاطب اور مسموع اور مبصر کے
ساتھ حادث ہے سو اس مین کوئی مضائقہ نہین ہے دوسری دلیل مخالفین کی
یہ ہے کہ اللہ تعالے عالم کو موجود کر دینے کے بعد اس کا خالق قرار پایا ہے
اور اس عالم مین جو کچھ واقعات گذرتے ہین ان کا علم اُس کی ذات سے قائم
ہونے کے سبب وہ عالم بنا ہے اور سب حادث ہین تو اللہ تعالیٰ کی خالقیت
اور عالمیت بھی حادث ہو گی جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ سب تغیر تعلقات مین
آتے ہین اس لیے کہ علم اللہ تعالے کی صفت قدیم ہے جب معلوم سے متعلق
ہوا تو اس صفت کے تعلق مین تغیر آیا کیونکہ معلوم کے وجود سے پہلے کسی سے متعلق
نہ تھا اور صفت خالقیت کا تعلق بھی مخلوقات کے متغیر ہونے سے متغیر ہوا ہے

نہ بطور خود اس صفت مین تغیر آیا ہے کرامیہ کو اپنی راے پر اتنا وثوق واصرار ہے
کہ وہ کہتے ہین کہ تمام عقلا اس مسئلے مین ہمارے ساتھ موافق ہین گو بعض نے زبان
سے انکار کیا ہے مگر اُن کے بعض اقوال پر غور کیا جاوے تو اُن سے ثابت ہوتا
ہے کہ وہ بھی ہمارے ہی مذہب کے موافق ہو گئے ہین چنانچہ فرقہ جبائیہ کہتا ہے
کہ سننے اور دیکھنے کی صفتین اللہ تعالے مین مسموع اور مبصر کے حدوث کے
وقت حادث ہوتی ہین اور ابو الحسن کہتا ہے کہ اللہ تعالے کی ذات سے علوم
متجدد ومتغیر قائم ہین اور اشعریہ نسخ ثابت کرتے ہین اور نسخ یا دور کرنا ایسے حکم کا ہے
جو خدا کی ذات سے قائم تھا یا اُس کو انتہا کو پہونچا دینا ہے اور یہ دونون بہر صورت
عدم بعد الوجود ہین پس حادث ہوے اور فلاسفہ کہتے ہین کہ اللہ تعالے کی ذات
پاک کو صفات اضافی مثلاً قبلیت اور معیت عارض ہو سکتی ہین اور یہ دونون متغیر ہین
جواب اس ساری تقریر کا یہی ہے کہ اضافات یعنی تعلقات مین تغیر آجانے سے
خدا کی ذات مقدس مین تغیر نہین آسکتا اور مراد اشعریہ کی نسخ سے یہ ہے کہ ایک چیز
سے حکم کا تعلق منتہی ہو جاتا ہے یا مرتفع ہو جاتا ہے نفس حکم مین تغیر نہین آتا اُس کے
تعلق مین تغیر آجاتا ہے کیونکہ نسخ کے معنے کسی چیز سے مصلحت قدیم کا بموجب نسخ
اقتضاے وقت کے متعلق ہونا ہے جیسے ابتداے اسلام مین ترک قتال
مصلحت تھا اسی واسطے آیت لکم دینکم ولے دین نازل ہوئی اور قوت اسلام کے
بعد قتال مین مصلحت پیدا ہوئی حکم ہوا اقتلوھم حیث ثقفتموھم یعنی کفار کو جہان پاؤ مار
ڈالو اور ابو الحسن اور جبائی کی بھی یہی مراد ہے کہ علم اور بصر اور سماع الٰہی کے
تعلقات مین تغیر آجاتا ہے اور فلاسفہ جو معیت اور قبلیت کو خدا کے لیے
ثابت کرتے ہین تو یہ ایسی صفات اضافی ہین جن کا وجود ہی نہین اعتبارات
محض ہین **والقرآن** یہ کتاب الٰہی کا علم ہے اور بعض کہتے ہین کہ اگر علم ہوتا تو

منصرف نہو سکتا کیونکہ جو علم فعلان کے وزن پہ ہوتا ہے وہ غیر منصرف ہوتا ہے
جیسے عثمان حالانکہ قرآن منصرف ہے جیسے اس آیت مین انا انزلنا قرآنا عربیا ہ
اب اس کا یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے اور الف لام کے ساتھ علم ہو جاتا ہے جیسے
نجم اور قرآن مثل غفران کے مصدر رہی ہے جس کے دو معنے ہین ایک پڑھنا دوسرے
ملانا اور جمع کرنا پس اگر قرآن کو کتاب الٰہی کا علم نہ مانا جاے بلکہ مصدر قرار دیا جاے
اس صورت مین اس کو کتاب الٰہی پر حمل کرنے کے لیے تاویل کی ضرورت
ہے اور وہ یہ ہے کہ مصدر کو مفعول کے معنے مین لیا جاے یعنی قرآن سے
مقرو مراد ہے چونکہ کتاب الٰہی پڑھی جاتی ہے اس لیے قرآن کہلاتی ہے اور
مصدر مفعول کے معنے مین کثرت سے استعمال مین آیا ہے چنانچہ کتاب بمکتوب
کے معنے مین اور شراب مشروب کے معنے مین بولتے ہین اور بعض کے نزدیک
قرآن سے مراد مقرون ہے چونکہ کتاب الٰہی مین ایک آیت دوسری آیت سے
ملی ہوئی ہے اس لیے اُسکو قرآن بمعنی مقرون کہنے لگے اگرچہ قرآن اور کتاب
دونون لفظ مترادف ہین مگر لفظ قرآن زیادہ مشہور ہے اور کتاب علماے اصول کی
اصطلاح ہے **کلام اللہ تعالےٰ فی المصاحف مکتوب** یعنی قرآن
اللہ تعالےٰ کا کلام ہے اور مصحفون مین ہمارے ہاتھون سے نقوش حروف اور
اشکال کلمات کے ساتھ لکھا ہوا ہے یعنی ہمارے پاس کلام الٰہی کے موجود
ہونے کا جو مضمون و معانی سے عبارت ہے یہ طریقہ ہے کہ لغات کے ضمن
مین جو الفاظ اور اصوات سے مرکب ہین اشکال کتابت اور صور حروف کے ساتھ
ہمارے صحیفون مین لکھا ہوا ہے اور یہ اشکال حروف بالذات ان لغات عربی
پر دلالت کرتے ہین اور وہ لغات کلام الٰہی یعنی مضمون و معانی پر دلالت کرتے
ہین اور بنفسہ کلام الٰہی مصحفون مین مکتوب نہین ہو سکتا مصحف لغت مین اس چیز کو

کہتے ہین جس مین صحیفے یعنی کتابین اور رسالے جمع کئے جائین اور اسی معنے کی مناسبت سے مجازاً قرآن مجید پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے اور اس مطلب پر قرآن کی کئی آیتین دلالت کرتی ہین ترتیب موجودہ کے ساتھ جو مصاحف مین قرآن پایا جاتا ہے یہ حضرت عثمان کے وقت کا ترتیب دیا ہوا ہے بعض متعصب دو اعتراض کرتے ہین ایک یہ کہ حضرت عثمان نے قرآن کی موجودہ ترتیب دے لینے کے بعد دوسرے صحابہ کے مصاحف کو کیون جلا دیا اس کا جواب یہ ہے کہ دفع اختلاف کے لیے نیک نیتی سے جلایا اور طعن حضرت عثمان پر جب وارد ہو کہ کہین شرع مین آیا ہو کہ جلانا بے ادبی ہے دوسرے یہ کہ بخاری مین انس بن مالک سے مروی ہے کہ خارجہ بن زید بن ثابت بیان کرتے تھے کہ میرے والد کہتے تھے کہ ہم نے قرآن کو موجودہ ترتیب دینے کے وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت نہ پائی جس کو مین رسول خدا سے سنا کرتا تھا تمام جگہ تلاش کی کہین نہ ملی مگر خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس لکھی ہوئی اور زید بن ثابت سے بخاری نے روایت کی ہے کہ آخر سورۂ توبہ کا ابو خزیمہ انصاری کے سوا اور کے پاس مجھے نہین ملا اور اسی طرح حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے ہان پلنگ کے نیچے پڑی تھی جسے بکری کھا گئی پس ممکن ہے کہ اس طرح قرآن کی بہت آیات رہ گئی ہون یا حضرت عثمان اور ابو بکر و عمر نے وہ آیات کہ جن مین اہلبیت کی مدح تھی درج نکی ہون چنانچہ شیعہ کہتے ہین کہ ان لوگون نے دس پارے قرآن مجید کے کم کر دیئے ہین بعض شیعہ سورۂ حسنین اور سورۂ علے اور سورۂ فاطمہ پڑھا کرتے ہین مگر قرآن مین ان کا کہین پتا نہین معلوم ہوا کہ یہ سورتین نکال ڈالین لیکن اس کا جواب بہت سہل ہے اور وہ یہ کہ ایسی روایات سے قرآن مین باعتبار اصل منزل کے ایک

ترتیب قرآن حضرت عثمان پر طعن ہونیکا جواب

قرآن میں کمی ہونیکے متعلق شیعون کا اعتراض

جواب

حرف کی کمی ثابت نہین ہوسکتی کیونکہ عیسائیون کی اناجیل اور یہود کی تورات کی طرح
قرآن کا دارمدار ایک آدھ نسخے پر نہ تھا بلکہ یہان پر تو حفظ پر دارمدار تھا اور اول
ہی قرن مین بے شمار ایسے پکے حافظ موجود تھے کہ جن مین سے ایک ایک
قرآن کے لفظ پر حاوی تھا حضرت کے زمانے مین ہی تمام کلام اللہ صحابیون نے
مانند ابی ابن کعب اور معاذ بن جبل اور زید بن ثابت اور ابو درداء وغیرہ کے یاد
کرلیا تھا پس زید بن ثابت کی مراد کسی اور کے پاس نہ پانے سے یہ ہے کہ اس
آیت کو لکھا ہوا سواے ابو خزیمہ انصاری کے کسی کے پاس نہ پایا رہا شیعہ کا
وہ خیال سو وہ جہلا کی گپ ہے آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ
بلکہ کوئی اہل اسلام بھی یہ عقیدہ نہین رکھتا چنانچہ علماے شیعہ اس خیال کی برارت
اپنی کتابون مین بڑے شد و مد سے کرتے ہین چنانچہ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن
علی بن بابویہ اپنے رسالہ عقائد مین کہتے ہین کہ جو قرآن اللہ نے حضرت کو دیا تھا
وہی ہے کہ جو اب لوگون کے پاس موجود ہے نہ اس مین کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ
تفسیر مجمع البیان مین کہ جو شیعون کے نزدیک معتبر تفسیر ہے سید مرتضیٰ کہتے
ہین کہ جو قرآن عہد پیغمبر علیہ السلام مین تھا وہی بلا تفاوت اب بھی ہے قاضی
نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب مین کہتے ہین کہ یہ بات جو شیعہ
کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن مین تغیر و تبدل کے قائل ہین سو یہ
غلطی ہے محققین شیعہ مین سے کوئی بھی اس کا قائل نہین اور جو کوئی کہے تو اس
کا کیا اعتبار ہے ملا صادق شرح کافی کلینی مین لکھتے ہین کہ یہ قرآن اسی طرح امام
مہدی تک سالم رہے گا محمد بن حسن آملی کہتے ہین کہ جو روایات پر ذرا بھی
نظر کرے گا یقینی طور پر جان جاے گا کہ قرآن مین بچند وجوہات کمی زیادتی ناممکن
ہے اور بالفرض کوئی یہ عقیدہ بھی رکھے تو ہم اس کو کئی وجہ سے قائل کرتے ہین

(۱) یہ کہ ائمہ اہل بیت اور آل ہاشم بالخصوص آل علی اور خود حضرت علے اور بنی فاطمہ نے کیون اپنے مصاحف کو محفوظ نرکھا بلا سے شیعہ ہی ین وہ قرآن مروج اور مستعمل ہوتا اور خیر اگر اس کو ظاہر نرکھتے چھپا ہی کے رکھتے ورنہ حفظ ہی کے طور سے متوارث رکھتے بلکہ اصل حمیت اسلام تو یہ تھی کہ اس خیانت قرآن کے بارے مین علے رؤس الاشہاد فضیحت کرتے اول تو جس طرح کچھ نہ کچھ لوگ ہر زمانے مین اُن کے ساتھ ہوتے رہے ہین اُس وقت بھی ہوتے ورنہ بنی ہاشم تو ضرور ساتھ دیتے اور اگر کوئی ساتھ ندیتا خدا تو ساتھ ضرور ہی دیتا ورنہ خیر جس طرح امامت اور ریاست کے بارے مین نوبت بشہادت پہونچی اس خاص دینی کام مین پہونچتی تو کیا تھا زہے نصیب (۲) اُن آیات کا کیا جواب ہے جن مین خدا پاک نہایت تاکید کے ساتھ اُس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے پس جس چیز کا خدائے تعالےٰ حافظ ہو اوس مین تحریف محال ہے کیونکہ اس سے خدائے تعالے کا عجز لازم آتا ہے (۳) اگر قول مخالفین تحریف قرآن کے بارے مین سچا ہوتا تو اسلام کے دوسرے فرقے بھی روایت کرتے حالانکہ جمیع فرقہائے اسلام کو اس سے انکار رہے ہے (۴) اگر قول مخالفین صحیح ٹھہرے تو وثوق واعتماد قرآن پر کب باقی رہے ہے حالانکہ وہ مخالف خود قرآن سے احتجاج کرتے ہین اور اگر ہم قول مخالفین مان لین تو احادیث ما بھا التمسک ان کی مفید یقین نہین پس دین برباد ہوا (۵) تبلیغ قرآن بے کم وزیادہ حق تعالےٰ نے اپنے پیغمبر پر فرض فرمائی تھی پس پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے جیسی کہ چاہیے تبلیغ قرآن مین کوشش بلیغ فرمائی جہان خود بہ نفس نفیس تشریف نہ لیجا سکے اور آدمی واسطے تبلیغ کے مور فرمائے یہان تک کہ قرآن مجید نے تمام اقطاع زمین مین آپ کی حیات مین جہان جہان اسلام پہونچا تھا شیوع پیدا کیا اور جوق جوق مردم نے

اُس سے استفادہ کیا اور مساجد وغیرہ مین نمازکے اندر اور خارج نماز کے ہمیشہ پڑھتے رہتے تھے پس جس چیز نے حیات مین اس سرور کی اس کثرت سے شیوع حاصل کیا اُس مین تغیر و تبدل کب ممکن ہے تحریف کا قائل ہونا متواترات کا انکار کرنا ہے جیسے کوئی کہے کہ مکہ جہان مین موجود نہین ہے حاجیون نے اپنی حب جاہ کے لیے دروغ باندھا ہے۔ پس جو کچھ دو دفتہ مصحف مین لکھا ہوا ہے تمام قرآن ہے اور جو اس مین داخل نہین ہے قرآن نہین ہے **وفی القلوب محفوظ وعلے الألسن مقروٌ وعلے النبی علیہ الصلوۃ والسلام منزل** یعنی وہ قرآن دلونمین یاد ہے اور زبانون پر پڑھا گیا ہے اور پیغمبر علیہ السلام پر اوتارا گیا ہے لفظ منزل میم کے ضمے اور نون کے سکون اور زاے نقطہ دار کی تخفیف سے بھی آیا ہے اور نون کے فتحے اور زاے معجمہ کی تشدید سے بھی اور تشدید سے اولے ہے اس لیے کہ قرآن بالترتیب اور بار بار کرکے نازل ہوا ہے دلون مین محفوظ ہونے کی صورت یہ ہے کہ جو شکلین اُن الفاظ کی جن کے ساتھ وہ قرآن مصحفون مین لکھا جاتا ہے ہمارے خیال مین موجود ہین ہی دلون مین محفوظ ہین پس جب ہمارے سامنے سے وہ مصحف غائب ہوجاتا ہے تب ہم ان الفاظ کے ذریعہ سے جو ہمارے خیال مین موجود رہتے ہین مستحفر کر لیتے ہین اور وہ قرآن زبان پر ایسے الفاظ کے ساتھ جاری ہوتا ہے جو زبان سے ادا بھی ہوتے ہین اور کان سے سنائی بھی دیتے ہین جیساکہ وہ مشاہدات مین ظاہر ہے اور متکلمین کے اس قول مین کہ مقرو قدیم ہے اور قرارت حادث ہے مقرو سے مضمون و معانی مراد ہین نہ الفاظ قرآن اس لیے کہ وہ کلام جو خداے تعالے کی صفت ہے اور آواز اور حروف سے مرکب نہین ہے قدیم ہے نہ یہ کلام لفظی جو مصاحف مین لکھا جاتا ہے اور دلون مین یاد کیا

جاتا ہے وغیرہ وغیرہ سورہ قیامت مین ہے لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و
قرآنہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ یعنی تو قرآن مجید کے پڑھنے پر اپنی زبان نہ چلا تاکہ اُس
کو جلد سیکھ لے تحقیق (پر اسے دل مین) اس کا جمع کرنا اور (تیری زبان سے)
اُس کا پڑھانا ہمارے ذمے ہے پھر جس وقت ہم پڑھنے لگین تو تو اُسی کے
پڑھنے کی پیروی کر یہان جو قرأنا کے لفظ مین قرارت کی نسبت جناب باری نے
اپنی طرف کی ہے اس سے نفی واسطہ جبرئیل پر استدلال نہین ہو سکتا بلکہ اُس
سے مراد فرشتے ہی کا پڑھنا ہے اور سید احمد خان نے جو کہا ہے کہ خدا اور پیغمبر
مین کوئی واسطہ نہین ہے خود خدا ہی پیغمبر کے دل مین وحی جمع کرتا ہے وہی پڑھتا
ہے وہی مطلب بتاتا ہے انتہے یہ قول صحیح نہین اس لیے کہ یہ استعمال قرآن
مین جابجا شائع ہے کہ جو کام اسباب وعلل کے ذریعہ سے ہوتا ہے اُس کی
خدا نے خود اپنی طرف نسبت کی ہے جیسے ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمے
یعنی جس وقت تو نے مٹھی خاک پھینکی تو وہ تو نے نہین پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی پس
اسیطرح پر جو قرارت جبرئیل کے ذریعہ سے ہوئی اُسکی نسبت بھی خدا نے اپنی طرف کی جیسے
اس آیت مین من یطع الرسول فقد اطاع اللہ یعنی جس نے رسول کا حکم مانا اُس
نے اللہ کا حکم مانا **ولفظنا بالقرآن مخلوق وکتابتنا لہ مخلوقۃ وقراءتنا لہ
مخلوقۃ** اور ہمارا زبان سے قرآن کو بولنا مخلوق وحادث ہے اور ہمارا اُس کو
لکھنا بھی حادث ہے اور ہمارا اُس کو پڑھنا بھی حادث ہے بعض کہتے ہین کہ لفظ
اور قرارت دونون کے ایک معنے ہین لیکن یہان لفظ سے مراد تلفظ یعنی بولنا
ہے اور چونکہ یہ فعل بندون کا ہے اس لیے ضرور مخلوق ہے یا لفظ سے مراد
تعین کا لباس ہے جس کو قرآن نے زبانون پر حاصل کیا ہے اور یہ بھی مخلوق
ہے اس مین ذرا شک نہین اور قرارت سے مراد جمین خیال کرنا ہے پس ہم جو قرآن کا

تلفظ کرتے ہین تو یہ لفظ جو ہمارے منھ سے نکلتے ہین مخلوق ہین ذہلی جو معاصرین بخاری
سے محدث جلیل الشان تھے وہ الفاظ کے مخلوق کہنے والے کو مبتدع سمجھتے
تھے اور مجالست اور بات چیت کے قابل نہین خیال کرتے تھے چونکہ محمد بن
اسماعیل بخاری کا یہی مسلک تھا ذہلی بخاری کو مبتدع جانتے تھے اور کہتے تھے
کہ اس بخاری نے لفظیہ کا قول ظاہر کیا اور میرے نزدیک لفظیہ جہمیہ سے برے
ہین جیسا کہ ذہبی نے سیرا علام النبلا مین لکھا ہے اور یہ تحریر بھی کہ قرآن جو لکھتے
ہین مخلوق ہے اور جو دل مین الفاظ اور حروف کے تصور ہین یہ سب نو پیدا ہین
اور اللہ تعالے کا کلام جو اس کی صفت ہے قدیم ہے حادث نہین نہ وہ مصحفون
مین لکھے نہ تلفظ مین آئے نہ اشارون مین نہ تحریر مین یہ سب پڑھنا اور لکھنا لباس
یعنی اس کے ظہور کی جگہ ہے کیونکہ اللہ تعالے کے بولنے کی آواز اور حروف
نہین اس لیے کہ آواز منھ اور زبان سے ہوتی ہے اور اللہ تعالے منھ اور
زبان سے پاک ہے قرآن کی عبارت عربی اس مفہوم و معانی پر جو ذات الٰہی کے
ساتھ قائم ہین اور در حقیقت قرآن وہی ہے دلالت کرنے والی ہے جیسا
کہ کہتے ہین کہ آگ ایک جوہر ہے روشن جلانے والا اس کو الفاظ سے بولے
اور قلم کے ساتھ لکھا مگر اس سے یہ لازم نہین آیا کہ جس آگ کی یہ صفت ہے وہ
الفاظ اور حروف سے مرکب ہے اگر ایسا ہوتا تو اس کا نام لیتے ہی اول زبان
جل جاتی پھر لکھتے ہی قلم اور کاغذ دونون جل بھن جاتے پس مصاحف اور
قلوب اور السنہ مین جو وجودات ہین نہ تو یہ نفس کلام الٰہی کے وجود ہین اور نہ
اُس کی طبیعت کے اور نہ اُس کے تشخص کے بلکہ یہ صرف اس کی تعبیرات اور
عنوانات کے وجودات ہین ذات پاک الٰہی کے ساتھ قائم ہونا ہی کلام الٰہی
کا وجود ہے کیونکہ وہ باری تعالے کی صفت ہے اور یہ بات الٰہیات مین ثابت

لفظیہ

ہو چکی ہے کہ صفت کا وجود وہی ہوتا ہے جو اوس کے موصوف کا ہوتا ہے اور ملفوظیت وغیرہ کی صفت بالذات کلام الٰہی کو عارض ہو تو وہ قدیم نہ ہے حدوث لازم آجاے اور تحقیق مقام یہ ہے کہ ہر شے کے چار قسم کے وجود ہوا کرتے ہین ایک وجود خارج مین ہوتا ہے دوسرا وجود ذہن مین ہوتا ہے تیسرا عبارت مین چوتھا کتابت مین وجود خارجی تو بالبداہت معلوم ہے کہ وجود نفس الامری کو کہتے ہین اور وجود ذہنی کے ہونے مین بھی کلام نہین کیونکہ ہم بہت سی ایسی چیزون کا تصور کرتے ہین جن کا وجود خارج مین نہین ہوتا اور اُن کے موجود ہونے کا حکم لگاتے ہین مثلاً عنقا کا تصور کرتے ہین اور پھر اُس پر حکم لگاتے ہین کہ ایک پرندہ ہے اور دریاے سیاب کا تصور کرتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ درخشندہ اور لرزان ہے اور یہ قاعدہ مقرری ہے کہ جس چیز کے موجود ہونے کا حکم کر سکین اس کا موجود ہونا لازم آجاتا ہے اور جبکہ خارج مین موجود نہین ہے تو ذہن مین موجود ہو گی اور اسی کا نام وجود ذہنی ہے اور جن لفظون مین اوس شے کا مفہوم و معنے سمجھا جاتا ہے وہ وجود عبارت کہلاتا ہے اور جو نقوش اور اشکال حروف اس عبارت کے سمجھنے مین کام آتے ہین وہ وجود کتابت ہے پس کتابت دلالت کرتی ہے عبارت پر اور عبارت مفہوم ذہنی پر دلالت کرتی ہے اور مفہوم ذہنی اس چیز پر دلالت کرتا ہے جو نفس الامر مین موجود ہے پس جس وقت قرآن کی نسبت کہا جاے گا کہ وہ قدیم ہے یا غیر مخلوق ہے اور اسی قسم کے اور لوازم اُس کی صفت مین لاے جائینگے تو اس سے وجود خارجی یعنی جو کلام کہ خدا کی صفت ہے اور حروف آواز سے مرکب نہین ہے مراد ہوگا اور جب قرآن کو مخلوقات و محدثات کے لوازم کے ساتھ موصوف کرین گے تو اس سے یا تو الفاظ جو

وجود اشیاء کی قسمین

وجود ذہنی کا ثبوت

قرآن کا وجود خارجی قدیم ہے

بولے اور سنے جاتے ہین مراد ہونگے چنانچہ کہتے ہین نصف قرآن ختم کرچکا ہون یا وہ الفاظ مراد ہونگے جو ہمارے خیال مین پاے جاتے ہین جیساکہ کہتے ہین قرآن حفظ کرچکا ہون یا اس سے اشکال حروف مراد ہون گی مثلا کہتے ہین کہ ناپاک آدمی کو قرآن کا چھونا منع ہے کیونکہ چھونا جسم دار چیز سے یا جو اوس مین داخل ہون متعلق ہوتا ہے **والقرآن غیر مخلوق** اور قرآن حادث نہین قدیم ہے لام لفظ قرآن پر عہد کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ جس قرآن کی یہ صفت ہے کہ صحیفون مین لکھا جاتا ہے اور دلون مین محفوظ ہے اور زبانون پر پڑھا جاتا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے وہ فی نفسہ غیر مخلوق ہے اگرچہ اُس کے وہ تعینات جو ہاتھ سے لکھنے اور زبان سے پڑھنے اور دل مین یاد کرنے اور نازل ہونے کے ہین مخلوق ہین اور اس سے بھی روشن الفاظ مین یون سمجھنا چاہیئے کہ جو قرآن اللہ تعالے کا کلام ہے وہ ازلی ہے کیونکہ اللہ تعالے کی تمام صفات ازلی ہین اور کلام خدا کے دو معنے ہین ایک کلام نفسی قدیم پس یہ صفت ازل سے ابد تک اُس کو حاصل ہے اس کے سبب سے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے جیساکہ ہم کو صفت کلام حاصل ہے گو ہم کسی سے کلام نکرین پس یہ صفت بالاتفاق غیر مخلوق ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے ہے کہ اُس کی صفت ہے دوسرے یہ الفاظ اور عبارت قرآن کی جو کلام لفظی ہے اور حروف واصوات سے مرکب ہے اِس کو کلام الٰہی اس لیے کہتے ہین کہ یہ سوا خدا کے کسی اور کی تالیف اور تصنیف نہین ہے بلکہ ان کو خاص اللہ تعالے نے نازل کیا ہے پس اس وجہ سے الفاظ اور عبارت قرآن مجید بھی کلام الٰہی ہے اور اس کا کلام الٰہی نہ کہنے والا بالاتفاق کافر ہے اور ان سے معارضہ بھی کفار کے ساتھ درست ہے مگر یہ کلام لفظی خدا کی صفت نہین ہے

کلام نفسی

کلام لفظی

بلکہ اُس کی صفت پر دال ہے قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونون پر ہوتا ہے متن مین قرآن سے کلام نفسی مراد ہے اہل سنت معانی و مضامین کا اعتبار کر کے قرآن کو قدیم اور خدائے تعالیٰ کی صفت قرار دیتے ہین اور معتزلہ اُس کے الفاظ اور عبارت پر نظر کر کے کہتے ہین کہ خدا کا کلام مخلوق یعنی حادث ہی حقتعالیٰ نے اُس کو لوح محفوظ مین یا جبریل مین یا نبی مین پیدا کیا ہے کیونکہ تقدیم و تاخیر الفاظ کی اور ۲۳ برس مین نازل ہونا قدیم ہونے کے منافی ہے اور حادث ہونے پر دلالت کرتا ہے البتہ معتزلہ کا یہ شبہ بعض حنبلی لوگون پر وارد ہوتا ہی کہ وہ الفاظ اور معانی سب کو قدیم کہتے ہین جمہور اہل سنت پر ہرگز وارد نہین ہو سکتا ہے کیونکہ وہ الفاظ کو قدیم نہین کہتے اور تقدیم و تاخیر الفاظ مین ہے نہ کہ معانی مین اسی احتیاط کے واسطے علمائے محققین نے کہا ہے کہ یون کہنا چاہیے القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور یون نکہنا چاہیے القرآن غیر مخلوق کیونکہ اس طرح کہنے مین بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن جو اصوات اور حروف سے مرکب ہے قدیم ہے جیسا کہ بعض حنبلی لوگون کی یہ راے ہے اور ظاہر ہے کہ اصوات انسانی ہون یا ملکی اور حروف بلکہ حرکات و سکنات اور کتابت کل مخلوق ہین کیونکہ یہ فعل بندون کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے کتابت اور حروف اور الفاظ اور آیات کل اُس کے سمجھنے کے لیے آدمیون نے اپنی احتیاج کے موافق ایجاد کر لیے ہین اور جو کلام کہ خدا کی صفت ہے وہ صرف معانی ہین جو اس کی ذات پاک سے قایم ہین اور کلام جسے قاری پڑھتے ہین اور حافظ اپنے تخیل مین محفوظ رکھتے ہین اور کاتب اُس کے نقوش دالہ کو لکھا کرتے ہین اور عرف شریعت مین اُسی کو قرآن کہا کرتے ہین اُس سے یہ معانی و مضامین جو خدا کی ذات پاک کے ساتھ قایم ہین اور کلام نفسی کہلاتی

۱؎ قرآن کا اطلاق کلام نفسی و لفظی دونون پر ہوتا ہی

۲؎ معتزلہ کے نزدیک قرآن حادث ہے

۳؎ بعض حنبلیون کے نزدیک الفاظ قرآن بھی قدیم ہین

قرآن کو مخلوق کہنے والے کا حکم

ہین سمجھے جاتے ہین اسی کلام لفظی کو جبرئیل علیہ السلام لائے اور حضرت کے پاس پڑھا اور حضرت نے اُسے یاد کیا اور لوگون کو سنایا فخر الاسلام نے لکھا ہے کہ ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ خلق قرآن کے بارے مین بڑی بحث کی پھر آخر کو یہ راے قرار پائی کہ جو کوئی اس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے ملا علی قاری کہتے ہین کہ یہان تکفیر سے مراد کفران نعمت ہے نہ کفران خروج از دین اسلام۔

دلائل معتزلہ

معتزلہ قرآن کے حدوث پر اس طرح دلائل لاتے ہین (۱) قرآن پر ذکر کا اطلاق آیا ہے چنانچہ سورۃ الانبیا کی اس آیت مین ہے وھذا ذکر مبارک انزلناہ فانتم لہ منکرون یعنی یہ ایک ذکر با برکت ہے جو ہم نے اوتارا کیا تم اُس کو نہین مانتے اور ذکر کو محدث فرمایا ہے چنانچہ سورۂ شعرا مین ہے وما یاتیہم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنہا معرضین یعنی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ذکر محدث یعنی نیا نہین پہونچا جس سے منھ نہین موڑتے اور یہ قول دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ ذکر یعنی قرآن محدث ہے (۲) قرآن مین آیا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون یعنی اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کہ اس کو کہے ہو تو وہ ہو جاے یہان کن صیغۂ امر ہے اور اقسام کلام سے ہے اور یہ ارادے سے جو زمانۂ آئندہ مین کسی شے سے متعلق ہوگا اس کے پیدا کرنے کے لیے متاخر ہے اور یہ لفظ اُس شے کے پیدا ہونے سے ذرا پہلے صادر ہوتا ہے چنانچہ حرف فا جو فیکون پر موجود ہے وہ اس مطلب پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ وہ حروف عاطفہ مین سے ہے اور جہان ترتیب بلا مہلت کے منظور ہوتی ہے وہان استعمال پاتا ہے اور کن کا ارادے سے تاخر اور اس شے کے موجود ہونے سے تقدم حدوث پر دلالت کرتا ہے

اس لیے کہ کسی شے سے متاخر ہونے مین حدوث لازم آتا ہے خاص کر جب
یہ شے زمانہ آئندہ مین حادث ہونے والی ہو جیسا کہ یہان پر ارادے کو
حدوث زمانہ استقبال مین مانا گیا ہے اسی طرح شے حادث پر تھوڑا سا تقدم
حاصل ہونا بھی حدوث کو چاہتا ہے (۳) قرآن مین آیا ہے اذ قال ربک
للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ یعنی جس وقت تیرے رب نے فرشتون سے کہا کہ
مجھکو زمین پر ایک نائب بنانا ہے اور اذ عربی مین ظرفیت زمان کے واسطے
ہے پس خدائے تعالےٰ کا قول جو اس ظرف مین واقع ہوا اس سے ایک زمانہ
معین کے ساتھ اس کی خصوصیت لازم آتی ہے اور جو چیز کسی زمانے کے ساتھ
مخصوص ہوتی ہے وہ محدث ہوتی ہے (۴) قرآن مین ہے کتاب احکمت
آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر یعنی کتاب ہے کہ اُس کی باتین جانچی گئی ہین پھر
ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے کھولی گئی ہین یہ آیت اس بات
پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن مرکب ہے ایسی آیات سے جو اجزائے متعاقبہ
ہین کیونکہ ثم جس کا ترجمہ پھر ہے تعقیب کا فائدہ دیتا ہے اور اجزا کا آگے پیچھے
ہونا حادث کی شان ہے (۵) سورۂ یوسف مین ہے انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم
تعقلون یعنی تحقیق ہمنے اسکو زبان عربی کا قرآن اتارا ہے شاید تم سمجھو یہ آیت اس بات پر دلالت
کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کبھی عربی ہوتا ہے کبھی عبرانی کبھی کسی دوسری زبان مین پس متغیر
ہوگا اور تغیر حدوث کی دلیل ہے اور اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو لفظ ماضی
کیساتھ قرآن کے اوتارنے کی خبر دی ہے یہ قرآن کی قدامت کے منافی ہے کیونکہ ازلی خبر
مین ماضی و مضارع و حال کے زمانے نہین نکلتے پس ضرور ہے کہ قرآن حادث ہے اگر
ازلی کہینگے تو کذب لازم آئیگا (۶) قرآن معجز ہے اور معجزے کا صدور دعوے کے
وقت واجب ہے تاکہ مدعی نبوت کی تصدیق ہو جائے پس دعوے کے حدوث

ے ساتھ وہ بھی حادث ہوگا اور اگر دعوے کے ساتھ اس کی مقارنت نہو گی اور
ہوے کے حدوث کے وقت اُس کا حدوث نہوگا تو اس معجزے کا اختصاص
س مدعی کے ساتھ نرہے گا اور دعوے رسول کی تصدیق نہو سکے گی۔
۷) اللہ نے قرآن کی توصیف منزل اور تنزیل کے ساتھ کی ہے اور نازل
ہونے کو حدوث مستلزم ہے (۸) آنحضرت نے دعاؤن مین یارب القرآن
عظیم اور یارب طٰہٰ و یٰس فرمایا ہے پس قرآن مربوب ہے اور بالاتفاق
ربوب حادث ہے۔

جواب ان سب دلائل کا یہ ہے کہ یہ وجوہات الفاظ قرآن کے حدوث
پر دلالت کرتی ہے اور اہل سنت وجماعت کو اُن کے حادث ہونے مین
کلام نہین۔ بعض نے کہا ہے کہ کلام الٰہی ایک قسم نہین ہے درحقیقت اُس
مین تعدد ہے اور امر نہی۔ استفہام۔ خبر اور ندا یہ پانچون چیزین اُس کی قسمین ہین اور
بن سعید اشعری کا قول ہے کہ کلام الٰہی ازل مین تو ایک ہی طرح تھا پھر جس چیز
کے ساتھ اُس کا تعلق پیدا ہوتا گیا وہی قسم نکلتی گئی پس فی نفسہ اُس مین انقسام
نہین ہے بلکہ متعلقات کی وجہ سے آگیا ہے اور حق یہی ہے کہ بالذات اُس
صفت خاص مین کچھ بھی اختلاف نہین اور امر ونہی وغیرہ کا اختلاف جو اُس مین
ہے یہ بالعرض واقع ہوگیا ہے کہ جس قسم کے ساتھ منسوب ہوا ویسا اختلاف
قسمین اعتبار کرلیا سو چونکہ یہ نسبت امر عارضی اور اضافی ہے اسلیے یہ قسمین بھی عارضی ہین جو کثرت
متعلقات کیوجہ سے پیدا ہوگئی ہین جیسے زید ایک مرد معین اور شخص خاص ہے جب یہ خیال کرتے
ہین کہ وہ عمر کا باپ ہے یا بکر کا بیٹا ہے یا خالد کا بھائی ہے یا زینب کا خاوند
ہے یا حامد کا غلام ہے یا مکان کا مالک ہے یا منجم یا انجنیر ہے یا گورنمنٹ کا
نوکر ہے یا ہنستا ہے یا لکھتا ہے تو ان نسبتون اور اوصاف کی وجہ سے قسمین

کثرت اعتباری پیدا ہوجاتی ہے کبھی اس ایک ہی شخص کو باپ کبھی بیٹا کبھی بھائی کبھی خاوند کبھی غلام کبھی مالک کبھی کچھ کبھی کچھ کہتے ہیں اگر ان امورات سے قطع کرلی جاے تو وہ ایک مرد معین اور شخص خاص ہے ان اختلافات عرضی کی وجہ سے اس کی ذات میں کوئی اختلاف نہیں ہے پس کلام الٰہی میں بھی اقسام امر و نہی وغیرہ کے اختلاف اعتباری ہیں جو اولاً و بالذات عبارات یعنی کلام لفظی کو عارض ہوتے ہیں اور جو کہ کلام لفظی کلام نفسی قدیم پر دلالت کرتا ہے سو اس کی وجہ سے اقسام مذکورہ کلام نفسی کو بھی عارض سمجھے جاتے ہیں پس یہ تینوں چیزیں کلام الٰہی کی اقسام اعتباری ہیں جس طرح اللہ تعالٰے کا علم اور قدرت وغیرہ اوصاف قدیم اور واحد ہیں کثرت اور حدوث جو ہے وہ تعلقات اور اضافات اور نسبتوں میں پیدا ہوا ہے خود یہ اوصاف مقدس اعتبارات اور تعلقات سے پاک ہیں اور نہ ان میں کثرت ہے نہ حدوث یہی حال کلام الٰہی کا بھی ہے۔ وما ذکرہ اللہ تعالٰے

فی القرآن عن موسٰے وغیرہ من الانبیاء علیہم السلام وعن فرعون وابلیس فان ذلک کلہ کلام اللہ تعالٰے اخبارا عنہم وکلام اللہ تعالٰے غیر مخلوق وکلام موسٰے وغیرہ من المخلوقین مخلوق والقرآن کلام اللہ تعالٰے فھو قدیم لا کلامھم وسمع موسیٰ کلامہ قال اللہ تعالیٰ وکلم اللہ موسٰے تکلیما وقد کان اللہ تعالیٰ متکلما ولم یکن کلم موسیٰ فلما کلم اللہ موسیٰ کلمہ بکلامہ الذی ھو لہ صفۃ

فی الازل فواتح الرحمن وغیرہ مین متن کی عبارت اسی طرح لکھی ہے دوسری شرحون مین فرق بھی پایا جاتا ہے مگر وہ ایسا نہین کہ مطلب مین اختلاف پیدا ہو بلکہ بعض لفظ یہان ایسے درج کئے ہین جو دوسری جگہ موجود ہین مثلاً بعض نسخون مین عبارت یون ہے وقد کان اللہ متکلما ولم یکن کلم موسے وقد کان اللہ تعالے خالقا فی الازل ولم یخلق الخلق لیس کمثلہ شیئ وہو السمیع البصیر اور بعض مین یون ہے وقد کان اللہ تعالے خالقا وعلے کل شیئ قدیر وقد کان اللہ تعالے متکلما ولم یکن کلم موسے اور بعض نسخون مین ہے وکان اللہ خالقا قبل ان یخلق الخلق حقیقۃً متن کے معنے یہ ہین کہ وہ جو اللہ تعالے نے قرآن مین حضرت موسے اور اُن کے سوا انبیا علیہم السلام اور فرعون اور شیطان کے حال کو ذکر کیا ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے بطور اُن کی خبر کے اور اللہ تعالے کا کلام حادث نہین اور حضرت موسے وغیرہ مخلوقات کا کلام حادث ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے پس وہ قدیم ہے اور اُن مخلوقات کے کلام کی طرح نہین کیونکہ اُن کا کلام اُن کی ذوات کی طرح حادث ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ صفت موصوف کی تابع ہوتی ہے اور موسے علیہ السلام نے اللہ کے کلام قدیم کو بغیر کسی دوسری چیز کے واسطے کے سنا تھا چنانچہ خدا خود فرماتا ہے کہ اللہ نے موسے سے کلام کیا بول کر اور اللہ تعالے ایسی حالت مین متکلم تھا کہ حضرت موسے سے اوس وقت تک کلام نہین کیا تھا کیونکہ موسے ابھی پیدا ہی نہین ہوے تھے پھر جبکہ اللہ نے موسے سے کلام کیا تو اس کلام کے ساتھ کیا جو اس کی صفت ازلی ہے اور موسے کی پیدایش سے قبل اس کو حاصل تھی عبدالعلی بحر العلوم کہتے ہین کہ امام کے اس قول سے بخوبی ثابت ہے کہ کلام قدیم اور منزل ایک چیز ہے اور بعض کہتے ہین کہ جو کلام خدا کی صفت ہے اور حروف و آواز سے مرکب ہے

نہین ہے وہ مسموع نہین اور حضرت موسےٰ نے جو کلام سنا تھا وہ وہ کلام تھا جو کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے چونکہ وہ ملک کے ذریعہ سے نہ تھا اس لیے ملقب بہ کلیم اللہ ہوے اور ابو المنصور ماتریدی کا یہی قول ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کلام نفسی سنے جانے کے قابل ہے اور اس کو وہ شخص سن سکتا ہے جس کے سامعہ کو اللہ تعالےٰ اُس کے سننے کی قوت عنایت کرے جس طرح اس کی ذات دیکھ سکتی ہے جس کے باصرہ کو اللہ تعالےٰ یہ قوت مرحمت کرے یہ قول ابو الحسن اشعری کا ہے اللہ فرماتا ہے منھم من کلم اللہ پیغمبرون مین سے بعض وہ ہین کہ حق تعالےٰ نے ان کے ساتھ کلام کیا مفسرون نے کہا ہے کہ اس قول سے موسےٰ علیہ السلام مراد ہین کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے اُن سے بے واسطہ کلام کیا ہے اسی وجہ سے اُن پر کلیم اللہ کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہین کہ اُنھون نے کلام نفسی سنا تھا یا ہر طرف سے سنا تھا اور معتزلہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ نے کسی سے کلام نہین کیا نہ آدمؑ سے نہ نوحؑ سے نہ ابراہیمؑ سے نہ موسےٰؑ سے نہ عیسےٰؑ سے نہ محمدؐ سے نہ جبرئیلؑ سے نہ میکائیل سے نہ اسرافیلؑ سے نہ حاملان عرش سے **وصفاتہ کلھا بخلاف صفات المخلوقین یعلم لا کعلمنا ویقدر لا کقدرتنا ویرے لا کرویتنا ویتکلم لا ککلامنا ویسمع لا کسمعنا** اور اللہ کی سب صفتین مخلوق کی صفتون کے برخلاف ہین وہ جانتا بھی ہے قدرت بھی رکھتا ہے دیکھتا بھی ہے کلام بھی کرتا ہے سنتا بھی ہے لیکن نہ اس طرح جس طرح ہم جانتے اور قدرت رکھتے اور دیکھتے اور کلام کرتے اور سنتے ہین حق تعالےٰ مین نہ جان ہے نہ آنکھ ہے نہ کان ہے نہ دل ہے نہ دماغ ہے یعنی یہ صفتین اس مین یون نہین ہین جیسے انسان اور حیوان مین پائی جاتی ہین کیونکہ یہ صفات اعضا اور حواس ور وح

کلام نفسی کے مسموع ہونے مین اختلاف ہے یا نہین

تنبیہ

دل سے متعلق ہین اور وہ ذات پاک ان سے بُری ہے اور باوجود اس کے سب صفات کامل طور پر اس مین موجود ہین کہ اس کے دریافت سے انس و جن و ملائکہ اور کل عالم متحیر و مجبور رہے کوئی نہین جان سکتا کہ ذات اُس کی کیا چیز ہی اور ان صفات کے قدم سے ان کے متعلقات کا قدم لازم نہین آتا کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ صفت قدیم ہو اور اُسکا تعلق حادث **ونحن نتکلم بالآلات والحروف والله تعالے یتکلم بلا آلة وحروف والحروف مخلوقة** اور ہم زبان اور حروف کے ساتھ کلام کرتے ہین اور اللہ پاک بغیر زبان اور حروف کے کلام کرتا ہے اور حروف مخلوق ہین وجہ اس کی یہ ہے کہ حروف ایسے تعینات کے اقسام سے ہین جن کے ساتھ کلام الٰہی تلفظ کے وقت لباس یعنی ظہور حاصل کرتا ہے اور تعینات کے مخلوق ہونے مین شبہ نہین علماے حنبلی کہتے ہین کہ اللہ تعالے کا کلام حروف اور آواز سے مرکب ہے اور اس مین تلفظ اور صورت بھی ہے کہ جس کو مخاطب سن لیتا ہے اور یہ دونون اُس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہین اور یہ کلام قدیم ہے کیونکہ قدیم نوع کلام کو کہتے ہین اور صوت خاصہ اور الفاظ مخصوصہ کو قدیم نہین کہتے پس ان کے حادث ہونے سے اُس مطلق کا حادث ہونا لازم نہین آتا جیسا کہ خالق مطلق ہونا اُس کے لیئے صفت قدیم ہے باوجودیکہ اس کے تعلقات حادث ہین اور اس سے یہ بھی لازم نہین آتا کہ اُس کے لیے زبان مضغۂ گوشت بھی ہو کیونکہ اُس کے الفاظ اور آواز ہمارے الفاظ اور آواز کی طرح نہین بلکہ جیسا کہ اُس کی ذات کے مناسب ہو اُسیطرح ہے مگر یہ قول غلط ہے اور توجیہ ضعیف و مہمل اسلیے کہ اس قسم کے کلام مین ہر حرف پر پہونچنا اس بات پر مشروط ہے کہ دوسرا ختم ہوجاے پس وہ حرف جو دوسرے حرف کے تمام ہونے کے بعد شروع

کیا جاتا ہے اس کے لیے اول ہونا ثابت ہوا اور یہ ازلی یعنی قدیم ہونے کے منافی ہے اسی طرح دوسرا حرف جو تمام ہوتا ہے وہ قدیم نہین حادث ہے کیونکہ بعدیت بھی قدامت کے مخالف ہے اور جو کلام ایسے حروف سے مرکب ہوگا جنکے وجود کے واسطے اول زمانہ بھی ہے اور آخر زمانہ بھی ہے وہ بھی حادث ہوگا اور کرامیہ بھی اس باب مین علماے حنبلی کیساتھ متفق ہین کہ کلام الٰہی حروف اور آواز سے مرکب ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ یہ لوگ کہتے ہین کہ کلام الٰہی حادث ہے لیکن یہ بھی کہتے ہین کہ یہ کلام حادث اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے قایم ہے کیونکہ ان کے نزدیک خداے تعالےٰ کی ذات سے حوادث کا قائم ہونا جائز ہے اور معتزلہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ کا کلام مرکب ہے حروف اور آواز سے اور حادث ہے قدیم نہین ہے اسی لیے اُس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہونا تجویز نہین کرتے بلکہ جب اللہ تعالےٰ چاہتا ہے تو اُسے کبھی لوح محفوظ مین پیدا کر دیتا ہے اور کبھی جبریل مین اور کبھی نبی مین اہل سنت وجماعت بھی اس قسم کے کلام کے جس کے معتزلہ قائل ہین منکر نہین اور ان کی اصطلاح مین اس کا نام کلام لفظی ہے مگر اس کے سوا ایک اور بھی کلام اللہ تعالےٰ کے لیے ثابت کرتے ہین اور کہتے ہین کہ جو کلام خدا کی صفت ہے وہ حروف اور آواز سے مرکب نہین ہے بلکہ وہ معانی اور مفہوم ہین جو اُس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہین اور اس کو کلام نفسی کہتے ہین اور اس پر وہ کلام دلالت کرتا ہے جو الفاظ اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے اور کلام اصل مین مفہوم اور معانی ہی ہین اس کو مجازاً کلام کہتے ہین کلام نفسی اس لیے عبارت سے منزہ ہے کہ زمانوں اور مکانوں اور قوموں کے بدلنے کے ساتھ عبارات بھی بدلتی رہتی ہین اور مضمون ومعانی نہین بدل سکتے اور مضمون ومعانی

کرامیہ

معتزلہ

کلام نفسی اور لفظی مین فرق

مین الفاظ سے زیادہ گنجائش ہے کیونکہ کبھی اشارے اور کنارے سے مطلب
ادا ہوجاتا ہے الفاظ کی ضرورت نہین ہوتی اور عبارات متغیر ہوجائین مگر
معانی مین تغیر نہین آتا اور نہ اختلاف دلالت سے مختلف ہوسکتے ہین اور جو
چیز متغیر نہین ہوسکتی وہ اس چیز سے مغائر ہوتی رہتی ہے اس تقریر سے کلام
نفسی اور لفظی مین فرق بخوبی ثابت ہوگیا امام فخر الدین رازی کہتے ہین کہ اگر کوئی
شخص یہ اعتراض کرے کہ جبریل نے خدا کا کلام کیونکر سنا اس لیے کہ خدا کا کلام
جنس حروف واصوات سے نہین ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورتین

حضرت جبرئیل کو کلام الٰہی کس طرح معلوم ہوا

تین طرح ہوسکتی ہین اول یہ کہ اللہ تعالے نے جبریل مین قوت سماع اس
قسم کی پیدا کردی ہو کہ اللہ تعالے کے کلام بے حروف وآواز کو سن سکے
اور پھر ایسی عبارت پر قادر کردیا ہو کہ اس کلام قدیم کو بیان کرسکے دوسرے
یہ کہ اللہ تعالے نے لوح محفوظ مین اپنی کتاب کو اسی ترتیب سے پیدا کردیا
ہو اور اس کو جبریل نے پڑھ لیا ہو تیسرے یہ کہ اللہ تعالے نے کسی چیز جسم دار
مین سے خاص طرح کی آوازین ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہون اور جبریل نے بھی اسی
کے ساتھ آواز ملالی ہو پھر اللہ تعالے نے جبریل کو بتادیا ہو کہ یہی وہ عبارت
ہے جو ہمارے کلام قدیم کو پورا ادا کرتی ہے امام نے اس موقع پر بغرض
دفع شبہات ملحدین ایسی تین صورتین ذکر کین جو ممکن تھین اور عقلا ان کے وقوع
پر کوئی استحالہ وارد نہین ہوتا تھا اور جو لوگ خدا کے کلام کا حضرت جبریل کو معلوم
ہونا ایک صورت سے بھی ممکن نہ سمجھتے تھے اُن پر تین صورتون سے اُس کا

سید احمد خان کا اعتراض

امکان بخوبی ثابت ہوگیا سید احمد خان اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ امام صاحب
نے اس بات پر غور نہین کیا کہ خدائے تعالے نے آنحضرت ہی مین ایسے
سماع یا لوح محفوظ مین سے پڑھنے کی قوت یا جس جسم مین سے وہ اونچی نیچی

آوازین نکلتی تھین اُن سے کلام سمجھ لینے کی طاقت کیون نہین پیدا کی جو خدا کا کلام سمجھ لیتے تاکہ اس تکلف کی کہ جبریل سنین پھر اس کی عبارت بنائین پھر آنحضرت کو آکر سنائین حاجت نرہتی انتہے یہ بھی نہایت عجیب بات ہے قادر مختار کے فعل مین گفتگو وہ شخص کر سکتا ہے جو اس کو مختار نہین سمجھتا ورنہ مختار کے یہی معنے ہین کہ اپنے اختیار سے اُن سب صورتون مین سے جو اُس کے اختیار مین ہین جونسی صورت چاہے اختیار کرے اور گو کوئی وجہ مرجح اس صورت خاص کی منجملہ دوسری صور ممکنہ کے نفس الامر اور واقع مین ہوتی ہے مگر ضرور نہین کہ انسان کی عقل ناقص اس کا ادراک کر سکے اب جس طرح کہ اللہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ سننے کی قوت اپنے پیغمبر مین پیدا کر دیتا اور جبریل کے واسطے کی حاجت نرہتی اسی طرح یہ بھی اختیار تھا کہ جبریل کا واسطہ اختیار کیا اب ہم بطور معارضہ پوچھتے ہین کہ خدا نے یہ کیون نہ کیا کہ تمام جہان کی فطرت اور جبلت مین نیکی اور ہدایت پیدا کر دیتا اس صورت مین نہ انبیا کے پیدا کرنے کی ضرورت پیش آتی نہ جہاد کی مصیبت پیغمبرون کو اُٹھانی پڑتی نہ خدا کو دوزخ بنانی پڑتی نہ حساب کتاب کی حاجت رہتی پس جو جواب اس کا سید صاحب کی طرف سے تجویز ہوگا وہی جواب اس شبہ کا ہو سکتا ہے اور پھر سید صاحب نے لکھا ہے کہ اُن اُنچی نیچی آوازون کے ملا لینے سے جبریل کو خدا نے کیونکر تبلادیا کہ یہ وہی عبارت ہے آیا اونھین اُنچی نیچی آوازون سے اُن سے تو جاننا محال تھا کیونکہ دور لازم آتا ہے انتہے یہ بھی نہایت عجیب تقریر ہے لزوم دور کا دعوے ہرگز صحیح نہین ہے دور تو جب لازم آتا کہ آوازون کا جاننا موقوف ہوتا خدا کے کلام جاننے پر اور خدا کا کلام موقوف ہوتا اُن آوازون کے جاننے پر حالانکہ یہ صورت واقع نہین ہے کیونکہ اُن آوازون کا جاننا خدا کے کلام جاننے پر موقوف نہین ہے

معتزلہ کے نزدیک اللہ کا کلام قدیم نہین

پھر دور کی کیا صورت ہے علاوہ اسکے ممکن ہے کہ اس عبارت کا بیان اون اصوات کے ذریعہ سے ہوا ور اس امر کی تعلیم کہ یہی عبارت کلام آلٰہی ہے لوح محفوظ یا قوت سماع عطا کرنے کے ذریعہ سے ہوا ور قادر مختار کے فعل مین اس گفتگو کی مجال نہین کہ وہ عبارت بذریعہ اصوات کیون ادا کی اور یہ مفہوم دوسری طرح کیون بیان کیا **وکلام اللہ تعالےٰ غیر مخلوق** اور اللہ کا کلام مخلوق نہین ہے بلکہ یہ اس کی صفت ازلی ہے معتزلہ کہتے ہین کہ اللہ کا کلام قدیم نہین کیونکہ اگر کلام آلٰہی ازلی ہوگا تو ازل مین امر اور خبر بھی ثابت ہونگے مگر اس وقت کوئی مامور اور سامع موجود نہوگا کیونکہ یہ ازلی نہین حادث ہین اور امر وخبر کا بدون مامور اور سامع کے پایا جانا محض فضول وحماقت ہے کیونکہ امر کی ضرورت جب ہوتی ہے کہ کوئی مامور موجود ہو اور خبر اس وقت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی اس کا سننے والا بھی ہو پس کیونکر اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لیے مانا جاے

جواب

جواب اس کا یہ ہے کہ خرابی جو بیان کی گئی کلام لفظی مین لازم آتی ہے نہ کلام نفسی مین جیسے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش رکھنا اس لڑکے سے جو پیدا ہونے والا ہے اور اس بات کا امتحان کر لینا چاہیئے کہ اکثر باطن مین حکم کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے اور ذہن مین خیال بندھتا ہے کہ یہ طلب کرنا چاہیئے اور یہ کوئی بیوقوفی اور نادانی کی بات نہین ہے ہان حکم دینا اور طلب کرنا سراسر حماقت ہے بلکہ انصاف یہ ہے کہ ناممکن ہے اس لیے کہ حکم دینا بدون محکوم کے اور کوئی چیز طلب کرنا بدون موجود ہونے اس شخص کے جس سے طلب کی جاے محال ہے اور معتزلہ اپنے مذہب کی تائید مین یون بھی دلیل لاتے ہین کہ اگر اللہ تعالےٰ کا کلام قدیم ہوتا تو اس کی نسبت تمام تعلقات کے ساتھ بالذات اور یکسان ہوتی جس طرح علم آلٰہی

کا تعلق اپنی تمام معلومات کے ساتھ بالذات و یکسان ہے اور یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ ہر چیز کا حسن و قبح شرع سے معلوم ہوا ہے یعنی فعل بد وہ ہے جس سے شرع نے منع کیا ہے اور نیک کام وہ ہے کہ شرع نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہے پس نیک و بد شارع کے امر و نہی پر موقوف ہے عقل کو یہان اصلا دخل نہین پس یہ چاہیے تھا کہ اللہ تعالےٰ کا کلام عام طور پر ہر ایک چیز کے ساتھ یکسان متعلق ہوتا کیونکہ تمام اشیا کے ساتھ اس کو علاقہ عام ہے اس صورت مین جس چیز کے لئے امر ہوتا اُسی کے لیے نہی بھی ہوتی پس ہر کام مامور بھی ہوتا اور منہی عنہ بھی ہوتا اور یہ بالکل خلاف ہے **جواب** جس ازلی شئے مین متعدد باتون کی صلاحیت ہوتی ہے اُس کے لئے یہ جائز ہے کہ ان باتون مین سے بعض کے ساتھ متعلق ہو جاے اور بعض کے ساتھ متعلق نہو اور مثال اس کی قدرت قدیم ہے کہ وہ بعض مقدورات کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اور بعض کے ساتھ متعلق نہین ہوتی اور جن کے ساتھ متعلق ہوتی ہے وہ وہ مقدورات ہین جس سے ارادہ متعلق ہو جاتا ہے **وھو شئ لا کالاشیاء** اور اللہ تعالیٰ شے ہے چنانچہ وہ خود فرماتا ہے قل ای شئ اکبر شھادۃ قل اللہ مگر وہ اور چیزون کی طرح نہین ہے کیونکہ کوئی چیز کسی صفت مین حق تعالےٰ کی مثل نہین ہو سکتی اس لیے کہ اُس کی ذات و صفات دونون قدیم ہین اور ممکنات کی ذات و صفات حادث ہین پس قدیم حادث کی مثل کیونکر ہو سکتا ہے قرآن مین ہے لیس کمثلہ شئ یعنی اُس کی مثل کوئی چیز نہین اور امام عالی مقام کے اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی مکان اور زمان مین نہین ہے اس لیے کہ مکان اور زمان جملۂ مخلوقات سے ہے اور اللہ تعالےٰ ازل مین موجود تھا اور اُس کے ساتھ اُس وقت کوئی شے موجودات مین سے نہ تھی پس یہ نہین کہہ سکتے کہ

مسئلہ خدا کا مکان سے منزہ ہونا

ان لوگون کے دلائل جو اللہ کو مکان مین بتاتے ہین

اللہ تعالےٰ دہنی طرف ہے یا بائین طرف ہے یا اوپر ہے یا نیچے ہے یا آگے ہے یا پیچھے ہے اس لیے کہ وہ ان سب چیزون کا خالق ہے اور خالق کے واسطے یہ ضرور ہے کہ وہ مخلوق سے پیشتر ہو دوسرے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مکان یا حیز خاص جواہر یا اجسام کے واسطے ہوتا ہے پس وہ اللہ تعالےٰ جو جوہر اور جسم ہونے سے پاک ہے مکان اور حیز سے بھی پاک ہے پھر یہ کہنا کہ وہ کہان رہتا ہے اور کس طرف ہے بالکل بیجا ہے اُس کے آگے تمام عالم ایک ذرے کی مانند ہے پس جس طرح ذرے یا گولے کے اندر کی مخلوقات کو باہر کی موجودات کا ہونا محال سمجھنا اور یون خیال کرنا کہ اس فضا سے کوئی چیز باہر نہین ہے غلط ہے ایسا ہی اللہ تعالےٰ کی نسبت ایسے شبہات اور شکوک کرنا غلط ہے اُس کی حقیقت کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے حالانکہ نہ کوئی اُس کی نظیر ہے نہ ہم جنس ہے اور جو لوگ اللہ تعالےٰ کو مکان وحیز مین بتاتے ہین وہ اپنے قول پر یون دلائل لاتے ہین (۱) ہر ایک موجود یا متصل ہے یا منفصل ہے پس اگر اللہ تعالےٰ عالم سے متصل ہے تو متحیز ہے اور اگر منفصل ہے جب بھی متحیز ہے **جواب** یہ احکام وہمی ہین نہ عقلی پس غیر محسوسات مین جاری نہین ہو سکتے چونکہ اولیات سے مشتبہ ہو گئے ہین اس لیئے گمان ہوتا ہے کہ یہ احکام انھین مین سے ہین (۲) باری تعالےٰ یا عالم مین ہے یا عالم سے خارج ہے یا نہ عالم سے خارج ہے اور نہ اُس مین داخل ہے پچھلی دونون صورتین تو عقل کے خلاف ہین اور پہلی حالتون مین سے جونسی حالت مانی جاے اس صورت مین اللہ تعالےٰ کے لیے مکان اور جہت کا ہونا لازم آتا ہے **جواب** نہ عالم سے خارج ہے اور نہ اُس مین داخل ہے اور یہ عقل کے خلاف نہین وہم کے خلاف ہے جسکے

احکام غیر محسوسات مین جاری نہین ہوسکتے (۳) موجود یا بالذات قائم ہوتا ہی
یا بالغیر جو بالذات قائم ہے وہ بالذات متحیز ہوتا ہے اور جو بالغیر قائم ہوتا ہے
وہ غیر کے ساتھ متحیز ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ قائم بالذات ہے پس متحیز بالذات
ہوگا **جواب** قائم بالذات اور بالغیر کے یہ معنے درست نہین کیونکہ دراصل قائم
بالذات اُسے کہتے ہین جو مستغنی ہو ایسے محل سے کہ اُس کے قیام کا باعث ہو
اس صورت مین یہ کب لازم آیا کہ وہ بالذات متحیز ہے اور قائم بالغیر اُسے کہتے
ہین جو اس طرح کے محل کا محتاج ہو اور اس صورت مین اس کا متحیز بالتبع ہونا
لازم آیا (۴) چوتھی دلیل اُن کی وہ آیات و احادیث ہین جن کے ظاہری
الفاظ اللہ تعالےٰ کی جسمیت پر دلالت کرتے ہین اور **جواب** اس کا یہ ہے
کہ یہ کلام ظاہری اور ظنی ہین اُن سے ان یقینیات کا جن سے اللہ تعالےٰ
کے مکان اور جہت کی نفی ہوتی ہے معارضہ نہین ہوسکتا ہے اور یہ بھی مسلمات
سے ہے کہ جبکہ دو دلیلین آپس مین مخالف ہون تو اُن پر اس طرح عمل کرنا چاہیئے
کہ ظواہر کی تاویل کردینا چاہیے پس اللہ تعالےٰ کے عرش پر ہونے اور ہاتھ
اور منھ اور پنڈلی اور قدم اور انگلی اور ہنسی اور نزول وغیرہ کی خبر قرآن و حدیث ناطق
ہین تاویل کرتے ہین اور اس کا حال آگے معلوم ہوگا ابن بطوطہ نے اپنے
ابن تیمیہ سفرنامے مین مقام دمشق کے حال مین لکھا ہے کہ مین ابن تیمیہ کے وعظ
مین جمعہ کے دن حاضر ہوا تھا وہ مسجد جامع مین ممبر پر بیٹھے وعظ کہتے تھے اُس
وقت اُنھون نے یہ کہا کہ اللہ آسمان دنیا پر اس طرح اوترتا ہے جس طرح مین
اوترتا ہون اور ممبر کے ایک درجے سے دوسرے درجے پر اوتر آئے

مگر یہ قول ابن تیمیہ کا تحقیق کے خلاف ہے حدیث مین جو آیا ہے ینزل ربنا
تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا جیسا کہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے

مجسمہ ماننے
اللہ کو زمانی کہتے ہیں
تنبیہ

روایت کی ہے اس مین رب کے نزول فرمانے سے یہ مراد ہے کہ حکم اُس کا اور رحمت اُس کی یا ملائکہ اس کے اوترتے ہین ابن حجر اور امام مالک وغیرہ نے اس کی تاویل یہی لکھی ہے اور مؤید اس کی ایک حدیث صحیح ہے جو مرقات مین مذکور ہے مجسمہ کے مذہب کے مطابق اللہ تعالےٰ کے وجود کا زمانی اور مکانی اور جہت مین ہونا سب کچھ قباحتین لازم آتی ہین۔ اور اللہ تعالےٰ کو جو باقی کہتے مین تو اس کے بقا سے یہ مراد نہین ہوتی ہے کہ وجود پاک اُس کا دو زمانون مین رہتا ہے کہ اگلے زمانے مین بھی تھا اور پچھلے مین بھی ہے جیسا کہ بقا بظاہر متعدد زمانون مین موجود ہونے کو کہا کرتے ہین اللہ تعالےٰ کے لیے ایسی بقا ماننے مین یہ خرابی لازم آئے گی کہ وہ زمانی ہو جاے گا پس اس کی بقا کے اسی قدر معنے ہین کہ وہ کبھی معدوم نہین ہو سکتا اور تمام زمانون کے ساتھ اسکو مقارنت رہے گی اور نہ قدم سے یہ مراد ہے کہ ہر زمانے سے پہلے زمانہ تھا کیونکہ اگر اس کے یہی معنے ہوتے تو اللہ تعالےٰ کو قدیم نکہا کرتے اور اسی طرح جو کہا کرتے ہین کہ اللہ تعالےٰ ازل مین بھی موجود تھا اور ابد مین بھی رہے گا اور اب بھی ہے اس سے یہ مراد نہین ہوتی ہے کہ اُس کا وجود پاک ان زمانون مین واقع ہے بلکہ غرض صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ اُس کو ان زمانون سے مقارنت حاصل رہتی ہے مگر ان کے ساتھ اس قسم کا تعلق نہین ہوتا جیسا کہ زمانیات کو ہوا کرتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالےٰ کا وجود زمانی نہین ہے تو اس کے سامنے ماضی اور حال اور مستقبل کوئی چیز نہین ہے اور اس صورت مین اشیاے متغیر کے جاننے سے اُس کے علم مین تغیر نہین آسکتا تغیر جب آتا کہ زمانے کو اس کے معاملات مین دخل ہوتا حاصل کلام یہ ہے کہ خداے تعالےٰ تمام زمانون کے ساتھ اور تمام

زمانون سے پیشتر اور تمام زمانون کے بعد موجود ہے اور تمام زمانون سے مستغنی ہے اور کوئی زمانہ اُس کا ظرف نہین اور زمانی اُس چیز کو کہتے ہین جسکا حصول ممکن نہو مگر زمانے کے اندر اور یہ بات بوجہ تغیر کے ہے جو اُس چیز مین ہوتا ہے اور معیار و مقدار اس کی زمانہ ہے اور دلیل اس مسئلے پر یہ ہے کہ زمانہ ایک ایسا متجدد ہے جس کے ساتھ متجددات و متغیرات کا اندازہ کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہین کہ اُس کی عمر دس سال کی ہے اور اسکی عمر پانچ برس کی اس لیے کہ تغیر تدریجی زمانی ہے اور تغیر دفعی آنی پس جس چیز مین تغیر نہین اُسکو اصلا زمانے کے ساتھ تعلق نہین ہوتا اور یہ ہم ابھی بیان کر چکے ہین کہ یہ جو مشہور ہے کہ خدا ے تعالے ازل مین موجود تھا اور اس آن مین بھی موجود ہے اور ابد مین بھی موجود رہے گا اس قول سے مراد یہ نہین ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ان زمانون مین واقع ہے بلکہ یہ مراد ہوتی ہے کہ اللہ تعالے کے وجود کو ان زمانون کے ساتھ مقارنت ہے **و معنے الشیٔ اثباتہ بلا جسم** اور اللہ تعالے کے شے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسا وجود اُس کی ذات کے لیے ثابت ہے جو جسم نہین رکھتا ہے بخلاف اور چیزون کے جو جسم سے خالی نہین ہوتین بلا جسم بیان ہے لا کالاشیا کا جسم مرکب ہوتا ہے دو یا زیادہ اجزا سے مگر بعض کے نزدیک ترکیب مین تین جز ضرور ہین کیونکہ جسم وہ ہے جس کا طول و عرض و عمق تینون چیزین ہون اور طول امتداد اول ہے کہ فرض کیا جاتا ہے اور عرض دوسرا امتداد ہے کہ اُس کے بعد فرض کیا جاتا ہی اور دوسرا امتداد پہلے امتداد پر کھڑے ہوکر اسطرح تقاطع کرتا ہے کہ اُس کے دونون گوشے برابر ہوتے ہین اور ان دونون گوشون مین سے ہر گوشے کو زاویہ قائمہ کہتے ہین جس کی جمع زوایاے قوائم ہے اور عمق تیسرا امتداد ہے کہ بعد

ازلی زمانہ

جسم کی تعریف

اُن دونون امتدادون کے فرض کیا جاتا ہے اور ان دونون کے زوایاے
قوائم کو قطع کرتا ہے اور طول و عرض و عمق جبھی پیدا ہو سکتے ہین کہ ترکیب تین جزون
کے ساتھ مانی جاے اور بعض کے نزدیک ترکیب جسم مین آٹھ جز کا ہونا ضرور
ہے بغیر آٹھ جز کے تینون امتداد متعین نہین ہو سکتے اور اجزا سے مراد
اجزاے لاتیجزے ہین۔ اہل اسلام مین بعض فرقے ایسے بھی ہین کہ وہ
اللہ تعالےٰ کو جسم کہتے ہین اور ان مین بھی رائین مختلف ہو گئی ہین چنانچہ کرامیہ　کرامیہ
کہتے ہین کہ وہ جسم ہے اور جسم سے مراد ان کی موجود ہے اور بعض جسم کے معنے
قائم بنفسہ لیتے ہین پس ہم کو ان کے ساتھ اختلاف نہین اگر ہے تو صرف اسی
قدر ہے کہ اللہ تعالےٰ پر جسم کا اطلاق نکرنا چاہیے کیونکہ یہ ادب کے خلاف　اقسام مجسمہ
ہے اور اُس کے نام توقیفی ہین یعنی اُن کا اطلاق اس ذات پاک پر شارع کے
اذن پر موقوف ہے اور تیسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ حق تعالےٰ فی الحقیقت جسم ہی
پھر بعض[۵۱] ان مین سے یہ کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ کے جسم مین گوشت اور خون
اور رگ اور پٹھے اور جانداروں کی طرح سب کچھ موجود ہے اور بعض[۵۲] یہ
کہتے ہین کہ جسم اُس کا ایک نور کا ٹکڑا چاندی کے ٹکڑے کی طرح صاف و
شفاف ہے اور اُس کا طول سات بالشت ہے خود اُس کے بالشت سے
اور بعض کہتے ہین کہ اُس کے جسم کی وضع انسان کی سی ہے پھر ان مین سے
بعض[۵۳] نے خیال کیا ہے کہ خدا نوجوان گبھرو کی صورت پر ہے بال اُس
کے نہایت گھونگروالے ہین اور بعض نے بڈھا بتایا ہے اور اُس کی ڈاڑھی
اور سر کے بالون کو کھچڑی کہا ہے اور یہ سب باطل فرقے مجسمہ کہلاتے

۵۱ یہ مذہب ثعالبیہ اور داؤد جوازبی وغیرہ مشبہ کا ہے ۱۲　۵۲ یہ فرقہ ہشامیہ کہلاتا ہے ۱۲

۵۳ اس فرقے کا نام جوالقیہ ہے ۱۲

ہین اوران کی غلطی ثابت کرنے کے سیئے اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اگراللہ تعالیٰ جسم ہوتا تو اُس کے واسطے مکان بھی ضرور ہوتا اور یہ باطل ہے کیونکہ وہ مکان کا خالق ہے اور خالق کے سیلیے یہ ضرور ہے کہ وہ مخلوق سے پیشتر ہو اور نیز مکان یا حیز خاص جواہر یا اجسام کے واسطے ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ جو جسم اور جوہر ہونے سے پاک ہے مکان اور حیز سے بھی پاک ہے دوسرے جسم مرکب ہوتا ہے اور خدا ے تعالےٰ ترکیب سے منزہ ہے کیونکہ ترکیب کو حدوث لازم ہے اور ہر مرکب اسپنے اجزا کا محتاج ہوتا ہے اور اجزا مین اور اُس مین مغایرت ہوتی ہے اور جس کو غیر کی طرف احتیاج ہو وہ خدائی کے شایان نہین تیسرے اللہ تعالےٰ کے جسم ہونے کی صورت مین یہ لازم آتا ہے کہ جس طرح اور اجسام مین صفات ہین وہی کل اس مین بھی موجود ہون جیسے حرکت اور سکون وغیرہ اور اس صورت مین اللہ تعالےٰ مجموعہ اضداد کا ہوجاے گا یا ایسا ہوگا کہ تمام اوصاف اجسام کے اس مین موجود نہونگے بلکہ بعض ہون گے اور بعض نہون گے اس صورت مین اضداد کی خرابی تو اُٹھ جاے گی مگر ترجیح بلامرجح لازم آے گی کیونکہ بعض اوصاف جو اُس مین موجود ہوے اور بعض موجود نہوے تو اس کا باعث کوئی خارجی امر تو ہے نہین جو کچھ بیان ہے اُسی کی ذات ہے سو اُس کو نسبت سب صفات کے ساتھ برابر ہے اگر ترجیح بلامرجح سے بچینگے تو یہ لازم آے گا کہ جن جن کی طرف اُس کی ذات محتاج تھی وہ تو اُس مین جمع ہوگئے باقی چھوٹ نگئے اور احتیاج کا ثابت ہونا خدائی کے شایان نہین چوتھے جسم ہونے کی صورت مین اس کا متناہی ہونا بھی لازم آے گا اور جب تناہی لازم آئی تو اس کے سیلیے ایک ایسی مقدار معین اور شکل مخصوص کا ہونا ضرور ہے جو اور اجسام سے علیحدہ ہو اور پھر یہان وہی جھگڑا ترجیح بلامرجح کا لازم آجاے گا یا کسی

مخصص کی طرف احتیاج پیش آئے گی اور وہ مخصص جو اللہ تعالےٰ کو وہ شکل اور مقدار عنایت کرے گا غیر ہوگا اور اللہ کی حاجت غیر کے ساتھ واقع ہونا بہت نامناسب ہے وہ اللہ کا ہے گو ہو گا ممکن ہو گا اور ہم اللہ اُسے کہتے ہین جو اپنے وجود اور کام مین دوسرے کا محتاج نہو **ولا جوہر** اور نہ جوہر ہے یہ عطف ہے بلا جسم پر اور جوہر سے مراد یہان جزو لا تیجزے ہے یعنی ایسا جز جس کی تقسیم نہو سکے اور اس کی کوئی شکل بھی نہین ہوتی کیونکہ شکل اُس ہیئت کو کہتے ہین جس کو ایک حد یا کئی حدین احاطہ کئے ہون اور جزو لا تیجزے کی جب کوئی شکل مانی جائیگی تو اسکی ایک حد یا کئی حدین بھی ہون گی اور اس صورت مین دو جز یا حصے یا ٹکڑے ماننا پڑین گے کہ ایک مین نہایت ہوگی اور دوسرا وہ ہو گا جس کی یہ نہایت ہے اور نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ جوہر بھی مثل جسم کے تقسیم کے قابل ٹھہریگا اور یہ غلط ہے اور خدا تعالےٰ جوہر اس وجہ سے نہین کہ جوہر جزو جسم ہے اور متحیز بھی ہے اور خدا اے تعالےٰ جسم و حیز سے منزہ ہے پس جوہر نہ ہوگا اور جوہر ممکن ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ ممکن نہین علاوہ اس کے جوہر احقر الاشیا ہو اگرچہ حکما کی اصطلاح مین جوہر کا اطلاق اس موجود پر بھی شائع ہے جو خود قائم اور موجود ہو اسیلیے بعض کے کلام مین واقع ہے کہ اللہ تعالےٰ احدی الذات واحدی الجوہر ہی مگر پھر بھی اُس لفظ کا اطلاق ذات باری تعالےٰ پر نکرنا چاہیئے اس لیے کہ شارع نے اذن نہین دیا ہے **ولا عرض** یہ عطف ہے لا جوہر پر یعنی نہ عرض ہے اس لیے کہ خدا اپنی ذات سے قائم ہے اور عرض اُسے کہتے ہین جس کا قیام تابع دوسرے کے قیام کا ہو مثلاً رنگ اور شکل اور عرض ممکن ہوتا ہے اور اللہ تعالےٰ ممکن نہین عرض ہمیشہ جسم و جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس طرح کہ دونون اشارہ حسی مین ممتاز اور الگ الگ نہین ہو سکتے اور اس کی تعریف

جزو لا تیجزی

حکما

نظام و نجار کا مذہب

سے بخوبی ثابت ہے کہ جسم اعراض مجتمعہ کا مجموعہ نہین ہے جیسا کہ نظام ونجار معتزلی کی رائے ہے کیونکہ عرض خواہ واحد ہو یا متعدد وبذات خود قائم نہین ہو سکتا اُس کے قیام کے لیے جوہر وجسم کا ہونا ضرور ہے جیسے رنگ کپڑے پر اور حروف کاغذ پر قائم ہین کپڑا اور کاغذ جسم ہین کہ بذات خود قائم ہین اور رنگ اور حروف عرض ہین کہ کاغذ اور کپڑے کے ذریعہ سے ان کا قیام ہے اور قیام بالغیر سے یہ مراد ہے کہ اپنے تحیز مین غیر کا محتاج ہے اور اس مراد کے لینے کی یہ ضرورت ہے کہ متکلمین نے عرض کی تعریف یون کی ہے کہ عرض ایک موجود ممکن ہے جو کسی تحیز کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اس تعریف سے اعدام و سلوب نکل گئے کہ وہ موجود نہین ہوتے اور اعیان وجواہر بھی نکل گئے کہ وہ بذات خود قائم ہوتے ہین اور قید ممکن سے ذات باری اور صفات باری بھی نکل گئے اور بعض اشاعرہ جو عرض کی تعریف مین کہتے ہین کہ وہ غیر کی صفت ہوتا ہے یہ باطل ہے اس لیے کہ صفات سلبی بھی تو غیر کی صفت ہوا کرتے ہین باوجودیکہ اعراض نہین کیونکہ عرض اقسام موجود سے ہے اور چونکہ معتزلہ معدوم کو ایک شے مانتے ہین اس لیے وہ عرض کی یون تعریف کرتے ہین کہ عرض وہ چیز ہے کہ اگر خارج مین پائی جائے تو تحیز کے ساتھ قائم ہو کیونکہ ان کے نزدیک عدم مین عرض کو بھی ثبوت کا مرتبہ حاصل ہے اس لیے کہ ان کے زعم مین وجود ماہیت پر زائد ہے یعنی وجود اور ماہیت غیر غیر ہین پس عدم کی حالت مین اعراض وجود سے منفک ہوتے ہین اس لیے متحیز کے ساتھ قیام کی کوئی ضرورت نہین ہوتی اور جب عدم سے وجود کی طرف آتے ہین تو غیر کے ساتھ پائے جاتے ہین اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فنائے جوہر کو یہ لوگ عرض بتاتے ہین حالانکہ اپنے وجود کی تقدیر پر وہ کسی متحیز کے ساتھ قیام پذیر نہین ہوتا

متکلمین کے نزدیک عرض کی تعریف بعض اشاعرہ کی تعریف

معتزلہ کے نزدیک عرض کی تعریف

معتزلہ کی تعریف پر اعتراض

اس لیے کہ تحیز جوہر ہوتا ہے اور جوہر کے ساتھ فناے جوہر کا قیام محال ہے کیونکہ یہ منافی وجود جوہر کے ہے پس فناے جوہر حد عرض مین داخل نرہے گا اور تعریف جامع نہوگی اور مذہب حق یہ ہے کہ معدوم ثابت نہین ہے اور نہ درمیان وجود و عدم کے ثبوت و تقرر کا کوئی واسطہ ہے اعراض کی تقسیم متکلمین نے اس طرح کی ہے کہ عرض دو قسم پر ہے ایک تو وہ کہ ذی حیات سے خصوصیت رکھتا ہے جیسے خود حیات اور جو کچھ حیات سے تعلق رکھتا ہے جیسے حواس کے ذریعہ سے ادراکات اور علم اور قدرت اور ارادہ اور کراہت اور شہوت اور نفرت اور دوسری قسم وہ ہے جسے ذی حیات کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین ہے جیسے حرکت اور سکون اور اجتماع اور افتراق اسی طرح وہ اشیا جو حواس خمسہ سے محسوس ہوتی ہین جیسے آواز اور رنگ اور بو اور مزہ اور حرارت اور برودت وغیرہ استقراء اور برہان تطبیق وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراض کی ساری قسمین متناہی ہین مگر جبائی معتزلی اور قاضی ابوبکر اشعری وغیرہ یہ بھی کہتے ہین کہ جس قدر اعراض پائے جاتے ہین انھین پر انحصار نہین بلکہ ممکن ہے کہ اُن کے سوا اور بھی اعراض پائے جائین اور وہ نامتناہی ہون اور اکثر معتزلہ اور بعض متکلمین اہل سنت اس رائے کے خلاف ہین اور حق یہ ہے کہ نہ ہم وہ کہہ سکتے ہین نہ یہ ہمکو دونون باتون مین توقف ہے اور اعراض کے وجود سے کسی کو انکار نہین ہے مگر ابن کیسان کا یہ زعم ہے کہ عرض کوئی چیز نہین کل عالم جواہر ہے اس کے نزدیک حرارت برودت رنگ اور روشنی وغیرہ ساری چیزین جواہر مین داخل ہین اور یہ محض غلط ہے اور جو لوگ اس بات کے قائل ہین کہ عرض موجود ہے اُن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ عرض بذات خود قائم نہین ہوتا مگر ابو ہذیل علاف معتزلی اور اس کے اصحاب کی یہ رائے ہے کہ عرض بھی قائم بذات خود

اعراض کی تقسیم

اعراض متناہی ہین

ابن کیسان اعراض کا منکر ہے

ابو ہذیل کے نزدیک عرض بذات خود بھی قائم ہوتا ہے

ہوتا ہے یعنی محل کا محتاج نہیں ہوتا اس لیے کہ اُس نے ایسا ارادہ عرضی ثابت کیا ہے جس کے لیے کوئی محل نہیں ہے اور اللہ کو اُس کا مرید ٹھہرایا ہے اور یہ ایک بہت لچر بات ہے جو عقلا کی شان سے بعید ہے اس لیے کہ ہم رنگ اور روشنی اور آواز اور مزہ اور حرارت اور برودت وغیرہ اعراض کا اپنے حواس سے ادراک کرتے ہیں اور پھر یہ دیکھتے ہیں اور اس پر ہم کو تعین بھی ہے کہ قائم بذات خود نہیں کسی نہ کسی محل میں ہو کر پائے جاتے ہیں اور خاص اللہ تعالےٰ کے واسطے ایسا ارادہ ثابت کرنا جو بذات خود قائم ہو بڑی ہٹ دھرمی ہے اس لیے کہ اس قسم کے ارادے کی خصوصیت جناب الٰہی سے کیا ضرور ہے اس کی نسبت تو خدا اور غیر خدا دونوں کیطرف برابر ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ عرض خود ایک محل سے دوسرے محل میں منتقل نہیں ہو سکتا اور نہ ایک عرض دوسرے عرض کا محل قیام بن سکتا ہے اور جو عرض خاص ایک محل میں قائم ہوتا ہے وہ وہ نہیں ہوتا جو دوسرے محل میں قائم ہے مثلاً سفیدی ہاتھی دانت میں بھی ہے اور بگلے میں بھی ہے مگر یہ اور ہے اور وہ اور ہے اسی طرح سیاہ زید بھی ہے اور عمرو بھی ہے مگر دونوں سیاہیاں جدا جدا ہیں پس عرض مخصوص کے واسطے دو محلوں کی ضرورت نہیں **ولا حدلہ** اور نہ اُس کی کوئی حد ہے کیونکہ حد اور غایت اس چیز کی ہوتی ہے جس کا حصر اور انتہا ہو سکے حد شے کی طرف اور نہایت کو کہتے ہیں جیسے نقطہ خط کی حد ہے اور خط سطح کی حد ہے اور سطح جسم کی حد ہے اس لیے کہ خط ایک طول ہے بدون عرض کے اور نقطے پر تمام ہوتا ہے اور سطح وہ ہے جس کا فقط طول و عرض ہو اور خط پر تمام ہو پس نقطہ وہ ہے جس کا نہ طول ہو نہ عرض ہو نہ عمق ہو اور یہ حال ذہنی خطوط و نقوط کا ہے جو خارجی خطوط و نقوط کی نقول ہیں غرض کہ ایسی حد مادیات میں ہوا کرتی ہے

عرض خود ایک محل سے دوسرے محل میں منتقل نہیں ہو سکتا

کیونکہ جس کو ایک حد یا کئی حدیں گھیرتی ہیں اُس کے لیے ایک شکل پیدا ہو جاتی ہی اور شکل خواص اجسام سے ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے واسطے نہ نہایت ہے اور نہ طرف ہے اور نہ وہ محصور ہو سکتا ہے کیونکہ وہ کمیات اور متکممات سے منزہ ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ کم عرض کا نام ہے جو بالذات قابل قسمت ہوتا ہے اور اللہ تعالے کم نہیں ہے اگر کم ہو تو عرض ہو اور عرض اپنے قیام کیلیے غیر کا محتاج ہوتا ہے اور جو چیز محتاج ہوتی ہے وہ ممکن ہے اور متکممات سے اسلیئے نہیں ہے کہ کل متکممات ذی جسم ہوتے ہیں اور اللہ تعالے الجسم سے مبرا ہے اگر جسم ہوتا تو اُس میں ترکیب لازم آتی اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں حد سے مراد معرّف لیا جاے جو منطقین کی اصطلاح میں جنس اور فصل سے ترکیب پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی مستغنے ہے کیونکہ وہ ذہن اور خارج دونوں کے اعتبار سے بسیط ہے نہ اس کے اجزاے ذہنی نکل سکتے ہیں نہ خارجی میرزا ہد نے شرح مواقعت کے حواشی میں لکھا ہے کہ حد دو قسم کے اجزا سے ترکیب پاتی ہے ایک اجزاے ذہنی سے اور وہ جنس و فصل کہلاتے ہیں اور دوسرے اجزاے خارجی سے اور وہ یہ ہیں جن سے اشیا کا وجود خارج میں متحقق ہوتا ہی جیسے مکان کی حد چھت اور کھپریل اور دیواریں وغیرہ ہیں اور فلاسفہ کے نزدیک ہیولے وصورت اور متکلمین کے نزدیک اجزاے لاتیجزے بھی جسم کے اجزاے خارجی سے ہیں اور اجزاے خارجی خارج اور ذہن دونوں میں ممتاز ہوتے ہیں اور ہر ایک خارج میں وجود مستقل بھی رکھتا ہے اور اجزاے ذہنی کو صرف ذہن ہی میں امتیاز رہتا ہے خارج میں ممتاز نہیں ہو سکتے اور نہ خارج میں ان میں سے کسی کو وجود مستقل جو علیحدہ علیحدہ ہو حاصل ہوتا ہے جس طرح اجزاے خارجی سے ملکر شے کی ماہیت خارجی حاصل ہوتی ہے اسی طرح جنس و فصل

اجزاے خارجی و ذہنی کی تفصیل

دونون سے ملکر شے کی تمام ماہیت بنتی ہے فصل جنس کے ابہام کو دور کرتی ہی
اور جنس کی مخصص ہے کیونکہ جنس ایک ایسا مفہوم اور ذہنی تصور ہوتا ہے جس مین
عقل تعدد اور شرکت کو جائز قرار دیتی ہے مثلاً حیوان کہ جب اُس کا تصور عقل
مین آیا اُس کے ساتھ عقل نے یہ بھی تجویز کیا کہ انواع متعدد شریک حیوانیت
ہوسکتی ہین انسان گھوڑا ہاتھی وغیرہ بہت سے انواع پر حیوان صادق آسکتا ہی
اور اُس کے ساتھ ناطق یا صاہل (ہنہنانے والا) مل جانے سے انسان
یا فرس بن جاتا ہے بہر صورت اگر واجب تعالےٰ کے واسطے اجزاے
خارجی ہون گے تو یہ اجزا اُس کے علل واقع ہون گے کیونکہ یہ ضروری بات
ہے کہ اجزا اپنے کل کی علتین ہوتے ہین اور اس صورت مین کل اپنی علتون
کا معلول اور اُن سے متاخر ہوگا پس اگر یہ تاخر فقط ذاتی ہوگا تو کل کے لیے
حدوث ذاتی لازم آتا ہے اور اگر تاخر زمانی بھی ہوگا تو حدوث زمانی واجب ہوتا
ہے اور یہ دونون قسم کے حدوث ممکنات سے مختص ہین اور امکان واجب
تعالےٰ کی شان سے بعید ہے اور اگر واجب تعالےٰ کے لیے اجزاے
ذہنی ہون گے تو وہ بھی ایک حقیقت نوعی قرار پاے گا حالانکہ یہ بات مسلمات
سے ہے کہ اُس کا تشخص بالذات ہے کسی دوسرے کو اس مین دخل نہین
اور جس کا تشخص عین ذات ہوتا ہے تو اس مین کسی طرح کا ابہام نہین ہوتا نہ ابہام
جنسی کہ ازالہ ابہام کے لیے فصل کی حاجت پڑے اور نہ ابہام نوعی کہ تشخص
لگنے کی احتیاج ہو جس طرح زید خالد ولید وغیرہ جو آدمی تم دیکھتے ہو یہ تو ہرگز نوع
مطلق نہین کیونکہ ان مین انسانیت کے ساتھ تشخص کی بھی قید لگی ہے اور ہر ایک
کے ساتھ اُس کا تشخص جدا ہے جو دوسرے مین نہین ولا ضد لہ ولا ند لہ
اور نہ کوئی اُس کا ضد ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے ابن عباس نے کہا ہے

کہ ایک شخص نے حضرت سے کہا تھا ماشاء اللہ وشئت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا جعلتنی للہ ندا ما شاء اللہ وحدہ رواہ ابن ابی شیبہ والاحمد والبخاری فی
الادب المفرد والنسائی وابن ماجہ وابونعیم فی الحلیہ یعنی اُس مرد نے یہ بات کہی تھی
کہ جو اللہ چاہے اور جو تم چاہو اُس پر آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھکو اللہ کا ہمسر
ٹھہرایا ہے یون کہو کہ جو محض اللہ چاہے بخاری اور مسلم کا لفظ ابن مسعود سے
یہ ہے مین نے کہا اے رسول خدا کون گناہ بہت بڑا ہے فرمایا ان تجعل للہ
ندا وھو خلقک یعنی تو اللہ کے لیے کوئی ہمسر ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھ کو پیدا
کیا ہے ابن عباس نے کہا مراد انداد سے شرک ہے شرک چیونٹی کی چال
سے بھی چکنے صاف کالے پتھر پر اندھیری رات مین زیادہ تر مخفی ہے
ولا مثل لہ اور نہ کوئی اُس کی مانند ہے مماثلت نوع مین شریک ہونے
کو کہتے ہین چنانچہ متماثل اُن دو کو کہتے ہین جو ماہیت نوعیہ مین باہم متفق ہون
واضح ہو کہ ہر چیز کے دریافت کرنے کا طریقہ عام مین چار طور پر منحصر ہے یعنی اس
کے لیے چار علتین ضرور ہین پہلے اس چیز کے مادے کا دریافت کرنا یعنی اُس
کی اصل کیا ہے دوسرے اس کی صورت کا دریافت کرنا کہ کس طرح کی ہے
تیسرے اس کی علت کا دریافت کرنا چوتھے اس کی غرض کا معلوم کرنا کہ یہ چیز کس
کام کی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے تخت کی حقیقت کا سوال کیا
تو اس کا جواب چار طور سے ہو سکتا ہے یعنی اس کے جواب مین چار چیزین بیان
کی جائینگی اول اُس کے مادے کو بیان کرینگے کہ لکڑی کے تختون اور
لوہے کی کیلون سے بنا ہے اور اس کو علت مادی کہتے ہین دوسرے
صورت اس کی بیان کرینگے کہ مربع ہے یا طویل ہے اس کو علت صوری
کہتے ہین تیسرے اس کے بنانے والے کو بیان کرینگے کہ بڑھئی نے

چار علتین

بنایا ہے اس کو علت فاعلی کہتے ہین چوتھے اس کی غرض بیان کرین گے اس کو علت غائی کہتے ہین سو حق تعالے کی جناب مین چارون طریقے ممکن نہین ہین پس اس غرض کے اظہار کے لیے جناب الٰہی کی پاکیون کا بیان کرنا ضرور تھا تاکہ پوری تمیز اور جدائی حاصل ہو جاے اس لیے مصنف عالی جناب نے بلا جسم وغیرہ سے صفات سلبی کو بیان کر دیا **وله ید و وجه و نفس فما ذکره الله تعالیٰ فی القرآن من ذکر الوجه والید والنفس فهو له صفات بلا کیف ولا یقال ان یده قدرته او نعمته لان فیه ابطال الصفة** اور اس کے لیے ہاتھ اور منھ اور نفس ہے پس وہ جو اللہ تعالے نے قرآن مین منھ اور ہاتھ اور نفس کا ذکر فرمایا ہے یہ اس کی ایسی صفات ہین جن کی کیفیت معلوم نہین اور یہ نکہنا چاہیئے کہ ہاتھ سے قدرت یا نعمت مراد ہے کیونکہ ایسا کہنے مین اللہ کی صفت کا باطل کرنا ہے اور بلا کیف ثابت کرنے سے اصل صفت باطل نہین ہو سکتی کیونکہ اگر کسی چیز کی اصل معلوم ہو مگر وصف اس کا مجہول ہو تو وصف کے مدرک نہونے سے اصل معلوم باطل نہین ہو سکتی ایسے الفاظ متشابہات کہلاتے ہین اور یہ قرآن اور حدیث دونون مین وارد ہین مثلاً الرحمن علی العرش استوے یعنی وہ بڑے مرتبے والا عرش پر قائم ہوا جاء ربک والملک صفا صفا یعنی جبکہ تیرا پروردگار قیامت مین آئے گا اور فرشتے صفون کی صفین آئین گے ثم دنے فتدلے فکان قاب قوسین او ادنے یعنی پھر نزدیک ہوا پس اوتر آیا پھر فرق دو کمانون کی برابر رہگیا یا اُس سے بھی کم ید الله فوق ایدیهم یعنی اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھون کے اوپر ہے ویبقے وجه ربک یعنی تیرے رب کا منھ باقی رہے گا و یوم یکشف عن ساق یعنی جس دن پنڈلی کھولی جائیگی اور ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم مین

مروی ہے فاما النار فلا تمتلی حتے یضع اللہ رجلہ تقول قط قط یعنی دوزخ اُس وقت تک نہین بھرنے کی جب تک اللہ تعالےٰ اس مین اپنا پانون نرکھیگا دوزخ کہے گی بس بس اور ابو ہریرہ سے انھین دونون نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما قضے اللہ الخلق کتب کتابا فہو عندہ فوق عرشہ یعنی جب اللہ تعالےٰ نے مخلوق کا پیدا کرنا شروع کیا تو ایک کتاب لکھی جو اُسکے پاس عرش پر ہے اور انھین دونون نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ینزل ربنا تبارک و تعالےٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقے ثلث اللیل الآخر یعنی اللہ پاک شب کو جبکہ کھلی تہائی رات باقی رہتی ہے تو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور مسلم کی ایک روایت مین ہے کہ پھر اپنے دونون ہاتھ کھولتا ہے اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے وعدنی ربی یدخل الجنۃ من امتی سبعین الفا لاحساب علیہم ولا عذاب مع کل الف سبعون الفا و ثلث حثیات من حثیات ربی یعنی مجھسے میرے پروردگار نے وعدہ کیا ہے کہ میری امت مین سے بہشت مین ستر ہزار آدمی بلاحساب داخل کریگا کہ اُنمین سے ہر ہزار کیساتھ ستر ہزار اور تین لپین میرے رب کی لپونسے ہونگی اور عبد اللہ ابن مسعود سے بخاری نے روایت کی ہے کہ قوم یہود کے ایک عالم نے آنحضرت کے روبرو بیان کیا ان اللہ یمسک السموات یوم القیامۃ علی اصبع و الارضین علی اصبع والجبال والشجر علے اصبع والماء والثرے علے اصبع وسائر الخلق علے اصبع ثم یہزہن یعنی اللہ قیامت کے دن آسمانون کو ایک انگلی پر تھامنے گا اور زمینون کو ایک انگلی پر اور پہاڑون اور درختون کو ایک انگلی پر اور پانی اور اُس کے نیچے کی کیچڑ کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر پھر انگلیون کو

ہلائے گا حضرت اُس کی راست گوئی پر متعجب ہو کر ہنسے اور اس طرح اُس کے
قول کی تصدیق کی اور عبداللہ ابن عمر سے مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ
نے فرمایا ان قلوب بنی آدم بین اصبعین من اصابع الرحمن یقلبها کیف یشاء
بنی آدم کے دل اللہ تعالےٰ کی دو انگلیون کے درمیان مین ہین اُن کو جس طرح
چاہتا ہے پھیرتا ہے اور مسلم نے روایت کی ہے یمین اللہ ملاٰے یعنی اللہ کا
داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے اس قسم کے تمام الفاظ کی نسبت کہ جو کچھ اُنسے مراد ہے وہ
حق ہے اور ان کی کیفیت کے دریافت کرنے کے درپئے نہون ان کی تفصیل
اللہ تعالےٰ کو سونپے اجماع سلف سے ہم کو یہی پہونچا ہے کہ یہ الفاظ اپنے
معانی ظاہری پر محمول ہین مذہب اسلم یہی ہے اور سلف نے بھی یہی
اختیار کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جب
عرب سے ہمارے نبی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب آدمیون کی طرف
رسول بنا کر بھیجا تو حضرتؐ نے اللہ کے اوصاف لوگون سے بیان کیے یہ وہی
اوصاف ہین جن کے ساتھ اللہ نے اپنی ذات پاک کو قرآن مین موصوف کیا ہی
یا حضرت کو وحی فرمائی ہے سب لوگون نے اللہ کی ان صفتون کو سنا اور اپنے
رب کو ان اوصاف کے ساتھ پہچانا مگر سارے عرب مین کسی شہری و دیہاتی
نے باری تعالےٰ کی کسی ایک صفت کے معنے بھی حضرت سے نہ پوچھے
جس طرح کہ نماز اور زکوۃ اور روزہ اور حج اور جہاد وغیرہ سے سوال کرتے
تھے امر و نہی کا مطلب پوچھتے تھے یا احوال قیامت و جنت و دوزخ کا حال
دریافت کرتے تھے کیونکر اگر ان مین سے کوئی آدمی بھی کسی ایک شئے کا صفات
الٰہی مین سے سوال کرتا تو ضرور تھا کہ ہم تک وہ سوال منقول ہوتا جس طرح اور
احادیث احکام حلال و حرام و ترغیب و ترہیب و احوال قیامت وغیرہ کی منقول

متشابہات کی تاویل

ہوئی ہین بلکہ سب کے سب معنے صفات ازلیہ جیسے علم وقدرت وحیات وارادہ وسمع وبصر وکلام وجلال واکرام وجود وانعام وعزت وعظمت وغیرہ کو سمجھ کر گفتگو کرنے سے صفات مین خاموش رہے اسی طرح جو الفاظ ایسے ہین کہ ان کا اطلاق شرع مین اللہ کی ذات پہ ہوا ہے جیسے ید وجہ ساق قدم اصبع استوا حثیات نزول وغیرہ ان کو بھی ثابت کرتے رہے اور مماثلت مخلوقات سے نفی کر کے اُن اوصاف کو بلا تشبیہ ثابت رکھا اللہ کی تنزیہ بلا تعطیل کی اور سب کا طرز کلام ایک ہی نہج پر رہا معہذا کسی نے ان مین سے کسی وصف کی تاویل سے تعرض نکیا بلکہ سب کا اعتقاد یہی تھا کہ ان صفتون کو مطابق ورود کے جاری رکھنا چاہیے کسی ایک صحابی کے پاس بھی کوئی استدلال اللہ کی وحدانیت و اثبات نبوت پر کتاب اللہ کے سوا نہ تھا اور نہ کوئی شخص ان مین سے طرق کلامیہ ومسائل فلسفیہ کو پہچانتا تھا چنانچہ صحابہ کا سارا عصر اسی حالت پر گذرا یہانتک کہ اکثر متاخرین متکلمین نے تاویل کی راہ اختیار کی مثلاً استوا سے مراد استیلا اور ید سے قدرت اور وجہ سے ذات ہے اور مراد قدم سے حدیث نار مین قدم بعض مخلوقات الٰہی کا ہے اور بعض نے دوسری طرح اس چیز کے ساتھ تاویل کی ہے جو ذات الٰہی کے مناسب ہے اور اللہ کے نزول سے مراد اس کے حکم یا رحمت یا ملائکہ کا اترنا ہے اور حثیات کنایہ ہے کثرت اور مبالغہ سے اور اصبع اور ہلانا اور پھیرنا کنایہ ہے تصرف اور غلبۂ قدرت اور عظمت سے اصلی معنے مراد نہین تلاش کے بعد معلوم ہوا کہ مسلمانون کے اس باب مین پانچ قول ہین ایک(۱) اعتقاد کرنا موافق مفہوم لغت کے دوسرے(۲) مطلقاً سکوت کرنا ان الفاظ سے تیسرے(۳) ساکت رہنا اُن سے بعد نفی ارادہ ظاہر کے چوتھے(۴) حمل کرنا اُن کا مجاز پر پانچوین(۵) حمل کرنا اُن کا اشتراک پر ماتریدیہ کا مختار یہ ہے کہ متشابہات

کی اصل معلوم ہے اور وصف مجہول ہے اور وصف پر مطلع نہو سکنے کی وجہ سے اصل کا باطل کرنا جائز نہین اور اشاعرہ کے نزدیک یہ الفاظ مجازات ہین معانی ظاہری سے اور بعض محققین نے کہا ہے کہ عرب کی روش یہ ہے کہ جب کسی کے جود وکرم کا وصف بیان کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین اُس کے دونون ہاتھ فراخ اور کشادہ ہین اگرچہ اُس کے ہاتھ نہون اس طرح کہ کٹ گئے ہین یا بے ہاتھ پیدا ہوا ہو یا کسی کا وصف سلطنت وملکداری کے لحاظ سے کرتے ہین تو کہتے ہین کہ فلان تخت پر بیٹھا اگرچہ وہ تخت پر نہ بیٹھے اور تخت اُس کے پاس موجود نہو تشابہات قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لیے یہ طریق خوب ہے اس سے کہ تاویل کرین اور کہین کہ مراد ہاتھ سے یہ ہے اور تخت سے یہ لیکن حق ان مین صورت اول ہے یعنی الفاظ کو اپنے معانی ظاہری پر محمول کرنا اوران کی مراد پر ایمان لاکر تفصیل اللہ کے حوالے کرنا اور یہی مذہب صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین وفقہا واصولیین محققین کا ہے شیخ الاسلام ذہبی نے سیر النبلا مین قتیبہ اور علی بن مدینی اور اسحاق بن راہویہ اور مزنی اور ابو حاتم رازی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کے الفاظ کی تاویل نہین کرتے تھے ظاہری معانی ہی پر حمل کرتے تھے اور ذہبی نے کتاب العرش مین بھی اس قسم کے اقوال جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق جل شانہ عرش پر بلا کیف ہے صدہا صحابہ وتابعین اور فقہا ومحدثین سے نقل کیے ہین اور احادیث نبویہ بھی جو فوقیت رب پر دلالت کرتی ہین ذکر کی ہین ۔ ابو شکور سالمی نے تمہید مین لکھا ہے کہ ایکبار جہم بن صفوان نے امام مالک سے سوال کیا کہ یہ جو قرآن مین ہے الرحمن علی العرش استوی تو اللہ تعالےٰ عرش پر کیونکر قائم ہے اُنھون نے جواب دیا الاستواء غیر مجہول والکیف غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ

اور اس کے بعد کہا کہ تب مجھے گمراہ معلوم ہوتا ہے اور سراج الدین علی قصیدہ بدء الامالی مین کہتے ہین۔

وربّ العرش فوق العرش لکن　　بلا وصف التمکن واتصال

یعنی خداوند عرش اوپر عرش کے ہے لیکن ایسا نہین کہ جم کر بیٹھا یا ملنے کے طور سے **وہو قول اہل القدر والاعتزال** اور یہ یعنی صفت کا باطل کرنا قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے اور یہ اُن کی غلطی ہے اسلیے کہ جبکہ خدا نے ید کا لفظ استعمال کیا اور اس کی جگہ قدرت ونعمت نہین لایا تو اس سے معلوم ہوا کہ ید سے اللہ کی مراد یہ دونون معنے نہین بلکہ کچھ اور مقصود ہے اہل قدر ایک فرقہ ہے جو منسوب ہے قدر کی طرف کیونکہ وہ قضا وقدر الٰہی کے منکر ہین کہتے ہین کہ بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے قضا وقدر کو اُس مین دخل نہین اور اپنے افعال مین بندہ خدا کا محتاج نہین ہے پہلی جو بدعت زمانہ صحابہ مین نکلی وہ یہی مذہب قدریہ کا ہے تمام معتزلہ اور شیعہ مین سے امامیہ قدریہ ہین معتزلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصری کو یہ خبر پہونچی کہ مسلمانون مین ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ کہتے ہین کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مومن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل مین ہے درمیان منزل ایمان وکفر کے تو اونھون نے کہا ہولاً اعتزلوا عنا یعنی یہ لوگ اجماع اسلام سے کنارہ کش ہو گئے ہین تب وہ فرقہ معتزلہ کہلانے لگا کیونکہ علماے سلف نے اس جگہ پر اتفاق کر لیا ہے کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر پس قول بالواسطہ سراسر اجماع کے مخالف ہے اس تمام گروہ کا رئیس اور پیشوا واصل ہے جس نے احادیث واخبار کو حسن بصری سے سیکھا تھا اور قواعد اعتزال کو عبد اللہ بن محمد حنفیہ سے ۸۰ھ مین پیدا ہوا تھا اور ۱۳۱ھ مین مر گیا اہل القدر والاعتزال مین عطف خاص کا عام پر ہے

کیونکہ کل معتزلہ قدریہ ہیں اور کل قدریہ معتزلہ نہیں معتزلہ اور امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کی صفات اس کی ذات سے علیحٰدہ نہیں ہیں بلکہ ذات اور صفت دونوں ایک
ہیں عین ذات سے سب اوصاف کے کام نکلتے ہیں اگر صفات الٰہی
کو علیحٰدہ موجود مانا جاوے تو تعدد الہ لازم آئے پس انھوں نے اس وجہ ف. معتزلہ امامیہ
سے صفات الٰہی کا ابطال کیا ہے کہ بہت سے قدما اور الہ ثابت نہو جائیں
اور یہ خیال اُن کا سراسر غلط ہے کیونکہ ایک ذات کو قدیم مانکر اُس کے لیے
کئی صفات قدیمہ ثابت کرنے میں ابطال توحید نہیں اور صفات الٰہی کے انکار
میں تعطیل لازم آتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ معطلہ بھی کہلاتے ہیں کیونکہ اس ف. معطلہ
ذات مقدس کے لیے صفات ثابت نہیں کرتے **ولکن یدہ صفتہ
بلا کیف وغضبہ ورضاہ صفتان من صفاتہ بلا کیف** لیکن اللہ کا
ہاتھ ایک ایسی صفت ہے جس کی کیفیت معلوم نہیں اور اوس کا غصہ اور
رضامندی دونوں صفتیں ایسی ہیں جن کی کیفیت مجہول ہے ملا علی قاری کی شرح
قصیدۂ بدء الامالی اور ابن ہمام حنفی مولف فتح القدیر کی مسائرہ اور عبد العزیز بخاری
حنفی کی کتاب کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور ابو شکور حنفی کی تمہید کی
عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب صحابہ وغیر صحابہ ائمہ وغیر ائمہ حنفیہ وغیر
حنفیہ سب کا یہ ہے کہ حق جل شانہ کی فوقیت عرش پر اور ید اور وجہ اور غضب
اور رضا وغیرہ صفات بلا کیف ہیں اور ان سب کی تاویل کرنا صحیح نہیں ہے منشا تاویل کا یہ قدر
ہے کہ جب جہمیہ نے اس قسم کی آیات واحادیث سے جسمیت کا خیال کیا تو علما نے انکے ف. جہمیہ
الزام واسکات کیلیے تاویل کرنا شروع کیا نہ اس غرض سے کہ یہ معنے ماؤل مراد
ہیں بلکہ اس غرض سے کہ جسمیت کا شبہ رفع ہو جائے پس جن آیات واحادیث
میں ایسے الفاظ ہیں وہ سب معانی ظاہرہ پر محمول ہیں اور کیفیات ان سب کی مجہول

حروف مقطعات

ہین اور اس مین جسمیت بھی لازم نہین آتی کیونکہ جب کیفیت مجہول کہی گئی اور خیال
لیس کمثلہ شے کا بھی رہا اور تنزیہ تام کی گئی تو جسمیت کسی طرح لازم نہ آئے گی
پس مراد آلہی پر ایمان لانا چاہیئے اور ان کی تاویلات سے سکوت اولے ہے
جب شعبی سے حروف مقطعات کے معانی کا سوال کیا گیا تو انھون نے کہا للعلماء
سر وللخلفا سر وللانبیاء سر وللملائکۃ سر وللہ تعالے لمن بعد ذلک کلہ سر پس علما کو
ممکن نہین کہ خلفا کے بھید پر مطلع ہو سکین و علے ہذا القیاس اس لیے کہ عقول
ضعیفہ اسرار قویہ کی متحمل نہین ہو سکتین جیسا کہ چمگاڈر کی بینائی نور آفتاب کی برداشت
نہین کر سکتی خلاصہ یہ ہے کہ شعبی نے کہا کہ یہ اللہ تعالے کا بھید ہے اس کا سوال
نکرنا چاہیے اور یہ جو اس قول کے رد مین کہا ہے کہ اگر اسی طرح ہو تو قرآن معلوم

متشابہات مین صرف ایمان مطلوب ہے

المعنے نہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے نزول کا فائدہ صرف فہم
معانی مین منحصر نہین کہین مجرد ایمان ہی مطلوب ہوتا ہے چنانچہ متشابہات مین یہی
منظور ہے اور جس طرح شریعت مین افعال مکلف کی دو قسمین ہین ایک ایسے
ہین جن مین حکمت کی وجہ ظاہر ہے مثلاً نماز کہ اس مین معبود کی طاعت اور منعم کا
شکر ظاہر ہے اور روزہ کہ نفس و شہوت کمزور کرتا ہے اور زکوۃ کہ اس سے
مساکین کی حاجت بر آری ہوتی ہے اور عیب بخالت زائل ہوتا ہی دوسرے
اس قبیل سے ہین کہ اُن کی حکمت کسی طرح ظاہر نہین ہو سکتی جیسے حج کے اکثر
افعال اور تکلیف دونون قسمون کے ساتھ آئی ہے تا کہ مکلفین کے مرتبون مین
ان کی بجا آوری سے ترقی پیدا ہو بلکہ قسم ثانی مین کمال انقیاد زیادہ تر ظاہر ہوتا ہے
اسی طرح قرآن کے کلمات مین دونون قسمین موجود ہین تا کہ قسم ثانی مین قوت ایمان
کا زیادہ ظہور ہو خلق اللہ تعالے الاشیاء اور اللہ تعالے نے تمام
چیزون کو پیدا کیا ہے خدائے تعالے خود قرآن مجید مین فرماتا ہے اللہ خالق کل شیئ

ہر چیز کو اللہ نے بنایا ہے اور از انجملہ یہ آیت ہے ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستة ایام یعنی اللہ تعالے نے آسمان اور زمین کو اور جس قدر چیزین کہ اُنمین ہین سب کو چھ دن کی مقدار مین پیدا کیا ہے قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون یعنی اے لوگو تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے پیدا کیا ہے شاید تم ڈرو امام فخر الدین رازی وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس آیت سے وجود خالق اشیا پر استدلال کیا ہے عمران بن حصین سے بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے سوال اہل یمن کے جواب مین کہا کان اللہ ولم یکن شئ قبلہ یعنی ازل مین ایک اللہ تھا اور کوئی چیز اوس کے ساتھ وہان نہ تھی یہ منقولی دلیلین اس بات پر دلالت کرتی ہین کہ حق جل شانہ نے تمام اشیا کو پیدا کیا ہے

لقمان حکیم کا استدلال

لقمان حکیم وجود خدا پر یہ دلیل لایا کرتا تھا کہ بھلا سب چیزین تو مادے سے بنی ہین مادہ کیونکر بنا ایسا تو ممکن نہین کہ خود اُس نے اپنے تئین بنا لیا ہو اس سے ظاہر ہے کہ مادے کا کوئی اور خالق ہے اور ضرور ہے کہ وہ بڑا دانشمند بھی ہو ورنہ جو خود عقل سے خالی ہو وہ آدمی جیسی دانشمند مخلوقات کیونکر پیدا کر سکتا ہے اور قرین قیاس نہین کہ دنیا با این ہمہ عمدگی خود بخود ہوگئی ہو

امام مالک کا استدلال

امام فخر الدین رازی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ رشید نے اُن سے پوچھا تھا کہ صانع عالم کے وجود پر کیا دلیل ہے اُنھون نے اُس کے جواب مین اختلاف لغات و اصوات و نغمات سے استدلال کیا یعنی یہی ایک الگ الگ ہونا زبانون اور بولیون اور لغمون کا وجود صانع معبود پر دلیل ہے

مرغان چمن بہر صباحے   خوانند ترا با صطلاحے

امام ابو حنیفہ کا استدلال

امام ابو حنیفہ سے کسی نے کہا تھا کہ وجود باری تعالے پر کیا دلیل ہے اُنھون نے کہا ذرا مجھکو چھوڑ دو مین ایک امر مین فکر مند ہون جس کا مجھ سے امتحان

لیا گیا ہے مجھ سے لوگون نے کہا ہے کہ دریا مین ایک کشتی سامان بھری ہوئی بوجھل ہے اُس مین طرح طرح کے اسباب تجارت ہین کوئی اس کی نگہبانی نہین کرتا ہے نہ اُس کو چلاتا ہے باوجود اس کے وہ کشتی اپنی ذات سے آتی جاتی اور چلتی پھرتی ہے موجون کو چیر پھاڑ کر نکل جاتی ہے جہان کہین چاہتی ہے بدون کسی کے کھینے اور چلانے کے چلتی پھرتی ہے لوگون نے کہا کہ یہ بات تو کوئی عاقل نہین کہے گا امام نے فرمایا افسوس تمھاری عقل پر کہ یہ موجودات جس مین عالم علوی وسفلی ہے اور یہ اشیاے استوار جس پر وہ مشتمل ہے کیا ان کا کوئی صانع نہین ہی قوم متحیر ہو کر رہ گئی حق کی طرف رجوع لائی امام عالی مقام کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی

امام شافعی کا استدلال

اسی طرح امام شافعی سے کسی نے وجود صانع عالم کا سوال کیا تھا انھون نے کہا کہ اس درخت توت کے پتے کو ذرا دیکھو کہ اس کا مزہ ایک ہے جب کیڑا اس کو کھاتا ہے تو ریشم نکلتا ہے اور شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے اور بکری گاے چوپاے کھاتے ہین تو مینگنی اور گوبر نکلتا ہے اور ہرن چرتے ہین تو مشک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ ایک ہی چیز ہے آخر یہ کس کی کاریگری ہے

امام احمد کا استدلال

یہی سوال کسی نے امام احمد سے کیا تھا انھون نے کہا کیا یہان کوئی قلعہ مضبوط اور چکنا ہے اس کا نہ کوئی دروازہ ہے نہ راہ ظاہر مین جیسے سفید چاندی باطن مین جیسے خالص سونا ناگہان اُس قلعہ کی دیوار پھٹ گئی اس مین سے ایک جاندار سنتا دیکھتا اچھی شکل نمکین آواز کا نکلا اس سے مراد انڈا ہے جس سے پرند پیدا ہوتا ہے یہ چار جواب ہین چار ائمہ مجتہدین مذہب اہل سنت کے ایک سوال کی بابت جس سے وجود خالق اشیا کا بہر نیم روز و ماہ نیم ماہ کی طرح بخوبی ثابت ہوتا ہے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جو شخص تامل کرے گا ان آسمانون مین اور ان کے ارتفاع اور اتساع مین اور بڑے چھوٹے ستارون

ہین جو چلتے پھرتے یا ٹھہرے ہوئے ہین اور دیکھے گا کہ کس طرح فلک اعظم کے ہمراہ ہر رات دن مین چکر کھاتے ہین اور پھر بھی اپنی خاص چال ڈھال علیحدہ رکھتے ہین اور ان دریاؤن کی طرف نظر کرے گا جو کہ زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوے ہین اور ایک قطر سے دوسرے قطر کی طرف منافع کے لیے کس طرح بہتے ہین اور ان پہاڑون پر خیال کرے گا جو کہ زمین پر رکھے گئے ہین تاکہ اہل زمین قرار وسکون پائین اور ان طرح طرح کے حیوانات اور قسم قسم کی بناسپتیون اور بوٹیون پر غور کرے گا جن کے مزے اور بو اور شکلین جدا جدا ہین حالانکہ مٹی اور پانی کی طبیعت ایک ہے تو وہ بالیقین وجود خالق اشیا پر اور اسکی قدرت عظیمہ ۔ حکمت بالغہ رحمت ۔ لطف اور احسان پر جو مخلوق پر مبذول ہے استدلال کرے گا یعنی یہ ساری صنائع ۔ بدائع ۔ طبائع اور منافع اس بات پر دلیل تابان ۔ برہان درخشان اور حجت نمایان ہین کہ ان کا کوئی صانع حکیم موجد علیم ہے لا من شیئٍ مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالے نے تمام اشیا کو بغیر کسی شے کے پیدا کیا ہے شے سے مراد مادہ ہے جو مخلوقات پر سابق ہو امام نے اپنے اس قول سے جتا دیا کہ اللہ تعالے کو ایجاد عالم مین کسی مادے کی ضرورت نہین پڑی اس نے تمام موجودات کو بغیر مادے کے عدم سے وجود بخشا اگر مادے سے اشیا کو بناتا تو اس کا قدم لازم آتا ۔ واضح ہو کہ جب کوئی یہ کہے کہ خدا نے تمام موجودات کو مخلوق کیا ہے تو اس قول سے دو معنے مراد لیے جا سکتے ہین ایک یہ کہ تمام موجودات کو اشکال مختلفہ عنایت فرمائین اس صورت مین خدائے تعالے اور کوزہ گر سے بہت فرق نہین ہے اظہار صنعت کے کم وبیش کا فرق ہے اور اس وجہ سے مجرد علت فاعلیہ کی نسبت خدا اور ماسوے اللہ کے درمیان ثابت ہوتی ہے اور بھی علت مادیہ کا وجود قبل

قت جدیدہ یعنی اشکال بخشی تازہ کے ثابت ہوتا ہے پس اس سبب سے ثابت
ین ہوتا کہ خدائے تعالےٰ موجودات کا خالق ہے یعنی خدائے تعالےٰ نے
ہی شے معدوم کو موجود کردیا ہے بلکہ اسی قدر کر دکھایا ہے جیسا کہ کوزہ گر مٹی
ر کوزہ بناتا ہے مٹی کوزے کے لیے علت مادیہ ہے اور کوزہ گر علت
علیہ اور اس تمام قول سے یہ نتیجہ مستخرج ہوتا ہے کہ علت مادیہ کو وجود قدیم سے
ہے تغیرات صوریہ موجودات کے ظاہری حالات ہین ذات باری کو دخل عالم کی
یا دین اسی قدر ہے کہ حالت بسیطۂ مادیہ کو صانع ازلی نے صور جسمیہ بخشی ہین۔
ں جگہ پر یہ گفتگو ہوسکتی ہے کہ آیا اسی حالت بسیطۂ مادیہ ین خود اشکال قبول
لینے کی صلاحیت حاصل تھی یا یہ کہ کسی اور قوت نے مادۂ بسیطہ کو مختلف
عت امتیاز پہنائے اور اگر اس مادۂ بسیطہ مین ایسی صلاحیت حاصل تھی تو علت
یہ اور علت فاعلیہ کا اجتماع ذات واحد مین متصور رہے یعنی اس کا ماحصل یہ ہوا
خود مادۂ بسیطہ نے اشکال رنگارنگ قبول کر لیئے اس صورت مین کسی
سرے کی دست اندازی موجودات کی پیدائش مین متصور نہین ہے یعنی اگر
ات باری کو وجود ہو تو ہو مگر پیدایش عالم کو ذات باری سے کسی طرح تعلق
ہین ہے اور دوسری صورت مین خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے مگر ذات
ری تعالےٰ محتاجی سے خالی ثابت نہین ہوتی بے شبہہ ایسا خیال
دا تعالےٰ کی نسبت عقائد دینیہ کے خلاف ہے اگر معنی ثانی پر لحاظ کیجیے
معدوم سے موجود ہونا سمجھ مین نہین آتا ہملٹن لکھتا ہے کہ لاشے سے
شے کا منتج ہونا قرین عقل نہین اس صورت مین بھی علت مادیہ کی نسبت گفتگو
ہجاتی ہے اور علت مادیہ کا وجود یا داخل ذات باری تعالےٰ یا خارج
ات باری تعالےٰ متصور ہے اگر داخل ذات باری کہیئے تو ہر طرح علت

مادیہ یعنی عالم مادی کا وجود قدیم ثابت ہوگا اگر اس عالم مادی کو ہیولےٰ کہیے تو معلوم
ہوا کہ ہیولےٰ کو ذات باری نے مخلوق نہین کیا ہے اور اس صورت مین قدیم دو
شئے ثابت ہوتی ہین ایک علت مادیہ یا ہیولےٰ اور دوسری ذات باری اس
صورت مین بھی ایسے خدا کا وجود ثابت نہین ہوتا جس نے معدومات کو موجودات
کر دکھایا ظاہر ہے کہ علت ومعلول کی بحث مین فکر کرنے سے ایک خدشۂ عظیم
پیدا ہوتا ہے اور جس قدر اس مین غوض کو راہ دی جاتی ہے اُسی قدر یہ
معلوم ہوتا ہے کہ علت مادیہ کو وجود قدیم سے ہے اور وجود مادہ کا فنا
ہوجانا بھی قیاس انسانی سے باہر ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ زمین آفتاب
سیارے صور ہاے موجودہ کے متغیر ہوں مگر ان کا یا ان کے کسی جزو
صغیر کا فنا ہوجانا محال معلوم ہوتا ہے پس تقریر بالا سے سمجھنا چاہیے کہ تغیرات محسوسہ
تو البتہ ظہور مین آیا کرتے ہین مگر فناے مادہ کو کسی طرح ظہور نہین ہوسکتا مثلاً اگر
ایک ٹکڑا موم کا مدور شکل کا ہو پھر کسی طرح سے مربع ہوجائے یا جلکر خرچ
تو اس تغیر سے کوئی تغیر حقیقی مادہ موم مین واقع نہوگا یعنی فناے مادہ کا کسیطرح
ظہور نہین ہوسکتا جب حالت یہ ہے کہ علت مادیہ کا وجود قدیم ثابت ہوتا ہے
تو پھر وجود باری تعالےٰ کی برابر قدامت مین علت مادیہ ثابت ہوجاتی ہے
اور خلق موجودات مین خداے تعالےٰ علت مادیہ کا محتاج ثابت ہوتا ہے
حالانکہ ذات باری تعالےٰ عقائد دینی کی رو سے تمام اقسام کی محتاجی سے
منزہ متصور ہے ۔ ظاہر ہے کہ اگر ذات باری تعالےٰ کی محتاجی ثابت ہو
تو ذات باری تعالےٰ کو حقیقی طور پر خالق کہنا بھی صحیح نہو اس حالت مین اگر خالق کی
عوض خداے تعالےٰ کو صانع کہین تو صانع کہنا درست ہوگا پھر تمام بحث کا خلاصہ
یہ ہوگا کہ خداوند تعالےٰ کی قدرت صور جسمیہ تک محدود ہے خداوند تعالےٰ

مادہ

دسترس ہیولے یعنی مادۂ اولین کی پیدائش پر نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہ قول
خلاف عقائد اسلام اور دوسرے موحدین کے ہے پس اثبات خدا میں ایسی
دلیلین پیش کرنا جو علت و معلول کی بحث پر مبنی ہوتی ہین ایسے خدا کا وجود ثابت
کرنے کو کافی نہیں ہین جو خدا کہ اہل اسلام اور دوسرے موحدین کا مذکور دین
ہے البتہ قول بالا یعنی علت و معلول کی بحث سے کوئی اور مذہب جو خلاف
عقائد اسلام اور دوسرے موحدین کے ہے ثابت ہو سکتا ہے یعنی مذہب
دہریہ کو سر اوٹھانے کا موقع ملتا ہے مگر کوئی ایسا مذہب حق ثابت نہیں ہوتا
جس کا تقاضا یہ ہو کہ انسان یہ سمجھے کہ خداوند تعالےٰ عالم کا ایجاد کرنے والا
ہے اور وہ ایجاد و تخلیق عالم مین کسی شے کا محتاج نہیں لیکن انکار ہیولے
سے علت مادیہ کی بدولت جو آفت پیدا ہوتی ہے دور ہو جاتی ہے - اجسام
عالم مین جو چیز انفصال قبول کرتی ہے اُسے حکماے یونان کی اصطلاح مین ہیولے
کہتے ہین اسی کو مادہ بھی بولتے ہین اور اس اتصال کو صورت جسمیہ کہتے ہین
اور صورت ہیولے مین حلول کیے ہوے ہے کہ اشارہ ایک کی طرف عین
اشارہ دوسرے کی طرف ہے جب انواع اجسام پر اتصال اور انفصال وارد
ہوتے ہین تو ہیولے انفصال قبول کرتا ہے اور صورت جسمیہ اتصال اگر کوئی
کہے کہ ایک ہی چیز ہے کہ وہی اتصال قبول کرتی ہے اور وہی انفصال تو
جواب اس کا یہ ہے کہ کوئی شے اپنی ضد کو قبول نہیں کر سکتی کیونکہ قابل کے
واسطے ضرور ہے کہ وہ وجود مقبول کے ساتھ موجود ہو اور کوئی چیز اپنی ضد کے
ساتھ موجود نہیں ہو سکتی پس لازم آیا کہ جسم مین جو جزو متصل ہے وہ غیر ہے اس
جزو سے جو انفصال کا قابل ہے اور اسی جزو غیر سے ہم ہیولے مراد لیتے
ہین اور جزو پیوستہ کو صورت جسمیہ کہتے ہین متکلمین نے ہیولے کے ابطال

علت و معلول کی بحث سے خدا کا ثبوت صحیح نہیں ہو سکتا

ہیولے اور صورت جسمیہ

ہیولے کا ابطال

ین کہا ہے کہ بالفرض اگر ہیولے کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو اُس کا موجود ہونا دو
حال سے خالی نہو گا یا تو وہ کسی حیز مین موجود ہو گا یا حیز مین موجود نہو گا اور حیز مین
ہونے کی صورت مین بھی اس کے لیے دو حالتون مین سے کسی ایک کا ہونا
ضرور ہے ایک یہ کہ وہ مستقل طور پر یعنی بذات خود اُس حیز مین ہو گا دوسرے یہ
کہ مستقل طور پر اس حیز مین نہو گا مستقل طور پر ہونے کی صورت مین تو ہیولے کی
جسمیت لازم آتی ہے اس لیے کہ جبکہ ہیولے متحیز بالذات ہو گا تو اس صورت
مین وہ ایسا جوہر ہو گا جو جہات مین ممتد ہوتا ہے اور جسم کے یہی معنی ہین خلاصہ
یہ ہے کہ ہیولے کے متحیز بالذات و بالاستقلال ہونے کی صورت مین جسم ہونا
لازم آتا ہی پس اس صورت مین ہیولے صورت جسمیہ کے مثل ہو گا پھر صورت
جسمیہ اُس مین کیسے حلول کر سکتی ہے اور دوسری صورت مین یعنی ہیولے
حیز مین بالذات و بالاستقلال موجود نہو بلکہ صورت جسمیہ کے طفیل اور ہمراہی اور
متابعت سے حیز مین آیا ہو تو اس تقدیر پر ہیولے جوہر یعنی اپنی ذات سے
خود قائم و موجود نہو گا بلکہ وہ ایک صفت یعنی عرض ہو گا صورت جسمیہ مین حلول کئے
ہوے اور صورت مذکور کا تحیز مین تابع ہو گا حالانکہ فلاسفہ اس کو جوہر اور صورت
جسمیہ کا محل قرار دیتے ہین اور اگر یہ کہین کہ ہیولے کسی حیز مین نہ بالذات اور نہ
بالتبع موجود ہے تو اس صورت مین یہ لازم آتا ہے کہ وہ صورت جسمیہ کا محل نہو
کیونکہ صورت جسمیہ کا محل اُس کو اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ صورت کو
اُس مین حلول کرنے سے تخصیص حاصل ہو جاتی ہے اور جو چیز کسی طرح
متحیز نہین ہوتی وہ امورات معقولی مین سے شمار پاتی ہے جس کو کسی طرح نہ حیز
سے تعلق حاصل ہوتا ہے نہ اختصاص اِنکا وجود صرف ذہن مین ہوتا ہے
تو پھر یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ صورت جسمیہ متحیزہ بالذات نے ایک ایسے

امر معقول مین حلول کیا ہے جس کو نہ چیز سے تعلق حاصل ہے نہ اختصاص کیونکہ
متحیز چیز کے محل بننے کی وہی چیز قابلیت رکھتی ہے جو خود بھی متحیز ہو اور جو صرف
امر ذہنی ہو اسمین کسی ایسی چیز کا حلول جو بذات خود متحیز ہو بعید ہے نتیجہ اس دلیل کا یہ
نکلا کہ ہیولے کوئی چیز نہین اور دوسری دلیل بطلان ہیولے اور جسم کے اس
سے مرکب ہونے پر یہ ہے کہ اگر جسم ہیولے اور صورت سے مرکب ہو
تو جب کوئی جسم کو سمجھے اور جانے اور معلوم کرے تو اُس کو ان دونون اجزا
کا بھی تعقل ہو جایا کرے اور کسی طرح دلیل لانے اور غور و فکر کرنے کی
احتیاج واقع نہو جس طرح صاف اور ظاہر طور پر جسم متعقل ہوتا ہے اسی طرح
ہیولے بھی متعقل ہو جایا کرے حالانکہ ایسا نہین ہے جسم کو ہر ایک جانتا
پہچانتا ہے اور ہیولے کو کوئی نہین جانتا وہی لوگ اُس کے وجود سے واقفیت
رکھتے ہین جو مدرسون مین حکما کے اقوال پڑھتے رہتے ہین مدرسے کے
طلبا کے سوا کسی اور آدمی سے پوچھو تو وہ یہ بھی نہین جانے گا کہ ہیولے
کس جانور کا نام ہے اور کہان رہتا ہے اگر ہیولے جسم کا جزو ہوتا ہو
جسطرح اُس کے حالات سے طلباے مدرسہ خبر رکھتے ہین ویسا ہی ہر ایک
آدمی اُس کے وجود سے خبردار ہوتا بلکہ جو کتابون مین اس کے دلائل پڑھتے
ہین وہ بھی وجود ہیولے کو اچھی طرح نہین بتا سکتے مشاہدہ تو بہت دور رہا
صرف اُن کے دماغ مین اُس کے خیالات پیچیدہ ہوتے ہین ان دونون
دلیلون سے معلوم ہوا کہ ہیولے محض ایک خیالی بات ہے حقیقت مین
اُس کا وجود نہین جسم کی ترکیب اجزاے لاتتجزی سے ہے مثبتین ہیولے
اور جزو لاتیجزی دونون کے دلائل باہم ٹکرا کر کچھ ایسے مشکوک ہو گئے
ہین کہ کوئی صحیح نتیجہ اُن سے اخذ نہین ہو سکتا مگر بہر صورت اہل اسلام پر واجب ہے

کہ خاص اس مسئلے مین فلاسفہ یونان کے اقوال کی تبعیت نکرین تردید کے درپے رہین تاکہ قدم عالم اور نفی حشر اجساد اور دوام حرکات افلاک اور امتناع خرق و التیام افلاک وغیرہ سے جو اشیاءت ہوئے اور صورت پر مبنی ہین نجات حاصل ہے

وکان اللہ تعالیٰ عالما فی الازل بالاشیاء قبل کونہا وہو الذی قدر الاشیاء وقضاہا اور اللہ تعالے قدیم سے تمام اشیا کو اُن کی پیدائش سے قبل جاننے والا ہے کیونکہ اسی نے تمام اشیا کو بنایا ہے تو جو ذات پاک ایسی ہے کہ اشیا کو ایجاد کرتی اور بناتی ہے اُس کو ضرور اُن کی پیدائش سے قبل اُن کا علم ہوگا کیونکہ پہلے سے جانے بغیر اشیا کی ایجاد وتدبیر کیسے ہوسکتی ہے امامیہ مین سے فرقہ نعمانیہ کہتا ہے کہ اللہ کو اشیا کے پیدا کرنے سے قبل اُن کا علم نہین ہوتا اور سارے حکمیہ کہ امامیہ مین کا ایک فرقہ ہے اور اثنا عشریہ مین سے بہت سے علما جیسے صاحب کنز العرفان بھی کہتے ہین کہ اللہ کو جزئیات کا علم وقوع سے قبل نہین ہوتا اور یہ بالکل کلام اللہ و رسول وائمہ کے مخالف ہے اللہ سورۂ طلاق مین کہتا ہے ان اللہ احاط بکل شئی علما یعنی اللہ کا علم تمام چیزون کو محیط ہے سورۂ بقرہ مین ہے اعلموا ان اللہ بکل شئی علیم یعنی جان لوکہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے سورۂ حدید مین ہے ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراہا یعنی کوئی آفت ملک مین نہین پڑی اور نہ خود تم مین پڑی مگر وہ کتاب مین پہلے اس سے کہ ہم اُس کو پیدا کرین لکھی ہے سورۂ قمر مین ہے کل شئی فعلوہ فی الزبر وکل صغیر وکبیر مستطر یعنی جو چیز کہ انھون نے کی وہ ورقون مین لکھی گئی ہے اور چھوٹا بڑا لکھا ہوا ہے سنہ ایک قبل الہجرت مین خسرو پرویز شاہ ایران نے اپنے خراجگذار خراسان کے

بعض علماء اثنا عشریہ

بادشاہ شہرزاد کو سپہ سالار مقرر کرکے روم پر لشکر کشی کی جس نے رومیون کی قوت کو برباد کر دیا اور انطاکیہ اور شام اور قدس شریف کے اطراف سے دین عیسوی کو مٹا کر اُس کی جگہ شرک یعنی دین مجوس کو پھیلانے کا ارادہ کر لیا تھا چونکہ اہل روم کا مذہب عیسوی تھا اور وہ لوگ بوجہ اہل کتاب ہونے کے مسلمانون کے مذہب کے زیادہ تر قریب تھے اس لیے مشرکین عرب بہ نسبت عیسائیون کے اہل ایران کو زیادہ پسند کرتے تھے اور جس قدر ایران روم پر غالب ہوتا تھا مشرکین قریش مسلمانون کو چڑاتے اور کہتے تھے کہ ہمارے بھائی یعنی مجوسی تمہارے بھائیون یعنی اہل روم پر غالب ہوتے جاتے ہین عنقریب ہم بھی تم پر اسی طرح غالب آئین گے مسلمان ان خبرون اور باتون سے مکدر ہوتے تھے خداے تعالےٰ نے مسلمانون کو بشارت دی الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین یعنی اہل روم ایک بہت قریبی ملک سے دب گئے ہین اور وہ اُس دبنے کے بعد جلدی کئی برس مین غالب ہو جائین گے روم کے فارس پر غالب آنے کی خبر کئی برس پیشتر دی منجانب اللہ غلبہ اہل روم کی بشارت سنکر مسلمان خوش ہوے مشرکین عرب نے اس پیشین گوئی کی تکذیب کی جس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابی بن خلف ایک مشرک مین یہ شرط ہوئی کہ اگر دس سال کے اندر رومی ایران پر غالب آجائین، تو سو اونٹ ابی بن خلف حضرت صدیق کو دے اور اگر ان دس برس مین اہل روم غالب نہ آئین تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سو اونٹ ابی بن خلف کو دین اس آیت کے نزول سے سات برس کے بعد رومیون نے ایرانیون پر ایسی فتح حاصل کی کہ اپنی سابقہ ہزیمت کو فراموش کر گئے اور نصیبین تک تمام ملک زردشتیون کے

حضرت صدیقؓ کا ایک مشرک سے شرط ہونا

ہاتھ سے نکال لیا ابی بن خلف مرچکا تھا مگر ابوبکر صدیقؓ نے اُس کے وارثون
سے سو اونٹون کا دعوے کیا جنھون نے سو اونٹ صدیق اکبر کو دیے اور
رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق وہ سب اونٹ فقرا اور
مساکین کو تقسیم کردیے گئے اور قرآن مین جا بجا اہل جنت و دوزخ کا ذکر ہے
اور مصحف فاطمہؓ مین بھی اخبار زمانہ آئندہ وبھرے پڑے ہین اور پیغمبر صلے اللہ
علیہ وسلم اور اہلبیت نے زمانہ آئندہ کی بہت سی خبرین دی ہین اور اُن
جھگڑون اور فسادون کے حالات جو ہونے والے تھے بیان کیے ہین
ظاہر ہے کہ پیغمبر اور اہل بیت کا علم وحی والہام سے ماخوذ ہے اور جو آیات
ایسی ہین کہ بظاہر حدوث علم الٰہی پر دقت حادث ہونے اشیا کے دلالت
کرتی ہین جیسے سورۂ آل عمران مین ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ
الذین جاھدوا منکم ویعلم الصابرین کیا تم کو خیال ہے کہ جنت مین داخل ہوجاؤ گے
اور اللہ نے ان لوگون کو اب تک معلوم نہین کیا جو تم مین سے لڑنے والے
ہین اور معلوم کرے ثابت رہنے والون کو اسی طرح جن آیات مین امتحان اور
جانچ کا ذکر ہے چنانچہ سورۂ مائدہ مین آیا ہے ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن
لیبلوکم فی ما اتاکم اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک دین پر کرتا لیکن تم کو آزمانا چاہتا ہے
اور سورۂ ملک مین ہے وھو علی کل شئی قدیر الذی خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم
احسن عملا وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے بنایا مرنا جینا تاکہ تم کو جانچے کہ تم
مین کون اچھا کام کرتا ہے اُن سے حدوث علم الٰہی پر دقت حادث ہونے
اشیا کے استدلال کرنا درست نہین اس لیے کہ اس علم سے کشف حال اور
خارج مین تمیز ہوجانا مراد ہے نہ معنی حقیقی اور دلیل اس پر یہ ہے کہ شے
کا ایجاد کرنا بدون علم اُس شے کے محال ہے قرآن مین اللہ خود فرماتا ہے

الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر بھلا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا ہے اور وہی بھید ونکو جانتا ہے اور خود کتب شیعہ مین ائمہ سے مروی ہے کہ جو کوئی ایسا اعتقاد کرے اللہ اُس کو رسوا کرے اللہ کا علم ہر چیز پر اس کے وجود سے قبل محیط ہے چنانچہ علے بن ابراہیم قمی اثنا عشری نے منصور بن حازم عن ابی عبد اللہ جعفر بن محمد صادق سے روایت کی ہے قال سالتہ ہل یکون شیئاً الیوم لم یکن فی علم اللہ بالامس قال لا من قال ہذا فا خزاہ اللہ قلت ارائت ما کان وما ہو کائن الے یوم القیامۃ الیس فے علم اللہ بالامس قال بلے قبل ان یخلق الخلق کہا مینے امام موصوف سے دریافت کیا کہ آج کے دن کوئی ایسی چیز موجود ہوسکتی ہے جو کل اللہ کے علم مین نہ تھی کہا نہین جو ایسی بات کہے اللہ اسے رسوا کرے مینے کہا کیا آپ اس بات کو جانتے ہین کہ وہ شئے جو ہوچکی اور قیامت تک ہونے والی ہے وہ کل اللہ کے علم مین نہ تھی فرمایا ہان اللہ کے علم مین مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہے اور اہل بیت سے مروی ہے علمہ تعالے بالشئے قبل کونہ کعلمہ تعالے بعد کونہ یعنی خدا کا علم ہر شئے پر اس کے پیدا ہونے سے قبل ایسا ہے جیسا کہ اس شئے کے پیدا ہونے کے بعد ہے پس جو کچھ ہورہا ہے اور ہوا ہے اور ہوگا سب کو ذرا ذرا سی تفصیل سے روز ازل مین جان لیا تھا کہ فلان وقت فلان شخص یہ کام کرے گا اور فلان وقت مین یہ کچھ ہوگا پس بعض فلاسفہ کا یہ عقیدہ کہ اللہ تعالے زید وعمرو وغیرہ جزئیات کو علے وجہ الکلی عام طور سے جانتا ہے اور تفصیل سے اُن کو اوقات مخصوصہ وحالات مخصوصہ مین نہین جانتا بالکل غلط ہے اور وجہ تغلیط ہم آگے چلکر بیان کرین گے **ولا یکون فی الدنیا ولا فی الآخرۃ شیئ الا بمشیتہ** اور دنیا وآخرت کی ہر شئے اس کی مشیت سے ہے ارادہ اور مشیت یہ دونون لفظ عرف اور صناعت

دونون کے اعتبار سے مترادف ہین کہ دونون سے احد المقدورین کا خاص کرنا
مراد ہوتا ہے مشیت ایسی صفت ہے کہ شے کے وجود اور عدم کو وقت معہود
مین اس کی وجہ سے تخصیص حاصل ہوتی ہے دونون جہان مین سے کوئی چیز
اُس کی مشیت سے باہر نہین ہے جب تک وہ نہ چاہے کوئی چیز عدم سے
وجود مین نہ آوے کیونکہ اُس کی قدرت کی نسبت ممکن کے وجود اور عدم دونون کے
ساتھ برابر ہے پس ایک ایسی صفت کا ہونا بھی ضرور ہے کہ وہ عدم پر وجود کو
ترجیح دے اور وہی صفت مشیت ہے **وعلمہ** اور دنیا و آخرت کی ہر ایک چیز
اُس کے علم سے ہے بعض کہتے ہین کہ اللہ تعالےٰ صرف اپنی ذات کو
جانتا ہے دوسری اشیا کا اس کو علم نہین کیونکہ ایک شے کا جو علم ہوتا ہے وہ
جدا ہوتا ہے دوسری شے کے علم سے یعنی ہر چیز کا علم علیحدہ ہوتا ہے ایک ہی
علم سے کل چیزین معلوم نہین ہوتین اگر ایسا ہوتا کہ ایک ہی علم سب جگہ کام دے سکتا
تو جو شخص ایک چیز کو جان لیتا اسی علم کے ذریعہ سے دوسری چیزون کو بھی جان سکتا
اور یہ بات غلط ہے تو صحیح یہ ہے کہ ہر شے کا علم جدا جدا ہوگا پھر اگر اللہ تعالےٰ
کو اپنی ذات کے سوا غیر کا بھی علم ہوگا تو ہر معلوم کے واسطے علیحدہ علیحدہ علم درکار
ہوگا اور معلومات غیر متناہی ہین تو ان کے علم بھی غیر متناہی ہون گے اور اللہ تعالیٰ
کی ذات مین غیر متناہی علوم جمع ہون گے اور یہ باطل ہے جواب اس شبہ کا یہ
ہے کہ معلومات کے غیر متناہی ہونے سے علوم کا غیر متناہی ہونا واجب نہین ہے
بلکہ معلوم کی کثرت کے ساتھ ایک ہی علم کے تعلقات کثیر ہو جاتے ہین وہی
علم ہوتا ہے کہ اُس کو ہر شے کے ساتھ علیحدہ علیحدہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور
تعلقات کے غیر متناہی ہونے سے محال لازم نہین آتا کیونکہ یہ امور اعتباری اور
فرضی ہین البتہ امور موجودہ اور واقعی کا غیر متناہی ہونا محال ہے **وقضائہ وقدرہ**

یہ قول غلط ہے کہ اللہ تعالےٰ سوا اپنی ذات کے اور چیزوں کو نہیں جانتا

اور دنیا و آخرت کی ہر ایک چیز اس کی قضا و قدر سے ہے اب یہان یہ شبہ ہوتا
ہے کہ تقدیرات تو سب ازلی ہین یعنی جو کچھ ابتدا سے قیامت تک ہونے
والا ہے وہ سب روز ازل سے مقرر ہو چکا ہے جس کے حق مین مقرر
ہوگیا کہ یہ شقی یعنی بدبخت ہے وہ ویسا ہی ہوگا اور جسکو سعید یعنی نیکبخت لکھدیا ہے وہ ویسا
ہی ہوگا جس کو جہنمی لکھدیا وہ جہنمی ہوگا جس کو جنتی لکھدیا وہ جنتی ہوگا پس اس
ریاضت اور عبادت سے حاصل کیا ہے تقدیر آلہی بدل ہی نہین سکتی جواب
اس کا یہ ہے کہ یہی سمجھ آدمی کی ہلاکت کا باعث ہے اور بدبخت ہونے کی پہچان ہی
کہ یہ خدشہ اور شبہ اُس کے دل مین جم جاتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ مین ازل
مین گناہ گار اور بدکردار لکھ گیا ہون پھر گناہون سے کیونکر بچون اور اس کی مثال
یہ ہے کہ مثلاً اللہ نے جس کے حق مین یہ تقدیر کیا ہے کہ یہ شخص بھوک سے
مرجاے گا اُس کی نشانی یہ ہے کہ اُس کے دل مین یہ بات گڑ جاے گی کہ
خدا کے ہان سے تو میرے حق مین یہ حکم ہو ہی چکا ہے کہ مین بھوک سے
مرجاؤنگا پھر مجھے کہانے پینے سے کیا حاصل یہ سمجھ کر وہ نہ کچھ کھاے گا نہ پیئگا
اور بھوک پیاس کے مارے مرجاے گا یا کوئی کہے کہ میرے حق مین اللہ تعٰلے کے
ہان سے یہ حکم ہو چکا ہے کہ مین مفلس رہون پھر مجھے کھیتی کرنے سے کیا حاصل
ہے یہ سمجھ کر نہ جوتے گا نہ بوے گا اور تمام عمر محتاجی مین بسر کرے گا اسی طرح
اللہ نے جس کے حق مین نیک بخت ہونے کا ازل مین حکم فرمایا ہے
یعنی اُس کے دولتمند ہونے کا حکم لکھا ہے وہ ضرور کھیتی کرے گا پس
یہی محنت اور مشقت کرنا اور سامان بہم پہونچانا اُس کے دل مین جم جاے گا
اور اسی عنوان سے وہ دولتمند ہوکر آپ کھاے گا لوگون کو کھلاے گا اور سب
سامان اس کے لیے مہیا ہو جائینگے عادت آلہی یون ہی جاری ہے

کہ ہر طرح کے امور و مقاصد کے واسطے اسباب ہونا چاہیئے بے واسطۂ اسباب کوئی کام نہین ہوتا جیسے افعال آدمی سے ظہور مین آئین وہ اُنھین سے اپنی نیک بختی کو جان لے اگر اُس کو پڑھنے لکھنے اور عبادت کرنے کا شوق ہے تو وہ جان لے کہ یہی نیک بخت ہونے کی علامت ہے بشرطیکہ پوری محنت کی جاے اور اگر کاہلی وسستی اُس پر غالب ہو اور نماز وغیرہ عبادت کی طرف رغبت نہو اور برے کامون مین جی لگے اور وہی خوش آئین اور سمجھ مین یہ آے کہ یہ باتین تو اول سے میری قسمت مین لکھ گئی ہین پھر مین اس کے خلاف کیونکر کرون تو جان لے کہ یہی اُس کی سمجھ اور اُس کا اچھے کامون سے کنارہ کرنا برے کامون کی طرف رغبت ہونا اس کے بدنصیب اور بدبخت ہونے کی علامت ہے اگر وہ ان سب باتون کو اچھی طرح سمجھ کر خیال کرے تو یہ سب شبہے اُس کے دل سے مٹ جائین اور وہ راہ پر آجاے اور سمجھے کہ شرع اور عقل متحد ہے۔ وکتبہ فی اللوح المحفوظ اور دنیا و آخرت کی تمام چیزین اللہ کے لوح محفوظ مین لکھنے سے ہین کتب بالفتح لکھنے کو کہتے ہین عبد اللہ بن عمر سے مسلم نے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا کتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض یعنی اللہ نے آسمانون اور زمینون کی پیدائش سے قبل مخلوقات کی تقدیرین لکھین اور عبادہ بن صامت سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا ان اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ہو کائن الی الابد یعنی جو چیز پہلے پہل اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے اللہ نے قلم سے فرمایا کہ لکھ اُس نے عرض کیا کیا لکھون فرمایا تقدیر لکھ پس اس نے جو چیز ہو چکی تھی اور جو آئندہ ہونے والی تھی سب کو لکھا اور آپ

۱ [illegible]

لوح و قلم عالم مثال

قلم کو کوئی قلم واسطی اور لوح کو تختی نہ سمجھے گا لوح سے مراد اس عالم حس یعنی عالم
عنصری کا دوسرا پہلو ہے جس کو عالم مثال کہتے ہین اول ہر چیز کی اصل
اسی عالم مین پیدا ہوتی ہے پھر اس عالم حس مین جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اسی کا ظل
اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متاثر مین
مناسبت ہونی چاہیے پس باری تعالی کا اثر اولی سلسلہ عالم مثال ہے کہ
جن کو مثل افلاطونیہ کہتے ہین الغرض یہ محسوس چیزین وہین کے آثار و اظلال
ہین اور اسی لیے جو بات کہ عالم ظہور مین آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر
ہونے سے پہلے خواب مین یا کبھی اصحاب نفوس قدسیہ کو حالت بیداری مین
اصلی صورت پر دکھائی دیجاتی ہے اور کبھی عالم بیہوشی یا غشی یا نزع روح کے
وقت جبکہ روح کی توجہ جسم سے کم ہوجاتی ہے اور عالم بالا کی طرف رجوع
کرتی ہے وہان کی چیزین اس کے آئینہ دل پر منعکس ہوجاتی ہین بعض آیات
اور بہت سی احادیث صحیحہ اس عالم کے وجود پر دلالت کرتی ہین اس عالم
مین اعمال و اقوال وغیرہ اشیا اپنی مناسب ایک صورت خاص مین متشکل ہوتی
ہین اور اوس عالم مین پیشتر اشیا موجود ہوچکی ہین تب اس عالم عنصری مین اسی کے
مطابق ظاہر ہوتی ہین لکن کتبہ بالوصف لا بالحکم لیکن اشیا کو اللہ کا لکھنا وصف
کیساتھ تھا نہ حکم کے ساتھ وصف کے ساتھ لکھنے کے یہ مطلب ہے کہ
اللہ نے یون لکھا ہے کہ فلان فلان آدمی فلان چیز برائی بھلائی کی ان صفتون
کے ساتھ فلان زمان اور فلان مکان مین اپنے اختیار سے کریگا نہ اس طرح پر
لکھا ہے کہ فلان یہ کام کر اور فلان یہ کام کر اور زید ایمان لا اور عمرو کفر کر کیونکہ اگر ایسا لکھتا تو
ہر شخص موافق اس کے لکھنے کے ویسا ہی کرنے پر مجبور رہتا زید ایمان لانے
پر مجبور ہوتا اور عمرو کفر کرنے پر مجبور رہتا کیونکہ اللہ کا حکم ٹل نہین سکتا جس کے

وقوع کے واسطے وہ لکھتا وہ کام ضرور وقوع مین آتا بلکہ اس نے اس طرح لکھا ہی
کہ فلان اپنے اختیار و قدرت سے ایمان لائے گا اور ایمان کا ارادہ کرے گا
کفر کا ارادہ نہین کرے گا اور فلان شخص اپنے اختیار و قدرت سے کافر ہوگا
اور کفر کا ارادہ کرے گا ایمان کا ارادہ نہ کرے گا پس اس قول سے مراد یہی
کہ بندون کے افعال مین جبر نہین ہے جبریہ کا مذہب باطل ہے اور بعض نے اس
قول کی اس طرح تقریر کی ہے کہ لا بالوصف سے مراد یہ ہے کہ لکھنے کے
وقت چونکہ اشیا موجود نہ تھین تو ان کو لوح محفوظ مین اس طرح لکھوایا کہ اشیا موافق
قضا و قدر کے ہون گی اور لا بالامر سے یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اشیا کی
نسبت یون نہین لکھوایا کہ موافق قضا و قدر کے ہوجاو کیونکہ اس طرح لکھوانا امر ہی
اور امر کے بعد کل اشیا موجود ہوجاتین کیونکہ خالق عالم کے امر ایجادی سے مخلوق
کا تخلف محال ہے اور اسی جگہ سے تقدیر پر ایمان لانا ضرور ہوا کہ جو کچھ ظاہر
ہونے والا ہے وہ ہوچکا ہے اسی کے مطابق ظاہر ہوکر رہے گا بندہ محض
کاسب یا سبب ہے کہ جس کی وجہ سے ثواب و عقاب مدح و ذم کا مستحق ہے
والقضاء والقدر قضا اس فعل کو کہتے ہین جس مین مضبوطی زیادہ ہو چنانچہ حم قضا و قدر
سجدہ مین ہے فقضٰہن سبع سموات فی یومین اور سورۂ بنی اسرائیل مین
ہے وقضٰی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ پس قضا صفات فعلیہ سے ہوگی اور قدر
کے معنے ہین مقرر کرنا حق تعالٰے کا ہر چیز کو اس کے مرتبے ین کہ اس طرح
پائی جائے گی اور بعض نے کہا ہے کہ قدر مخلوق کا اس طور سے اندازہ کرنا
ہے کہ اس اندازے پر حسن و قبح اور نفع و ضرر اور عذاب و ثواب اور زمانی
و مکانی ہونا اس مخلوق کا مترتب ہو مسئلہ قضا و قدر مین بڑا اختلاف ہے شارح
مواقف کا قول ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک قضا عبارت ہے اللہ تعالٰے مذہب

کے ارادۂ ازلی سے جو اشیا کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس طور پر کہ وہ ہین اور
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفات ذات مین سے ہے مگر صفات فعل مین
شمار کرنا چاہیئے تاکہ تکرار صفات لازم نہ آوے اور قدر ان کے نزدیک
ایجاد کرنا اشیا کا ہے اُن کی ذات اور احوال کا ایک اندازہ معین کرکے اور
ملا علی قاری کہتے ہین کہ قضا سے مراد اللہ تعالے کا حکم اجمالی ہے اور
قدر سے مراد حکم تفصیلی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ مین جمیع
موجودات کے اجمالاً موجود ہونے کو قضا کہتے ہین اور تفصیل قضاے سابق
کا نام قدر ہے یعنی قضا کے موافق جب یکے بعد دیگرے اشیا عالم وجود مین
پیدا ہوئین یہ قدر ہے اور فلاسفہ کہتے ہین کہ قضا اس حالت کے جان لینے کا
نام ہے جس سے عمدہ انتظام کے ساتھ اشیا کو وجود حاصل ہوا اور ان کی
اصطلاح مین اس کا نام عنایت ہے اور اسی عنایت کا یہ فیضان ہے کہ اشیا
کے وجود کی انتظامی کیفیت احسن وجوہ پر ہوتی ہے اور تمام وجوہ ممکنہ مین سے
خاص اسی وجہ کے ساتھ وجود ممکنات منسوب ہے اور قدر عبارت ہے اشیا کو
وجود خارجی بذریعہ اُن کے اسباب کے مطابق قضا کے بخشنے سے یعنی قدر
کو قضا کے ساتھ موافقت ضرور ہوتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک
ارادۂ الٰہی اور قضاے الٰہی اور علم الٰہی یعنی اللہ تعالے کا احوال ممکنات کو عمدہ
انتظام اور بہتر وجوہ پر جاننا یہ تینون متحد ہین اور یہ لوگ علم الٰہی کو فعلی کہتے ہین اور
فعلی کے یہ معنے ہین کہ وجود خارجی ممکنات کے واسطے سبب ہے جیسے ہم
اول تخت کا تصور کرین اور پھر اسے ایجاد کرین اور جو علم وجود خارجی سے
مستفاد ہوتا ہے جیسے زمین یا آسمان خارج (نفس الامر) مین موجود ہین اور
ان کا علم ہمکو حاصل ہوتا ہے تو یہ علم انفعالی کہلاتا ہے اس لیے کہ یہ علم وجود

عنایت

علم فعلی

علم انفعالی

خارجی پر منحصر ہے اور انھین کا تابع ہے اور پہلے علم مین خود اشیا اُس کی تابع ہوتی
ہین خدا کے علم فعلی کو حکما عنایت کہتے ہین اور قضا اور ارادہ بھی اسی سے
عبارت ہے مگر خدا کو جو اپنی ذات کا علم ہے وہ نہ فعلی ہے نہ انفعالی ہے
بلکہ وہ عین ذات ہے اگرچہ تغائر اعتباری مان لیا جاتا ہے بعض فقہا نے
کہا ہے کہ قضا وقدر کی دو قسمین ہین ایک مبرم دوسرے معلق مبرم مین کسی
طرح تغیر نہین ہوسکتا جیسے وحی اور نبوت اور انبیا کی سعادت اور دلیل اس
پر یہ قول الٰہی ہے لا تبدیل لکلمات اللہ یعنی اللہ کی باتین نہین بدلتین معلق
مین تغیر ہوسکتا ہے جیسے مرض اور شفا اور رنید اور کلام اور ہمارے تمام افعال
واحوال اسی بات کی طرف اس کلام مین اشارہ ہے یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت مٹا
ڈالتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور نہین مٹاتا ہے جو چاہتا ہے پس سعادت
اور شقاوت اور اجل اور رزق عمر بن مسعود کے نزدیک معلق مین سے ہین مجاہد
اور ابن عباس کہتے ہین کہ مبرم مین داخل ہین **والمشیۃ** بعض نے لکھا
ہے کہ مشیت چاہنے کو کہتے ہین اور متکلمین کے نزدیک مشیت اور ارادہ
ایک چیز ہے اور وہ ایسی صفت ہے کہ شے کے وجود اور عدم کو وقت
مقررین اسی کی وجہ سے تخصیص حاصل ہوتی ہے فلاسفہ یونان کے نزدیک
مشیت الٰہی ممکنات کے اعلے درجے کے انتظام کا جان لینا ہے اور
ابوالحسین اور جاحظ اور علاف اور ابوالقاسم بلخی اور محمود خوارزمی وغیرہ علماے
معتزلہ کی یہ راے ہے کہ مشیت الٰہی صرف یہ ہے کہ وہ کامون کے نفع کو
جان لیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کو اس بات کا اعتقاد یا ظن یا علم
حاصل ہوجاتا ہے کہ اس کام کے کرنے مین سیر النفع ہے تو اس کام کا ارتکاب
کرتا ہے اور یہی مشیت ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالے کی جناب مین اعتقاد

وظن مستحیل ہین اِس لیے اس کی مشیت علم مین منحصر ہو گئی اور حسین نجار یہ کہتا ہے (مذہب حسین نجار)
کہ مشیت آلہی یہ ہے کہ وہ کسی کا مغلوب اور مطیع نہین ہو اور کعبی نے مشیت آلہی کی (کعبی)
دو قسمین بیان کی ہین اس طرح کہ اللہ کے اپنے افعال مین تو مشیت انکی مصلحت
کو جان لینا ہے اور افعال غیر مین اُن کی نسبت حکم فرمانا اللہ کی مشیت ہے
اہل سنت کا قول یہ ہے کہ مشیت آلہی اُس کے علم و قدرت سے الگ ہے (مذہب اہل سنت)
اور یہ مشیت اس کی ایسی صفت ہے کہ موجودات کی ایک وقت معین اور
کمیت معین اور کیفیت معین مین تخصیص کرتی ہے غرضکہ یہ صفت جس کے ساتھ
متعلق ہوتی ہے اُس کو وقوع مین آنے اور موجود ہو جانے کے لیے مخصوص
کر دیتی ہے اور دلیل اس پر کہ یہ صفت قدرت اور علم دونون سے جدا ہی
یہ ہے کہ قدرت کو ضدین کے ساتھ یکسان تعلق ہے جس طرح یہ ممکن ہے
کہ ایک ضد قدرت کے سبب سے وقوع مین آجاے اسی طرح یہ بھی ممکن
ہے کہ دوسری ضد بھی قدرت کی وجہ سے وقوع مین آسکے کیونکہ قدرت کی
وجہ سے دونون ضدون کو وقوع مین آجانے کا امکان حاصل ہے کوئی وقت ایسا
نہین نکل سکتا جس مین یہ بات پیدا ہو کہ قدرت کے سبب سے یہ شے واقع
ہو سکتی ہے اور وہ واقع نہین ہو سکتی کیونکہ قدرت کو اوقات وقوع کے
ساتھ بھی برابر نسبت ہے جس طرح اس وقت مین قدرت ایک شے کو ظہور مین
لاسکتی ہے اسی طرح اسوقت سے پہلے اور پیچھے بھی اس کو اختیار حاصل ہے
اس لیے ایک ایسی صفت کا ہونا ضرور ہے جو قدرت کو خاص ایک شے کے
ایک وقت معین مین واقع کرنے کی تخصیص بخشے اگر کوئی مخصص نہین نکلے گا
تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کیونکہ قدرت کو سب اشیا اور سب اوقات کیساتھ
مساوی نسبت ہے پھر کیا وجہ کہ اس نے ایک شے کو ایک وقت خاص مین

ظاہر کیا اور دوسری چیز کو اور دوسرے وقت کو بھی چھوڑ دیا پس اسی صفت مخصص کا نام مشیت ہے اور علم اس لیے مشیت نہین بن سکتا کہ ایک شے کے ایک وقت معین مین واقع ہونے کا علم اُس شے کے وقوع کا اس خاص وقت مین تابع ہے کیونکہ علم تو کسی شے کے وقوع کا جبھی آئے گا کہ وہ واقع بھی ہو جاے اور جب یہ صورت ہے تو پھر وقوع کیسے علم کا تابع ہو سکتا ہے یعنی علم کی شان سے ممکن نہین کہ وہ شے کے ایک وقت خاص مین واقع ہونے کا سبب پڑ سکے ورنہ دور لازم آجاے گا پس نتیجہ یہ نکلا کہ جو کام مشیت سے ہو سکتا ہے وہ علم سے نہین نکل سکتا بلکہ مشیت قدرت اور علم اور حیات اور سمع اور بصر اور کلام ان سب سے جداگانہ ایک صفت ہے جو خدا کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور یہی صفت ایک شے کے ایک وقت معین مین واقع ہونے کا سبب ہوتی ہے اور قدرت کو بھی تخصیص بخشتی ہے۔

صفاتہ فی الازل یعنی قضا و قدر اور مشیت اس کی صفتین قدیم ہین اگر قدیم نہون حادث ہون تو اُن کے واسطے ایک اور قضا و قدر اور مشیت نکلے گی اور ضرور ہے کہ یہ بھی حادث ہونگے تو اُن کے واسطے اور قضا و قدر اور مشیت ہونا چاہیے اور جب یہ بھی حادث ہونگے تو کسی اور قضا و قدر اور مشیت کی طرف مستند ہون گے یہان تک کہ قضا و قدر اور مشیت موجودہ مین تسلسل لازم آجاے گا اور یہ محال ہے پس ثابت ہوا کہ یہ تینون صفتین قدیم ہین دوسرے حوادث کا قیام ذات الٰہی کے ساتھ ممتنع ہے کیونکہ وہ قدیم ہے اور قدیم محل حوادث نہین ہو سکتا اگر عبدالجبار اور جبائی معتزلی اور اون کے تابعین کی یہ راے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت حادث ہے اور بذات خود قائم ہے اور کرامیہ بھی اُس کے حدوث کے

جبائی اور عبدالجبار معتزلی ۔ متبعین

قائل ہین مگر بہت بڑا تعجب یہ ہے کہ اُس کو ذات باری کے ساتھ قائم
امامیہ اور زیدیہ
بتاتے ہین اور زیدیہ اور کیسانیہ اور امامیہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ مشیت الٰہی
حادث ہے اور یہ تمام مذاہب باطل ہین اس سے لئے کہ تسلسل اور حوادث
کا قیام قدیم کے ساتھ لازم آتا ہے جو محال ہے اور صفت کا قیام بطور خود
بھی کتنی نامعقول بات ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشیت الٰہی بعض کے
حسین نجار
نزدیک صفت سلبی ہے اور یہ راے حسین نجار کی ہے پس اس
صورت مین وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم نہین ہو سکتی اور اللہ تعالے کو
جو اس کے ساتھ موصوف کرتے ہین تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے
کہ وہ مغلوب اور مطیع نہین ہے اور اکثر کے نزدیک صفت ثبوتی ہے
مذہب اہل سنت
اب جو لوگ اس کے قائل ہین ان مین اس بات کا اختلاف ہے کہ قدیم
ہے یا حادث ہے اہل سنت یہ کہتے ہین کہ مشیت الٰہی قدیم ہے
مذہب کرامیہ
اور جو لوگ حادث مانتے ہین اُن مین سے کرامیہ کا یہ زعم ہے کہ وہ خدا کی
ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے تو یہ بہتر تھا کہ یہ لوگ یہ کہتے کہ یہ مشیت
مذہب نجاریہ
حوادث ممکنات کے ساتھ قائم ہے نجاریہ کے اقوال مین غور وخوض سے
یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشیت کوئی صفت نہین ہے ذات الٰہی خود مشیت ہے
جیسا کہ فلاسفہ کی راے ہے کہ صفات الٰہی ذات الٰہی سے الگ نہین ہین
بلکہ عین ذات ہین اور ان کے نزدیک باری تعالے فاعل بارادہ وقصد نہین
ہے بلکہ وہ موجودات کی علت ہے اور اس صورت مین یہ لازم آتا ہے کہ
عالم قدیم ہو اس لیے کہ معلول علت سے چھوٹ نہین سکتا اور اہل سنت
دلائل سے حدوث عالم ثابت کرتے ہین تو معلوم ہوا کہ یہ راے باطل ہی
بلاکیف مطلب یہ ہے کہ قضا وقدر اور مشیت یہ تینون صفتین اللہ کے لیے

ازل سے ثابت ہین قرآن وحدیث ان کے ثبوت پر شاہد ہین مگران کی کیفیت
مثل استوا و نزول واصبع وقدم وید و وجہ وساق وحثیات وغیرہ کے مجہول ہے
اہل سنت مین سے ایک فرقہ ایسے الفاظ کی تاویل وجوہ محتملۃ اللفظ پر کرتا ہے
دوسرا فرقہ تاویل سے کچھ تعرض نہین کرتا اور نہ تشبیہ کی طرف جاتا ہے مسئلہ
صفات باری تعالےٰ ہین خواہ وہ صفات از قسم تشبیہات ومناسبات ہون جیسا
کہ ہاتھ پائون خواہ منافیات ومغائرات سے ہون صراط مستقیم ان سب مین یہ ہی
کہ اُن کے ظاہر پر چھوڑا جاے اور اُنکے وجود کی کیفیت سے بحث وتفتیش
نکی جاے اور مجملا یہ اعتقاد رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ سے ارادہ
کیا ہے وہی حق ہے اور باوجود ظاہر پر چھوڑنے کے یہ نہ کہے کہ یہ ارادہ
کیا ہے اور وہ ارادہ نہین کیا کیونکہ نہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے
مسائل کی تحقیق کیفیت مین بحث کی اور نہ اُن کے اصحاب نے اور نہ تابعین
نے جو احسان کے ساتھ صحابہؓ کے متبع تھے۔ ایسی تدقیقات وتفتیشات مین
اشتغال فرقہ معتزلہ سے پیدا ہوا ہے اور اُنھون نے فلاسفہ یونان سے جو
اسلام کے مخالف ہین ایسی باتین چُرائی ہین پھر بعدہ بعض اہل سنت نے بھی
ایسی تدقیقات جن کا نتیجہ کچھ بھی نہین معتزلہ سے لی ہین۔

الفاظ متشابہات

یعلم اللہ تعالےٰ المعدوم فی حال عدمہ معدوما ویعلم انہ کیف
یکون اذا اوجدہ ویعلم اللہ الموجود فی حال وجودہ موجودا و
یعلم انہ کیف یکون فنائہ

جانتا ہے اللہ تعالےٰ معدوم کو اُس کے نہونے کے وقت مین اور جانتا ہی

اس بات کو کہ وہ کیسے ہو جاے گا جس وقت اُس کو پیدا کرے گا اور اللہ تعالےٰ
موجود کو اُس کے موجود ہونے کے وقت مین جانتا ہے اور اس بات کو بھی
جانتا ہے کہ وہ کیونکر فنا ہوگا اور معلومات کے مراتب کے متغیر ہونے سے
اس کے علم مین ذرا بھی تغیر نہین آتا کیونکہ وہ شے کو پیدا اور فنا اپنے علم ازلی کے
مطابق کرتا ہے اور جیسا اس نے مقدر کر دیا ہے ویسا ظہور مین لاتا ہے تو ایسی
صورت مین اس کے علم مین کیسے تغیر آسکتا ہے اور اُس مین یہ قدرت ہے
کہ وہ معدوم محض کو موجود اور موجود کو بالکل فنا کر سکتا ہے مگر اکثر معتزلہ کا یہ مذہب
ہے کہ جب معدوم کو ثبوت حاصل نہوگا اللہ تعالےٰ اُس کو موجود کیسے کریگا
معدوم کے ثابت و متقرر ہونے سے قبل واجب تعالیٰ کا علم اُس سے کیسے تعلق
ہوگا اور جب تک معدوم اپنا وجود حاصل ہونے سے قبل واجب تعالےٰ
کے علم مین نہ آجاے گا اوس کا معدوم کو موجود کرنا محال ہے کیونکہ ہر ذی وجود
قبل مخلوق ہونے کے معدوم تھا خالق نے بغیر حاصل ہونے واقفیت اور
علم کے اس کو کیسے موجود کر دیا اور یہ تقرر اور ثبوت وجود ذہنی سے بھی
بالا ہے اس مین اشاعرہ و ماتریدیہ اختلاف کر کے نفی کرتے ہین اور معتزلہ مین
سے ابوالحسین بصری اور ابوالہذیل علاف اور کعبی وغیرہ بھی اہل سنت کے موافق
ہین صوفیہ کے مذہب کے ٹٹولنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی معدوم
کے تقرر اور ثبوت کو مانے ہوئے ہین اس واسطے کہ اعیان ثابتہ کے عالم
کی پیدائش سے قبل قائل ہین اس ثبوت مین جو عدم کی حالت مین معدوم کو حاصل
ہوتا ہے اور اُس ثبوت مین جو موجود کا عین یا مصادق ہے یہ فرق ہے کہ اُس
ثبوت پر جو موجود کا عین یا مصادق ہے تمام آثار مترتب ہوتے ہین جیسے چلنا
پھرنا کھانا پینا ہلکا بھاری کم زیادہ نرم و سخت ہونا اور دوسرے ثبوت پر کوئی اثر

مترتب نہین ہوتا ہے اکثر معتزلہ کی راے مین معدوم بھی ایک شئے ہے اور عالم واقع مین ثابت ہے مگر اسی قدر ہے کہ اس کو وجود نہین ملا ہے جس سے عدم کی حالت مین کوئی آثار مترتب نہین ہوتے اگر وجود مل جاے تو وہ موجود ہو جاے اور تمام آثار اس پر مترتب ہونے لگین اس مرتبے کو ان کی اصطلاح مین تقرر اور ثبوت کا مرتبہ کہتے ہین اور دلیل ان کی یہ ہے کہ ممکن اپنے وجود کے قبل یا تو واجب ہوگا یا ممتنع اور ان دونون صورتون مین وجود کے وقت انقلاب لازم آتا ہے پس یہ غلط ہے تو یہی رہا کہ ممکن اپنے وجود سے پیشتر بھی ممکن ہوگا اور امکان ایک ایسی صفت ہے جس کے لیے موصوف کا ہونا ضرور ہے اور جب موصوف کا ہونا ضرور رہا تو دیکھنا چاہیے کہ وہ ثابت ہے یا موجود اگر موجود ہوگا تو پھر وجود اس کو حاصل ہونا تحصیل حاصل ہے اس لیے یہ باطل ہے تو باقی یہ رہا کہ وہ ثابت ہوگا یہی مدعا ہے یعنی ممکن اپنے عدم کے وقت مین ثابت ہے اور موجود نہین ہے اور بنا اس قول کی یہ ہے کہ ان لوگون کے نزدیک وجود مین اور ماہیت مین فرق ہے کبھی ماہیت ہوتی ہے اور اس کو وجود عارض نہین ہوتا یہی مرتبہ تقرر کا ہے اسی کو معدوم ثابت کہتے ہین مگر موجود نہین کہہ سکتے موجود جب کہین گے کہ اس کو وجود مل جاے اور اس قسم کے معدوم مین ممکن کی قید اس لیے لگا دیتے ہین کہ جو معدوم ایسا نہو بلکہ ممتنع ہو اُس کو تقرر کا مرتبہ حاصل نہین ہوتا وہ بالاتفاق کچھ چیز نہین اور اشاعرہ و ماتریدیہ جو یہ کہتے کہ معدوم کچھ بھی نہین یہ قول ان کا دونون قسم کے معدوم کے واسطے ہے ممتنع ہو یا ممکن کیونکہ انکے نزدیک وجود اور نفس حقیقت یا ماہیت مین ذرا فرق نہین ہے پس جب وجود نہوگا تو ماہیت بھی نہو گی بخلاف معتزلہ کے کہ اُن کے نزدیک ماہیت کو جبتک وجود

اہل سنت کے نزدیک وجود اور ماہیت مین فرق نہین

حاصل نہین ہوتا تو اُس کے لیے عدم مین بھی ایک درجہ ثبوت کا حاصل رہتا ہے اور اشاعرہ و ماتریدیہ کہتے ہین کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ ایک چیز سے عالم عدم مین وجود منفک ہو اور پھر اس کو کسی قسم کا ثبوت ہو اگر اُس کو عالم عدم مین تقرر حاصل ہوگا تو وہ ایک ہی حالت اور وقت مین موجود بھی ہو گی اور معدوم بھی ہو گی اور یہ بالکل خلاف قیاس ہے اس لیے کہ وجود کے کوئی اور معنے ہی نہین سوائے ثبوت اور تحقق اور تقرر کے پس معدوم ثابت ہوگا تو موجود بھی ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ذوات متقرر عدم کی حالت مین دو حال سے خالی نہین یا واجب التقرر ہونگی اور یہ باطل ہے اس لیے کہ ان کا وجوب لازم آجائے گا حالانکہ ممکن فرض کیا ہے علاوہ اس کے واجبون کا تعدد بھی محال ہے یا ممکن التقرر ہونگی اور یہ مسلمات مین سے ہے کہ ہر ممکن حادث ہے پس یہ ذوات بھی حادث ہون گی اور حادث کے وجود پر نفی کو سبقت ضرور ہوتی ہے اور ثبوت نفی کی ضد ہے تو ثابت ہوا کہ ثبوت اور تقرر کا قول باطل ہے تیسری دلیل یہ ہے کہ عدم صفت نفی ہے نہ صفت ثبوتی اس لیے کہ عدم کہتے ہین وجود کے اُٹھ جانے کو اور جو چیز صفت نفی کے ساتھ متصف ہوگی وہ بالضرور ثابت نہو گی جس طرح جو چیز صفت اثبات کے ساتھ موصوف ہوتی ہے وہ منتفی نہین ہوتی اور خلاصہ یہ ہے کہ معدوم جبکہ عدم کے ساتھ موصوف ہے تو وہ بھی منتفی ہوگا اور معدوم ثابت کے ابطال کی بہت بڑی ضرورت اس لیے ہے کہ اہل سنت اس بات کے مقر ہین کہ اللہ تعالے کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہین اور معدومات کے ثبوت کی صورت مین یہ جائز ہوجائے گا کہ بعض معدومات ثابت سے تو قدرت خدا کو تعلق حاصل ہو اور بعض کے ساتھ کسی خصوصیت کی وجہ سے نہو بلکہ علے العموم معدومات ثابت مقدوریت کے

معدوم ثابت کے ابطال کی ضرورت

دائرے سے نکل جائینگے اسلیے کہ جسکو عدم مین ثبوت حاصل ہوگا وہ ازلی ہوگا پس قدرت اُن کی ذات کے ساتھ کس طرح متعلق ہوسکتی ہے پھر اگر قدرت کا تعلق ان سے مانا جاے تو وجود کے ساتھ مان سکتے ہین مگر یہ بھی ممکن نہین اس لیے کہ وجود حال ہے اور حال اکثر معتزلہ کے نزدیک کوئی چیز نہین اور جنکے نزدیک اس کا اعتبار ہے وہ بھی یہ کہتے ہین کہ وہ نہ معلوم ہے نہ مجہول ہے نہ قدرت مین ہے نہ قدرت سے باہر ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب قدرت کو تعلق نہ ذات کیساتھ ہوا اور نہ وجود کیساتھ تو خداتعالے ممکنات کا خالق اور موجد نہین بن سکتا اور نہ اُسکو کسی چیز کے ایجاد پر قدرت ہوسکتی ہے اور یہ کفر صریح ہے اور

وجود حال ہے

معتزلہ اپنے مطلب کے ثابت ہونے کے لیے منطقی دلیل اس طرح لاتے ہین کہ معدوم متمیز ہے اور ہر متمیز ثابت ہے پس معدوم ثابت ہے اور قاعدہ منطق کے موافق یہ شکل اول ہے جو بہت قریب الفہم ہے کیونکہ ذہن نتیجے کی طرف کس آسانی کے ساتھ منتقل ہوگیا ہے ہم تمھارے ذہن کو اس کی تشریح سے منتشر نہین کرنا چاہتے تم اتنا سمجھ لو کہ جن دو قضیون سے قیاس مرکب ہوتا ہے اُن کو مقدمے کہتے ہین اور ان دو قضیون کو مان لینے سے ایک دوسرے قضیے کا مان لینا لازم آجاتا ہے اور اس دوسرے قضیے کو نتیجہ کہتے ہین اس دلیل مین مقدمہ اول یہ ہے معدوم متمیز ہے مقدمہ دوم ہر متمیز ثابت ہے پس ان دونون کا ثابت کرنا رہا تاکہ نتیجے کے اثبات مین گفتگو نہ رہے پہلے مقدمے کی صحت یون ہے کہ معدوم کے متصور ہونے

معتزلہ کی دلیل

مین کوئی شبہ نہین اس لیے کہ آئینہ ذہن مین قدرتی جلا ہے کہ مرئیات تو مرئیات جو چیز آنکھ مین نہ آسکے جس کا عکس آئینہ نہ پکڑ سکے ذہن اُس کے خیال کو بھی قبول کرسکتا ہے مثلاً معدوم کو آنکھ سے نہین دیکھ سکتے پھر بھی موٹے سے موٹے

ذہن

ذہن والا بھی معدوم کو خوب سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ معدوم کیا چیز ہے اور
عدم کس کو کہتے ہین اور سمجھنے اور جاننے کے وقت گویا معدوم اور عدم کی صورت
ذہن کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی ہے چیزون کی صورتین جو ذہن مین پیدا
ہوتی ہین وہی صورتین متصور کہلاتی ہین پس کسی چیز کے لیے ذہن مین ایک
خاص خیال نہین پیدا ہو سکتا جب تک وہ غیر سے متمیز ہو ورنہ غیر کے موجود
ہوتے اُس کے ذہن مین آجانے کے لیے کوئی ترجیح کی وجہ نہین جب تم
اپنے ذہن پر رجوع کرو تو معلوم ہو کہ بعض معلومات مراد ہین اور بعض مقدور
ہین اور ایک حالت مین جو چیز مراد ہوتی ہے وہ مقدور نہین ہوتی اور جو مقدور
ہوتی ہے وہ مراد نہین ہوتی اگر معدومات مین تمیز حاصل نہ ہو سکتا تو یہ فرق عقل
مین کیونکر آتا اور دوسرے مقدمے کے ثبوت اور صداقت کے لیے یہ
دلیل ہے کہ ہر تمیز کے لیے وحدت کا مرتبہ ضرور ہوتا ہے جس کی طرف
عقل اشارہ کرتی ہے اور یہ مرتبہ اسی حالت مین ذہن مین آسکتا ہے کہ اُس کو
ایک قسم کا تعین اور ثبوت فی نفسہ حاصل ہو اور نفی صرف اور عدم محض کے
واسطے کچھ بھی ثبوت اور تعین نہین ہو سکتا اور نہ عقل اس کی طرف اشارہ کر سکتی
ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ معدوم ممکن کو کچھ نہ کچھ ثبوت ضرور ہے نری نفی
وعدم کے مقام مین نہین ہے اگر ایسا ہوتا تو کسی ذہن مین نہین آسکتا اور جب
یہ دونون مقدمے مدلل ہو گئے تو نتیجے کو ماننا پڑے گا یعنی معدوم ثابت
ہے جواب اس دلیل کا یہ ہے کہ تمیز کا حاصل ہونا ثبوت کے لیے کافی
نہین ہے اس لیے کہ ممتنعات بھی باہم متمائز ہین چنانچہ شریک باری سے
اجتماع ضدین اچھی طرح متمیز ہے اور ایسی چیزین بھی جن کا وجود صرف خیال ہی
خیال مین ہوتا ہے متمیز ہوتی ہین چنانچہ سب جانتے ہین کہ یاقوت کا پہاڑ اور

اثبات معدوم محض

جواب

فوائد ضروری

آبحیات اور عنقا اور چار سر کا آدمی سب متمیز ہین ہر ایک کو جدا جدا خیال کر سکتے ہین
اور بالاتفاق ان کے لیے کسی قسم کا ثبوت نہین ہے اور اسی طرح کی مثالین
ڈھونڈھنے سے بہت سی نکل سکتی ہین اور بعد اس کے ہم یہ پوچھتے ہین کہ اگر معتزلہ
نے معدوم ممکن کو تمیز حاصل ہونے سے یہ مراد رکھی ہے کہ اس کو تمیز ذہنی حاصل
ہوتی ہے تو یہ کوئی ثبوت مین ثبوت نہین ہے صرف خیال ہی خیال ہے
جو ممتنعات کے واسطے بھی حاصل ہے اگر ایسا ثبوت کافی ہو سکے تو ممتنعات بھی
پورے پورے پایۂ ثبوت کو پہونچ جائین اور اگر مراد معتزلہ کی کچھ اور ہے
تو وہ ہم ماننے کے نہین ان کو کھول کر بیان کرنا چاہیئے حق یہ ہے کہ معدوم
بھی کہنا اور اُس کے واسطے ثبوت بھی ڈھونڈھنا جو بلاشبہہ حرکات وسکنات کو
چاہتا ہے بالکل سقسطہ اور دھوکا دہی ہے

وبعلم اللہ تعالیٰ القائم فی حال قیامہ قائما واذا قعد فقد علمہ قاعدا فی حال قعودہ من غیر ان تتغیر علمہ او یحدث لہ علم ولکن التغیر والاختلاف یحدث عند المخلوقین

اور اللہ تعالےٰ کھڑے کو کھڑے ہونے کی حال مین کھڑا
جانتا ہے اور جب وہ بیٹھتا ہے تو اُس کو بیٹھے ہونے کی حالت مین بیٹھا
جان لیتا ہے اور اس سے اُس کے علم مین تغیر نہین آتا اور نہ دوسری
حالت مین نیا علم پیدا ہوا ہوتا ہے لیکن تغیر اور اختلاف مخلوقات مین پیدا ہوتا
ہے اور مخلوقات کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا علم متعلق ہوتا ہے تو اُس علم کے
تعلقات مین تغیر آجاتا ہے اور خود علم مین جو صفت ازلی ہے تغیر نہین آسکتا ہے
اور یہ ہوسکتا ہے کہ صفت قدیم ہو اور اُس کے تعلقات حادث ومتغیر ہون اور
تعلقات اضافی چیزین ہین جو اعتبارات محض ہین وہی ایک علم ازلی ہے جس کو ہر

فلاسفہ کے نزدیک اللہ جزئیات کا عالم نہیں

شے کیساتھ علیحدہ علیحدہ تعلق پیدا ہوجاتا ہے اور فلاسفہ یونان کہتے ہین کہ اگر اللہ تعالیٰ کیلیے سب اشیا کا علم تسلیم کیا جائیگا تو بڑی خرابی پڑجائیگی اسیلیے یہ حکما اس ذات مقدس کو جزئیات کا عالم نہین کہتے اور دلیل اپنے قول پر یون لاتے ہین کہ اگر خداتعالیٰ یہ جانے گا کہ زید ابھی اپنے گھر مین تھا پھر وہان سے بازار کو چلا گیا یا اس وقت کھڑا تھا اب بیٹھ گیا تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے گھر مین ہونے اور کھڑے ہونیکا جو پہلے علم تھا وہ بازار مین جانے اور بیٹھ جانے کا علم حاصل ہونے کے وقت جاتا رہا یا نہین زوال کی صورت مین اللہ تعالےٰ کی ذات مین ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف تغیر ماننا پڑے گا اور دوسری صورت مین جہل اس کی ذات مین لازم آجائے گا اور ان دونون نقصانون سے اس کی ذات بری ہے پس ان حکما کے نزدیک جزئیات کا علم اللہ تعالےٰ کو اُن کے کلیات کے ذریعہ سے ہوتا ہو مثلاً زید۔ عمرو۔ خالد اور ولید وغیرہ ان افراد متعدد کا علم جو شریک انسانیت ہوتے ہین انسان مطلق کے ضمن مین ہوسکتا ہے علیحدہ علیحدہ ہر ایک جزی اور شخص اور اُن کے خاص خاص حالات کا علم نہین ہوسکتا کیونکہ اس صورت مین جزئیات مین تغیر آجانے سے ذات عالم مین تغیر نہین آسکتا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ تغیر تعلقات علم مین ہوتا ہے نفس علم مین نہین ہوتا جس سے ذات باری مین تغیر یا جہل لازم آئے واضح ہو کہ جس چیز مین تجدد یعنی تغیر ہوتا ہے اُسے متجدد کہا کرتے ہین حادث نہین کہتے اور اس کی تین قسمین ہین (۱) احوال جیسے عالمیت اور مدرکیت اور سامعیت اور مبصریت اور مریدیت ان کا تغیر باری تعالےٰ مین ناجائز ہے مگر بعض معتزلہ کو اس مسئلے مین اختلاف ہے چنانچہ ابوالحسن معتزلی کی راے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عالمیت مین معلومات کے تغیر کے ساتھ تغیر پیدا ہوتا ہے (۲) اضافتین یعنی نسبتین ان مین تمام عقلا کے نزدیک تغیر جائز ہے چنانچہ کہتے ہین اللہ تعالےٰ

عالم کے ساتھ موجود ہے بعد اس کے کہ اس کے ساتھ موجود نہ تھا (۳) صفات سلبی اور ان کی دو قسمین ہین اس لیے کہ بعض چیزین ایسی ہین کہ نسبت سلب کے بدون یہ باری تعالے کی صفت نہین ہو سکتین ان مین تغیر ممتنع ہے جیسے جسم اور جوہر اور عرض کہ اللہ تعالیٰ کو تنہا ان کے ساتھ موصوف نہین کر سکتے اور یہ نہین کہہ سکتے کہ اللہ تعالے جسم ہے یا جوہر ہے یا عرض ہے جب سلب کو ان سے لگاؤ ہوتا ہے اور اس کی علامت یعنی حرف نفی ہے آتے ہین تو اس وقت یہ اللہ تعالے کی صفت واقع ہو سکتے ہین مثلاً اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے ایسی صفات سلبی کا تغیر محال ہے اور جو سلبی صفت اس صورت کے خلاف ہو تو وہان تغیر جائز ہے چنانچہ معیت یعنی کسی کے ساتھ ہونا خدا کی اسی قسم کی صفات سلبی مین سے ہے کہ اُس مین تغیر جائز ہے اس لیے کہ خدا ہر حادث کے ساتھ موجود ہے اور وہ حادث معدوم ہو جاتا ہے تو معیت بھی جاتی رہتی ہے اور حادث اُسے کہتے ہین جو پہلے نہ تھا پھر ہو گیا یہی حال معیت کا ہوگا پس اس مین تغیر ثابت ہو گیا۔

خلق اللہ تعالی الخلق سلیما من الکفر والایمان ثم خاطبہم وامرہم ونہٰہم

یعنی اللہ تعالے نے ساری مخلوق کفر اور ایمان سے خالی پیدا کی پھر اُن کو خطاب کیا اور اُن کو اچھے کامون کا حکم دیا اور بُرے کامون سے منع کیا مطلب یہ ہے کہ کفر و ایمان کی تکلیف کے وقت بندون کو انبیا کے ذریعہ سے اللہ نے اپنا خطاب پہونچایا اور ایمان و عبادت کی تکلیف عاقل و بالغ کو ہوتی ہے تو بچہ عاقل ہو یا غیر عاقل عبادت کیساتھ مکلف نہوگا اور اسمین سب کا اتفاق ہے اور اُسکو تکلیف ایمان کے ہونے مین اختلاف ہے فخر الاسلام اور اُن کے متبعین

بچہ ایمان کے ساتھ مکلف ہے یا نہین

دعوت اسلام پہونچنے سے قبل وجوب و حرمت ثابت ہوسکتی ہی یا نہین

کا قول یہ ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ بھی مکلف نہوگا ہان اگر وہ ایمان لے آئے تو اس کا ایمان صحیح ہے کیونکہ جناب سرور کائنات نے بچے کا ایمان قبول کیا ہے اور عاقل بچے سے مراد وہ بچہ ہے جو اپنے دل کی بات بیان کرسکتا ہو اور شیخ ابو المنصور ماتریدی کے نزدیک ایسا بچہ بھی ایمان کے ساتھ مکلف ہے اس لیے کہ اللہ کی معرفت کا واجب ہونا کمال عقل یعنی بلوغ پر موقوف نہین ہے اور اس امر مین بالغ اور بچہ برابر ہین اور بچہ اعضا کے کام مین جو معذور رکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے اعضا کمزور ہوتے ہین بخلاف دل کے کام سے مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ عقل کا کمال تو وجوب کا جتانے والا ہے اور واجب کرنے والا اللہ تعالے ہے کمال عقل واجب کرنے والا نہین واجب اللہ ہی کرتا ہے عقل جب کامل ہو جاتی ہے تو اُس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ایمان اب واجب ہوگیا بخلاف معتزلہ کے کہ اُن کے نزدیک عقل اُن افعال کی واجب کرنے والی ہے جو اچھے ہین اور اُن افعال کی حرام کرنے والی ہے جو برے ہین اور حق یہ ہے کہ بچہ ایمان کے ساتھ مکلف نہین کیونکہ ایمان خطاب کے ساتھ واجب ہوتا ہے اور خطاب بچے سے ساقط ہے جیسا کہ ابو داؤد اور احمد اور نسائی اور ابن ماجہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے پس اگر کسی عاقل کو دعوت اسلام نہ پہونچ سکے تو کیا اُس کے حق مین بعض احکام کا وجوب اور بعض کی حرمت ثابت ہوسکتی ہے یا نہین یعنی وہ آخرت مین ثواب و عقاب کا مستحق ہوگا یا نہین پس معتزلہ کے نزدیک تو اسکو ثواب و عقاب ہوگا کیونکہ انکے نزدیک اشیا مین حسن و قبح عقل کیطرف سے ہی شرع کو اسمین دخل نہین اور جبکہ اُس کو عقل حاصل تھی تو وہ کیون بُرے کامون سے نہین بچا اور اچھے کام کیون

اختیار نہ کیے عقل اُس کو ہر ایک برے بھلے کام کی ہدایت کر سکتی تھی اُس نے عقل سے کام کیون نہ لیا اور اشاعرہ کے نزدیک ایسے شخص کے لیے ثواب وعقاب نہین کیونکہ اشیا مین حسن وقبح شرع کی طرف سے ہے شرع نے جس کو حسن کہا وہ حسن ہے اور جس کو قبیح کہا وہ قبیح ہے اور اگر برعکس کرتی تو برعکس ہوتا پس اگر ایسے شخص کو دعوت اسلام نہ پہونچے معذور سمجھا جاے گا کیونکہ اُن کے نزدیک معتبر شارع سے سننا ہے اور وہ اُس کو حاصل نہوا اور استدلال انھون نے اس آیت سے کیا ہے ماکنا معذبین حتے نبعث رسولا یعنی ہم کسی کو عذاب نہین دیتے جبتک کوئی رسول نہین بھیج دیتے پس یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول کے آنے اور اُس کے ذریعہ سے خطاب الٰہی پہونچنے سے قبل کسی پر عتاب نہین اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو دعوت اسلام نہ پہونچے تو وہ صرف عقل کے ہونے سے بغیر تجربے کے مکلف نہین سمجھا جاتا پس ایسی حالت مین اگر وہ نہ ایمان کا معتقد ہو نہ کفر کا تو معذور قرار پائے گا کیونکہ عقل بنفسہ ایمان کا موجب نہین ہے بلکہ ادراک ایمان کا آلہ ہے ہان جب اُس کو عقل کے ساتھ تجربہ حاصل ہوجاے اور اتنی مہلت مل جاے کہ صانع عالم کے وجود کے ثبوت کی نشانیون پر غور وتامل کر سکے اور پھر بھی وہ اللہ پر ایمان نہ لاے تو معذور نہ سمجھا جاے گا کیونکہ اس قدر تجربہ اور مہلت اُس کے حق مین دعوت رسول کی برابر ہے جس سے اُس کے دل مین نجوبی صانع عالم کے وجود پر دلالت وتنبیہ ہوسکتی ہے یہ بھی یاد رکھو کہ یہ قول امام کا ایمان کے باب مین ہے اور احکام شرعیہ مین اس وقت تک معذور رہے جب تک حجت قائم نہو کیونکہ اُن پر بدون حکم کتاب وسنت کے علم حاصل نہین ہوتا

فلکفر من کفر لبفعلہ وانکارہ وجحودہ الحق نجذلان اللہ تعالے ایاہ وامن

حسن وقبح شرعی سے یا عقلی

من آمن بفعله واقراره وتصدیقه بتوفیق الله تعالےٰ ایاه ونصرته له
پھر کافر نے اپنے اختیار اور انکار اور مکر جانے سے بوجہ چھوڑ دینے اللہ کے
اس کو نمانا اور مومن نے اپنے اختیار اور اقرار زبانی اور تصدیق دلی سے بسبب
توفیق اور مدد الٰہی کے اُس کو مان لیا ماتریدیہ کے نزدیک توفیق اللہ کا آسان کرنا
اور مدد دینا ہے اور اشاعرہ کے نزدیک طاعت پر قدرت کا پیدا کرنا ہے
اگر بندہ نیک کام کرنے کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ نیک کام کے کرنے
کی اُس مین قدرت پیدا کر دیتا ہے یعنی اُس کام کے اسباب و آلات کو سلامتی
عطا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے بندہ اس فعل کو ظہور مین لے آتا ہے اور
اگر برائی کے ظہور کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کے کرنے کی قدرت بندے
مین پیدا کر دیتا ہے یعنی اُس کے الآت و اسباب کو سلامتی دیتا ہے تو اِس
سے معلوم ہوا کہ بندہ آپ ہی اچھے کام کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے اس لیے
ذم وعقاب کا مستحق ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے کافرون کی
مذمت مین فرمایا ہے ہم لایستطیعون السمع مطلب یہ ہے کہ کلام رسول کے
سننے کا بطریق تامل کے واسطے طلب حق کے قصد نہین کرتے ہین تا کہ حق کو
جان لین بلکہ بطریق انکار کے سنتے ہین اور اللہ تعالےٰ نے کفار کے تامل
نہ کرنے کی وجہ سے باوجود سلامتی اسباب کے مذمت کی ہے چنانچہ فرمایا ہی
ولهم قلوب لایفقهون بها یعنی کفار کے لیے دل ہین کہ اُن کے ساتھ نہین سمجھتے پس
کافر ہوا جو کوئی کہ اپنے فعل کے ساتھ کافر ہوا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار
اور انکار سے بوجہ مخذول کر دینے اللہ تعالےٰ کے اس کو کہ اس کی مدد نہین
کرتا کافر ہوا چنانچہ قرآن مین وارد ہے ان الله لایظلم الناس شیئا ولکن الناس
انفسهم یظلمون بے شک اللہ لوگون پر کچھ ظلم نہین کرتا لیکن وہ اپنے نفسون پر

توفیق

آپ ظلم کرتے ہین اور ایمان لایا جو کوئی اپنے فعل کے ساتھ ایمان لایا یعنی اپنے اختیار اور اذعان اور اقرار اور تصدیق کے ساتھ ایمان لایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بمقتضائے فضل اپنے کے توفیق بخشی جیسا کہ قرآن مین فرمایا ہے ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون بے شک اللہ لوگون پر صاحب فضل ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہین کرتے اس مین کچھ شک نہین اس لیے انسان کے لیے ارادے اور قوتین ہین کہ ان کے سبب سے اس کے لیے مناسب چیزون کا حاصل ہونا اور منہیات سے انکار پورا ہوتا ہے چونکہ ارادے اور قوتین فی الحقیقۃ اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہین اس لیے گویا بندے کو اختیار نہین ہے اس تفصیل کے بعد معلوم کرو کہ صحیح بخاری و مسلم مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ انھون نے کہا کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک شخص کے جنازے کے ساتھ گئے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبر کے تیار ہونے کے انتظار مین بیٹھ گئے اور ہم سب آپ کے گرد بیٹھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مین سے کوئی شخص نہین ہے مگر اُس کا مکان اللہ تعالیٰ کے علم مین مقرر ہے بہشت مین ہو یا دوزخ مین اور لوح محفوظ مین لکھ گیا ہے اور تغیر و تبدل اُس کا کسی طور سے ممکن نہین ہی ہم نے کہا یا رسول اللہ اگر یہی بات ہے تو تقدیر پر بھروسا کرکے کیون نہ بیٹھ رہین اور عمل کیون نہ چھوڑ دین اس لیے کہ جب بات ایسی ہوئی کہ جو لکھا ہے وہی ہوتا ہے اُس کا خلاف کسی طرح سے ممکن نہین ہی تو عمل کرنا بے فائدہ ہے جو کچھ ہونا ہے سو ہوگا آنحضرت نے فرمایا عمل کیے جاؤ اس لیے کہ ہر شخص کو توفیق اُسی کام کی دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے پس اگر اس کو نیک بخت پیدا کیا ہے تو نیک بختون کے کام اُس سے کراتے ہین اور اگر بد بخت پیدا کیا ہے تو کام بھی بد بختون کے اُس سے کراتی ہین

فائدہ ہر شخص کو توفیق اسی کام کی دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے

سو جس طرح سے کہ مکان ہر شخص کا بہشت مین مقرر ہے یا دوزخ مین اسی طرح عمل بھی نیک اور بد ہر شخص کے لیے مقرر ہو رہے ہین پھر آپ نے یہ آیت پڑھی

فاما من اعطے واتقے وصدق بالحسنے فسنیسرہ للیسرے واما من بخل واستغنے و کذب بالحسنے فسنیسرہ للعسرے مطلب اس آیت کے پڑھنے سے اس مقام پر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم مین تمہارے کام مختلف اور رنگا رنگ ہین کیونکہ کسی کو بھلا اور کسی کو برا تقدیر مین لکھا ہے اور اسی سرنوشت کے موافق ہر ایک سے بھلائی اور برائی دنیا مین ہوتی ہے تو مراد اعطے واتقے وصدق بالحسنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے علم مین جو عمل اُس کے مقدر ہین خواہ نخواہ کرے گا اور مراد فسنیسرہ للیسرے سے یہ ہے کہ ان کامون کی توفیق دنیا مین ضرور پاے گا حاصل کلام یہ ہے کہ عملون کو جس مرتبے مین لحاظ کیجیے خواہ علم الٰہی مین خواہ دنیا کے پاے جانے مین ہر طرح ایک ثمرہ رکھتے ہین اس لیے کہ علم الٰہی مین عمل خیر و شر مقدر ہین اور ثمرہ اُن کا یہ ہے کہ خیر مین توفیق اور شر مین خذلان ورسوائی دنیا کے پاے جانے مین حاصل ہو اِس لیے کہ دنیا تقدیر کے عالم کا سایہ ہے اور دنیا کی نسبت تقدیر کے عالم سے ایسی ہے جیسے ڈھلی ہوئی چیز کی نسبت اُس کے سانچے سے ہوتی ہے کہ اُس سانچے سے وہ چیز کم و زیادہ نہین ہوسکتی اور اگر انھین عملون کے صادر ہونے اور کرنے کے بعد ملاحظہ کیجیے تو اس کا پھل آخرت کی جزا ہے اس لیے کہ آخرت اس کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہے جو دنیا مین بوگئے تھے **اخرج ذریتہ آدم** حضرت آدم محض قدرت کاملۂ ربانی سے بے صلب پدر و رحم مادر کے عناصر اربعہ کی ترکیب سے پیدا ہوے اور اللہ نے ان مین روح داخل کی اور ساکن بہشت کیا اور ملائکہ کو اُن کے سجدے کے لیے حکم فرمایا سب فرشتون نے

سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدے سے انکار کیا تو وہ مردود ہوا اور انھین کو ملائکہ پر علم لغت کے ساتھ فضیلت دی کہ وعلم آدم الاسماء کلہا (آدم کو تمام اسما سکھائے) اسی کا بیان ہے۔ ڈاکٹر تھیوڈور این گل نامی مشہور نیچرلسٹ نے کہا ہے کہ انسان اور لنگورون کی مختلف قسمین (چمپانزی گوریلا۔ اورنگ اوٹنگ وغیرہ) دراصل ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہین ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ بہت تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہم اپنے ان رشتہ دارون سے جدا ہوئے ہین اگر ہم اپنے زمانہ گذشتہ کے بزرگون کو قبرون سے نکالین تو ہمین معلوم ہوگا کہ اُن کی اور اس زمانے کے بندرون کی شکل وشباہت مین بہت ہی تھوڑا فرق ہے اس مین شک نہین کہ ہماری شکلین موجودہ بندرون سے کسی قدر مختلف ہوگئی ہین مگر دراصل یہ اختلاف زیادہ تر قدرتی نہین بلکہ مصنوعی ہے اور دونون کے دماغ کی طرز وساخت مین کوئی فرق نہین صرف بڑے اور چھوٹے کا اختلاف ہے بندرون کے دانت گوشت خور جانورون کے سے نہین بلکہ ایسے ہین کہ وہ اناج یا نباتات کو چبا کر کھا سکین گو ان کے چند دانت کتونکی طرح لمبے ہین مگر ان کی موجودگی محض لڑائی کے موقع پر فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے پس جب ہمارے چند بزرگ بندرون کو معلوم ہوا کہ دانتون کی بجائے ہاتھون سے اچھی طرح کام لیا جا سکتا ہے تو قدرتی طور پر یہ لمبے دانت بیکار ہو کر رفتہ رفتہ جھڑ گئے اور اُن کی جگہ اس قسم کے دانتون کی قطارین پیدا ہوگئین جیسا کہ آج کل ہماری منہ مین موجود ہین اسکے ساتھ ہی جبڑون مین بھی ضروری تبدیلیان ہوتی گئین جن دنون یہ تبدیلیان وقوع مین آرہی تھین دماغ بھی بڑھتا گیا پس جب انھون نے بازوون کو درختون پر چڑھنے اوترنے کی بجائے اور کامون مین استعمال کرنا شروع کر دیا اور جنگلات سے نکلکر میدانون مین آکر آباد ہو گئے تو قدرتی طور پر اُن کے بازو چھوٹے

بندر اور گوریلا سے آدمی کی موجودہ صورت اختیار نہین کی بلکہ وہ اصل مین کوئی اور حیوان تھا

اور عام استعمال کے لائق ہوتے گئے اور انھیں پھر لکڑی ٹیکنے کی بھی ضرورت نرہی بازووں اور ٹانگوں کے مضبوط ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے اگر ہم اس سے بھی پہلے حالات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسان کسی زمانے میں تھیلی دار جانوروں یا سور خرد کی طرح ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں اُس کی خاص قسم کی چھاتی کی ہڈی اور حشرات الارض جتنا دماغ ہوا کرتا تھا وہ اُن دنوں میں انڈے دیتا اور سیتا تھا اس سے بھی پہلے نگاہ دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ حشرات الارض یا مچھلی کی قسم کا ہوتا تھا وہ زیادہ تر اُن مچھلیوں سے مشابہ ہوتا ہوگا جو دریائے نیل افریقہ جنوبی امریکہ اور اسٹریلیا میں پائی جاتی ہیں اور جنھیں بچیر یا ڈپتا میں کہتے ہیں اور اگر اس سے بھی پہلے کا اندازہ لگایا جائے تو انسان ایک خاص قسم کا کیڑا ہوا کرتا تھا جو آج کل نظر نہیں آتا ہم ڈاکٹر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر بندر اور آدمی کی نوعیں اسی طرح مچھلی اور آدمی کی نوعیں علٰحدہ علٰحدہ مانی جائیں تو اس میں کیا قباحت ہے جیسا کہ گھوڑی اور بکری کی علٰحدہ علٰحدہ نوعیں ہیں اس کی کیا وجہ کہ پہلے زمانے میں تو بندروں یا کیڑوں سے ترقی کرتے کرتے آدمی کی موجودہ صورت حاصل ہوگئی اور اب ایسا نہیں ہو سکتا باوجودیکہ صناعی کے وسائل بھی اس زمانے میں بڑھے ہوئے ہیں علاوہ اس کے تبدیلی شکل وصورت کی راہ مسدود نہیں ہوگئی ہے اس لیے ممکن ہے کہ آیندہ آدمی کوئی اور شکل حاصل کرلے اور موجودہ صورت کا بھی پابند نرہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس شکل کے سوا کوئی اور عمدہ شکل متصور نہیں کتاب پیدائش کے باب اول ورس ۲۶ میں جو ہے کہ خدا نے آدم کو اپنے ہمشکل بنایا تو کیا اس سے یہ ترقی یافتہ شکل مراد ہے یا ابتدائی یا جو آیندہ کو حاصل ہونا ممکن ہے اس سے تو یہی

ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا سے آدم کو صورت موجودہ عطا کی ڈاکٹر صاحب نے
اور اعضا کی تبدیلی کی تو تحقیق کی مگر یہ نہین بتایا کہ بندر کی دم مردمین داڑھی
کس ترکیب سے بن گئی اور بندریا کی دم نے عورت مین چوٹی بنکر کیسے ظہور
کیا اور نہ بولیون کی تبدیلی کی وجہ ظاہر کی اگرچہ بعض حکما نے اس بات کو مانا ہی
کہ روح قالب تبدیل کرتی ہے چنانچہ روح کبھی انسان کے قالب سے
نکل کر پھر انسان کے قالب مین آتی ہے اور کبھی انسان کے قالب سے
نکل کر دیگر حیوانات کے قالب مین داخل ہوتی ہے اور کبھی نباتات اور
جمادات مین تبدیل قالب کرتی ہے مگر اس بات مین اور ڈاکٹر صاحب کے
کلام مین بڑا فرق ہے ڈاکٹر صاحب کی سطحی نظر اعضاے ظاہری کی تبدیلی
کی طرف تو ہوگئی مگر قواے باطنیہ کی تبدیلی و ترقی کی کوئی کیفیت نہ بیان
کر سکے ڈاکٹر صاحب کیا گذشتہ زمانے کے اپنے کسی بزرگ کی ایسی صورت
دیکھ چکے ہین جس کے داڑھی یا چوٹی تو نہو چوتڑون پر دم ہو پس تحقیق یہی ہے
کہ ہر ایک نوع علیحدہ ہے اور کسی نوع نے اپنی حالت نہین بدلی ہے اور
بعض علماے سائنس نے اس دعوے پر اعتراض کیا ہے کہ آدم انسان
اول نہ تھے اور دلیل اسپر یہ بیان کی ہے کہ دنیا کی زبانون کے پانچ خاندان ہو سکتے
ہین ایک خاندان کی زبانون کو دوسرے خاندان کی زبانون سے کوئی مشابہت
نہین ہے جس کی بنا پر لازم آتا ہے کہ کم سے کم پانچ آدم ہون جن کی نسلین
اس وقت دنیا مین موجود ہین آدم کی پیدائش کے متعلق تاریخی بیان نہایت تاریکی
مین ہے اگر اس پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے تو کتب آسمانی ہی سے پڑ سکتی ہے
ایک آدم کا ہونا اور اُس کی اولاد مین القاے ربانی سے چند ایسی مختلف زبانون
کا ہونا کہ ایک خاندان کی زبانون کو دوسرے خاندان کی زبان سے کوئی مشابہت نہو

علماے سائنس کے نزدیک آدم انسان اول نہ تھے

بعض کہتے ہیں کہ آدم سے انسان اول ہونے کا ثبوت قرآن میں نہیں

جواب

کچھ مشکل نہیں اگر مشکل ہے تو سائنس کی بنا پر ہے اس لیئے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس مادے سے آدم بنا وہ مادہ اب بھی تو موجود ہے بھلا توالد اور تناسل کے بغیر اس سے بشر پیدا تو ہو جائے پس اگر خدائے تعالےٰ کی قدرت سے اُسی طریقے پر جیسا کہ کتاب آسمانی میں مذکور ہے آدم کا پیدا ہونا نہ مانا جائے گا اور سائنس کو اس میں مداخلت دی جائے گی تو اس پر بہت سے اعتراض وارد ہونگے جن میں سے ایک یہ ہے کہ مادے سے خود بخود آدم پیدا ہو گیا تو اُس کو لغات کا بولنا کیسے آگیا علاوہ اس کے مادہ تو تمام عالم میں موجود ہے دس پانچ آدم کا پیدا ہونا کیسا دوسری اشیا کی طرح لاکھوں آدم کا پیدا ہونا چاہیئے تھا اور کیا وہ مادہ جو خود بخود آدم پیدا کر سکے اب نہیں ہے ان مشکلات سے بچنے کے لیے قرآن کے اس قول کو مانیں کہ اللہ تعالےٰ نے ایک آدمی اپنی قدرت سے پیدا کیا اور پھر ایک عورت اس کی زوجیت کے لیے پیدا کی اور اُس کو دنیا کی اشیا کے نام سکھائے اور اُس کی اولاد کو مختلف زبانیں القا کیں۔

مصر کے عالم محمد توفیق صدقی کی بہت بڑی غلطی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ کوئی آیت صریح طور سے اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ آدم پہلا انسان تھا بہت سی باتیں قرآن میں ایسی ہیں کہ وہ مجمل تھیں جن کو رسول کریم نے بیان کیا چنانچہ اللہ فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو لغت میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں تو اس حکم سے یہ نہ معلوم ہوا کہ یہاں کس قسم کی دعا مراد ہے پھر نبی علیہ السلام نے اس کو اول سے آخر تک بیان کر دیا اور کر کے بتا دیا اور یہ بیان ایسا شافی تھا کہ بعد اس کے نماز کے سمجھنے میں کوئی تردد باقی نہ رہا ورنہ قرآن میں ہر ہر نماز کی یہ تفصیل کہاں ہے اور رکعات میں جو حرکات و سکنات ہوتے ہیں اُن کا حال کہاں بیان کیا گیا ہے یہی حال آدم کا ہے حدیث نے تصریح کر دی ہے کہ جس آدم کا ذکر قرآن میں ہے وہی ابوالبشر ہی

بخاری ومسلم نے انس سے شفاعت کے باب مین ایک حدیث روایت کی ہے
جس مین آدم کو ابوالناس لکھا ہے ناس اسم جنس ہے جو ایک آدمی اور تمام آدمیون پر
صادق آتا ہے اور الف لام استغراق کے لیے ہے جس نے تمام انسانون کے
اولاد آدم ہونے پر تاکید وتصریح کردی ہے اور یہ جو محمد توفیق نے کہا ہے کہ
قرآن مجید مین ایک جگہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے فرشتون سے فرمایا کہ
اس دنیا مین خلیفہ یعنی جانشین بنایا جاے گا تو فرشتون نے جواب مین عرض
کیا کیا اُس کو جانشین بنایا جاے گا جو دنیا مین فتنۂ وفساد پھیلاے اور خونریزیان
کرے ان آیتون کے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدم سے
پہلے فرشتون نے اور انسانون کو خونریزیان کرتے نہ دیکھا تھا تو یہ بات اُنھون نے
کہان سے جانی کہ آدم کی اولاد بھی ایسا کرے گی ہم محمد توفیق کے جواب مین کہتے
ہین کہ فرشتون نے جو کہا کہ آدم دنیا مین فتنۂ وفساد پھیلاے گا اور خونریزیان
کرے گا یہ اُنھون نے محض اپنے عندیہ سے جنون کے قیاس پر کہا تھا اور
دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو یہ کہا انی اعلم مالا تعلمون یعنی ہم اُن
حکمتون کو جانتے ہین جو آدم کے پیدا کرنے مین ہین اور تم اُنھین نہین جانتے اگر
واقع مین اس آدم کی پیدائش سے پہلے کچھ اور آدم خونریزیان کرچکے ہوتے
تو فرشتے اس کے جواب مین ضرور کہتے ہم کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ پہلے
آدم بھی فتنۂ وفساد کرتے رہتے تھے یہ بھی ایسا ہی کریگا اور خداے تعالےٰ
بھی اُن کی لاعلمی بیان نفرماتا آدم سے پہلے دنیا مین جن رہتے تھے اور
طرح طرح کے گناہ اور خونریزیان کرتے تھے فرشتے جو جنون کے حالات
سے واقف تھے اُنھون نے قیاس کرلیا کہ جو فساد زمین مین آج تک جن
کرتے رہے ہین وہی حال اس آدم کا ہوگا جب فرشتون نے کہا کہ اے

مولوی عبداللہ چکڑالوی بانی فرقہ اہل قرآن کا عقیدہ [illegible]

رب العالمین کیا تو زمین مین ایسا شخص پیدا کرتا ہے جو تیری تسبیح وتحمید کی جگہ دنیا مین فساد پھیلاے گا اور طرح طرح کی خونریزیان کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح وتحمید وتقدیس کرتے ہین اللہ تعالے نے اُن فرشتون کو ان قیاسون کا یہ جواب دیا کہ خلیفہ ایسا ہوگا اور ہم ایسے ہین مختصرا جواب یہ دیا کہ جو کچھ مین جانتا ہون تم اُس سے لاعلم ہو پھر آدم کی تفصیل اُن پر ثابت کرنے کے لئے دوسرے واقعات بیان کیے اور فرشتون نے چونکہ ناحق اپنے قیاس کی بنا پر آدم کی ہتک عزت کی تھی خدا تعالے نے فرشتون سے آدم کو سجدہ کرایا تاکہ اُن کی جلالت شان اُن پر ثابت ہوجاے ایک بات اور بھی کھول دینے کے قابل ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی موجد فرقۂ اہل قرآن نے یہ دعوے کیا ہے کہ خداے تعالیٰ پاک ہے اس بات سے کہ کوئی اُس کا خلیفہ بن سکے ہان اللہ میان سب کا خلیفہ ہے پس آدم کو خلیفۃ اللہ کہنا سخت غلطی ہے اور اگر اپنے معنون مین

جواب

جو زبان عرب مین مستعمل ہین یعنی نائب وقائم مقام کسی شخص کا کسی کام مین آدم کو خلیفۃ اللہ سمجھا جاے تو صریح وصاف کفر ہے باقی رہی تاویل یعنی یہ کہ احکام جاری کرنے والا تو اس کے لیے کوئی سند نہین ہے نہ کتاب اللہ مین نہ کتاب اللغات مین نہ علم معانی کی رُو سے آدم جنون کے خلیفہ ہین کیونکہ آدم سے پیشتر اس زمین پر نہین معلوم کس قدر عرصہ دراز سے جن آباد چلے آتے تھے مولوی صاحب نے آدم کو خلیفۃ اللہ کہنا سخت غلطی سمجھا ہے یہ خود اُن کی غلطی ہے مسلمان آدم کو خلیفۃ اللہ اور سلطان کو ظل اللہ رسول اللہ کے فرمانے سے سمجھتے ہین اگر مولوی صاحب احادیث رسول کو ردی کی ٹوکری مین پھینک دینے کے قابل سمجھتے ہین تو یہ ان کی بدنصیبی ہے کیونکہ جن صحابہ سے ہم کو رسول اللہ کے اقوال پہونچے ہین اُنھین کے ذریعہ سے قرآن ملا ہے اور مولوی صاحب کے پاس اس

بات کا کیا ثبوت ہے کہ آدم جنون کے خلیفہ ہین اور یہ کہ جن آدم سے پیشتر عرصہ دراز سے اس زمین پر آباد چلے آتے تھے اس بات کا ثبوت نہین ہو سکتا کہ آدم جنون کے خلیفہ ہین۔ خلیفہ کے جو معنے اہل اسلام نے لیے ہین وہ مولوی چکڑالوی صاحب کو تسلیم کرانا سخت مشکل ہے کیونکہ وہ احادیث رسول کو متروک کر چکے ہین اور موجودہ نماز کو کفر قرار دیتے ہین پھر اگر وہ آدم کو خلیفہ اللہ کہنے کو کفر کہتے ہین تو تعجب نکرنا چاہیے معدودے چند اہل قرآن صرف صحیح نماز پڑھتے ہین اُن کے سوا آج تک کسی نے صحیح نماز نہین پڑھی اگر غور کیا جاے تو اس امر سے جناب الٰہی کی طرف ایک قسم کا عیب منسوب ہوتا ہے اس لیے کہ اُس نے خاتم الانبیا کے ساتھ ہی ساتھ مولوی صاحب کو بھی عالم وجود مین کیون نہین بھیجا تاکہ وہ صحیح نماز لوگون کو بتا دیتے اور تیرہ سو برس تک جو مسلمان غلط نماز پڑھکر کافر ہوتے رہے اس سے محفوظ رہتے اور نبی کی تعلیم جو آج تک بیکار رہی ہے بیکار نہ جاتی۔ ایک حدیث جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کو بعض کتابون مین ان کے والد ماجد علیہ السلام کا قول بتایا ہے کہ آدم سے پیشتر جو ہمارے باپ ہین ہزار ہزار آدم گذرے ہین اور شیخ محی الدین ابن عربی کہتے ہین کہ ہفتہ ربانی کے بعد کہ سات ہزار برس کی مقدار ہے اور سیارات سبعہ کے دور سلطنت کی مدت ہے ایک آدم کی نسل منقطع ہو کر دوسرا آدم پیدا ہوا اور یہ بات حدوث عالم کے منافی نہین ہے ہر صورت افراد انسانی کا سلسلہ کسی ایسے شخص کی طرف منتہی ضرور ہوگا جو نوع انسان مین سب سے اول ہے۔ شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ مین ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے ان اللہ خلق مائۃ الف آدم یعنی اللہ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے ہین شیخ مرحوم نے ایک حکایت اسی مین لکھی ہے کہ ایک

مولوی چکڑالوی کے نزدیک موجودہ نماز کفر ہے

ابن آدم سے پیشتر ہزار ہزار آدم گزرے ہین

وقت اثناے طواف خانۂ کعبہ مین مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے ہمراہ کچھ لوگ طواف کر رہے ہین اور مین ان کے حالات سے واقف نہ تھا اور ان مین سے ایک نے دو بیتین عربی کی پڑھین جن مین سے ایک یہ ہے۔ ؎

لقد طفنا کما طفتم سنینا   بہذا البیت طرا اجمعینا

یعنی تحقیق ہم سب نے طواف کیا ہے جیسا کہ تم نے طواف کیا ہے اس مکان کا برسون جب یہ بیت مین نے سنی تو مجھے خیال ہوا کہ یہ ابدان عالم مثال کے ہین اور اسی وقت ان مین سے ایک نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ مین تیرے اجداد مین سے ہون مینے اُس سے پوچھا کہ آپ کے انتقال کو کتنے سال ہوے کہا کہ چالیس ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا مینے متعجب ہو کر کہا کہ ابتداے پیدائش ابو البشر آدم سے اس وقت تک تو کل سات ہزار برس ہوے ہین اُس نے کہا کہ تو کس آدم کا ذکر کرتا ہے یہ وہ آدم ہے کہ اول دورۂ ہفت ہزار سالہ مین پیدا ہوا ہے شیخ فرماتے ہین کہ اس وقت مجھے آنحضرت کی وہ حدیث یاد آئی جس مین آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے ہین اِس حدیث سے اُس قول کی بخوبی تائید ہوتی ہے شیخ نے اس باب مین جو اپنی راے لکھی ہے وہ راقم الحروف نے تذکرۃ السلوک مین بیان کی ہے شیخ الرئیس نے شفا مین لکھا ہے کہ نفوس انسان بلکہ تمام جاندار ایک زمانۂ دراز کے بعد کسی طوفان عام کی وجہ سے تمام اور ختم ہو جاتے ہین پھر اس کے بعد انسان بلا مان باپ کے پیدا ہوتا ہے اور اس کو ایسے خاصے عطا کیے جاتے ہین جن کی مدد سے وہ ایسے صنائع و بدائع کی اختراع پر بخوبی قادر ہوتا ہے جن کی طرف نوع انسانی محتاج ہوتی ہے۔ اور شمس الدین شہر یوری نے کتاب ثمرۃ الشجرۃ الالہیہ مین اس انسان کے پیدا ہونے کی مفصل

کیفیت ذکر کی ہے اور بیان کیا ہے حضرت آدم جو ابو البشر کہلاتے ہین جن کی طرف نوع انسانی منسوب ہے بغیر ماں باپ کے پیدا نہین ہوئے ہین اُن کے ماں باپ بالضرور تھے اور وہ آدم جو بے ماں باپ کے پیدا ہوا ہی وہ ان سے بہت سے دورات سابق ہے استھے۔شارع نے جن آدم کو ابو البشر بتایا ہے اُن کی نسبت یہ کہنا کہ یہ وہ آدم نہین جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوے نہ کسی دلیل نقلی سے ثابت ہے اور نہ اس مطلب پر کوئی دلیل عقلی قطعی قائم ہے اس لیے یہ راے قابل اعتبار نہین اور خبر شارع کے صادق ہونے مین بوجہ ثبوت عصمت کے ذرا شبہہ نہین۔تمام حکماے مشائین کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس مین جس قدر انواع ہین وہ بھی سب قدیم ہین چنانچہ نوع انسانی بھی قدیم ہے ان کے نزدیک یہ بات کہ ابتدا نوع انسانی کی حضرت آدم سے ہے محض غلط ہے مگر باوجود اس کے توالد کا سلسلہ ان کے نزدیک بھی متناہی ہے یعنی جو آدمی کہ ماں باپ کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے اُس کی انتہا بالضرور ہے غایت یہ ہے کہ فلاسفہ اس کے سلسلے غیر متناہی ثابت کرتے ہین جن مین سے ہر ایک سلسلہ بالآخر متناہی ہے پس نوع انسانی ان کے نزدیک باوجود انتہاے سلسلہ توالد کے قدیم ہوگی اور وجہ اس کی یہ بتاتے ہین کہ اُن کے نزدیک یہ امر مسلمات مین سے ہے کہ حدوث شے کا بدون شے کے ناممکن ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہین ہے اور بداہت کا دعوے کرنا اس کی نسبت ممنوع ہے غایۃ الامر یہ ہے کہ ہم ایک شے کو بغیر دوسری شے کے ایجاد کرنے سے عاجز ہین مگر خدا تو عاجز نہین اس کی قدرت مین داخل ہے کہ وہ شے کو بدون شے کے پیدا کردے

کیونکہ وہ تمام ممکنات پر قادر ہے چنانچہ اپنے کلام مین وہ خود فرماتا ہے انما امرہ

آدم ابو البشر کے ماں باپ تھے

مشائین کے نزدیک عالم قدیم ہے اس لیے نوع انسانی بھی قدیم ہے

اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون سیاق آیت بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ اللہ تعالےٰ کو کسی شے کے ایجاد کرنے مین سوا اپنے حکم کے اور کسی چیز کی ضرورت نہین اور فلاسفہ نے جس قدر بیان کیا ہے اور دلائل لاے ہین اور جن جن معاملات پر اعتماد کیا ہے وہ متعارف طریق ہین اور جو امور ایسے ہین کہ شاذ و نادر ظاہر ہوتے ہین اور پھر مدت مدید مین ان کا ظہور ہوتا ہے وہ خوارق عادات سے شمار ہوتے ہین ایسی باتین اچھی طرح فلاسفہ پر منکشف نہین ہو سکتین اور شیخ الرئیس نے کتاب اشارات کے مقامات العارفین مین اُن کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور جبکہ دلائل قدم عالم مین نقصانات موجود ہین اور تواتر اخبار انبیا سے جو نوع انسانی مین فرد کامل ہین معلوم ہوا کہ عالم حادث ہی اور اہل ملل کا بھی اس پر اتفاق ہے اور وحی الٰہی نے بھی اس کی خبر دی ہے جس کی تاویل ممکن نہین مگر بڑے تکلف کے ساتھ اور طبائع سلیمہ بھی اس کی قائل ہین تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نوع انسانی قدیم ہوگی۔ علماے ہنود کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عناصر خمسہ یعنی خاک باد آب آتش اگاکس[1] کے ایجاد کرنے کے بعد ایک عقیل راست منش آدمی پردۂ غیب سے ظہور مین لایا اور اُس کو آفرینش عالم کا ذریعہ بنایا اُس شخص کو برہما کہتے ہین جس کی عمر سو سال کی ہوتی ہے اور ہر ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور ہر دن مین ایک ہزار اور

[1] عوام ہنود کے نزدیک عنصر اگاکس سے مراد آسمان ہے اور خواص کہتے ہین کہ یہ خیال غلط ہے اس لیے کہ حکماے ہند آسمان کے قائل نہین یہ جو کچھ اوپر دکھتا ہے یہ ہوا ہے اور کواکب جو معلوم ہوتے ہین یہ بزرگان سلف کی ذات ہین جو محنتون اور ریاضتونکی وجہ سے ان مراتب کو پہونچے ہین اور نورانی ہیکل حاصل کی ہے اور عالم علوی مین سیر کرتے پھرتے ہین جو اعلےٰ مرتبے کو پہونچ کر بڑے ستارے بن گئے ہین وہ کبھی عالم سفلی مین نہین لوٹینگے اور جو ایسے ہین کہ ان کو اعلےٰ درجے کا کمال حاصل

چار دورے ہوتے ہین اور ہر رات ہزار دورے رکھتی ہے دورۂ اول جس
کی مدت سترہ لاکھ ۲۸ ہزار سال ہین ست جگ کہلاتا ہے اس دورے کے
کل آدمی بڑے عمدہ اور نیک طینت ہوتے ہین اور عمر طبعی اس دورے کے
آدمیون کی ایک لاکھ سال ہوتی ہے دوسرے دورے کا نام ترتیا ہے
یہ بارہ لاکھ چھیانوے ہزار سال کا ہے اس دورے کے آدمی چار حصون مین
سے تین حصے نیک چلن ہوتے ہین اور عمر طبعی ان کی دس ہزار سال مقرر ہے
تیسرا دورہ دُواپر کہلاتا ہے اس کا استداد آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال کا ہے اس دورے
کے نصف آدمی نیک چلن ہوتے ہین اور عمر طبعی اس زمانے کے آدمیون
کی ہزار سال ہے چوتھے دورے کا نام کل جگ ہے اس کی مدت چار
لاکھ بتیس ہزار سال ہے اس دورے کے تین حصہ آدمی بدچلن ہوتے ہین
اور اُن کی عمر طبعی سو سال ہے اور ایک برہما کی عمر جب پوری ہوچکتی ہے تو دوسرا پیدا
ہوتا ہے اور اب تک اتنے برہما پیدا ہوچکے ہین کہ اُن کا شمار عقل انسانی
سے خارج ہے بعض عقلاے ہنود کا یہ قول ہے کہ اس زمانے کا برہما ایک اوپر
ہزاروان ہے اور اُس کی عمر مین سے ابھی پچاس سال اور آدھا دن گذرا ہے
اور یہ دورہ کل جگ کا ہے جس کے ۵۰۰۸ سال گذرے ہین نوان سال
شروع ہے جب اس طرح کل جگ کا تمام دورہ ختم ہوجاتا ہے تو از سر نو اُسی
ترتیب سے ست جگ وغیرہ دورے شروع ہوکر کل جگ پر تمام ہوتے ہین
اور اسی طرح ادوار عالم کا چکر رہتا ہے یہان تک کہ جب ایسے ایک ہزار
چار دورے پورے ہوتے ہین تو برہما کی عمر سے ایک دن ختم ہوتا ہے ابوالفضل نے
اکبرنامے مین لکھا ہے کہ اگرچہ یہ بابت عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے مگر قدرت
الٰہی کی وسعت کے روبرو بعید نہین اور بعض صوفیۂ اسلام بھی ایسی باتین کہہ گئے

چارون جگ

ہین جن سے ہنود کے اس قول کی نظیر قائم ہو سکتی ہے چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی
اور شیخ سعد الدین حموی سے شرح روزہاے الٰہی اور روزہاے ربانی کے باب
مین منقول ہے کہ ہر روز ربانی ہزار سال اور ہر روز الٰہی پچاس ہزار سال رکھتا
ہے مولف نفائس الفنون نے لکھا ہے کہ تاریخ خطائی مین مرقوم ہے کہ ابتداے
عہد ابو البشر آدم سے اب تک کہ ۷۳۵ھ ہجری ہے ۸۶۳ ہرون اور ۹۸۰۰۰
سال گذرے ہین اور ہرون اُن کی اصطلاح مین دس ہزار سال کی مدت کا نام
ہے اور ایسی حکائتین قدرت الٰہی کی وسعت کے اعتبار سے صحت سے عاری
نہین اور قرآن نے آدم کی پیدائش کا کوئی زمانہ نہین بتایا پس جس شخص کی طرف
سلسلہ انسانی منتہی ہوگا وہی آدم ابو البشر و خلیفۃ اللہ ہے اور جن لوگون نے یہ خیال
کیا ہے کہ کلام انبیا مؤول ہے انبیا کی مراد ظاہری معنے نہ تھی یہ اُن کی خام خیالی
ہے دبستان المذاہب کے صفحہ ۲۴۳ نظر اول مین عقائد حکما کے بیان مین یون
لکھا ہے کہ آدم کا جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی طرف کہ اُن کی
روح بدن مین ڈالی گئی یعنی آدم کی روح کا ان کے بدن مین پھونکنا جنت سے
نکالا جانا ہے اور مراد حوا کی فرمان برداری سے بدن کی طرف میلان کرنا ہے
اور شجرۂ منہیہ کھانے سے مراد بد خصلتین ہین اور سانپ سے مراد غصہ اور طاوس
سے مراد شہوت ہے اور شیطان سے مراد قوت وہمیہ ہے کہ جو عالم معقولات
کی منکر اور محسوسات کی پیرو اور عقل سے معارضہ کرنے والی ہے اور یہ جو
شرع مین آیا ہے کہ فرشتون نے آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نکیا تو اس سے
یہ مراد ہے کہ قواے جسمانی جو زمین کے فرشتے ہین آدم کی روح کی مسخر ہوگئین
اور قوت وہمیہ نے سرکشی کی یہ تاویل صحیح نہین باوجود اس کے ہم جانتے ہین کہ
قرآن مجید نے اکثر مطالب اعتقادی بیان کئے ہین ایسی طرح پر کہ اُن کی تاویل

کسی صورت ممکن نہیں من صلبہ فجعلہم عقلاء فخاطبہم وامرہم ونہیہم فاقروا لہ بالربوبیۃ فکان ذلک منہم ایمانا فہم یولدون علے تلک الفطرۃ

یعنی اللہ تعالےٰ نے آدم کی اولاد کو اُن کی پیٹھ سے نکالکر اُن کو عقل عطا کی پھر اُن سے خطاب کیا اور ان کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور برائیوں سے منع کیا پھر آدم اور تمام اولاد آدم نے اللہ تعالےٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا یعنی جبکہ اللہ نے اُنسے یہ پوچھا کہ کیا مین تمھارا رب نہیں ہوں سب نے اقرار کیا ہیں یہی اقرار ایمان تھا اب جو پیدا کیے جاتے ہین تو اُسی ایمان پر پیدا کیے جاتے ہین فطرت سے مراد ایمان ہے اور اُس کو فطرت اس لیے کہتے ہین کہ اسی پر پیدا ہوتے ہین اور فطرت پیدا کرنے کے معنے مین ہے اللہ فرماتا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا یعنی سب آدمیون کو چاہیے کہ فطرت (یعنی دین) الٰہی کی پیروی کرین ایسی فطرت جس پر تمام آدمیون کو پیدا کیا ہے بعض کہتے ہین کہ فطرت سے مراد صانع عالم کی شناخت ہے جو روز الست مین تمام آدمیون کو حاصل ہوئی تھی پس اللہ فرماتا ہے کہ اس وعدے کے پابند رہو جس پر مفطور ہوے ہو ابوہریرہ سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نکیا جاتا ہو پھر ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی یا آتش پرست کردیتے ہین اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اور کافر دونون کے بچے مومن پیدا ہوتے ہین اور ایمان فطری رکھتے ہین مگر اُن کے ثواب وعذاب مین اختلاف ہے بعض اُن کو ناری کہتے ہین بعض ناجی اور دخول جنت کے قائل ہین محمد بن حسین رضے اللہ عنہ کا قول ہے کہ یقین ہے کہ حق تعالےٰ کسی کو بغیر گناہ کے معذب نہ فرماے گا اور یہی صحیح ہے

ایمان فطری

کیونکہ جس شخص کو دعوت اسلام نہ پہونچے تو وہ صرف عقل کے ہونے سے مکلف نہین ہوسکتا پس ایسی حالت مین نہ اُس نے ایمان کو جانا نہ کفر کو سمجھا اور کسی ایسی بات کا جو ایمان کے منافی ہو یا کفر کے موافق ہو معتقد نہوا تو معذور ہوگا پس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ مسلمانون اور کافرون کے بچے ایمان فطری کی وجہ سے مومن ہین خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عہد و میثاق قرآن و احادیث سے ثابت ہے چنانچہ اللہ فرماتا ہے واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم و اشهدهم علی انفسهم الست بربكم قالوا بلی شهدنا ان تقولوا یوم القیمة انا كنا عن هذا غافلین یعنی جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھون سے اُن کی اولاد کو لیا اور ان کی جانون پر اُن کو گواہ کیا اللہ نے فرمایا کیا مین تمھارا رب نہین ہون سب نے کہا ہان ہم نے گواہی دی یہ گواہی اس لیے ہوئی کہ مبادا قیامت کے دن کہو ہم اس سے غافل تھے

عہد روز الست

یہان یہ سمجھنا چاہیئے کہ مراد آیت سے یہ ہے کہ اول اللہ نے آدم کی پیٹھ سے اولاد نکالی اور پھر اس اولاد کی پیٹھ سے اس کی اولاد نکالی اسی طرح قیامت تک جو پیدا ہونگے نکالے اور سب سے عہد و میثاق لیا اور ابی ابن کعب سے احمد نے روایت کی ہے کہ اُنھون نے اس آیت کی تفسیر مین واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم فرمایا کہ آدم کی اولاد کو اللہ نے اُن کی پیٹھ سے نکالکر سب کو جمع کیا اور ان کو قسم قسم کیا مثلاً بعض کو غنی بعض کو فقیر پھر اُن کو صورت بخشی پھر اُن کو گویا کیا پس وہ بولے پھر اُن سے اُن پر عہد و میثاق لیا اور اُن کو اُن کے نفسون پر گواہ بنایا کہ کیا مین تمھارا رب نہین ہون اُنھون نے اقرار کیا اللہ تعالے نے فرمایا کہ مین تم پر ساتون آسمانون اور ساتون زمینون کو گواہ کرتا ہون اور تم پر تمھارے باپ آدم کو بھی گواہ کرتا ہون تاکہ تم قیامت کے دن یہ نکہو کہ ہم اس کو نہین جانتے تھے تم اس کو جان رکھو کہ میرے سوا کوئی معبود نہین ہے اور نہ کوئی میرے سوا

پروردگار ہے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نکیجو مین تمھارے پاس اپنے رسول اپنے اس عہد ومیثاق کے یاد دلانے کے لیے بھیجون گا اور تم پر اپنی کتابین نازل کرون گا اُنھون نے کہا کہ ہم نے اس بات کی گواہی دی کہ تو ہمارا رب اور معبود ہے سوا تیرے ہمارا کوئی پروردگار نہین اور نہ کوئی ہمارا تیرے سوا معبود ہے اور سب نے اس بات کا اقرار کیا اور احمد نے ابن عباس سے بھی روایت کیا ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا کہ اللہ نے میثاق کے دن حضرت آدم کی صلب سے اُن کی تمام ذریت کو نکال کر اُن کے سامنے مثل چیونٹیون کے پھیلا دیا اور اُن سے کہا کہ کیا مین تمھارا رب نہین ہون سب نے ربوبیت کا اقرار کیا پھر اللہ نے فرمایا کہ مین نے تم کو اس لیے گواہ کیا ہے کہ تم قیامت کے دن یہ نکہو کہ ہم اس سے غافل تھے یا تم یہ نکہو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے سے شرک کیا تھا اور ہم پیچھے سے اُن کی اولاد تھے تو کیا تو ہم کو وجہ اُس چیز کے ہلاک کرتا ہے جو اہل باطل نے کی ہے **سوال** اس آیت کے ساتھ حجت لازم کرنے کی کیا وجہ ہے کیونکہ ہم کو عہد ومیثاق ذرا بھی یاد نہین اگر ہم کو یہ بات یاد رہتی تو ضرور اُس وعدے کے ایفا مین کوشش کرتے **جواب** اللہ تعالے نے ہم کو یہ میثاق امتحان اور جانچ کی غرض سے بھلا دیا ہے کیونکہ دنیا امتحان اور جانچ کی جگہ ہے اور ہم پر ابتدا سے ایمان بالغیب واجب ہی اور اگر ہم کو یاد رہتا تو امتحان اور جانچ زائل ہو جاتی اور پھر انبیا کی یاد دہانی کی حاجت نرہتی اور ایسا نہین ہو سکتا کہ کوئی بات ذہن سے اوتر جائے تو اس وجہ سے حجت باقی نرہے اور معذور سمجھا جائے۔

معتزلہ میثاق لینے کے منکر ہین اُنھون نے آیت وحدیث کے معنے مجاز پر حمل کیے ہین کیونکہ معتزلہ اُن اشیا کے ثبوت کے قائل نہین جن کا ادراک عقل نہین

معتزلہ ان اشیا کے ثبوت کے قائل نہین جن کا ادراک عقل نہین کر سکتی

کر سکتی چنانچہ ان کے نزدیک دیدار الٰہی محال ہے اور عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر
اور پل صراط اور میزان وغیرہ کے بھی منکر ہین - اور یہ درست نہین جب کلام کے جب
تک معنی حقیقی مراد ہو سکین اُن کو چھوڑ کر مجازی معنے مراد لینا عقل و نقل کے خلاف
ہے کیونکہ اس تقدیر پر نہ تو شارع کے کلام سے کوئی مدعا ثابت ہو سکے اور نہ
کسی کی بات چیت کسی کو فائدہ بخش سکے ایک اندھیر مچ جاے مثلاً کسی نے
کہا کہ پانی پلاؤ دوسرے نے کہدیا کہ اس کی مراد علاقہ ضدیت کی وجہ سے آگ
ہے یا کسی نے حکم دیا کہ اس کو قصاص مین قتل کر دو اس نے کہدیا کہ یہ مراد ہے کہ
مجھکو ملامت کر کے چھوڑ دو کیونکہ ملامت کرنا بھی ایک طرح کا قتل کرنا ہے یا کسی
نے کہا کہ زید بلباس فاخرہ کل ہمارے پاس آیا تھا ہم اس کے گواہ ہین کسی نے
کہدیا کہ یہ کلام مقصودی نہ تھا بلکہ مخاطب کے خیال کے موافق یون ہی کہدیا بہر طور
دنیا مین انتظام نہ رہے پس ان خرابیون کے دفع کرنے کے لیے اہل عقل نے
یہ بات مقرر کر دی کہ ہر کلام کو اُس کے ظاہری معنے سے بدل کر اس کو مجاز مرسل
یا استعارہ یا کلام غیر مقصود جب کہین گے کہ اس کے اصلی معنے درست نہو سکین
اور مجازی معنے کے لیے کوئی قرینہ بھی ہو کہ جو اصلی معنے کو قائم ہونے سے
منع کرے مثلاً شیر کے اصلی معنے جنگلی درندہ ہین ہم اس کے معنے بہادر جب قرار
دینگے جب کوئی قرینہ ہوگا مثلاً یون کہین کہ شیر لکھ رہا ہے اب یہ لکھنا قرینہ ہے کہ
جہان شیر سے مراد بہادر آدمی ہے جنگلی درندے سے لکھنا متصور نہین اب مین
دیکھتا ہون کہ بہت سے نام کے مسلمان قرآن و حدیث کے معانی متعارف کو چھوڑ
برخلاف سلف وخلف الگ راہ چلتے ہین اور دل کھول کر کلام الٰہی اور احادیث
رسول مین اپنی رایون کو دخل دیا ہے وہان کیا قرینہ ہے اور کونسا امر ہے جو معانی
متعارف کو کہ جسکو پیغمبر علیہ السلام کے ہم زمان و ہم زبان سمجھتے تھے اور سمجھتے آتے ہین صحیح

نہین ہونے دیتا سورۂ یوسف کی تفسیر مین ایک صوفی نے اس قصے کو نفس اور روح
پر ایسا چسپان کیا ہے کہ شاید و باید پھر اس سے کوئی یون کہہ سکتا ہے کہ درحقیقت یوسف
اور یعقوب کوئی شخص نہ تھے بلکہ یہی دو (نفس اور روح) مراد ہین ہان جو حقائق اور
دقائق قرآن محققین ارباب سلوک سمجھتے ہین حق ہین لیکن وہ ظاہری معانی کا انکار نہین
کرتے ہین بلکہ ان کو مانکر پھر اور دقائق نکال لیتے ہین کہ ظاہری مرادات سے منطبق
ہوتے ہین اور اُن کو اللہ تعالےٰ نے قرآن مین رکھا ہے کیونکہ قرآن کے لیے ظاہر و
بطن احادیث صحاح سے ثابت ہے چنانچہ عبد الرحمن بن عوف سے شرح السنۃ مین
مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا تین چیزین قیامت کے دن عرش کے نیچے ہون گی
ایک قرآن کہ بندون سے جھگڑے گا اور اُس کے لیے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے
ظہر سے مراد یہ ہے کہ اُسکے معانی ظاہر ہین کہ اکثر لوگ سمجھتے ہین تامل کی حاجت نہین
اور بطن سے مراد یہ ہے کہ بعض معانی قرآن کے تامل اور فکر اور تفسیر کے محتاج ہین
جن کو سوائے خواص مقربین علمائے عاملین کے اور کوئی نہین سمجھتا اور یہی حال بعض
کلام رسول کا ہے پس ایسے حقائق اور دقائق نکالنا کمال ایمان اور محض عرفان پر دلالت
کرتا ہے مثلاً یہ جو صحیح بخاری و مسلم مین ابو طلحہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا
لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہا کلب اسکے لغوی اور ظاہری معنے یہ ہین کہ فرشتے اس گھر مین
داخل نہین ہوتے جس مین کتا ہو بعض علما نے کہا ہے کہ یہ حکم عام ہر کتے کے باب
مین مگر اہل تحقیق نے کہا ہے کہ جو کتا شکار کے لیے پالین یا محافظت زراعت
یا مواشی وغیرہ کے لیے اُس کا ہونا دخول ملائکہ کا مانع نہین اور مراد فرشتون سے
وہ ہین جو اعمال نہین لکھتے اور انسان کی محافظت نہین کرتے اس لیے کہ یہ فرشتے
کسی حال مین آدمی سے جدا نہین ہوتے اور امام غزالی نے فرمایا ہے کہ ملائکہ سے
مراد یہان رحمت الٰہی ہے اور کتے سے قوائے شہوانیہ و سبعیہ مقصود ہین

قرآن کے ظاہر و بطن ہے

جس گھر مین کتا ہو اس مین فرشتے نہین آتے

آیت میثاق کی تفسیر مین دو قول

قونوی نے لکھا ہے کہ آیت میثاق کی تفسیر مین دو قول ہین ایک قول تو تمام مفسرین کا ہے جس کو اکثر اہل سنت نے بھی اختیار کیا ہے اور وہی احادیث مین مروی ہے چنانچہ مالک اور ترمذی اور ابو داؤد نے مسلم بن یسار سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے آیت میثاق کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اُن کی پیٹھ پر اپنا داہنا ہاتھ پھیرا اور اس مین سے اولاد نکالکر فرمایا کہ مینے انکو جنت اور جنتیون کے کام کے واسطے پیدا کیا ہے پھر اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اس مین سے اولاد نکالکر کہا کہ مینے ان کو دوزخ اور دوزخیون کے کام کے لیے پیدا کیا ہے دوسرا قول علماے معقول کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے قطرۂ منی سے رحم مادر مین گوشت کا ٹکڑا بنایا اور چمڑا اور رگین اور پٹھے اور ہڈیان اس مین پیدا کر کے قالب انسانی عطا کیا اور اس مین روح ڈالی جس سے انسان کامل ہوگیا اور اس کو اس کے نفس پر اس طرح گواہ بنایا کہ اس کی روح کو اپنی صفات کا نمونہ عطا فرمایا یعنی علم و حکمت کو اس مین رکھا اور نفس کو روح کی مملکت قرار دیا اور اس مملکت مین اعضا و حواس و قواے ظاہریہ و باطنیہ کا لشکر اور خادم روح کے لیے بناے اور قواے اربعۂ انسانی کو کہ عقل شہوت غضب اور وہم ہین اس مملکت مین بجاے سرداران لشکر اور کارفرمایان سلطنت کے مقرر فرمایا اور باقی تمام قوے کو ان کا زیردست اور فرمانبردار کردیا اس صنعت بدیع سے صانع عالم کے وجود پر بخوبی دلالت ہوتی ہے پس اس طور پر گویا اس کو اپنی ربوبیت پر گواہ بنا لیا ہے اور اُس سے ہان کہلوا لیا ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ قول پہلے قول کے منافی نہین اس لیے کہ دونون مین جمع کرنا ممکن ہے معتزلہ نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے

معتزلہ

وَمَن کَفَرَ بَعدَ ذٰلِکَ فَقَد بَدَّلَ وَغَیَّرَ وَمَن آمَنَ وَصَدَّقَ فَقَد ثَبَتَ عَلَیهِ وَدَامَ

اور جو شخص ایمان میثاقی کے بعد کافر ہو جاتا ہے تو وہ ایمان فطری کو بدل ڈالتا ہے اور جو ایمان لاتا اور تصدیق کرتا ہے تو وہ اپنے اقرار پر ہمیشہ ثابت رہتا ہے **سوال** پہلے تو یہ کہا ہے کہ اللہ نے ساری مخلوق کو کفر اور ایمان سے خالی پیدا کیا ہے اور یہاں ایسا فرمایا **جواب** مراد یہ ہے کہ اللہ نے تمام مخلوق کو ایمان کسبی سے خالی اور ایمان فطری سے متصف پیدا کیا ہے اور ایمان کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ روز الست میں جو ایمان حاصل ہوا تھا اُسے دنیا میں ایسے کفر سے جو اپنے اختیار سے عاقل دبالغ ہونے کے بعد کیا بدل ڈالا اور اُس عہد و میثاق کو اس جہان میں آکر فراموش کر دیا۔ ایمان فطری اس اقرار کا نام ہے جو روز الست میں اللہ کی ربوبیت و معبودیت کا کیا تھا اور کسبی وہ ایمان ہے جو اس جہان میں آکر مکلف ہونے کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ علما کا اس بات میں اختلاف ہے کہ ارواح بدن کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں یا اُن سے پیشتر جو یہ کہتا ہے کہ جان بدن کے ساتھ پیدا کی گئی ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ثم انشاناہ خلقاً آخر پھر ہم نے اس کو پیدا کیا دوسری پیدائش بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ مراد اس سے نفس کا بدن پر قابض ہونا ہے لیکن محققین نے اس قول کو رد کیا ہے اس لیے کہ جائز ہے کہ مراد اس سے نفس کا بدن سے متعلق ہونا ہو اور یہ بھی ایک طرح کا پیدا کرنا ہے اور جس کی یہ رائے ہے کہ روح بدن سے قبل پیدا ہوئی ہے اس کی دلیل یہ خبر ہے خلق اللہ الارواح قبل الاجسام بالفی عام یعنی اللہ نے ارواح کو اجسام سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا ہے مگر یہ خبر قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ غریب ہے اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی کہہ سکتے ہیں کہ مراد ارواح سے یہاں ملائکہ علوی ہیں امام غزالی نے اس کی اسی طرح تاویل کی ہے غرض کہ کسی طرف تعین نہیں ہے اور متقدمین نے کسی طرف اتفاق نہیں کیا ہے **ولم یجبر احدا من خلقہ علی الکفر ولا علی الایمان ولا خلقھم**

ایمان فطری — ایمان کسبی

ارواح بدن کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں یا پہلے

مومنا ولا کافرا ولکن خلقهم اشخاصا والایمان والکفر فعل العباد و یعلم
اللہ تعالے من یکفر فی حال کفرہ کافرا فاذا آمن من بعد ذلک
علمہ مومنا حال ایمانہ واحبہ من غیر ان تتغیر علمہ وصفتہ

اور اللہ تعالے کسی آدمی پر کفر اور ایمان کے لیے جبر نہین کرتا اور نہ کسی کو مسلمان یا کافر پیدا کیا ہے لیکن ان کو ایمان وکفر کے قبول کرنے کے قابل پیدا کیا ہے اور ایمان وکفر بندون کا کام ہے اللہ تعالے کافر کو اس کے کفر کی حالت مین کافر جانتا ہے پھر جب وہ اس کے بعد ایمان لاتا ہے تو اُس کو حالت ایمان مین مومن جان لیتا ہے اور اُس کو دوست رکھتا ہے اور اس طرح بندے کے کفر وایمان کے تغیر سے اللہ کے علم مین تغیر نہین آتا اور نہ اس کی کسی دوسری صفت مثلاً غضب و رضا مین تغیر آتا ہے کیونکہ اُس کا علم یا غضب و رضا جو کفر وایمان سے متعلق ہوتے ہین یہ اُس کی صفات قدیم ہین اُن کے تعلقات مین اختلاف زمان کی وجہ سے تغیر آجاتا ہے بلکہ اللہ بندون کے کفر وایمان کا حال اُن کے دنیا مین آنے سے قبل ہی جانتا ہے مگر وہ اپنے فضل وکرم کی وجہ سے محض تعلق علم سے کسی پر مواخذہ وگرفت نہین کرتا بلکہ وہ بندے کے اختیار کے ظاہر ہونے اور اُس کے عمل حاصل ہونے کا منتظر رہتا ہے تاکہ اُس کے فعل پر حساب مترتب ہو اور بندہ ثواب وعذاب کا مستحق قرار پاوے اور مراد اس سے کہ اللہ تعالے کسی پر کفر وایمان کے لیے جبر نہین کرتا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نیکی وبدی کی ہدایت کو سب کے ساتھ کئی ذریعون سے مصروف کیا ہے پہلے تو حواس خمسۂ ظاہری وباطنی اور قوت عقلیہ جن کے سبب سے سعادت وشقاوت مین تمیز کرتے ہین دیئے ہین پھر بعد اُس کے رسولون کے بھیجنے اور کتابون کے اتارنے

اللہ کفر و ایمان کے لئے کسی پر جبر نہیں کرتا

اور شریعتون اور حکمون کے بیان کرنے اور بہشت کی نعمتین اور دوزخ کی سختیان ذکر کرنے
اور مرشدون اور ناصحون کے مقرر کرنے اور ہوشیاری اور سمجھ کے اسباب پیدا کرنے
سے سب کو سیدھی اور ٹیڑھی راہ مین جدائی اور فرق تبلا دیا اب بعد ان سب باتون کے
نہ نیک راہ پر چلنے کے لیے مجبور کرتا ہے اور نہ بد راہ پر زبردستی چلاتا ہے بلکہ ان
دونون راہون مین سے ایک راہ کو اختیار کرنا اور اُس پر چلنا بنی آدم مکلف یعنی
عاقل و بالغ کے ارادے اور قصد کے حوالے کیا ہے کہ ان دونو مین سے جو چاہے
اختیار کرے اور اگر ایسا نہو تو آزمائش اور جانچ ثابت نہو اور فرمانبردار اور گناہگار مین
کچھ فرق اور جدائی نہ ہے اسلیے کہ اس صورت مین سیدھی راہ چلنے مین سب مجبور اور
بے اختیار ہو جاتے اور سعید کی شقی اور گمراہ پر کچھ زیادتی اور بہتری نہوتی بلکہ ہدایت
اور گمراہی کے معنے نہ سمجھے جاتے اور آدمی بھی آسمان اور ستارون اور ہوا اور خاک
اور پانی اور آگ کی طرح چار و ناچار قید اور بےبسی مین رہتا اور انسان کی پیدائش
کے خاصے جو ایسی چیزون مین بالکل جدائی اور امتیاز سب مخلوقات سے چاہتے
ہین سب معطل اور بےکار ہو جاتے اور کیا نہ کیا سب برابر ہو جاتا اور اگر زبردستی کسی کو
بری راہ پر چلاتا تو ایسے کامون پر بندے کو تعزیر اور سزا دینا بے انصافی ہوتی کیونکہ
بندے سے برائی مجبوراً وقوع مین آتی بندے کا کوئی قصور نہ ہوتا پھر سزا دینا انصاف
کیونکر ہوتا اللہ جل شانہ عادل ہے ظالم نہین یہ تو ایسی بات ہوتی جیسے کوئی اپنے غلام
سے کہے کہ جا فلان شخص سے مال چھین لا اور جب وہ غلام حکم بجالاوے تو سزا پاوے
اسی لیے اللہ تعالے نے بندون کو بالکل مجبور نہین کر دیا ہے اُن کو اتنا اختیار بھی دیا
ہے کہ چاہین نیک کام کرین چاہین بد کام کرین اور یہ فرمایا ہے کہ اگر اچھا کام کروگے
تو ہم راضی اور خوش ہونگے اور برے کام ہماری مرضی کے خلاف ہین مقرر ہم اُن کی
سزا دینگے اور یہ جو شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کس واسطے ہے اور پیغمبرون کے

بھیجنے سے کیا حاصل جواب اس کا یہ ہے کہ پیغمبرون کا آنا صرف اللہ کی رحمت ہے کہ بندون کو جنت کی جانب کھینچتا ہے اور جہنم سے بچاتا ہے بندے تو یہ چاہتے ہین کہ شیطان کے بہکانے سے گنہگار ہو کر جہنم مین گر پڑین اور اللہ کو یہ پسند ہے کہ ادھر نجائین اس لیے پیغمبرون کو بھیجا کہ اُن کو سمجھا بجھا کر برے کامون سے باز رکھین سیدھی راہ اللہ کے راضی رکھنے کی بتائین اُن کے ڈرانے سے خدا کا خوف دلون مین پیدا ہو غفلت کے پردے اُٹھ جائین راہ راست نظر آئے نیک کا شوق پیدا ہو پیغمبرون کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چرواہا بکریان چراتا ہے اس کی دہنی طرف تو سبزہ زار ہری ہری گھاس جمی ہوئی ہے اور بائین طرف ایک غار ہے وہ چرواہا غار کی طرف کھڑا لاٹھی گھمانا شروع کرے اس لیے کہ بکریان اِدھر نہ آئین مبادا غار مین جا پڑین اسی طرف جائین جہان سبزہ ہے پس انبیا علیہم السلام کی بھی یہی صورت ہے کہ وہ خلق کو دوزخ کی طرف جانے سے روکتے ہین اور چاہتے ہین کہ بہشت کی جانب جائین ۔ واضح ہو کہ آدمی کے افعال صادر ہونے کے دو طور ہین اوّل یہ کہ کسی ایسی چیز کا اُسے تصور ہو جو اُس کو مرغوب اور مطلوب ہو ایسی حالت مین اُس کے دل کو ایسی چیز کی ضرور خواہش ہوگی اور اس کی طرف رغبت اور حرکت کرے گا اور اگر کسی ایسی چیز کا تصور اُس کو ہوگا جو طبیعت کے مخالف و منافی ہوگی تو اُس چیز کی طرف سے دل مین نفرت و کراہت ہوگی اور اس کی طرف سے لوٹے اور ہٹے گا پس خواہش و رغبت یا نفرت یا کراہت پیدا ہونے سے قبل آدمی کی خواہش فعل اور ترک فعل مین برابر ہے ممکن ہے چاہے کرے یا نکرے خواہ اس مرتبہ تصور مین کرے کہ فعل کی قوت اُس سے بہت قریب ہے خواہ قبل تصور کے کرے کہ قوت فعل کے مرتبے سے بہت دور ہے آدمی کی اس حرکت اختیاری کو جس پر فعل مرتب ہو فعل اختیاری کہتے ہین دوسرے وہ ہے کہ شوق و خواہش کا تصور نہو حرکت بغیر میلان ع

آدمی سے افعال دو طور پر صادر ہوتے ہین

فعل اختیاری

خواہش کے صادر ہو شلا مرتعش کی حرکت اس حرکت کو جبری اور اضطراری کہتے ہین دونون حرکتون مین یہی فرق ہے کہ رعشہ مین سبب اور واسطہ کہ وہ خواہش ہے ناقص ہوتا ہے اور حرکت اختیاری مین یہ واسطہ کامل اور زیادہ ہوتا ہے ان باتون کو سمجھ کر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مباحث آئندہ مین کام آئین گی غرضکہ حرکت اختیاری اور حرکت اضطراری مین فرق بدیہی ہے مثلاً جو کوئی ہاتھ وغیرہ کو ہلاتا ہے تو یہ ہلانا اس کا واسطے کے کامل ہونے کی وجہ سے اپنے اختیار اور ارادے سے ہوتا ہے اور واسطے کے کامل ہونے کی یہ صورت ہے کہ حواس اور اعضا سالم ہوتے ہین اور جس کے اعضا بسبب مرض رعشہ کے ہلتے ہین اُن کی حرکت مین اُس کا اختیار واسطے کے ناقص ہونے کی وجہ سے نہین ہوتا ہے اگر اختیار سے یہی معنے مراد ہین کہ مذکور ہوے تو اختیار سے انکار کرنا بمنزلے اُس کے ہے کہ کوئی کہے کہ آدمی نہ سماعت رکھتا ہے نہ بصارت اب اگر کوئی کہے کہ تمام حرکات و افعالِ انسان کے قسم دوم سے ہین تو کسی عاقل کو اس کا انکار نامقبول نہوگا لیکن اشکال اسمین ہے کہ بعد شامل ہونے علم اور ارادہ ازلی اور قضا و تقدیر الٰہی کے کیا متصور ہو سکتا ہے کہ یہ فعل آدمی سے وجود مین نہ آیگا اور اسکو نہ کریگا اس لئے کہ جو خدا ے تعالے نے ازل مین جانا اور چاہا کہ یہ فعل بندے سے وجود مین آوے تو وہ بالضرور وجود مین آوے گا خواہ بے اختیار جیسے کہ حرکت اضطراری مین خواہ باختیار اگر فعل اختیاری ہے پس فعل کا اختیار کرنا اور وجود مین لانا اختیاری نہوا آدمی کو اگرچہ فعل مین اختیار ہے لیکن اُس کے مبادی مین اختیار نہین جیسے قفل کو ظاہر مین کنجی کھولتی ہے اور حقیقت مین کنجی کی حرکت کا پیدا کرنے والا ہاتھ ہے ایسی ہاتھ کی حرکت کا پیدا کرنے والا حق تعالے ہے اللہ تعالے نے اسباب اور واسطون کو اپنے فعل کا روپوش کیا ہے کہ اُن سے

اُس کا فعل چھپا ہوا ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص آنکھ کھولے ہو اور بند کیے پس دیکھنے اور معلوم کرنے کے بعد اگر مرئی اس کو پسند آئی تو شوق اور خواہش کا اُس کے لیے پیدا ہونا لازم ہے اور بعد اس کے اُس سے حرکت کا ہونا اس مرئی کی طرف واجب ہے گو اُس کا اختیار تھا مگر یہ اختیار اُس کے لیے واجب و لازم ہو گیا اور وجوب و لزوم اختیار کے منافی ہے گویا آدمی اختیار رکھتا ہے لیکن اپنے اختیار مین اس کو اختیار نہین کسی کا قول ہے مختار فی فعلہ و مجبور فی اختیارہ یعنی اپنے فعل مین ذی اختیار ہے اور اپنے اختیار مین مجبور ہے اس کو دوسری عبارت مین یون کہہ سکتے ہین اختیار بالصورۃ و جبر بالمعنے یعنی ظاہر مین اختیار ہے اور حقیقت مین مجبوری ہے حقیقت مسئلہ قضا و قدر کی اختیار بندہ کے قول کے ساتھ مقام حیرت ہے سمجھ سے باہر ہے اس جگہ خاموشی بہتر ہے اور مرجع و مآل متکلمین کا اس مقام مین یہ آیت ہے لا یُسئل عما یفعل وھم یسئالون یعنی جو کچھ اللہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہ جاے گا اور بندون سے پوچھا جاے گا

وجمیع افعال العباد من الحرکۃ والسکون کسبھم علے الحقیقۃ واللہ تعالی خالقھا وھی کلھا بمشیتہ وعلمہ وقضائہ وقدرہ اور بندے کے سارے کام حرکت و سکون سے درحقیقت انھین کے کیے ہوے ہین اور اللہ تعالے نے اُن کو پیدا کیا ہے اور یہ سب کام اللہ کے ارادے اور حکم اور تقدیر سے ہین محققین اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ نہ بندہ بالکل مجبور رہے جیسا کہ مذہب جبریون کا ہے اور نہ بالکل مختار ہے جیسا کہ مذہب قدریون کا ہے بلکہ ان دونون کے درمیان مین ایک امر ہے اور وہ یہ ہے کہ بندے کے فعل مین دو چیزون کا مجموعہ مؤثر ہے ایک اللہ کا پیدا کرنا دوسرے بندے کا اختیار صرف اللہ کا پیدا کرنا مؤثر نہین ورنہ جبر لازم آتا ہے اور نہ فقط بندے کا اختیار مؤثر ہے ورنہ قدر لازم آتی ہے دلیل اس امر پر یہ ہے کہ ہم کو وجدانی

مذہب اہل سنت

طور پر معلوم ہے کہ بندے کو بعض افعال مین قصد واختیار حاصل ہے مگر یہ قصد واختیار
اُن افعال کے پیدا کرنے کو کافی نہین ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندے کے پاس
کسی کام کے تمام اسباب وآلات تیار ہوتے ہین مگر وہ کام نہین ہو سکتا چنانچہ انبیا اور
عبد یقین کے حالات مین یہ بات تواتر کے ساتھ مذکور ہے کہ کفار نے طرح طرح سے
اُن کے ستانے کا قصد کیا مگر اُن کو اُن کی ایذا رسانی پر قدرت حاصل نہو سکی باوجودیکہ
اسباب وآلات سلامت تھے اور وہ لوگ اس کام پر آمادہ بھی تھے اور ارادہ بھی رکھتے
تھے اور اس زمانے مین وہ ان سے بڑھ بڑھ کر کام کر گذرتے تھے اس لیے معلوم
ہوا کہ تنہا بندے کا قصد واختیار کسی کام کے کرنے کو کافی نہین کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو
کفار کے ارادے اور قصد کے خلاف کیسے واقع ہو سکتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی
کام کے تمام اسباب بندے کے پاس متحقق نہین ہوتے اور پھر بھی وہ کام ہو جاتا ہی
اگر ایسا نہوتا تو خوارق عادات صادر نہو سکتے اور قواے ضعیف اپنے سے قوی
حرکات کو ظہور مین نہ لا سکتے مثلاً کوئی ولی طرفۃ العین مین مسافت بعیدہ کو طے نکر سکتا
اس سے معلوم ہوا کہ افعال کے صدور مین اللہ کی قدرت کو اثر ہے اگر صرف بندے
کے قصد واختیار کو اثر ہوتا اور وہ اُس کے پیدا کرنے مین کافی ہوتا تو سلامتی اسباب
والآلات کے بعد ہر کام صادر ہو سکتا یا جو کچھ عادت کے طور پر جاری ہوتا ہے اگر اُس
مین طبیعت موثر ہوتی تو خوارق عادات ظہور مین نہ آسکتے عادت آلہی اس طرح جاری
ہے کہ جب بندہ حرکت اختیاری کا قصد جازم کرتا ہے اور اُس قصد کی طرف مضطر و مجبور
نہین ہوتا تو اللہ تعالے اُس کے پیچھے وہ کام پیدا کر دیتا ہے اور اگر قصد نہین کرتا
تو پیدا نہین کرتا اور قصد اللہ کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے جس کے معنے یہ ہین کہ اللہ ایک
ایسی قدرت پیدا کر دیتا ہی جس کو بندہ جس چیز کی طرف چاہتا ہے بطریق بدل کے پھیر
سکتا ہے پھر اُس قدرت کو ایک کار معین کی طرف پھیرنا بندے کا کام ہے اور یہی

قصد و اختیار ہے خلاصہ یہ ہے کہ بندے کا اختیار افعال مین پورا مؤثر نہین ہوتا بلکہ وہ
مؤثر کا جز ہوتا ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ ہمکو وجدانی طور پر معلوم ہے کہ بندے کے
لیے فعل اختیاری حاصل ہے اور اُس کے اس فعل اختیاری کا ایسے کام مین ہونا واجب
ہے جو نہ موجود ہو نہ معدوم ہو اور موجود مین اُس کا فعل اختیاری نہین ہو سکتا اس لیے
کہ کوئی شئے موجود نہین ہو سکتی جب تک دوسرا اس کے وجود کو واجب نکر دے
پس اگر بندہ اس کے وجود کا موجب ہوگا تو یہ دو حال سے خالی نہین ایک یہ کہ وہ
بغیر ذریعہ کسی شے کے اس کے وجود کا موجب ہوگا تو بندے کے فعل اختیاری کو
اس مین دخل نہوگا جیسا کہ اس کی تاثیر اختیاری کو اس شے کے وجود اور اُس کی ذات مین
مداخلت نہین ہے اس لیے کہ وجود اُس شے کا اس وقت واجب ہوگا جب علت
اس کی تمام ہو جاوے پس بندے کے اختیار کی تاثیر اس مین متصور نہین ہو سکتی دوسرے
یہ کہ کسی ذریعہ سے بندہ اُس کے وجود کا موجب ہوگا اور یہ ذریعہ یا تو کسی شے کا وجود ہوگا
یا عدم ہوگا اور یہ دونون بھی باطل ہین پہلی صورت تو اس لیے باطل ہے کہ جس چیز
کا وجود بندے کے اختیار کی تاثیر کا ذریعہ بنا ہے وہ ایسے موجودات کے ذریعہ
سے واجب ہوگا جو واجب تعالےٰ کی طرف منسوب ہون گے تو یہ اس ضرورت سے
بندے کی تاثیر اختیاری سے خارج ہوگا کیونکہ واجب ہے اور دوسری اس لیے
باطل ہے کہ وہ عدم جو بندے کی تاثیر اختیاری کا واسطہ ہے اگر ایسا عدم ہے
جو وجود سے سابق ہے تو وہ قدیم ہے اُس مین بندے کی تاثیر اختیاری کو دخلت
نہین اور اگر لاحق ہے یعنی ایسا عدم ہے جو وجود سے بعد ہے تو یہ ممکن نہین جبتک
کہ اس شے کے وجود یا بقا کی جس کا یہ عدم ہے علت تامہ زائل نہو جاوے اور وہ
علت تامہ اگر موجودات محضہ من سے ہے تو واجب ہوگی اس لیے کہ واجب تعالیٰ
کی طرف مستند ہے پس بندہ اُس کے معدوم و زائل کرنے پر قادر نہوگا اور اگر

زوالِ عدم کو علت تامہ کے زوال مین دخل ہوگا تو عدم کا زوال وجود ہے پس ضرور
ہے کہ کسی دوسرے وجود کے ذریعہ سے ہوگا اور وہ واجب ہے ان موجودات کے
توسط سے جو واجب تعالےٰ کی طرف مستند ہین تو پھر بھی بندے کی تاثیر فعل سے
نکل جاے گا پس یہ بات متعین ہو گئی کہ بندے کو اس چیز مین تاثیر اختیاری حاصل ہے
جو نہ موجود ہے نہ معدوم ہے بلکہ ایک اعتباری چیز ہے اور یہ چیز
بذریعہ ایسے موجودات کے جو واجب تعالےٰ کی طرف مستند ہون واجب نہوگی کیونکہ
ایسی حالت مین بندے کے فعل اختیاری کی تاثیر سے نکل جاے گی اور بندے
کے فعل کا اثر کسی چیز مین باقی نہ رہیگا اور اس سے بطلان اس چیز کا لازم آتا ہے جو
ہم کو اپنے وجدان سے ثابت ہو چکی ہے پھر اس امر کا جو نہ معدوم ہے نہ موجود ہے
ایسی ایجاد ہونا جائز نہین ہے جس کے ساتھ بالضرور فعل کا ہونا واجب ہے۔
تاکہ بندہ اس شے موجود کا موجد و خالق قرار پاجاے کیونکہ یہ شے بہت سی چیزون
پر موقوف ہے جن کے وجود مین بندے کو ذرا بھی تاثیر حاصل نہین ہے چنانچہ
اُن مین سے خود بندے کا وجود ہے اور اُس کی قدرت اور اسباب و آلات کی سلامتی
ہے پس یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ وہ چیز جو نہ موجود ہوتی ہے اور نہ معدوم ہوتی ہے
اور بندے سے صادر ہوتی ہے ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے ساتھ اثر کا وجود واجب
نہین ہے اسی کو کسب کہتے ہین فعل اس کسب سے اور اللہ کے پیدا کرنے سے
حاصل ہوتا ہے پس انسان کو قدرت کاسبہ حاصل ہے نہ خالقہ اہل سنت کا یہی
مذہب ہے لیکن اشعریہ یہ کہتے ہین کہ کسب کے معنے یہ ہین کہ قدرت متوہمہ جس
کو بندہ قدرت خیال کرتا ہے فعل کے ساتھ بندے مین موجود ہوتی ہے اس قدرت
کو فعل مین کسی قسم کی مداخلت حاصل نہین ہوتی پس اُن کے نزدیک جب اللہ یہ ارادہ
کرتا ہے کہ بندہ فعل صادر کرے تو اول ایک صفت پیدا کر دیتا ہے جس کو بندہ

قدرت خیال کرتا ہے پھر اللہ بندے کو فعل کیطرف متوجہ کرتا ہی جب بندہ ادھر متوجہ
ہوتا ہے تو اللہ فعل کو ایجاد کر دیتا ہے پس فعل کی نسبت بندے کی طرف یعنی یہ
کہنا کہ بندے سے فعل صادر ہوا ایسی ہے جیسے لکھنے کی نسبت قلم کی طرف اشعریہ
کہتے ہین کہ اس قدر صحت تکلیف کے لیے کافی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ راے
بھی جبر کی قبیل سے ہے کیونکہ جب بندے مین حقیقۃً قدرت نہین تو اس مین اور
جمادین کیا فرق ہوا اور حنفیہ کے نزدیک جو قدرت اللہ نے بندے مین پیدا کی
ہے اُس کو کسی کام کے قصد مصمم کی طرف پھیرنے کا نام کسب ہے پس قصد مذکور
مین قدرت کو تاثیر حاصل ہے پس جب اس کی صلاحیت اس قصد کے وجود
کے لیے تمام ہو جاتی ہے تو فائدہ بخشتا ہے اور اللہ تعالے اس وقت مین
اس کام کو جس کا قصد کیا ہے موافق عادت کے پیدا کر دیتا ہے اور کبھی نہین
بھی پیدا کرتا مگر جبکہ کوئی مانع موجود نہین ہوتا تو اللہ تعالے سے فعل کا صدور
واجب ہوتا ہے کیونکہ وجود بغیر وجوب کے باطل ہے اور اس سے یہ لازم نہین آتا
کہ بندے کی قدرت فعل کی موجد ہو کیونکہ یہ قصد نہ موجود ہے نہ معدوم ایک اعتباری
شے ہے ایسی چیز کو حال کہتے ہین جس کے واسطے ذات مستقل نہین ہوتی بلکہ ایک
تبعی چیز ہوتی ہے پس بندے کی قدرت سے کسی چیز کا افاضہ ہونا خلق نہین ہو سکتا
کیونکہ پیدا کرنا تو یہ ہے کہ نفس وجود کا افاضہ کیا جاے جیسے جواہر و اعراض کو عدم
سے وجود مین لایا جاے بلکہ یہ تو حادث کرنا ہے اور حادث کرنے مین اور پیدا کرنے
مین بڑا فرق ہے حادث کرنا پیدا کرنے سے نہایت کم ہے کیونکہ اس سے تو صرف
یہ ہوتا ہے کہ مادے مین فعل کے قبول کرنے کی صلاحیت پوری ہو جاتی ہے پس
حادث کرنا دراصل اُن چیزون مین سے ہے جو ممکن کی استعداد کو تمام کرتی ہین اور
یہ استعداد بھی امکان کی ایک قسم ہے پس اس مین کوئی برائی نہین کہ بندے کی

حنفیہ کے نزدیک کسب

حال

حادث کرنے اور پیدا کرنے مین فرق ہے

کسب و خلق مین فرق

قدرت اس قصد مصمم کو حادث کرے اور نصوص سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ خالق ہے یعنی وجود عطا فرماتا ہے پس پیدا کرنے کی صفت کے ساتھ وہی بالذات و بالاستقلال متصف ہوگا اعتباری چیزون مین یہ بات کہان ہے نتیجہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مقدورات دو قسم پر ہین ایک ایسے مقدورات جن کے ایجاد کرنے مین قادر کا منفرد ہونا صحیح ہو اور یہ منفرد ہونا متحقق بھی ہو اور کسب مین ایسا نہین ہوتا دوسرے وہ مقدورات جن کے ایجاد کرنے مین قادر کا تنہا ہونا صحیح تو ہو لیکن متحقق نہو بلکہ غیر کی قدرت کو اُس مین مداخلت ہو جیسے بندون کے افعال اختیاریہ اور بعض نے یون کہا ہے کہ اگر فعل مقدور قدرت کے محل مین واقع نہو تو وہ خلق ہے اور اگر قدرت کے محل مین واقع ہو تو کسب ہے مثلاً زید کی حرکت اللہ تعالےٰ کے پیدا کرنے سے ایسے محل مین واقع ہوئی ہے جس کے ساتھ قدرت قائم نہین ہے اور وہ زید ہے اور زید کے کسب سے ایسے محل مین واقع ہوئی ہے جس کے ساتھ زید کی قدرت قائم ہے اور وہ زید کا نفس ہے حاصل کلام یہ ہے کہ خالق کا اثر تو یہ ہے کہ فعل ایسی چیز مین ایجاد ہوتا ہے جو اُس کی ذات سے غیر ہے اور کاسب کا اثر یہ ہے کہ اُس کا فعل اختیاری ایسے امر مین ہوتا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس پیدا کرنا ایک ایسا امر اضافی ہی کہ اس کی وجہ سے مقدور کا ایسے محل مین ہونا واجب ہے جو قدرت کا محل نہو اور مقدور کے ایجاد کرنے مین قادر اس امر اضافی کی وجہ سے منفرد و مستقل ہوتا ہے اور کسب ایک ایسا امر اضافی ہی کہ مقدور بوجہ اُس کے محل قدرت مین واقع ہوتا ہے اور اس امر کی وجہ سے قادر مقدور کے ایجاد کرنے مین منفرد و مستقل نہین ہوتا پس کسب مقدور کے وجود کو واجب نہین کرتا ہے بلکہ اُس سے صرف فاعل کا اس مفعول کے ساتھ متصف ہونا واجب ہوجاتا ہے پس باوجودیکہ کل افعال اللہ تعالےٰ کے پیدا کیے ہوئے ہین مگر معصیت اور برائی کے پیدا کرنے سے اس کی ذات مین

قباحت لازم نہین آتی - اور شیعہ نے جو یہ کہا ہے کہ گناہ بندے کی قدرت سے صادر ہوتے ہین اور حسنات اللہ کی قدرت سے دلیل اس پر یہ بیان کرتے ہین کہ قبیح کا پیدا کرنا قبیح ہے اور اللہ قباحت سے منزہ ہے اگر وہ برائی کو پیدا کرے گا تو خود بھی بُرا قرار پاے گا یہ اُن کی غلطی ہے اس لیے کہ طاعت و معصیت اور حسن و قبح کسب پر مبنی ہے نہ پیدا کرنے پر پس قبیح کا پیدا کرنا قبیح نہوگا کیونکہ اس کا پیدا کرنا بہت سی مصلحتون اور حسن انجاسون پر مشتمل ہوتا ہے ہان برائی کے ساتھ قصداً و ارادۃً متصف ہونا برا ہے اور یہ تم کو ہم پہلے بتا چکے ہین کہ کسب اتصاف کو واجب کرتا ہے پس اُس کی طرف قصد کرنا بُرا ہے اس لیے کہ یہ قصد برائی مین مبتلا کرتا ہے کیونکہ بندہ اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ جب وہ برائی کا قصد کرتا ہے تو اللہ اُس کو پیدا کر دیتا ہے اور قصد مین جبر نہین ہے غرض کہ اللہ کے برائی اور معصیت کو پیدا کرنے سے اللہ کی ذات مین برائی لازم نہین آتی کیونکہ برائی اور بھلائی اور گناہ اور طاعت اعتباری چیزین ہین جو کسب کی طرف راجع ہین نہ پیدا کرنے کی طرف اس لیے کہ برائی یا گناہ کا پیدا کرنا برا نہین بلکہ بہت سی مصلحتون پر مبنی ہوتا ہے ہان برائی اور گناہ کا کسب کرنا برا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ مشائخ حنفیہ کے نزدیک بندے مین کسی چیز کے واجب کرنے اور پیدا کرنے کی قدرت نہین پس وہ خالق نہین ہو سکتا بلکہ اللہ خالق ہے لیکن یہ کہتے ہین کہ بندے کو ایک خاص طرح کی قدرت حاصل ہے جس سے کسی امر حقیقی کا جو غیر موجود ہو موجود ہونا لازم نہین آتا بلکہ اس قدرت کی وجہ سے صرف اعتبارات اور نسبتون مین خلاف آجاتا ہے جیسے دو مساوی چیزون مین سے ایک کو متعین کر لینا اور دو چیزون مین سے ایک کو دوسری پر ترجیح دے لینا پس یہی ترجیح بندے کا اختیار اور قصد ہے اور اسی وجہ سے طاعت و معصیت اور بھلائی برائی ظہور مین آتی ہے محقق طوسی نے اس مسئلے مین کہا ہے کہ جاندار کے بعض افعال ایسے ہین کہ جن کا اُس کو شعور نہین ہوتا جیسے

بڑھنا اور غذا کا ہضم ہونا اور بعض ایسے ہین کہ جن کا اُس کو شعور ہوتا ہے مگر وہ اُس کے ارادے سے صادر نہین ہوتے جیسے مرض وصحت اور سونا اور جاگنا اور بعض ایسے ہین کہ جو اُس کے قصد سے صادر ہوتے ہین اور صادر ہونے اور قصد کے صحیح ہونے مین فرق ہے اس لیے کہ کبھی کام کا صادر ہونا صحیح ہوتا ہے مگر اس کے صادر کرنے کا قصد نہین ہوتا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایسی چیز کا قصد کرتا ہے جس کا صدور اُس سے صحیح نہین ہوتا پس اس صادر ہونے اور نہونے کی صحت کا نام قدرت ہے اور یہ قدرت اس وقت تک کفایت نہین کرسکتی جب تک ایک جانب کو دوسری جانب پر ترجیح حاصل نہو اور ترجیح اس قصد سے حاصل ہوتی ہے جس کا نام ارادہ ہے پس ان دونون کے جمع ہونے کے بعد فعل کا صدور واجب ہوجاتا ہے اگر ان دونون مین سے ایک بھی نہو تو فعل کا صدور ممتنع ہوجاے اور جو فعل اپنے فاعل سے اس طرح صادر ہوتا ہے کہ اُس کے صادر کرنے کی اس مین قدرت وارادہ ہوتا ہے تو وہ فاعل کے اختیار سے صدور پاتا ہے اور جو قدرت وارادے سے صادر نہین ہوتا وہ اختیاری نہین ہوتا پھر ضرور ہے کہ بندے کی قدرت وارادے کا حصول ایسے اسباب کی طرف منتہی ہو جو اُس کی قدرت اور ارادے سے باہر ہون تاکہ تسلسل لازم نہ آے اور اس مین شک نہین کہ جب اسباب پاے جاتے ہین تو فعل ضرور صادر ہوتا ہے اور جب وہ نہین پاے جاتے تو فعل بھی صادر نہین ہوسکتا پس جو شخص اسباب اول کیطرف نظر کرتا ہی اور یہ جانتا ہے کہ یہ اسباب بندے کی قدرت وارادے سے باہر ہین وہ بندے کو مجبور بتاتا ہی اور یہ مطلقاً صحیح نہین اس لیے کہ فعل کا سبب قریب بندے ہی کی قدرت وارادہ ہے اور جو سبب قریب کی طرف غور کرتا ہی وہ کہتا ہے کہ بندہ مختار ہے اور یہ بھی مطلقاً صحیح نہین کیونکہ فعل صرف انھین تمام اسباب سے حاصل نہین ہوتا جو بندے کی قدرت واختیار مین ہین پس جبر واختیار دونون کو جمع

جبر واختیار کو جمع کرنا

کرکے یہ عقیدہ قرار پایا ہے کہ بندے کے افعال خدا کی تخلیق اور بندے کے کسب سے صادر ہوتے ہین یعنی خالق خدا ہے اور کاسب بندہ اور آیات واحادیث مین جو افعال عباد کو عباد کی طرف منسوب کرکے مدح و ذم اور ترتیب ثواب وعقاب ان افعال پر بیان کی ہے باوجودیکہ حق تعالے تمام افعال کا خالق اور موثر حقیقی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بندون کے کسب کو افعال مین بڑا دخل ہے اور وہ افعال مدح وذم اور ثواب وعقاب کے معرفات وعلامات ہین اور خلاصہ کلام حجۃ الاسلام وغیرہ علماے نامدار کا بھی یہ ہے کہ جب بسبب ضرورت مذکورہ کے جبر محض باطل ہوا اور دلیل کے ساتھ یہ بھی باطل ہوا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہین ہے تو میانہ روی اعتقاد مین واجب ہوئی اور وہ یہ ہے کہ بندے کے افعال اختیاریہ اللہ تعالے کے مقدور ہین اختراع کی وجہ سے اور بندے کے مقدور ہین اور وجہ پر یعنی تعلق کی وجہ سے اور اسی تعلق کو اکتساب کہا کرتے ہین اگر کوئی کہے کہ جب بندے کی قدرت کسی خاص وجہ سے افعال کے ساتھ متعلق ہوئی تو چاہیے کہ وہی خالق اپنے افعال کا ہو جواب اس کا یہ ہے کہ قدرت کو مقدور کے ساتھ متعلق ہونے سے یہ ضرور نہین کہ اس کا تعلق ہمیشہ بطور اختراع کے ہو دیکھو اللہ تعالے کی قدرت عالم کے ساتھ ازل مین بغیر اختراع کے متعلق ہوئی تھی پھر قدرت آلہی عالم سے اختراع کے وقت بھی متعلق ہوتی ہے پس فعل بندے کا جب اُس کی اپنی قدرت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو کسب کہلاتا ہے اور جب اللہ تعالے کی ذات پاک سے منسوب ہوتا ہے تو اُس کو خلق کہتے ہین اب فعل بندے کا مکسوب اور خداوند تعالے کا مخلوق ہوگا اور قدرت کو جب خلق کے معنے مین لین گے تو یہ اوصاف باری تعالے مین شمار پاوے گی اور جب اس کے معنے کسب کہین گے تو بندے کے اوصاف مین گنی جائیگی اور ہنوز ایسے موقف پر توقف مناسب نہین بلکہ اس کے سوا ایک مرحلہ اور ہے اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے امام موصوف سے

معنی اکتساب

معنی خلق

روایت ہے کہ کہا مینے امام ابو عبد اللہ جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابن رسول اللہ کیا حق تعالے نے افعال کے پیدا کرنے کا کام بندون کے سپرد کیا ہی امام ممدوح نے جواب دیا کہ اللہ تعالے بزرگتر ہے اس سے کہ بندون کو ربوبیت سپرد کرے پھر مینے کہا کہ کیا بندون سے جبراً کام کراتا ہے جواب دیا کہ خدا تعالے اس سے عادل تر ہے کہ بندون سے جبراً کام کراے پھر مینے کہا کہ حقیقت حال کیونکر ہے فرمایا بین بین لاجبر ولا تفویض ولا اکراہ ولا تسلیط یعنی نہ مجبوری ہے نہ سپردگی نہ زور نہ زبردستی محمد بن یعقوب کلینی نے کافی مین پچھلے الفاظ اس روایت کے اس طرح لکھے ہین لاجبر ولا تفویض ولکن امر بین امرین اور یہ جو شیعہ تاویل کرتے ہین کہ امر بین امرین سے مراد فعل پر قدرت وقوت اور تمکین کا پیدا کرنا ہے ایجاد فعل مین دخل دینا مقصود نہین سو یہ درست نہین اس لیے کہ سائل نے سوال کا منشا یہ نہ تھا جس کا ایسا جواب دیا جاتا فعل کی قوت وقدرت کے پیدا کرنے کی نسبت سوال کب تھا جو امام موصوف کے جواب کی یون توجیہ کی جاے کوئی عاقل ایسا سوال نہین کرے گا جو بدیہی البطلان ہے اگر بحث ونزاع ہے تو فعل کے پیدا کرنے مین ہے بیان بالا سے ظاہر ہے کہ نہ جبر ہے نہ تفویض ہے بلکہ دونون کے درمیان مین ایک امر ہے جبر مذہب جبریون کا ہے اور قدر مذہب قدریون کا جبریہ قائل ہین کہ آدمی کو اصلا اختیار نہین اس کی حرکت جمادات کی مثل ہے اور قدری کہتے ہین کہ آدمی مختار کل ہے اپنے کاروبار مین مستقل ہے اور اپنے افعال کا آپ خالق ہے پس فرمایا کہ یہ دونون مذہب باطل ہین اور یہ افراط وتفریط ہے اور مذہب حق جبر وقدر کے درمیان توسط ہے لیکن عقل اس امر متوسط کے ادراک مین حیران ہے حقیقت مین حیرانی اُن کو ہے جو معتقدات مین بحث وجدال کرتے ہین اور اُن کو دلائل عقلی سے ثابت کرتے ہین جب تک کوئی امر عقلا راست نہو اور معقول نٹھہرے تصدیق نہین کرتے اور اس پر ایمان نہین لاتے لیکن اہل ایمان کے نزدیک دلیل قطعی

امر بین الامرین میں شیعہ کی تاویل باطل ہے

جبریہ وقدریہ

اس مدعا کی شریعت ہے۔

معتزلہ کا قول ہے کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خالق ہے اور بعض امامیہ اور کیسانیہ اور زیدیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کو آپ پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کو اس کے اقوال و افعال ارادی مین بلکہ تمام حیوانات ذی ارادہ کے افعال مین دخل نہین ایسے عقیدے والے قدریہ کہلاتے ہین مگر یہ راے ان کی عقلاً و نقلاً باطل ہے دلائل عقلی اس قول کے بطلان پر یہ ہین (۱) اگر بندے کا اختیار مستقل ہو تو اس سے خالی نہین کہ فعل کی حالت مین ترک فعل پر قادر ہے یا نہین اگر قادر نہین ہے تو جبر لازم آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختار نہین ہے اور اگر ترک پر قادر ہے تو فعل مین ایک ایسے مرجح کا محتاج ہے جو فعل کو ترک فعل پر ترجیح دیتا ہو اور یہ جائز نہین ہے کہ وہ مرجح انسان کے اختیار مین ہو ورنہ تسلسل لازم آجاے گا کیونکہ ہم یہ کہینگے کہ وہ مرجح کس سے صدور مین آیا ہے پس یہ مرجح غیر کے ارادے اور قابو مین ہوگا اور اس سے بندے کا عدم اختیار لازم آیا (۲) بندے کا ہر کام ممکن ہے اور یہ ثابت ہے کہ تمام ممکنات پر خدا کو قدرت ہے اور خدا کے مقدورات مین بندے کو دخل نہین اس لیے کہ ایک مقدور پر دو ذی اثر قدرتون کو اختیار حاصل نہین ہو سکتا اور وجہ اسکی دلیل تمانع سے جو ابطال شریک باری مین مذکور ہو چکی ظاہر ہے پس ابو الحسین بصری جو اس کے جواز کا قائل ہے اس کی یہ غلطی ہے باقی تمام معتزلہ اور اہل سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ مقدور واحد دو قدرت مؤثرہ سے متعلق نہین ہو سکتا ہان اہل سنت وجماعت قدرت کی دو قسمین کرتے ہین ایک قدرت مؤثرہ دوسرے قدرت کاسبہ یا غیر مؤثرہ قدرت مؤثرہ اللہ تعالےٰ کی صفات مین سے ہے جو قادر خالق ہے اور قدرت کاسبہ بندے سے منسوب ہے کیونکہ یہ قادر کاسب ہے اس صورت مین ایک چیز دو قادرون کا جب مقدور بن سکتی ہے کہ ایک کو قادر خالق اور دوسرے

کو قادر کا سبب مانا جاوے اور دو قدرتون کے ایک مقدور پر جمع ہونے کی یہ صورت ہے کہ جو چیز بندے کا مقدور بطریق کسب بنتی ہے وہ اللہ تعالے کا مقدور تاثیری ہوتی ہے بندے کا مقدور اُسے اس لیے کہتے ہین کہ اس کے کسب سے وہ واقع ہوتی ہے اور اللہ تعالے کا مقدور اس لیے کہتے ہین کہ اُس نے در اصل اُس کو پیدا کیا ہے کیونکہ اس کی قدرت تمام اشیا کو محیط ہے مگر معتزلہ کے موافق یہ صورت ممکن نہین کیونکہ وہ صرف ایک ہی قدرت کے قائل ہین یعنی مؤثرہ کو مانتے ہین اور کاسبہ کو نہین مانتے اور ہم نے دلیل الزامی مین جو بیان کیا ہے کہ ایک مقدور پر دو قدرتون کو اختیار حاصل نہین ہو سکتا وہان دو قدرتین مؤثرہ لی ہین اور علماے اہل سنت کو تو اس کا بھی اعتقاد ہے کہ دو قدرت کاسبہ بھی ایک مقدور سے متعلق نہین ہو سکتین پس زید کو خالد کے کام پر قدرت حاصل نہو گی (۳) اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہوتا تو اُسے اپنے تمام افعال اختیاری کے حالات تفصیلی طور پر معلوم ہوتے حالانکہ یہ ممکن نہین کیونکہ نیند اور سہو کی حالت مین انسان اپنے اختیار سے بہت سے کام کر گذرتا ہے مثلاً کروٹین بدلتا ہے ادھر سے اودھر ہوتا ہے اور اُن پر اُسے مطلقاً اطلاع نہین ہوتی اور یہ نہین جانتا کہ کے بار ادھر سے اودھر کروٹ لی اور کیا کیا کیا۔ اور دلیل نقلی یہ ہے کہ سورۂ صافات مین ہے واللہ خلقکم وما تعملون یعنی اللہ نے تم کو اور تمھارے کامون کو بنایا اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ کفار کو اللہ تعالے کے ساتھ مخالفت کی قدرت ہے بلکہ بالفعل مخالفت کر رہے ہین پس اس سے ثابت ہوا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور مختار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن امور مین کفار اُس کے ساتھ مخالفت کرتے ہین اُن امور مین اس نے اُن کو مختار کر رکھا ہے اور جن امور کا وہ ارادہ کرتا ہے اور ان کا ہونا جبراً چاہتا ہے تو اُن مین کسی کو مجال مخالفت نہین جیسا کہ کفار وغیرہ کو موت حیات صحت مرض وغیرہ مین کچھ اختیار نہین جس طرح اللہ چاہتا ہے ویسا ہوتا ہے۔

اب قدریہ کے دلائل مع جوابات سنو دلیل اوّل اگر بندہ اپنے افعال کا آپ موجد و مختار نہو گا تو امر ونہی کی تکلیف اس سے اُٹھ جاے گی کیونکہ غیر اختیاری حالت مین اُس کو نہین کہہ سکتے ہم کہ اس نے یہ کیا یا وہ نکیا کیونکہ جس کا وہ تابعدار ہے وہ کام در اصل اُس کا کیا ہوا ہے پھر نہ بندہ مدح و ذم کا مستوجب سمجھا جاے گا اور نہ اُس پر عذاب و ثواب جاری ہو سکے گا اور پیغمبرون کا مبعوث ہونا بھی بیکار ہو جاے گا کیونکہ جتنے کام بندون کے ہونگے وہ سب اللہ کے کیے ہوے ہونگے پھر پیغمبرون کو اُن کی نسبت وعد و وعید کی خبر دینے کا کیا منصب ہے **جواب** مدح و ذم اور تحسین و نفرین فاعلیت کی وجہ سے نہین ہوتی ہے بلکہ محلیت کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے اس لیے مدح و ذم کے لیے استقلال کی ضرورت نہین ہر شے کی مدح و مذمت اس کے حسن و قبح اور عمدگی و خرابی کی وجہ سے کی جاتی ہے اب خیال کرو کہ انسان ان خوبیون اور برائیون کا محل ہے مگر ان مین اثر نہین کر سکتا ہے یہ اُس مین پائی بے شک جاتی ہین مگر ان کو پیدا نہین کر سکتا اور ثواب و عذاب جو افعال اختیاری پر جاری ہوتے ہین تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح تمام عادی امورات اپنے اسباب پر بطور عادت کے مترتب ہوتے ہین اور لزوم عقلی نہین ہوتا یعنی اس کی وجہ کوئی نہین نکلتی کہ اس سبب کے بعد یہ امر کیون ظہور پاتا ہے صرف عادت ویسی پڑ جاتی ہے کہ جب ایسا سبب واقع ہوگا تو یہ کام ظہور مین آئے گا اسی طرح یہ بھی عادت پڑ گئی ہے کہ ایک کام کرنے والے کی اللہ تعالےٰ نے تعریف اور مدح کی اور دوسرے کام کرنے والے کی مذمت فرمائی ہے اس کے معاملات مین چون وچرا کی گنجائش نہین یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایسا کیون کیا کہ آگ سے جل جانے کے بعد تو سوزش پیدا ہوتی ہے اور ایسا کیون نہین کیا کہ جلنے سے قبل یا پانی کے چھونے سے سوزش پیدا ہوتی پس اسی طرح یہان بھی نہین کہہ سکتے کہ ان خاص کامون کے کرنے سے ثواب کیون دیتا ہے اور ان کے کرنے سے عذاب کیون پہونچاتا ہے

دلیل دوم اگر اللہ تعالے کو افعال عباد کا خالق مانینگے تو یہ لازم آئے گا کہ وہ گھڑا بھی ہے اور بیٹھا بھی ہے اور کھانے والا بھی ہے اور پینے والا بھی ہے اور زنا کار بھی ہے اور چور بھی ہے وغیرہ وغیرہ جن افعال کے ساتھ بندہ متصف ہے ان سب افعال کے ساتھ اس کا اتصاف بھی واجب ہوگا کیونکہ اُسی نے اِن کو ایجاد کیا ہے جواب جو جس چیز کو پیدا کرتا ہے وہ اس کے ساتھ متصف نہین ہوتا بلکہ وہ چیز جس کے ساتھ قایم ہوتی ہے وہی اس کے ساتھ موصوف ہوتا ہے چنانچہ جو چلتا ہے اس کو چلنے والا کہتے ہین اور اُس کو چلنے والا نہین کہتے جسنے اس چلنے کو ایجاد کیا ہے غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے سیاہی سفیدی طول وعرض وغیرہ اجسام کی ساری صفات کو پیدا کیا ہے مگر سیاہ یا سفید یا طویل وعریض وغیرہ جسم کو کہتے ہین اللہ تعالیٰ کو کوئی نہین کہتا۔

اور قدریہ آیات قرآن کے معانی ظاہری سے بھی استدلال کرتے ہین اور اس کی کئی صورتین ہین (ا) کہتے ہین کہ اللہ تعالے نے اپنے کلام پاک مین فعل کو بندے کی طرف منسوب کیا ہے سورۂ بقرہ مین ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون خرابی ہے اُنکو جو کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہین پھر کہتے ہین کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس پر قیمت لیوین سو خرابی ہے اُن کو اپنے ہاتھ سے لکھنے سے اور خرابی ہے اُن کو اپنے کئے سے (۲) بندے کے فعل پر اللہ پاک نے مدح فرمائی ہے جیسے سورۂ نجم مین ہے ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ وابراھیم الذی وفی کیا اُسکو اُس چیز کی خبر نہین پہونچی جو ہوئے اور ابراہیم کے جس نے اللہ کا حق پورا کیا صحیفون مین ہے (ب) اور مذمت بھی کی ہے جیسے سورۂ بقرہ مین ہے الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخاسرون کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم جو لوگ اللہ کے قرار کو مضبوط کرنے

کے بعد توڑتے ہین اور اللہ نے جسکے جوڑنے کا حکم کیا ہے اُس کو کاٹتے ہین اور ملک مین فساد کرتے ہین وہ نقصان والے ہین تم اللہ سے کس طرح منکر ہو حالانکہ تم مردے تھے پھر اُس نے تم کو جلایا (ج) اور بندے کے فعل پر وعد و وعید بھی کی ہے جیسے سورہ انعام مین ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزی الا مثلھا یعنی جو کوئی نیکی لایا اُس کو اُس سے دس حصہ زیادہ ہے اور جو برائی لایا وہ اتنی ہی سزا پاے گا اور اسی مضمون کی ایک حدیث قدسی مسلم نے ابوذر سے روایت کی ہے اور قرآن مین آیا ہے من یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم یعنی جو کوئی اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ مین ڈالا جاے گا۔ (۳) کلام الٰہی مین وارد ہے کہ اللہ تعالے تفاوت اور اختلاف اور ظلم وقباحت وغیرہ اُن اوصاف سے منزہ ہے جن کے ساتھ بندے کا اتصاف ہوتا ہے چنانچہ سورہ ملک مین ہے ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت فارجع البصر ھل تری من فطور یعنی کیا تو رحمان کے بنانے مین کچھ تفاوت اور فتور دیکھتا ہے سورہ نسا مین ہے افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنی اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا ہوتا تو اُس مین بہت سا اختلاف پاتے اور سورہ نسا مین ہے وما ظلمناھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون یعنی ہم اُن پر ظلم نہین کرتے لیکن انھون نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا (۴) بندون کے افعال کو اُن کی مشیت سے متعلق کیا ہے چنانچہ سورہ کہف مین ہے قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر کہدے تمھارے رب کی طرف سے سچی بات ہے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے (۵) خداے تعالے نے حکم دیا ہے کہ ہم سے مدد چاہو چنانچہ بندون کی زبانی فرماتا ہے وایاک نستعین اور مدد اُسی کام مین مانگی جاتی ہے جو خود کرتے ہین اور اگر اللہ تعالے بندون کے افعال کا خالق ہوتا تو استعانت کے معنے درست نہین ہو سکتے پس استعانت کے

معنے جب نبینگے کہ یہ کہا جاے کہ بندے نے خدا کی مدد سے افعال کو ایجاد کیا ہے
(۶) آخرت مین کفار اور فساق حسرت کرین گے اور دنیا مین لوٹائے جانے کے متمنی
ہونگے تو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا مین افعال کے موجد یہی لوگ ہین نہ خداے تعالے
چنانچہ سورۂ مومنون مین ہے حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعونی لعلی اعمل صالحا فیما ترکت
اور سورۂ زمر مین ہے تقول حین تری العذاب لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین **جواب** اس
کا یہ ہے کہ ان آیات کا معارضہ ان آیات سے ہوتا ہے جن مین یہ مضمون ہو کہ بندون
کے تمام افعال کا اللہ تعالے موجد اور خالق ہے اور بندے نہ خالق ہین اور نہ خلق مین
شریک ہین تمام کفر و ایمان اور طاعت و عصیان اور نیکی و بدی بندون کی اوس کے
ارادے اور مشیت اور حکم اور تقدیر سے صادر ہوتی ہے چنانچہ قرآن مین ہے واللہ خلقکم
وما تعملون اور اللہ خلق کل شیٔ اور ھو الغفور الودود ذو العرش المجید فعال لما یرید اور
ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم یعنی اللہ نے اُن کے دلون اور کانون پر مہر کردی اور قرآن شریف
کے باب مین فرمایا ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا یعنی اُس سے بہتون کو گمراہ کرتا ہے
اور بہتون کو ہدایت کرتا ہے اور یہ بات مسلمات مین سے ہے کہ جب ظواہر آیات کے
مقابلے مین اور آیات ایسی موجود ہون جن کے مضمون ان کے مفہوم کے مخالف ہون
تو ظواہر کی شہادت نامقبول ہوتی ہے خاصکر مسائل اعتقادیہ مین تو ان پر عمل درآمد بالکل
ممنوع ہے اور اس وقت دلائل عقلی و قطعی کی طرف رجوع کرنا واجب ہوتا ہے پس
قدریہ نے جو اپنے مذہب کی تائید مین یہ آیات پیش کی ہین ان کے ظواہر پر لحاظ نکرنا
چاہیے بلکہ ایسے دلائل کی طرف رجوع کرکے جو امر حق بتاتی ہون ان کے معانی مین
تاویل کرنا چاہیے اس لیے علماے اشعری و ماتریدی نے دلائل عقلی و قطعی وہ تلاش کی
ہین جن سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالے افعال عباد کا خالق ہے۔ مگر یہ بھی واضح
رہے کہ قدریہ کی منشا اس قول سے کہ بندہ خالق افعال ہے یہ نہین ہے کہ وہ صفت

قدریہ جو بندے کو خالق افعال کہتے ہین تو افعال مین مستقل نہین جانتے

خالقیت مین اللہ کی شل ہے اور جو قوت و استقلال اللہ کو اس صفت مین حاصل ہے
ویسے ہی بندے کو بھی حاصل ہے بلکہ وہ تو بندے کی خالقیت کو غیر مستقل جانتے ہین اس
لیے کہ یہ اپنے افعال کے پیدا کرنے مین ان اسباب اور آلات کا محتاج ہے جو باری تعالیٰ
نے پیدا کیے ہین پس بندے کی اور خدا کی خالقیت مین زمین و آسمان کا فرق ہے اور
جن لوگون نے یہ کہا ہے کہ قدریہ جو بندے کو خالق اس کے افعال کا جانتے ہین اُن
مذہب پر بے گنتی خدا لازم آتے ہین اسی طرح جنھون نے یہ کہا ہے کہ مجوسیون اور
قدریون مین یہ فرق ہے کہ مجوس شرور و قبائح کا خالق سواے ذات یزدان کے جانتے
ہین اور اسے شریک الوہیت بتاتے ہین مگر ایک ہی شریک مانتے ہین زیادہ کی شرکت
کے قائل نہین اور قدریہ ہر مور ضعیف اور سگ و گربہ کو خدا کا شریک خلق و ایجاد مین جانتے ہین
یہ سراسر تعصب ہے چونکہ ہمارے علما کو اُن کی راے کے ابطال مین بہت کچھ اصرار تھا
اس لیے بیانات ٹرا مبالغہ کیا ہے اور اُن کی گمراہی کے اثبات مین دفتر کے دفتر سیاہ
کر ڈالے ہین اور یہان تک کہدیا ہے کہ قدریہ مجوس سے بھی بدتر ہین کہ ہر بشر کو خالق
اپنے افعال کا جانتے ہین مجوس خدا کا ایک ہی شریک بتاتے ہین اور یہ بے تعداد شرکا
ثابت کرتے ہین پس قدریہ کو مشرک کہنا جائز نہین اس لیے کہ شرکت یا الوہیت مین
ہوتی ہے یا عبادت مین الوہیت مین خدا کا شریک مجوس ثابت کرتے ہین اور عبادت مین
بت پرست قدریہ بیچارے تو بندے کو خالق یا موجد یا مخترع غیر مستقل بتاتے ہین مگر حدیث
مین جو وارد ہے القدریۃ مجوس ہذہ الامۃ قدری اس امت کے مجوس ہین اس لیے بعض
علما کہتے ہین کہ قدریہ کافر ہین بعد اس کے اختلاف ہے کہ کفران کا تاویلی ہے یا ارتدادی
مگر قول مختار یہ ہے کہ کافر نہین بلکہ فاسق ہین کیونکہ یہ بھی قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہین
پس جو علما ان کو کافر کہتے ہین وہ تو ان کے حق مین رعایت حقوق اسلام سے منع کرتے ہین اور
جو فاسق کہتے ہین وہ جائز رکھتے ہین اور اس حدیث کو زجر و تغلیظ اور ان کے اعتقاد کی

ف
قدریہ کافر نہین
فاسق ہین

برائی بیان کرنے پر حمل کرتے ہین اور حق بھی یہ ہے کہ قدریہ کو جو مجوس کہا ہے سو مراد اس سے صرف تشبیہ ہے جس مین یہ ضرور نہین کہ مشبہ سب طرح مشبہ بہ کا مساوی ہو اور تمام احکام مین دونون شریک ہون بلکہ سالمی کہتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق قدریہ مین سے صرف وہ فرقہ ہے جسے شیطانیہ کہتے ہین اور محمد بن نعمان شیطان الطاق کی طرف منسوب ہے

(متن) والطاعات کلها کانت واجبة بامر الله تعالیٰ وبمحبته وبرضائه وعلمه ومشیته وقضائه وتقدیره والمعاصی کلها بعلمه وقضائه وتقدیره ومشیته ولا بمحبته ولا برضائه ولا بامره

اور سب عبادتین تھوڑی یا بہت ثابت ہین اللہ کے امر اور اُس کی محبت اور رضا اور ارادے اور قضا و تقدیر سے اور تمام گناہ اُس کے علم اور قضا و تقدیر اور ارادے سے ہین لیکن گناہ اس کی محبت اور رضا اور حکم سے نہین یاد رکھو کہ (واجب) اُس کام کو کہتے ہین جس کا کرنا ضرور ہے اور (معصیت) اوس کام کو کہتے ہین جس کے کرنے مین یقیناً عذاب ہے سو واجب تو خدا کے امر اور مشیت اور محبت اور رضا مندی اور قضا اور تقدیر اور توفیق اور پیدا کرنے اور علم اور اُس کے لکھنے سے لوح محفوظ مین ہوتا ہے اور معصیت کا کام خدا کے امر سے نہین لیکن اس کی مشیت سے ہے محبت سے نہین قضا سے ہے رضا سے نہین تقدیر سے ہے توفیق سے نہین خذلان یعنی ترک توفیق سے ہے اور اس پر مواخذہ ہے اس لیے کہ خدا جانتا ہے اور اس کو لوح محفوظ مین لکھا ہے **سوال** کافر و عاصی نے خدا ے تعالےٰ کے حکم ازلی کی کہ قضا اس سے عبارت ہے موافقت کی ہے تو معلوم ہوا کہ کفر و عصیان عین طاعت ہے پھر گناہ کے

کام پر مواخذہ ہونا درست نہین **جواب** طاعت اس حکم کی موافقت کا نام ہے جو کتب الٰہی مین واقع ہے یا پیغمبرون کی زبانی پہونچا ہے اور ظاہر ہے کہ خداے تعالےٰ اور پیغمبر دونون نے کفر و عصیان کی مذمت بیان فرمائی ہے اس لیے نافرمانی اور انکار اور جملہ گناہ کے کام کسی طرح طاعت مین داخل نہین ہو سکتے **سوال** جبکہ معاصی کا صدور قضاے الٰہی سے ہے اور رضا بالقضا واجب ہے تو رضا بالمعاصی واجب ہے حالانکہ رضا بالمعاصی گناہ ہے **جواب** معاصی اگرچہ قضا سے صادر ہوتے ہین مگر یہ نہین ہے کہ معاصی اور قضا ایک چیز ہین چونکہ قضا اللہ کا فعل ہے اس لیے اُس سے رضا واجب ہے اور معاصی چونکہ بندے کا فعل ہے اس لیے اُس سے رضا متعلق نہین ہے بلکہ وہ ناپسندیدہ ہے خواہش کرنا اور پیدا کرنا اور ہے اور راضی ہونا اور ہے قضا وہ ہے کہ امر کرے اور حکم دے کہ کرو اور اکثر ہوتا ہے کہ امر کرتا ہے مگر بسبب کسی حکمت کے جس کو سوا خدا کے دوسرا نہین جانتا یہ نہین چاہتا کہ ہو جیسے بیمار دواے تلخ اپنے ارادے سے کھا تو لیتا ہے مگر اس کی رضا کڑوی دوا کے کھانے مین نہین ہے اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ رضا باری تعالےٰ جل شانہ کی امور خیر کے واسطے ہوتی ہے اور بد کامون کے لیے نہین

اختیار و رضا

اختیار اور رضا مین بھی فرق ہے اختیار کہتے ہین کسی شے کے قصد کرنے اور اس کے ارادہ کرنے کو اور رضا کہتے ہین اس کام کے پسند کرنے اور مستحسن جاننے کو دیکھو اگر کسی شخص کو کسی کام پر مجبور کیا جاتا ہے تو اس کام کو گو وہ اپنے اختیار سے کرتا ہے مگر کرنے پر اس کی رضا نہین ہوتی اسی وجہ سے متکلمین کہتے ہین کہ گناہ اور برے کام اللہ کے ارادے سے ہوتے ہین مگر وہ اُن کامون سے راضی نہین ہوتا اُس کو بندون کا کفر اور نافرمانی ناپسند ہے بعضون نے رضا کی یون تعریف کی ہے کہ وہ کام پر ثواب کا ارادہ کرنا ہے یا ترک اعتراض کرنا اور محبت و رضا کے مفہوم قریب قریب ہین ماتریدیہ

ماتریدیہ و اشاعرہ

اور اشاعرہ کا اس مین بڑا اختلاف ہے کہ اللہ کے ارادے مین محبت و رضا ہے یا نہین

ماتریدیہ کے نزدیک ارادے مین محبت نہین ہے اور نہ ارادہ مستلزم رضا کو ہے اور اشاعرہ کے نزدیک تینون ایک ہین —

معتزلہ کہتے ہین کہ امر خیر اللہ کے ارادے ہوتا ہے اور کفر و عصیان بندے سے باختیار خود ہوتے ہین خدا کے ارادے اور مشیت کو اس مین دخل نہین بلکہ وہ مخلوق سے ارادہ اسلام و طاعت کا کرتا ہے چنانچہ اسلام و طاعت کا امر کرتا ہے اور جس چیز کے کرنے کی ممانعت کرتا ہے جیسے کفر و معصیت اس کی نسبت ارادہ نہین کرتا اور اس مطلب پر دلیل یہ بیان کرتے ہین کہ اگر کفر و معصیت حق تعالے کے ارادے سے ہو تو لازم آتا ہے کہ کافر و عاصی اپنے کفر و عصیان مطیع ہون کیونکہ اُنھون نے مراد الٰہی کی طاعت کی اس کا جواب یہ ہے کہ طاعت حکم کی موافقت کو کہتے ہین اور حکم ارادے سے غیر ہے اور معتزلہ اور زیدیہ اور کیسانیہ اور امامیہ کہتے ہین کہ لازم نہین ہے کہ جس چیز کا خدا ارادہ کرے وہ بالضرور واقع ہو بلکہ خدا ے تعالے کفار سے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور وہ ایمان نہین لاتے اور خدا ایسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس کو جانتا ہے کہ واقع نہو گی جیسے کافر کا اسلام پس غیر خدا ان کے نزدیک ایسا قادر ہے کہ خدا جس کی ہدایت کا ارادہ کرے وہ اُسے گمراہ کر دے اس قسم کی باتین عجز کو مستلزم اور الوہیت کی منافی ہین اور قرآن مجید اُن کے بطلان مین ناطق ہے چنانچہ سورۂ ہود مین ہے من یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء ولا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ان کان اللہ یرید ان یغویکم یعنی اللہ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ حکم برداری کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے گویا آسمان پر زور سے چڑھتا ہے اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہے گا تو میری نصیحت ہرگز نفع ندیگی اور حدیث نبوی مین ہے من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یُضلل فلا ھادی لہ رواہ احمد والترمذی

معتزلہ

معتزلہ اور زیدیہ اور کیسانیہ اور امامیہ

وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ عن عبداللہ بن مسعود یعنی جسکو خدا ہدایت کرتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہین کرسکتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی راہ پر نہین لاسکتا سورۂ انعام مین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا مشرک کہین گے اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کا شریک نہ ٹھہراتے اسی مین یہ بھی کہا ہے ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین اللہ کا عذاب گناہگار لوگون سے نہین پھرتا اس مقام پر مشرکین کو یہ شبہ ہے کہ مجرمین مستحقین عذاب سے عذاب پھر سکتا ہے کیونکہ جب یہ عقیدہ مسلمانون کے نزدیک مسلم ہے کہ سب کام اللہ تعالےٰ کی مشیت سے ہوتے ہین پس شرک کہ اقسام کفر مین سے قسم اعلے ہے اور حلال چیز کا حرام کردینا کہ اقسام کفر مین سے ادنے ہے یہ دونون اللہ کی مشیت سے واقع ہوتے ہین اس لیے کہ اگر اللہ تعالےٰ کی مشیت اُن کے خلاف کے ساتھ متعلق ہوتی اور یہ چاہتا کہ نہ کوئی شرک کرے اور نہ کوئی حلال کو حرام جانے تو ایسا ہی واقع ہوتا اور اگر یہ کام اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہم کو کرنے نہ دیتا اور ہمارے ماں باپون کو کیا مجال کہ بدون مشیت الٰہی کے شرک اور تحریم حلال کرسکتے ورنہ ہماری مشیت اللہ تعالےٰ کی مشیت پر غالب ہوگی اور جبکہ شرک اور تحریم حلال کا سرزد ہونا اللہ کی مشیت سے ثابت ہے تو اس کی وجہ سے عذاب کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ اُن کا خلاف کرنا مخلوق کے بس مین نہین اللہ تعالےٰ نے خود ہی اس شبہ کا جواب ترتیب مناظرہ کے موافق تین طرح پر دیا اول نقض دوم حل سوم قول بالموجب سے نقض یہ ہے کہ تمام مسلمان اور کافرونکا اس بات پر اجماع ہوچکا ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض امم سابقہ کو شرک اور تحریم حلال پر عذاب دیا ہے اگر یہ عذر واقعی ہوتا تو وہ لوگ کیون معذب ہوتے جیسے عاد ثمود قوم مدین فرعون اور ہامان کہ اس زمانے کے کفار نے ان امتون کے احوال متواتر سنے تھے بلکہ آثار عذاب کو بھی دیکھا تھا اور حل یہ ہے کہ مشیت عذاب کو دفع نہین کرتی بہت سی چیزین ہین کہ مشیت الٰہی سے واقع ہوتی ہین جیسے زنا چوری لونڈے بازی قتل اور ظلم اور انپر عذاب ہوا اور ہوتا ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ کی بھی مشیت

بندونکے ارادے اور مشیت کے تابع ہوتی ہے کہ بندہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالے بھی پیدا کر دیتا ہے ہان مشیت قاہرہ جو بندے کی مشیت اور ارادہ کے خلاف ہوتی ہے عذاب کو دفع کرتی ہے اس لیے کہ بندہ اس مشیت مین جماد لایعقل کی طرح ہوتا ہے دیکھو کوٹھے پر سے خود کود پڑنے اور کنوین مین اپنے آپ گر پڑنے اور کوٹھے پر سے بے اختیار پانون پھسل کر گر جانے اور دھوکے سے کنوین مین گر پڑنے مین فرق بدیہی ہے اسی واسطے ارشاد کیا ہے هل عندكم من علم فتخرجوه لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون یعنی کچھ علم بھی تمھارے پاس ہے جو ہمارے آگے نکالو محض اٹکل پر چلتے ہو اور جھوٹی باتین بناتے ہو اور قول بالموجب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہین کہ کفار کا شرک مشیت الٰہی کی وجہ سے ہے مگر ان کی تعذیب بھی مشیت الٰہی سے ہے پس جس طرح کفر و شرک دفع نہین ہو سکتے اسی طرح تعذیب بھی دفع نہین ہو سکتی پس اپنے ہی قول سے الزام کھایا اور اصطلاح علم مناظرہ مین قول بالموجب کا یہی مطلب ہے کہ خصم کے دعوے کو منکر اسی کی بات سے اُسے ملزم کر دینا اور اللہ تعالے کے اس قول کے یہی معنے ہین فلله الحجة البالغة فلو شاء لهداكم اجمعين تو کہدے اللہ کا الزام پورا ہے اگر وہ چاہتا اور اسکو منظور ہوتا تو تم سبکو ہدایت کرتا یعنی تمھاری غلطی ثابت ہو چکی کہ دلیل نہین رکھتے اسپر بھی نمانو تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ تمھاری قسمت مین ہدایت نہین رکھی امام فخر الدین رازی نے سورۂ یوسف کی تفسیر مین کہا ہے کہ انسان کو اس عالم مین اسباب کی رعایت کرنے کا حکم دیا گیا ہے پس اس کو غالباً اس بات کا حکم ہے کہ مضر اشیا اور غذیہ سے پرہیز کرے اس طرح کہ منافع کے حاصل ہونے اور مضرتون کے دفع کرنے مین بقدر امکان کے کوشش کرے پھر باوجود اس کے انسان کو لائق ہے کہ اس بات کا یقین کرے کہ اُس کی طرف وہی پہونچتا ہے جو اس کے لیے اللہ نے مقدر کیا ہے اور وہی اس کو حاصل ہوتا ہے جس کا اللہ نے اس کے حق مین ارادہ کیا ہے پس حضرت یعقوب عم کا اپنے بیٹون

کو یہ کہنا لاتدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقۃ ایک دروازے سے شہر مین نہ داخل ہونا بلکہ متفرق دروازون سے گھسنا رعایت اسباب کی طرف اشارہ ہے جو اس عالم مین معتبر ہے اور یہ قول ان کا ما اغنی عنکم من اللہ من شیئی یعنی مین تقدیر آلہی مین سے تم سے کچھ دفع نہین کرسکتا ہون توحید محض اور اسباب دنیا کی جانب ملتفت نہونے کی طرف اشارہ ہے۔ امام غزالی نے اس سوال کا کہ اللہ تعالے نے حکم کیا ہے یہ کہ ہم اسکے لیے عمل کرین ورنہ ہم عصیان پر مذمت کیے جاینگے اور عذاب دیجاینگے باوجودیکہ سب کچھ اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور ہماری طرف سے کچھ بھی نہین ہی پھر کیونکر ہمارے مذمت کی جاوے گی اور ہم کو عذاب دیا جاوے گا کیمیاے سعادت مین یون جواب دیا ہے کہ یہ وعید اللہ تعالی کی طرف سے سبب ہے واسطے پیدا ہونے خوف کے اور پیدا ہونا خوف کا سبب ہے ترک شہوات کا اور ترک شہوات سبب ہے واسطے پہونچنے کے اللہ تعالے کی پناہ مین اور اللہ سبحانہ تعالے مسبب الاسباب اور مرتب الاسباب ہے پس جس کے لیے سعادت ازل مین سبقت کی گئی ہے اس کے لیے یہ اسباب میسر ہوتے ہین یہان تک کہ اس کو اسباب کا سلسلہ خیر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور جس کے لیے سعادت نے سبقت نہین کی ہوتی ہے تو وہ کلام خدا اور کلام رسول اور کلام علما کے سننے سے دور ہوتا ہے اور جبکہ نہین سنتا نہین جانتا اور جبکہ نہین جانتا نہین ڈرتا اور جبکہ نہین ڈرتا نہین چھوڑتا رغبت کرنا دنیا اور خواہشات دنیا کی طرف اور جبکہ نہین چھوڑتا رغبت دنیا اور خواہشات دنیا کی تو شیطان کی جماعت مین سے ہوتا ہے

والانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کلہم منزہون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح

اور تمام انبیا و رسل صغیرہ اور کبیرہ گناہون اور کفر اور برائیون سے پاک ہین اس مین سب کا اتفاق ہے کہ انبیا پیغمبری پانے کے آگے بھی اور پیغمبری پانے کے پیچھے بھی اصلی اور طبعی

امام غزالی

ازارقہ

کفر اور گمراہی سے پاک اور محفوظ ہین مگر خوارج مین سے فرقہ ازارقہ اس کے خلاف ہے
کیونکہ ان کا یہ زعم ہے کہ انبیا سے گناہ کا صادر ہونا جائز ہے اور ہر گناہ انکے نزدیک کفر ہے
اور کبائر بھی انبیا سے عمداً نبوت کے بعد صادر نہین ہوتے مگر اس مین ضرور اختلاف ہے

اہل سنت و معتزلہ

کہ یہ امر دلیل سمعی سے ثابت ہے یا عقلی سے اہل سنت وجماعت دلیل سمعی کے قائل
ہین اور معتزلہ کہتے ہین کہ عقل بھی یہ تجویز نہین کرتی کہ انبیا سے عمداً کبائر سرزد ہون مگر فرقہ

حشویہ

حشویہ کے نزدیک انبیا سے عمداً کبیرہ کا صادر ہونا ممکن ہے اگر نسبت اس قول کی اُن
کی طرف صحیح ہے اور سہواً گناہ کبیرہ کا انبیا سے صدور تو اکثر کی راے مین جائز ہے مگر
مذہب مختار یہی ہے کہ وہ اس سے بھی معصوم مطلق ہین کیونکہ ان سے جو قول اور فعل
صادر ہو ہم اس کی اقتدا کے لیے مامور ہین پس اُن سے ایسی چیز کیسے واقع ہو گی جو
ناشایستہ ہو اور ہم اُن کی اقتدا کے واسطے حکم کیے جائین اور عمداً صغائر سے بھی بعد از نبوت

اشاعرہ و ماتریدیہ و جمہور معتزلہ و اہل حدیث

تمام اہل حدیث اور اشاعرہ اور ماتریدیہ اور جمہور معتزلہ کے نزدیک پاک تھے مگر بعض
اہل سنت جیسے امام الحرمین اور ابو ہاشم معتزلی کے نزدیک عمداً صغیرہ ہونا ممکن ہے اور
بھولے سے صغیرہ کا سرزد ہونا تو جمہور اہل سنت کے نزدیک جائز ہے اور جبائی وغیرہ اکثر
علماے معتزلہ کے نزدیک بھی سہواً صغیرہ ہونا ممکن ہے مگر یہ شرط لگاتے ہین کہ وہ اس قسم
کا گناہ نہو جس سے رذیلہ پن اور خست طبع پائی جاے جیسے ایک نوالہ چرا لینا یا کم تولنا کہ
ایسے افعال اُن سے نہ عمداً صادر ہوتے تھے نہ سہواً اور جاحظ اور نظام اور اصم اور
جعفر بن بشر وغیرہ معتزلہ بھی سب اسی کے قائل ہین مگر ان محققین کا اس کے ساتھ یہ اعتقاد
بھی ہے کہ جب نبی سے ایسا گناہ واقع ہو تو خداے تعالے اس کو بذریعہ وحی وغیرہ کے
تنبیہ کر دے اور وہ متنبہ ہو کر باز آ جاے اور توبہ کر لے ایسی حالت مین صدور صغیرہ
سہواً جائز ہے اور محققین اہل سنت کی بھی یہی راے ہے کہ جو صغیرہ ایسے ہین کہ اُن
سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور رذیلہ پن پایا جاتا ہے وہ انبیا سے نہ عمداً سرزد ہوتے ہین

اور نہ سہواً ہر طرح معصوم ہین البتہ جو صغیرہ ایسے نہین ہین وہ انبیا سے ممکن الوقوع ہین مگر اپنی خطا پر جمے نہین رہتے اُن کو غیب سے تنبیہ ہو جاتی ہے بلکہ بعض اہلسنت تو کہتے ہین کہ انبیا بہمہ وجوہ سہو و نسیان سے معصوم ہین اور خصوصاً ابو اسحاق اسفرائینی اور ابو الفتح اور سبکی اور قاضی عیاض وغیرہ اسی پر متفق ہین اور جن احادیث مین مروی ہے کہ آنحضرت نے سہواً اتنی رکعت کی جگہ اتنی پڑھیں اُن احادیث کی تاویل کرتے ہین اور کہتے ہین کہ یہ باتین آپ سے سہواً وقوع مین نہ آئی تھین بلکہ عمداً آپ نے ایسا کیا تھا اور حکمت اس مین یہ تھی کہ آپ کو یہ منظور تھا کہ امت کو تعلیم سجدۂ سہو کی ہو جاوے اور لوگ مسائل اُن سے سیکھین مگر یہ بات کہ حضرت سے سہو بھی جائز نہین تحقیق کے خلاف ہے صحیح یہی ہے کہ انبیا سہو سے بری نہین کیونکہ اُن کی ذات مین بھی حصہ بشریت و احکام جبلت باقی تھے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی یعنی مین بھی تمہاری مثل ایک آدمی ہون مین بھولتا ہون جس طرح تم بھولتے ہو پس جسوقت مین بھول جاؤن تم مجھکو یاد دلا دیا کرو جیسا کہ بخاری و مسلم نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے ہان اتنا ضرور ہے کہ انبیا سے سہو و نسیان اُن اقوال مین جو خبر دینے اور احکام آلہی و شرائع کے پہونچانے کے ساتھ متعلق ہین جائز نہین اور جنھون نے شرائع اور وحی کی خبر دینے مین نسیان جائز رکھا ہے یہ راے اُن کی ضعیف ہے اس لیے کہ خلاف بات کی خبر دینا کذب ہے اور کذب سے انبیا کی عصمت واجب ہے اور افعال مین انبیا سے سہو و نسیان کا واقع ہونا جائز ہے مگر بعض کہتے ہین کہ یہ بھی جائز نہین لیکن اہل تحقیق کا مختار قول اول ہے **سوال** علما کے نزدیک یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ حضرت کو سہو و نسیان ہونا اخبار مین جائز نہین اور افعال مین خلاف ہے اور صحیح بخاری و مسلم مین ابن سیرین سے بروایت ابو ہریرہ حدیث ذوالیدین مروی ہے کہ حضرت صلے اللہ

علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز ظہر یا عصر مین ایک رکعت پڑھنا بھول گئے اور سلام پھیر دیا اور بات کی تو ذوالیدین نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی فرمایا نہ مین بھولا اور نہ نماز کم ہوئی جب اور صحابہ سے قول ذوالیدین کی تصدیق ہوئی تو جس قدر نماز رہ گئی تھی اسے تمام فرمایا پس یہان جو حضرت نے فرمایا نہ قصر ہوا نہ نسیان یہ خبر واقع کے خلاف ہے **جواب** نسیان کا ناجائز ہونا ان اقوال وافعال مین ہے جو تبلیغ شرائع واحکام ووحی سے تعلق رکھتے ہین نہ سب چیزون مین۔ اور انبیا سے نبوت کے قبل کبائر وصغائر عمداً وسہواً واقع ہونا جائز ہے اس لیے کہ نہ تو معجزے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیا بعثت سے قبل بھی ارتکاب کبیرہ سے معصوم ہین اور نہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے اور نہ قرآن وحدیث سے اس پر دلالت ہے۔ نبوت کا درجۂ عالیہ بے شک یہ چاہتا ہے کہ اُن سے ایسے امور سرزد نہون تاکہ تکذیب معجزہ نہ لازم آئے اور ان کا اقتدا کرکے خلقت نہ بگڑ جائے مگر قبل نبوت کے ممکن ہے کہ پھر اُن کو خدائے تعالے معاف کر دے اور اصلاح حال فرما کر نبی بنا کر بھیجے تمام علمائے سنت اور اکثر معتزلہ کی یہی رائے ہے مگر بعض معتزلہ کے نزدیک نبی ہونے سے پہلے بھی کبیرہ ہونا ممنوع ہے اس لیئے کہ جب نبی سے قبل از نبوت گناہ سرزد ہون گے تو بعد از نبوت لوگ اس کی اتباع سے عار کرین گے اور اوسی طرح حقارت کی نظر سے دیکھینگے جیسا کہ بعثت سے قبل دیکھتے تھے اور یہ مصلحت بعثت کے بالکل خلاف ہے جواب یہ ہے کہ ان کو ہم باعث نفرت کہ جو مانع ہدایت ہو نہین تسلیم کرتے اور حق یہ ہے کہ جو چیز باعث نفرت مذکورہ ہو اس سے انبیا علیہم السلام معصوم تھے جیسے زناکاری اور چوری گالی دینا بازار مین ننگے سر پھرنا نامحرم سے بدتہذیبی کرنا مان باپ اور بزرگون سے گستاخی اور بے ادبی اور بے شرمی کے ساتھ پیش آنا کسی کا کھانا چرا کر کھا لینا میوہ فروش کی ٹوکری مین سے آنکھ بچا کر ذرا سا میوہ اُٹھا لینا جس سے تحقیر

انبیا قبل نبوت کبائر و صغائر دونون سے معصوم نہین ہوتے

کے

اور ذلت پیدا ہو اور لوگ نفرت سے دیکھیں اور امر تحقیقی یہ ہے کہ وہ معاصی جن پر عام مکلفین مواخذہ طلب ہیں ہرگز حضرات انبیا علیہم السلام سے صادر نہیں ہوتے اور نہ وہ معاصی ممکن الصدور ہیں اس لیے کہ اصل فطرت ان کی ایسے مادۂ فاضلہ اور جوہر علیا سے واقع ہوئی ہے کہ صدور ایسے معاصی کا جن پر عام مکلفین کی نسبت وعید وارد ہے ناممکن ہے اور عطا ہونا ایسے مادۂ فاضلہ اور جوہر علیا کا امر وہبی ہے اصل فطرت میں نہ کسبی ورنہ کوئی تو نوع بشر سے بہ حالت اکتساب ترقی کرتے ہوئے مدارج کمال میں ان کے رتبے کو پہونچتا اور صوفیہ کے نزدیک تو حضرات انبیا علیہم السلام نسیان ذکر الٰہی سے بھی معصوم ہیں اور جن معاصی کی نسبت انبیاے کرام علیہم السلام کی طرف آیات قرآنی میں ہے اُن سے وہ زلات مراد ہیں جو عامہ مکلفین کے لیے معاصی نہیں ہیں دوسرے ملائکہ کے حق میں اللہ تعالےٰ سورۂ تحریم میں فرماتا ہے لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون اللہ نے اُن کو جو حکم دیا ہے اُس میں نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو دیا گیا ہے وہی کرتے ہیں اس سے ملائکہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور انبیا بالاتفاق ملائکہ سے افضل ہیں پس البتہ معصوم ہیں تیسرے رسول اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ خدا کا پیام بندوں کو پہونچائیں اور بندے اُن کی تقلید و اتباع کریں پس اگر انبیا سے ظہور معصیت جائز ٹھہرے تو اس صورت میں وہ قابل اتباع کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان کا خبر دینا کس طرح لائق وثوق ہو سکتا ہے چوتھے خبر آحاد مفید علم قطعی نہیں عصمت ہی سے احتمال کذب و غلطی کا انبیا کے اخبار سے دور ہوتا ہے اور اخبار انبیا موجب علم یقینی ہوتے ہیں اگر انبیا میں عصمت نہو تو اخبار اُن کے موجب علم و یقین نہوں اور خدا کی حجت خلق پر قائم نہو۔ پانچویں اللہ تعالےٰ نے نافرمان کی مذمت کی ہے اور اُس پر لعنت بھیجی ہے تو پیغمبر بھی عاصی ہونے کی صورت میں لائق لعنت و مذمت ہوتے الا لعنۃ اللہ علی الظالمین خبردار ہو

بسبب اعطاء فضل کے عصمت انبیا امر وہبی ہے

صوفیہ

انبیا ملائکہ سے افضل ہیں

اللہ کی لعنت ہے ظالمون پر دوسری جگہ ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم
کیا تم لوگون کو نیک کام کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو چھٹے اگر پیغمبر
گناہگار ہوتے تو عہدہ خدمت ومنصب الٰہی کے لائق نہوتے کیونکہ اللہ تعالےٰ
فرماتا ہے لاینال عہدی الظالمین میرا منصب ظالمون کے لائق نہین اور ظاہر
ہے کہ گناہگار بھی اپنے نفس کے لیے ظالم ہوتا ہے اور نبوت کے منصب سے
کوئی منصب بہتر و اعلیٰ نہین ہے اور جبکہ ظالم منصب سلطنت کے لائق نہین ہوتا تو نبوت کے
لائق بدرجہ اولے نہو گا پس نبی کا معصوم ہونا نہایت ضرور ہے ساتوین اللہ تعالےٰ
نے انبیا کو اپنا مخلص فرمایا ہے چنانچہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے حق
مین ارشاد کیا ہے انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار یعنی ہم نے اُن
کو ایک چنی بات سے کہ وہ آخرت کی یاد ہے امتیاز دیا اور حضرت یوسف کی نسبت
کہا ہے انہ من عبادنا المخلصین یعنی وہ ہمارے بندگان مخلص مین سے ہے اور
جو اللہ تعالےٰ کے مخلص بندے ہین ان سے شیطان کا ہاتھ کوتاہ ہے چنانچہ اُس
کی زبانی اللہ فرماتا ہے فبعزتک لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین
یعنی تیری عزت کی قسم ہے کہ مین سب کو گمراہ کرونگا مگر اُن مین سے جو تیرے مخلص
بندے ہین اُن کو چھوڑ دونگا اور گناہ شیطان کے اغوا سے ظہور مین آتا ہے
تو بالضرور انبیا سے ظہور مین آئے گا ورنہ دائرہ اخلاص سے خارج ہوجاینگے۔

جو لوگ انبیا سے نبوت کے بعد گناہ کبیرہ سہواً اور صغیرہ عمداً صادر ہونے کے
قائل ہین انھون نے اپنے مذہب کے استحکام کے لیے انبیا پر بہت کچھ طوفان
باندھا ہے پس جن روایتون مین انبیا کی نسبت گناہ کرنا آیا ہے اگر وہ خبر آحاد ہین
تو اُن روایات کا اعتبار نکیا جاے گا اور اگر بتواتر منقول ہین تو گناہ سے مراد صغیرہ
لیا جاے گا اور وہ بھی بھولے سے یا قبل نبوت کے اس کا سرزد ہونا قرار دیا جائیگا

گناہان آدم مع جوابات

ہم اُنکے دلائل مع جوابات بیان کرتے ہین **اول** آدم علیہ السلام کی نسبت کئی طرح
گناہ ثابت کرتے ہین (۱) سورۂ طہ مین ہے وعصیٰ آدم ربہ آدم نے اپنے رب
کی نافرمانی کی (۲) فتلقیٰ آدم من ربہ کلمٰت فتاب علیہ یعنی پھر آدم نے اپنے
رب سے کئی باتین سیکھ لین پس اللہ نے اُس کی توبہ قبول کی اور ظاہر ہے کہ توبہ گناہ
کی وجہ سے ہوتی ہے (۳) خدائے تعالےٰ نے آدم کو منع کردیا تھا کہ اِس درخت
کے قریب نجانا اگر ایسا کروگے تو تم ظالم ہوگے کما قال لاتقربا ھذہ الشجرۃ
فتکونا من الظالمین مگر اُنھون نے نافرمانی کی اور کھالیا (۴) آدم کی زبانی قرآن مین
آیا ہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین یعنی اے پروردگار
ہم نے اپنے نفسون پر ظلم کیا اور اگر تو ہمارے گناہ نہ بخشیگا اور ہم پر رحم نکریگا تو
ہم زیانکارون مین سے ہوجاینگے ظلم سے مراد گناہ ہے اور یہ جو آدم نے کہا کہ اگر
تو نہ بخشیگا تو ہم زیانکارون مین سے ہونگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گناہ
کبیرہ تھا (۵) فازلھما الشیطان عنھا فاخرجھما مما کانا فیہ یعنی شیطان نے
اُن کو اس سے ڈگا دیا پھر اُن کو وہان سے نکالا جس آرام مین تھے شیطان کے
ڈگلانے سے جنت سے نکالا جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ آدم سے گناہ کبیرہ
صادر ہوا **جواب** اِن تمام شبہات کا یہ ہے کہ آدم کو جنت مین مرتبۂ نبوت حاصل نہ تھا
اور نہ وہان اُن کی امت تھی بعد اس قصے کے جب دنیا مین آگئے ہین تو یہ مرتبہ اُن
کو حاصل ہوا ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے فغوے ثم اجتباہ ربہ فتاب
علیہ آدم گمراہ ہوگیا پھر رب نے اس پر نوازش کی پھر اسپر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا اور وجہ
دلیل کی یہ ہے کہ ثم مہلت اور ڈھیل کے لیے آتا ہے (۶) قرآن مین اللہ نے
آدم اور حوا کا قصہ بیان کیا ہے کہ جب حوا کو حمل رہا تو یہ دعا کی کہ اگر اچھا بچہ ہوگا تو ہم
شکر بجالائینگے جب بچہ ہوا تو شرک کیا کما قال اللہ تعالیٰ فلما تغشٰھا حملت حملا

خفیفا فمرت بہ فلما اثقلت دعوا اللہ ربھما لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما آتٰھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتٰھما فتعالی اللہ عما یشرکون اور شرک کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حوا کو اول جو حمل ہوا تو ابلیس وہان ایک نیک مرد کی صورت مین آیا اور ڈرایا کہ تمہارے پیٹ مین شاید کچھ بلا ہے جب دونون دعا کرنے لگے تب یہ کہا کہ میری دعا سے بلا بدلکر بیٹا ہوگا اُس کا نام عبد الحارث رکھنا حارث شیطان کا نام تھا وہی کیا **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ کہان سے معلوم ہوا کہ آدم نے اللہ کی الوہیت مین کسی کو شریک کیا آیت سے جس قدر شرک کے معنے سمجھے جاتے ہین تو وہ یہ ہین کہ شیطان کے داؤن مین آگئے اور اُس کے وسوسے کو قبول کرلیا اور یہ فعل اُنھون نے بالاختیار نہین کیا اور جو اختیار سے نہو وہ گناہ نہین اور بچے کا عبد الحارث نام رکھدینے مین شرک نہین گناہ ہے سو ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے قبل ہوا اور حق یہ ہے کہ یہ قصہ غلط ہے اس آیت مین مرد اور عورت کو فرمایا ہے آدم اور حوا کو نہین گو اول اُن کا ذکر ہوچکا ہے یا یون کہئے کہ جو کچھ انسانون مین ہونا مقدر تھا وہ حضرت آدم مین اول ظہور پکڑ گیا اس مین وہ نمونہ تقدیر تھے اولاد کے گناہ اُن مین نظر آئے جیسے آئینے مین صورت چنانچہ نفس کی خواہش اور اللہ کی بے حکمی اور کہکر بھول جانا اور دیکر منکر ہونا یہ سب اولاد کی خوئین اُن مین نظر آچکین **دوم** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گناہ اس طرح ثابت کرتے ہین۔ (١) قرآن مین آیا ہے فلما جن علیہ اللیل رآکوکبا قال ھذا ربی یعنی جب رات ہوئی تو ایک تارے کو دیکھکر کہا کہ یہ میرا پروردگار ہے پس اگر حضرت ابراہیم نے اپنے سچے اعتقاد سے تارے کو ہذا ربی کہا تھا تو شرک کیا اور اگر سچے اعتقاد سے نہین کہا تھا تو جھوٹ بولے **جواب** دلیل بہت پوچ ہے اسلیے کہ یہ قول حضرت ابراہیم کا اس حالت مین تھا کہ جبتک اُنکو پوری پوری بصیرت معرفت الٰہی مین حاصل نہونے پائی تھی اور نبوت کا مرتبا بھی دور تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ چھپگیا تو کہا لا احب الآفلین

مین چھپ جانے والون کو دوست نہین رکھتا ہون بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم
نے ھذا ربی استہزاءً کفار کو الزام دینے کے لیے فرمایا تھا نہ کہ اعتقاداً کما قال اللہ
تعالیٰ ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل یعنی ہم نے اول عمر سے ابراہیم کو
رشد عطا کیا تھا پس یہ رشد کے منافی ہے کہ آفتاب و ماہتاب کو خدا سمجھین - (۲)
قرآن مین ہے اذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتیٰ مطلب یہ ہے کہ ابراہیم نے
خداے تعالےٰ سے کہا کہ تو مجھکو دکھا کہ کیونکر مردے کو زندہ کرتا ہے اس سے معلوم
ہوا کہ حضرت ابراہیم کو شک تھا کہ اللہ مین مردے کو زندہ کرنے کی قدرت ہے یا نہین
اور یہ شک ہی کفر ہے **جواب** یہ سوال بوجہ شک کے نہ تھا بلکہ اطمینان قلب کے
لیے تھا کما قال تعالیٰ ولکن لیطمئن قلبی تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو اور یقین
زیادہ ہوجاے مواہب علیہ کے مولف نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے زندہ کرنے
کی کیفیت کے دیکھنے کے لیے یہ سوال کیا تھا نہ اس لیے کہ اصل زندہ کرنے مین اُن کو شبہ
تھا **سوم** حضرت موسےٰ علیہ السلام کے گناہ اس طرح ثابت کرتے ہین (۱) ایک
قبطی اور ایک بنی اسرائیل آپس مین جھگڑا کر رہے تھے موسےٰ علیہ السلام نے
بنی اسرائیل کی حمایت کی اور قبطی کے مکا مارا وہ مرگیا چنانچہ اللہ فرماتا ہے فوکزہ موسیٰ
فقضی علیہ اور قبطی مار ڈالنا محض ناحق تھا اور اس کو امر اتفاقی بھی نہین کہہ سکتے کیونکہ
حضرت موسےٰ نے اُس کے مرجانے کے بعد پشیمان ہوکر خود کہا ھذا من عمل الشیطان
یعنی یہ حرکت شیطان کی ہوئی پس قتل عمداً تھا کہ محض خصومت کی راہ سے وقوع مین آیا
چنانچہ اسی لیے اُنھون نے پروردگار کے آگے استغفار کیا اور معافی چاہی قال
رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی **جواب** موسےٰ علیہ السلام کا قبطی ظالم کو جو
ایک بنی اسرائیل پر ظلم کر رہا تھا اعانت کے لیے مکا مارنا کچھ گناہ نہ تھا بلکہ واجب تھا
مگر قضاے الٰہی سے مرگیا اگر تادیب کے لیے مکا مارنے سے وہ مرگیا تو ایسے بالغرض

حضرت موسیٰ

مین عصیان الٰہی کو دخل نہین ہوتا بلکہ مباح ہے چنانچہ قرآن مین ہے وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاءً یعنی مسلمان کا کام نہین کہ مسلمان کو مار ڈالے مگر چوک کر موسے علیہ السلام کی اولوالعزمی کی نسبت گو وہ محض بے خطا تھے کسی قسم کا نقصان تھا آخر استغفار کیا خدا نے اس چوک کو معاف کر دیا دوسرے یہ واقعہ نبوت سے قبل کا ہے (۲) سورۂ اعراف مین ہے لما رجع موسیٰ الیٰ قومہ غضبان اسفاً قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم والقی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ جب موسے اپنی قوم مین لوٹ کر آئے غصے سے افسوس کرتے ہوے بھائی کو کہا کہ تم نے میرے پیچھے بری نیابت کی تم نے اپنے رب کے حکم سے کیون جلدی کی اور تختیان ڈالدین اور اپنے بھائی کا سر پکڑکر اپنی طرف کھینچنے لگے ظاہر ہے کہ حضرت ہارون برادر موسے علیہ السلام نبی تھے اب یہان دو صورتین ہین کہ یا اُن کو موسٰے نے کسی گناہ کی پاداش مین اتنی نصیحت کی یا ناحق اُن کو ستایا اگر پہلی صورت صحیح ہے تو ہارون کا گناہ لازم آتا ہے اور دوسری صورت کی صحت مین موسیٰ گناہگار ٹھہرتے ہین اور بہر صورت نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انبیاء سے صدور معصیت جائز ہے

جواب موسے نے جو ہارون کی ڈاڑھی یا سر پکڑا تو یہ کوئی عداوت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ پاسبانی دین ربانی کے واسطے نہایت غضبناک ہوے اور رنج وملال مین سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا کیونکہ اُن کو یہ گمان تھا کہ حضرت ہارون نے قوم کو گوسالہ پرستی سے منع نکیا یا تقصیر و تاخیر ممانعت مین واقع ہوئی اور جب حضرت موسے کو ہارون کی بیقصوری معلوم ہوگئی تو تواضع اور انکسار کی راہ سے توبہ کی (۳) قرآن مین موسے اور خضر علیہم السلام کی مصاحبت کے بیان مین ہے کہ جب خضر نے ایک لڑکے کو مار ڈالا تو حضرت موسے نے اُن کو کہا اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس لقد جئت شیئا نکرا یعنی اے خضر تم نے یہ کیا کیا کہ اس بے گناہ لڑکے کو بغیر بدلے کسی جان کے مار ڈالا تم نے

حضرت داؤد علیہ السلام

یہ بہت نامعقول کام کیا حالانکہ یہ فعل خضر علیہ السلام کا حقیقت مین برا نہ تھا تو موسے علیہ السلام نے خطا کی جو اُن کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے **جواب** اگرچہ فی الحقیقت حضرت خضر نے جو کچھ کیا تو وہ حکم الٰہی کے مطابق کیا اور اچھا کیا کیونکہ اُس لڑکے کے مار ڈالنے کا سبب یہ تھا کہ ماں باپ اُس کے مومن اور مسلمان تھے اور وہ کافر تھا بخوف اس امر کے کہ وہ اُس کے فسق وفجور کی موافقت کرین اور بوجہ شفقت ومہربانی کے کہ ماں باپ کو اولاد پر ہوتی ہے کفر وگناہ مین اس کے ساتھ مبتلا ہو جائین خضر نے چاہا کہ خدا تعالےٰ ان کو اس کے بدلے مین ایسا فرزند عطا کرے جو اس سے بہتر اور پاکیزہ اور ماں باپ پر مہربان ہو مگر موسے تو اس بھید سے واقف نہ تھے اس لیے اُن کو بادی النظر مین تعجب ہوا اور بسبب تعجب کے ایسا کلمہ کہا **چہارم** مخالفین حضرت داؤد کا ایسا سخت گناہ ثابت کرتے ہین جسکے قبول کرنے سے شرع اور عقل انکار کرتے ہین چنانچہ کہتے ہین کہ ایک دن حضرت داؤدؑ اپنے کوٹھے پر کھڑے تھے کہ اوریا کی عورت پر نظر جا پڑی جو نہا رہی تھی وہ نہایت خوبصورت تھی پسند آگئی اوریا ان دنون مین حضرت داؤد کے بھانجے ثواب نامی کیساتھ بلقا کیطرف ایک قلعہ کے محاصرہ مین مشغول تھا حضرت داؤد نے ثواب کو کہلا بھیجا کہ اوریا کو تابوت سکینہ دیکر قلعہ کے دروازے پر بھیجے تاکہ اعداے دین شکست کھائین اور قلعہ فتح کرے اور اس زمانے مین حال یہ تھا کہ جو کوئی تابوت سکینہ لیکر لڑائی مین جاتا تھا اتنا لڑتا تھا کہ فتحیاب ہوتا تھا یا مارا جاتا تھا مگر لوٹتا اور بھاگتا نہ تھا غرض ثواب نے اوریا کو تابوت سکینہ دیکر بھیجا وہ اتنا لڑا کہ قلعہ فتح کر لیا اور ثواب نے فتحنامہ حضرت داؤد کو بھیجا انھون نے پھر حکم دیا کہ اوریا کو بدستور اور قلعون پر بھیجتے رہو آخر الامر وہ مارا گیا اور بعض روایات مین آیا ہے کہ پہلی ہی لڑائی مین مارا گیا اور داؤد علیہ السلام نے اُس کی عورت سے نکاح کر لیا اور اس سے حضرت سلیمان پیدا ہوے اُن کے پاس دو فرشتے بصورت انسان فتوے پوچھنے کو آئے اور اُنھون نے بیان کیا

خصمان بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الی
سواء الصراط یعنی ہم دو جھگڑنے والے ہین ایک نے دوسرے پر زیادتی کی
ہے تو ہم مین حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور زیادتی مت کر اور ہم کو سیدھی راہ بتا دے
حضرت داؤد نے کہا بیان کرو ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا ان ھذا
اخی لہ تسع وتسعون نعجۃ ولی نعجۃ واحدۃ فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب
یعنی یہ جو میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوین بھیڑین موجود ہین اور میرے پاس
ایک بھیڑ ہے مجھ سے کہتا ہے کہ وہ ایک بھیڑ بھی مجھکو دیدے تاکہ سو پوری ہو جاوین
اور مجھ سے بات مین زبردستی کرتا ہے کہ مجھکو چھوڑتا نہین سو یہ نتوے اس رمز کا
تھا یعنی حق سبحانہ تعالےٰ نے چاہا کہ تنبیہ فرمائے کہ جب نبی سے ایسا فعل وقوع
مین آئے کہ کسی شوہر دار عورت کے خاوند کو قتل کروا کر اُس کی بی بی کو اپنے نکاح
مین لائے تو اورون سے کیا بعید ہوگا **جواب** فرقہ حشویہ کا یہ محض افترا ہے تحقیق
اور اقرب بہ صحت اس طرح پر ہے کہ اوریا نے ایک عورت کے مان باپ کے
پاس نکاح کے لیے پیام بھیجا اور باہم بات چیت ہوکر نکاح کی تیاری ہو گئی اتفاقاً اوریا
کے ساتھ اُس عورت کے مان باپ کی ناچاقی ہو گئی انھون نے نکاح نکیا حضرت داؤد
نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس سے قبل حضرت داؤد کی ایک کم سو بی بیان
تھین پوری سو ہو گئین زاد المسیر مین لکھا ہے کہ عتاب الٰہی داؤد علیہ السلام پر اس وجہ
سے ہوا کہ اوریا کی منگنی اور پیغام ہو جانے کے بعد حضرت داؤد نے نکاح کیا اور
داؤد علیہ السلام کا سپاہی کو جہاد مین بھیجنا گناہ نہ تھا اور اس کے شہید ہونے کے
بعد اُس کی بی بی سے نکاح کرنا گناہ نہ تھا اور اسی طرح اچانک نظر پڑجانے کے بعد
حسین عورت کا مرغوب دل ہونا بھی بے اختیاری ہے اس مین ہر بشر مجبور ہے یہ گناہ
نہین مگر ان کی اولو العزمی کی شان سے یہ بات بعید تھی لہذا عتاب ہوا پھر توبہ کی۔

حضرت سلیمان

پنجشم۵ حضرت سلیمان پریون گناہ ثابت کرتے ہین (۱) قرآن مین آیا ہے
اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد یعنی جس وقت حضرت سلیمان کے سامنے
تیسرے پہر کو خاصے گھوڑے پیش کیئے گئے تفصیل مقام یہ ہے کہ حضرت سلیمان
کے پاس کچھ گھوڑے آئے وہ بعد نماز عصر اُن کے دیکھنے مین مصروف ہوئے اخیر
دن مین ایک ورد پڑھا کرتے تھے وہ فوت ہوگیا اور بعض کہتے ہین کہ بسبب اوس
تماشے کے عصر کی نماز قضا ہوگئی اور آفتاب پردے مین چھپ گیا اس وقت حضرت سلیمان
نے کہا انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب
یعنی مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے دوست رکھا یہانتک کہ سورج
غروب ہوگیا پس گھوڑون کی دل لگی مین نماز کا فوت کردینا اور یاد الٰہی سے غافل ہوجانا
گناہ ہے **جواب** آیت مذکور مین نماز کے قضا ہونے کی تصریح نہین اور اگر سہواً
قضا ہو بھی گئی تو گناہ نہین اور یہ جو انھون نے کہا انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی
اس کے معنے یون ہین کہ مینے مال کی محبت بسبب ذکر یعنی حکم پروردگار اپنے کے
چاہی نہ اپنے نفس کی خواہش اور دنیا کی ہوس سے اس لیے کہ گھوڑون سے محبت
رکھنا اُن کے دین مین اللہ کے حکم سے تھا پھر یہ جو حضرت سلیمان نے کہا
ردوہا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق اس کے یہ معنے ہین اُن کو میرے پاس
پھیر لاو پس اُن کی گردنون اور پنڈلیون پر (نہایت محبت کی وجہ سے) ہاتھ پھیرنے
لگے کیونکہ وہ جہاد مین کام آتے ہین اور جو لوگ یہ کہتے ہین کہ ہاتھ پھیرنے سے مراد یہ
ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑون کے پانون اور گردنین کاٹنے لگے یہ بالکل ضعیف ہے
کیونکہ مسح کرنے کے معنے کاٹنے کے کسی صورت سے درست نہین ہوتے اور
توارت بالحجاب کے یہ معنے کہ سورج پردے مین چھپ گیا خلاف مقام ہین اگرچہ لفظ
عشی کا قرینہ اُس پر بھی کچھ دلالت کرتا ہے مگر حق یہ ہے کہ توارت کی ضمیر صافنات کی

طرف راجع ہے اور بوجہ مذکور ہونے صافنات کے یہی اولے ہے اور اس تقدیر پر مطلب
یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑون کے دوڑانے کے لیے حکم دیا یہان تک
کہ وہ چھپ گیے یعنی حضرت سلیمان کی نظر سے غائب ہو گئے پھر حکم دیا کہ ان کو لوٹاؤ
پس جب اُن کے پاس پہونچے تو حضرت سلیمان نے اُن کی پنڈلیون اور گردنون
پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا (۲) قرآن مین ہے ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ
جسدا ثم اناب قال رب اغفر لی۔ ہم نے سلیمان کو جانچا اور
اُس کے تخت پر ایک بدن ڈالدیا پھر اُس نے کہا اے رب مجھکو معاف کر کیفیت
اس واقعہ کی اس طرح پر ہے کہ حضرت سلیمان نے سنا کہ ایک جزیرے مین صیدان
نام ایک بادشاہ بت پرست رہتا ہے آپ جہاد کے لیے وہان چڑھ کر گئے بادشاہ
مارا گیا اُس کی بیٹی نہایت خوبصورت تھی حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح کر لیا
وہ لڑکی رات دن باپ کے غم مین روتی رہتی تھی حضرت سلیمان نے جب اُس سے
سبب رونے کا پوچھا تو اُس نے کہا کہ تم میرے باپ کی صورت پتھر کی دیودن
سے تیار کرا دو صبح و شام اُس کو دیکھ کر دل کو تسلی کرتی رہون حضرت سلیمان نے
اُس کی خاطر سے سنگی تصویر اُس کے باپ کی بنوا دی لڑکی اپنی موروثی عادت
کے موافق مع اپنی لونڈیون کے اُس تصویر کی پرستش کرنے لگی اور چالیس دن
یہی حالت حضرت سلیمان کے مکان مین رہی یہان تک کہ اُن کے وزیر آصف
کو خبر پہونچی اُس نے حضرت سلیمان سے صورت واقعہ عرض کی اُنھون نے محل
مین جا کر بت کو توڑا اور اس لڑکی پر بہت خفا ہوے اور خلوت خانے مین زمین
پر بیٹھ کر استغفار مین مشغول ہوے حضرت سلیمان استنجے کو جاتے تھے تو انگشتری ایک
خادمہ کو سپرد کر جاتے تھے اُس مین اسم اعظم لکھا ہوا تھا ایک جن تھا صخر نام اس
خادمہ کو بہکا کر انگشتری لے گیا اپنی صورت حضرت سلیمان کی سی بنائی اور تخت پر

بیٹھ کر حکومت کرنے لگا حضرت سلیمان کو یہ حال معلوم ہوا تو اس خوف سے نکل گئے کہ مجھکو مروا نہ ڈالے ایک گانون مین چھپ کر رہے جب ان کا قصور خدا نے معاف کیا تو چھ مہینے کے بعد شراب کے نشے مین وہ انگشتری صخر کے ہاتھ سے دریا مین گر پڑی مچھلی نگل گئی وہ شکار ہوئی اُس کے پیٹ مین سے وہ انگشتری نکلی اور حضرت سلیمان کو مل گئی بلکہ اپنے تخت سلطنت پر پھر آئے **جواب** اس حکایت کو حشویہ نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے قرآن مین اسکا پتا نہین اور کسی طرح قابل قبول نہین کیونکہ اگر جن و شیطان انبیا کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہون تو علما اور زہاد کے ساتھ بالاولے کر سکتے اور پھر انکو قتل بھی کر ڈالتے اور اُن کی تصانیف کو خراب کر دیتے اور اُن کے گھرون کو ویران کر دیتے حالانکہ یہ ممکن نہین تو اکابر انبیا کے ساتھ شیاطین کا یہ معاملہ کیسے واقع ہو سکتا علاوہ اس کے ذات باری کے یہ لائق کب ہے کہ وہ جن یا شیطان کو ازواج سلیمان علیہ السلام پر مسلط کر دیتا کیونکہ یہ بات نہایت قبیح ہو اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر حضرت سلیمان کے حکم سے وہ بت تراشا گیا تھا تو اس فعل سے اُن کے کافر ہو جانے مین کلام نہین اور اگر اس عورت نے اپنی رائے سے ایسا کیا تھا اور حضرت سلیمان محض بے خبر تھے تو یہ گناہ اُس عورت کا تھا حضرت سلیمان کو ناکردہ گناہ کیون فتنے مین ڈالا گیا بلکہ اصل واقعہ اس طرح ہے کہ جسد سے مطلب عبارت بدن پسر سلیمان علیہ السلام سے ہے کہ اس کی وجہ سے وہ فتنے مین پڑے چنانچہ ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ حضرت سلیمان نے ایک شب یہ چاہا کہ اپنی ستر عورتون سے اور ایک روایت کے بموجب سو عورتون سے صحبت کرین تا کہ ہر ایک سے ایک ایک بیٹا پیدا ہو جو اللہ کی راہ مین جہاد کرین فرشتے نے حضرت سلیمان کے دل مین ڈالا انھون نے انشاء اللہ کہنے سے تغافل کیا اور اُن سے صحبت کی شریا نسوا

عورتون مین سے ایک کو حمل رہا آدھا آدمی جنی کہ نصف انسان طولائی تھا یعنی ایک آنکھ اور ایک کان اور ایک ہاتھ اور ایک پانون حضرت نے فرمایا کہ قسم ہے اسکی جسکے ہاتھ مین محمد کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہتے تو ہر عورت سے بیٹا پیدا ہوتا اور راہ خدا مین سوار ہوکر جہاد کرتے انتہے دائی نے وہ لڑکا لاکر ان کے تخت پر رکھدیا سلیمان علیہ السلام سے یہ لغزش ہوئی اور اُن کے لیے حق سبحانہ کی طرف سے امتحان تھا اور اسی لیے انشاء اللہ نہ کہنے پر متنبہ ہوکر توبہ کی اور جناب حق کی طرف رجوع کی سو حضرت سلیمان کا فتنے مین پڑنا بوجہ گناہ کے نہ تھا بلکہ ترک انشاء اللہ کی وجہ سے تھا

ششم حضرت یونس کا یہ گناہ ثابت کرتے ہین کہ اُنھون نے بادشاہ ملک نینواہ موصل سے جو عراق وشام مین واقع ہین کہا کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہا کردے اُوس نے ان کا کہنا نہ سنا آخر الامر یہ غصے مین آئے اور جناب الٰہی مین عرض کی کہ یہ لوگ میرا قول قبول نہین کرتے اور قیدیون کو نہین چھوڑتے وحی آئی کہ اُن کو ہمارے عذاب سے ڈرا پھر اگر تیرے کہنے پر ایمان نہ لائین گے تو اُن پر ہمارا عذاب نازل ہوگا حضرت یونسؑ کوچہ و بازار مین کہتے پھرے کہ خبر شرط ہے جلد اپنے بادشاہ سے کہو اگر میری بات پر ایمان نہ لائے گا تو عذاب الٰہی آئے گا انھون نے کہا کہ نزول عذاب کی کچھ میعاد مقرر کرو حضرت یونس نے کہا کہ چالیس۴۰ روز تک ہمارے تمھارے درمیان قرار ہے چالیس دن مین اگر تم ایمان لائے تو فبہا ورنہ ہلاک ہوجاوگے رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہوئی بادشاہ اور اس کے ارکان نے سنکر استہزا اور تمسخر کرنا شروع کیا اور کہا یہ فقیر مجنون ہے اس کو خبط ہوگیا ہے حضرت یونس نے جناب الٰہی مین عرض کی کہ بار خدایا مینے انسے چالیس دن کا وعدہ کیا ہے یہ قول راست کرو ورنہ مین خفیف ہوؤن گا اور مجھکو مار ڈالین گے حق تعالےٰ نے فرمایا کہ تم نے جلدی کیون کی کہ چالیس۴۰ روز کا وعدہ کرلیا اب صبر کرنا چاہیے آخر ان کا ایمان مقدر ہے راہ راست

پر آجائینگے حضرت یونس اس بات سے بہت دل تنگ ہوے جب ایک مہینہ انکے وعدے سے گذرا اس شہر سے مع قبائل نکلے راستے مین دریا مین گراے گئے مچھلی نے اُن کو لقمہ کرلیا وہان استغفار کیا سو باہر آے چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے۔ وذوالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمات ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاستجبنا لہ ونجیناہ من الغم مچھلی والا یعنی یونس جب خفا ہوکر چلا گیا پس سمجھا کہ ہم اس کو نہ پکڑ سکینگے پھر ان اندھیرون مین پکارا کہ سوا تیرے کوئی حاکم نہین مین گناہگارون مین سے تھا ہم نے اس کی دعا سن لی اور اُس غم سے نجات دی حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت یونس سے چار باتین ظہور مین آئین ایک تو بے حکم الٰہی اُن لوگون سے عذاب آنے کا دن مقرر کردیا دوسرے غضب کی حالت مین وہان سے کہین چلدئے اور غضب گناہ ہے اور تیسرے گمان کیا کہ اللہ قادر نہین ہے اور قدرت آلٰہی مین شک کرنا کفر ہے چوتھے اپنی نسبت ظالم ہونے کا اعتراف کیا اور ظلم بھی گناہ ہے اسی لیے خداے تعالےٰ نے حضرت کو ارشاد کیا ہے فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اپنے رب کے حکم پر صبر کر اور یونس کی طرح مت ہو جواب اس کا یہ ہے کہ بے حکم آلٰہی وعدہ کردینا گناہ نہ تھا کیونکہ اسی لیے بھیجے گئے تھے اور وہ غصے جو ہوے تو محض اللہ کے لیے اُن کے کفر کرنے پر غصے ہوے تھے تو یہ غضب ناک ہونا بھی گناہ نہ تھا اور فظن ان لن نقدر کے یہ معنے نہین کہ انھون نے اللہ کو صاحب قدرت نہ جانا بلکہ اس لفظ سے یہان تنگ کرنا مراد ہے یعنی انھون نے یہ گمان کیا کہ اللہ اُن پر تنگی نہین کرے گا جیسا کہ اللہ کے اس قول مین ہے اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر یعنی اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور اپنی نسبت ظلم کا اعتراف کرنا گریہ وزاری مین

سابقے کے طور پر محض انکسار نفس اور تواضع اور ترک اولے کے سبب سے تھا اور
وہ ترک اولے یہ ہے کہ قوم مین سے بغیر وحی کے چلے گیے اور لاتکن کصاحب الحوت
کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس کی طرح تم شدت ومحنت مین بے صبر مت ہو و
تاکہ تم کو بڑے بڑے مرتبے حاصل ہون اور اپنے صبر کا عمدہ عوض پاؤ اور چونکہ حضرت یونس
کا توکل نکرنا اور وہان سے چلا جانا علو شان کے منافی تھا اس لیے عتاب آیا کچھ گناہ
حضرت یوسف
کی وجہ سے عتاب نہ تھا **ہفتم** یوسف علیہ السلام کی نسبت قرآن مین ہے کہ
جب زلیخا نے ان کو اپنے خلوت خانے مین لیجا کر اصرار کیا تھا کہ مجھ سے صحبت کرو تو
اُنھون نے بھی زلیخا پر قصد بد کر لیا تھا جس سے اُن کی عصمت نرہی کما قال اللہ تعالی
لقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ تحقیق زلیخا نے یوسف کا اور یوسف
نے زلیخا کا قصد کیا اگر یہ نہوتا کہ اپنے رب کی قدرت دیکھے **جواب** یوسف علیہ
السلام سے گناہ صغیرہ سرزد ہوا کیونکہ یہ قصد کرنا گناہ صغیرہ ہے نہ کبیرہ چنانچہ بخاری
ومسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے فزنا العین
النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک ویکذبہ
یعنی آنکھ کا زنا دیکھنا یعنی نظر حرام ہے اور زبان کا زنا بولنا یعنی نامحرم عورتون سے
کلام شہوت انگیز کرنا ہے اور نفس آرزو وخواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق
وتکذیب کرتی ہے یعنی اگر صحبت کر لی تو سب بوس وکنار ومساس وغیرہ کبائر ہوگئے
ورنہ صغیرہ کے صغیرہ رہے پس اب اس کی دو توجیہین یا یہ کہا جاے کہ صغیرہ قصداً
بعض اہلسنت کے نزدیک بعد نبوت کے سرزد ہونا ممکن ہے یا موافق جمہور کے
یون کہا جاے کہ ہنوز یوسف علیہ السلام نبی نہوے تھے چنانچہ آن کا قصہ اس پر
دلالت کرتا ہے اور نبوت سے قبل صغیرہ عمداً ہونا بالاتفاق جمہور کے نزدیک
برادران یوسف
ممکن ہے **ہشتم** یوسف علیہ السلام کے بھائیون کی نسبت قرآن مین

مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوین مین ڈالا اور پھر چند دراہم کو بیچ دیا اور باپ کے روبرو دروغ بات بیان کی کہ یوسف کو بھیڑیا لے گیا **جواب** یوسف علیہ السلام کے بھائیون کی نبوت مین اختلاف ہے پس جن کے نزدیک وہ نبی نہین تو کچھ اعتراض نہین اور جن کے نزدیک وہ نبی ہین تو یہ افعال اُن سے نبوت سے قبل سرزد ہوے۔

حضرت محمد

نہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح نکتہ چینی کرتے ہین (۱) حضرت نے جب کے مین دیکھا کہ میری قوم دین اسلام کی طرف مائل نہین ہوتی تو اللہ سے یہ خواہش کی کہ کوئی ایسی چیز نازل کرے جس سے اُن کا دل میری بات کے سننے کی طرف مائل ہو تو اللہ تعالے نے سورۂ والنجم نازل کی پس جب حضرت مسجد الحرام مین اُس کو پڑھنے لگے اور اس مقام پر آئے افرایتم اللات والعزٰی ومنٰوۃ الثالثۃ الاخرٰی بھلا تم دیکھو تو لات اور عزے کو اور منات تیسرا پچھلا ان الفاظ کے بعد آپ نے یہ کہا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بت معزز ہین اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے جب مشرکون نے یہ الفاظ سنے تو بہت مسرور ہوے اور جب حضرت آیت سجدہ پر پہونچے اور سجدہ کیا تو انھون نے بھی کیا چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح مین ابن عباس سے روایت کی ہے سجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنجم وسجد معہ المسلمون والمشرکون اور آپس مین بولے کہ محمد نے ہمارے معبودون کا ذکر خوبی کے ساتھ کیا اور اُن کے واسطے شفاعت ثابت کی اور ہم کو بھی اُن کے حق مین اسی قدر اعتقاد ہے نہ یہ کہ ہم اُن کو پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا اور زندہ کرنے والا یا مارنے والا جانتے ہین اور جبکہ محمد نے بھی ہمارے ساتھ اس امر مین اتفاق کرلیا ہے تو ہم بھی اُن سے صلح کرتے ہین اور آئندہ اُن کو اور اُن کے یارون کو ایذا و تکلیف ندین گے جبرئیل حضرت کے پاس

تلک الغرانیق العلی منہا الشفاعۃ عند ذی

آئے اور کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا کہ جو چیز مینے آپ کو نہ بتائی تھی وہ آپ نے لوگون سے بیان کی حضرت نہایت غمگین ہوے اور اللہ کے غصے سے ڈرے تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیتہ واللہ علیم حکیم یعنے تجھ سے پہلے جو رسول یا نبی بھیجا تو جب اُس نے تلاوت کی شیطان نے اُس کی تلاوت مین کچھ اپنی طرف سے ملا دیا پس اللہ شیطان کا ملایا منسوخ کرتا ہے پھر اپنی باتین مضبوط کرتا ہے جب یہ آیت مشرکون نے سنی تو آپس مین کہنے لگے کہ محمد نے جو ہمارے معبودون کی وہ منزلت خدا کے نزدیک ہونا بیان کی تھی اب اُس قول سے پشیمان ہو گئے ہم بھی اس صلح کو قائم نہین رکھتے اور پھر مسلمانون کو ایذا پہونچانا شروع کیا **جواب** یہ واقعہ بعض زندیقون نے اپنی طرف سے بنالیا ہے کیسے ہوسکتا ہے کہ جس ذات پاک کی شان مین اللہ یون فرمائے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ اپنی خواہش سے نہین بولتا یہ تو حکم ہے جو اس کو پہونچتا ہے اور پھر وہ بتون کی تعریف کے الفاظ اپنی زبان پر جاری کرے اور یہ سراسر محال ہے کہ حضرت قرآن مین کچھ اپنی طرف سے زیادہ کر دیتے اور خاصکر جو بات ان کی پچھلی باتون کے خلاف ہو وہ کس طرح کہتے بخاری و مسلم کی روایت کو ارباب صحاح نے بہت سے طریقون کے ساتھ روایت کیا ہے مگر کسی مین غرانیق کا ذکر نہین اور اس مین شک نہین کہ حضرت پر بتون کی تعظیم کا اتہام سراسر کفر ہے تمام محدثین کا اس کی نسبت یہی قول ہے مگر ابو حاتم اور ابن جریر اور طبری اور ابن منذر اور ابن اسحاق اور موسے بن عقبہ اور معشر وغیرہ بہت سے علمائے محدثین نے اس کو بذریعہ سعید بن جبیر کے ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اُسکے تمام طریق مرسل ہین سوائے ایک طریق کے اور وہ یہ ہے کہ امیہ بن خالد نے شعبہ سے اور اُس نے ابی بشر سے اور اُس نے

سعید سے اور سعید نے ابن عباس سے روایت کی ہے لیکن بزار کہتے ہین کہ ہم کو اس حدیث کی کوئی ایسی روایت نہین ملی جو متصل ہو جس طریق سے یہ معروف ہے وہ یہی ہے کہ کلبی نے ابو صالح سے اور اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور کلبی بڑا جھوٹا آدمی ہے پس اس کے موضوع ہونے مین کلام نہین اور اس کی متن اور سند دونون مین اضطراب ہے اور بوجہ تناقض وغیرہ کے ضعیف بھی ہے مگر اس مین شک نہین کہ اس قصے کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور ہوگی ورنہ کیا وجہ تھی کہ مشرک سجدہ کرتے مسلمانون نے تو حضرت کی متابعت کی وجہ سے سجدہ کیا تھا اور جب اس کی صحت تسلیم کرینگے تو اس کے واسطے کوئی ایسی توجیہ بیان کرنا چاہیے جس سے اعتراض وارد نہو سکے بہت سی وجوہ کے ساتھ علمانے اس کی تردید بیان کی ہے بعض کہتے ہین کہ جب مشرکین نے سنا کہ حضرت نے ہمارے معبودون کا نام لیا تو خیال کیا کہ مبادا آگے چلکر کچھ اور ہجو کرین تو جلدی سے یہ الفاظ بول اُٹھے اور حضرت کی تلاوت مین اپنے الفاظ ملا دئے اور اللہ تعالےٰ نے آیت مین شیطان کی طرف اس امر کو اس لیے منسوب کیا ہے کہ وہی دراصل ان باتون کو شیاطین انس سے کراتا ہے اور بعض کہتے ہین کہ حضرت سورۂ والنجم قرارت اور وقف اور سکون کے ساتھ بطور آیات پڑھ رہے تھے پس شیطان نے سکتے کے بعد حضرت کی سی آواز نکالکر یہ الفاظ کہدے جس نے سنے وہ حضرت کی زبانی سمجھا اور پھر یہ مشہور ہو گیا صاحب مواہب لدنیہ اور قاضی ابن العربی مالکی نے اس وجہ کو پسند کیا ہے **سوال** یہ تمام توجیہات اُس صورت مین ہین کہ جب قصے کی اصل مان لی جاے اور اگر جھوٹ کہا جاے تو پھر معنی اُس آیت کے کیا ہونگے اور اُس سے کیا مراد ہوگی کہ اگر شیطان اگلے انبیا کی تلاوت مین کچھ اپنی طرف سے ملا دیتا تو اللہ تعالےٰ اُن احکام کو منسوخ کر دیتا **جواب** اگر قصے کو صحیح مانا جاے تو اس وقت مین امنیت کے معنے تلاوت کے لیے جائینگے اور وضع

وبطلان کی تقدیر پر معنے اُس کے آرزو اور خیال اور خواہش نفسانی اور میل
وشغل دنیا و وسوسہ و سہو باطن کے ہونگے اور یہ باتین انبیا کے حق مین جائز ہین بشرطیکہ
اس پر جمے نرہین اور اصرار نکرین بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا
ہے کہ انبیا سے سہو واقع ہونا اور ان کی خاطر مین وسوسہ داخل ہونا جائز ہے۔

آنحضرت کے گناہون کی معافی

(۳) سورہ محمد مین اللہ فرماتا ہے واستغفر لذنبک یعنی اپنے گناہ کی معافی مانگ اور
سورۃ الفتح مین آیا ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر تا معاف
کرے اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ یہ آیات ظاہر الدلالت ہین اور ان سے بالبداہت
آپ کی نسبت گناہ مستفاد ہوتے ہین اور سراسر عصمت کے خلاف ظاہر ہوتا ہے
جواب علما نے اس کا کئی طرح جواب دیا ہے بعض کہتے ہین کہ گناہون سے
ایک چیز مراد ہے جو ایام جاہلیت مین پیش از نبوت واقع ہوئی تھی سبکی کے نزدیک
یہ قول مردود ہے اس لیے کہ حضرت جاہلیت مین اور پیش از نبوت اور بعد از
نبوت معصوم و پاک ہین اور مجاہد کہتے ہین کہ ما تقدم سے مراد قضیہ ماریہ قبطیہ اور
ما تاخر سے مراد قضیۂ زینب بنت جحش ہے سبکی نے کہا ہے کہ یہ قول بھی باطل
ہے اس لیے کہ قضیۂ ماریہ و زینب اصلاً و مطلقاً گناہ نہ تھا اور جار اللہ زمخشری
نے کشاف مین لکھا ہے اور قاضی بیضاوی نے بھی اس رائے کو قبول کیا ہی
کہ گناہ ما تقدم و ما تاخر سے مراد جمیع لغزشہاے گذشتہ و آئندہ ہین کہ محل عتاب کیا
سبکی کہتے ہین کہ یہ قول بھی مردود ہے اس لیے کہ انبیا علیہم السلام کی عصمت
ثابت ہے اور ابن عطیہ کہتے ہین کہ خاصکر آنحضرت کی عصمت تو ایسی اتم و اکمل
ہے کہ آپ سے کبھی بھولے سے صغائر و قلیل بھی صادر نہین ہوے ایک سر
غامض اور اس مقام پر قابل اظہار ہے وہ یہ کہ جس طرح امرا و رؤسا و سلاطین کی یہ عادت
ہے کہ جب کسی اپنے مخصوص پر عنایت و مہربانی کرتے ہین تو اُس وقت یہ بھی

کہتے ہین کہ ہم نے تمھاری اگلی اور پچھلی خطائین معاف کین اور اُن سے ہمین مواخذہ نہین باوجودیکہ اُس آدمی سے کبھی خطا نہین ہوئی ہوتی ہے لیکن بوجہ مہربانی اور کرم کے ایسا کہہ کر نڈر کردیتے ہین یہی حال آنحضرت کا ہے کہ یہ فرمان الٰہی بوجہ صدور گناہ کے نہین بلکہ نہایت شفقت اور مہربانی سے اللہ تعالےٰ ایسا فرماتا ہے اور بعض محققین کا قول ہے کہ مغفرت کنایہ عصمت سے ہے پس معنے آیت لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کے یہ ہون گے لیعصمک اللہ فیما تقدم من عمرک وفیما تاخر یعنی تجھکو اللہ تعالےٰ اول عمر اور آخر عمر مین بچاے گا اور اس مین نہایت حسن قبول ہے اسی لیے بلغا نے اسالیب بلاغت قرآن سے گنا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حق تعالےٰ اپنے حبیب کو کہتا ہے کہ تو مغفور ہے گناہ پر ماخوذ نہین گو بفرض محال گناہ ہو اور بعض نے کہا ہے کہ گناہان واقع وغیر واقع کی بخشش کا ارادہ کیا ہے اور طبری وقشیری نے کہا ہے کہ مراد اس سے وہ گناہ ہین جو سہو وغفلت مین یا تاویل کے ساتھ سرزد ہون اور بعض نے کہا ہے کہ امت کے گناہ مراد ہین اور بعض کے نزدیک گناہ سے مراد ترک اولےٰ ہے اور ترک اولےٰ گناہ نہین ہے اس لیے کہ اولےٰ اور اُس کا مقابل دونون اباحت مین شریک ہین اور یہ بھی یاد رکھو کہ خواص عارف جب خیالات بشری کی وجہ سے غیر اللہ کی طرف التفات کرتے ہین تو وہ اُس سے بھی توبہ واستغفار کرتے ہین چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے کہ میرے دل مین غین آجاتا ہے تو اُس سے مین دن بھر مین اللہ سے سو بار معافی مانگتا ہون انتہے غین لغت مین ابر کو کہتے ہین ایک ابر سا آپ کے دل پر کبھی ہوجاتا تھا علما نے اس ابر کی تفسیر یون کی ہے کہ اگرچہ آپ افضل المخلوقات تھے لیکن پھر بشر تھے سو کبھی بتقاضاے بشریت آپ کو یاد الٰہی سے کچھ ذراسی غفلت ہوجاتی تھی تو وہ آپ کے لیے بسبب علو شان

حضرت کے دل پر ابر سا آجانا

کے گناہ تھا اور اُس سے آپ کے دل پر پردہ سا آجاتا تھا اُس سے استغفار فرمایا کرتے
تھے اور قرآن مین بھی لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتاخر سے یہی گناہ مراد ہے کہ اتنی
غفلت بھی آپ کی علوشان کے برخلاف تھی سو اوس کو اللہ نے معاف کر دیا اور آئندہ
جو بتقاضاے بشریت کبھی ہو جاوے تو وہ بھی معاف فرمایا پس قرآن مین یہان گناہ سے
مراد کبائر و صغائر نہین جیسا کہ بعض یہود و نصارے اپنی عداوت قلبی سے یہ مراد لیتے
ہین اور آپ کو گناہ گار قرار دیکر قابل شفاعت نہین سمجھتے ہین کیونکہ اگر گناہ سے یہان
کبائر و صغائر مراد ہون تو گویا اللہ تعالے آئندہ گناہ کرنے کی حضرت کو اجازت دیتا ہے
کہ پہلے اور پچھلے گناہ ہونگے معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہے سو یہ امر شان رسالت کے
بالکل خلاف ہے پس گویا یہود و نصارے اللہ تعالے مین عیب ثابت کرتے ہین کہ
اُس کو عبث اور لغو کا کرنے والا کہتے ہین کیونکہ جب رسول خلق کی ہدایت کو بھیجا پھر رسول
کو گناہ کرنے پر آمادہ کیا تو اس رسول کا ہدایت کے لیے بھیجنا عبث اور لغو ہو گیا بلکہ لوگ
رسول کو دیکھ کر اور زیادہ گناہ کر کے گمراہ ہونگے اور اگر علے سبیل فرض المحال ان مخالفون
کی بات کو تسلیم کرلین تب بھی سرور کائنات مین کچھ عیب اور نقص نہین کیونکہ اللہ نے
جب بندے کو معاف کر دیا تو صاف ہو گیا پھر وہ اور کی شفاعت کرے تو کیا محال ہے
ہان اگر معاف نہ کیا جائے اور مجرم ہو تو البتہ اُس سے شفاعت غیر کی عقل کے نزدیک
غیر مسلم ہے (۳۳) محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے مرضی آلہی کے خلاف کیا کہ اسیران بدر
کو فدیہ لے کر رہا کر دیا اور یہ بات خداے تعالے کو ناپسند ہوئی اور یہ آیات عتاب
نازل کین ماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ
یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب
الیم نبی کو یہ لائق نہ تھا کہ اس کے ہان قیدی آئین یہان تک کہ ملک مین خونریزی
کرے تم دنیا کا اسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ زور آور حکمت والا ہے

یہود و نصاریٰ حضرت کو قابل شفاعت نہیں سمجھتے

اسیران بدر سے فدیہ لینا

خطاے اجتہادی

اگر اللہ کی طرف سے لکھا ہوا نہ ہوتا کہ پہلے گذر اتو تم کو اُس لینے مین عذاب پہونچتا **جواب** یہ عتاب خطاے اجتہادی کے سبب سے تھا مگر اس سے گناہ لازم نہین آتا اس لیے کہ حکم اجتہاد برا اور ناقص نہین ہوتا اور بعض کی راے یہ ہے کہ ترک اولی کی وجہ سے یہ عتاب ہوا تھا کہ قتل کرنے کے بھی اور فدیہ لینے کے بھی مجاز تھے مگر قتل اولے تھا اور ترک اولے گناہ نہین مگر یہ قول نہایت بعید ہے اس لیے کہ ایسی سخت وعید ترک اولے پر واقع نہین ہوتی ہے (۴) آنحضرت ایک دن زید کے مکان مین

زینب سے نکاح کرنے کا قصہ

آئے وہ تو نہ تھے اُن کی منکوحہ زینب کوٹھری مین بیٹھی ہوئی تھین سر سے خوشبو بس رہی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول کر اندر گھس گئے زینب کو دیکھا تو اچھی معلوم ہوئی اور دل پر چڑھ گئی بولے سبحان اللہ مولف القلوب یعنی بزرگ ہے اللہ دلون کا پھیرنے والا کہ پہلے جب زید کے لیے زینب کو چاہا تھا تو آپ کے نفس نے زینب کی خواہش نہین کی تھی ورنہ زینب کے ورثا آپ کو دینے کو راضی تھے زینب نے آپ کا کلام سن لیا اور زید جب مکان مین آئے تو اون سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہان آئے تھے اور مجھے دیکھ کر یہ کہنے لگے زید اپنے دل مین سمجھ گئے کہ رسول اللہ کو زینب اچھی معلوم ہوئی اور اس سے مواصلت چاہتے ہین پھر زینب سے زید نے کہا کہ شاید رسول اللہ کی تجھ پر طبیعت آگئی ہے اگر تو بھی راضی ہے تو مین تجھے طلاق دیدون تاکہ رسول اللہ تجھسے نکاح کرلین زینب بولی مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم نے طلاق دی اور انھون نے بھی نکاح نہ کیا تو پھر مین کہین کی نہ ہونگی اللہ تعالی نے اپنے رسول کی خاطر سے زید کے دل مین زینب کی صحبت سے کچھ ایسی کراہیت پیدا کردی کہ وہ رسول اللہ کے پاس آے اور عرض کی کہ مین چاہتا ہون کہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدون حضرت کا دل اگرچہ زینب کے عشق سے لبریز تھا مگر کچھ سوچ کر منع کر دیا مگر زید نے نہ مانا اور طلاق دے ہی دی جب عدت کے

دن پورے ہو چکے تو حضرت نے اُس سے اپنا نکاح کر لیا مخالفین اس مقام میں
کہتے ہین کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی کیسی عصمت تھی کہ پرائی عورت کو دیکھ کر عاشق ہو گئے
عشق عصمت کے خلاف ہے اور زینب کے طلاق دینے سے منع کرنا حضرت کا
دلی منشا کے خلاف تھا کیونکہ اُس سے محبت رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ زید طلاق
دے تو مین نکاح کر لون مگر دل مین اس کو چھپاتے تھے اور بظاہر زید کو طلاق دینے
سے روکتے تھے اس لیے اللہ تعالے نے عتاب کیا تخفی فی نفسک واللہ مبدیہ و
تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ یعنی تم اپنے جی مین اُس بات کو چھپاتے ہو جس کو
اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگون سے ڈرتے ہو حالانکہ تم کو اللہ سے زیادہ
ڈرنا چاہیے کیونکہ پیغمبر کی شان کے یہ خلاف ہے کہ اُس کے دل مین کچھ ہو اور زبان سے
کچھ اور کہے تمھاری شان یہ نہین کہ دل اور زبان مختلف ہو اللہ چاہتا ہے کہ انبیا کا
ظاہر و باطن یکسان ہو اور ان کے کامون اور حالات اور معاملات اور بات چیت اور
طریقے مین فرق کبھی نہ پڑے ایک طور پر ہمیشہ رہین پس اللہ تعالے کی مرضی تھی کہ جب
آپ سے زید نے آکر کہا کہ مین اپنی زوجہ کو طلاق دینے والا ہون تو آپ کو مناسب یہ تھا
کہ صاف کہدیتے کہ تو اُسے طلاق دیدے میری خوشی ہے کہ اس سے نکاح کرون
اس لیے اُس چیز مین عتاب کیا جس کو چھپائے رکھتے تھے اور وہ تعلق قلب تھا جس
کا ظاہر کرنا لوگون کے سامنے برا جانتے تھے سو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات دراصل
بری ہو گی کیونکہ عمدہ اور جائز بات کے چھپانے مین کبھی نبی علیہ السلام نے کسی سے
حیا نہین کی اس کے اخفا مین جو کوشش کی سو یہ بات واقع مین بری ہو گی کیونکہ وہی
بات چھپائی جاتی ہے جو عقل و عادت دونون کے نزدیک قبیح ہوتی ہے جواب
صحیح حالت اس قصے کی یہ ہے کہ زینب بنت جحش رسول خدا کی پھوپی کی بیٹی تھین
حضرت نے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کرا دیا یہ زید اصل عرب تھے ایک ظالم لڑکین

[illegible]

مین پکڑے گیا تھا شہر مکہ مین بکے تھے حضرت نے مول لیا تھا پھر حضرت نے ان کو بیٹا
کرلیا زینب زید کے نکاح مین آئین تو وہ ان کی آنکھوں مین حقیر لگتے مزاج کی موافقت
نہوئی جب لڑائی ہوتی زید حضرت سے آکر شکایت کرتے اور کہتے اسے چھوڑتا ہون
حضرت منع کرتے کہ میری خاطر سے اُس نے مجھکو قبول کیا ہے اب چھوڑنا دوسری
ذلت ہے جب بار بار قضیہ ہوا حضرت کے دل مین آیا اگر ناچار زید چھوڑے گا تو
زینب کی دل جوئی بغیر اُس کے نہین کہ مین نکاح کرون لیکن منافقون کی بدگوئی سے
اندیشہ کیا کہ کہین گے اپنے بیٹے کی جورو گھر مین رکھی حالانکہ لے پالک کو کسی بات
مین بیٹے کا حکم نہین اللہ تعالے نے زینب کی خاطر رکھی بعد طلاق کے حضرت کے
نکاح مین دیدیا اللہ کے فرماتے ہی نکاح بندھ گیا ظاہر نکاح کی حاجت نہوئی جیسے
اب کوئی اپنی لونڈی غلام کا نکاح باندھ دے اور اللہ تعالے کی آپ کے ساتھ
زینب کے نکاح کرنے مین مصلحت یہ تھی کہ جاہلیت مین لے پالک کی عورت کیساتھ
نکاح کرنا حرام جانتے تھے سو اللہ تعالے نے اس رسم کے مٹانے کی غرض سے
آپ کے ساتھ زینب کا نکاح تجویز کیا اور آپ نے جو منافقون کی بدگوئی کے اندیشے
سے تامل کیا تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ تو خدا سے ڈر اور اُس کے حکم کے
خلاف نکر لوگون سے خوف اور ڈر بے فائدہ ہے اور یہ سمجھنا کیا ضرور ہے کہ آپ
عشق و محبت اور تعلق قلبی کو چھپاتے تھے جس پر عتاب ہوا بلکہ ہو سکتا ہے کہ اپنے
دل مین اس بات کے افسوس کو چھپاتے ہون کہ زید نے کیون اسے طلاق دی اس
لیے کہ وہ زید کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتے تھے اور اپنی کوشش اور رائے سے اُس
کی شادی کرائی تھی یا اس بات کو چھپاتے ہون کہ قریب ہے کہ زید اپنی بی بی کو طلاق
دے گا اور عنقریب وہ میرے نکاح مین آئے گی اس لیئے کہ اللہ تعالے نے اس
بات کی آپ کو پہلے سے اطلاع دیدی تھی اور اللہ تعالے نے جو آپ کو عتاب کیا ہی

تو اُس کی وجہ یہ نہین ہے کہ تم نے صاف کیون نہین زید سے کہدیا کہ مین اس سے نکاح کرونگا تو طلاق دے دے اس لیے کہ یہ نہایت مکروہ اور بے شرمی کی بات تھی بلکہ یہ عتاب ترک ادب کی وجہ سے تھا اور ادب اس معاملے مین یہ تھا کہ آنحضرت خاموش رہتے یا زید سے کہدیتے کہ جو تیری راے ہو کر اور حاصل عتاب یہ ہے کہ تم نے کیون زید سے کہا کہ اپنی عورت کو طلاق مت دے حالانکہ تمھین خبر ہو چکی تھی کہ زید اُسے طلاق دے گا اور وہ تمھارے نکاح مین آئے گی تاکہ جو کچھ حضرت کے دل مین تھا اس مین اور زبانی بات مین اختلاف نہ واقع ہوتا کیونکہ یہ انبیا کی شان کے خلاف ہے اور یہ جو کہا کہ وہ بات جو حضرت چھپاتے تھے واقع مین بری ہو گی ورنہ چھپاتے نہین سو جواب اس کا یہ ہے کہ بہت سے کام ایسے ہوتے ہین کہ وہ فی نفسہ مباح اور حلال اور عمدہ ہوتے ہین ان مین کسی طرح کا عیب نہین ہوتا اور اللہ بھی انھین ناپسند نہین کرتا مگر وہ اس طرح کے ہوتے ہین کہ ناسمجھ اور بدگویون کے اعتراض کی وجہ سے اُن کو عقلا چھپاتے ہین ظاہر نہین کر سکتے اگرچہ جو لوگ علم و فضل رکھتے ہین وہ دیندار ہوتے ہین اُنکے نزدیک اظہار برا نہین ہوتا اور نہ عیب نکالتے ہین بہر صورت اوس وقت کے لوگون کا دستور تھا کہ وہ لے پالکون کی عورتون کے ساتھ نکاح کرنا حرام جانتے تھے اور لے پالکون کو اپنے صلبی بیٹون کی جگہ سمجھتے تھے اس لیے آپ نے بھی اس ارادے کو اس خوف سے چھپایا کہ منافق اور ناسمجھ لوگ کہین گے کہ اپنے بیٹے کی منکوحہ سے بھی نہین چوکے اگر واقع مین یہ کام برا ہوتا تو کیا اللہ تعالے حضرت کو اصل معاملے مین عتاب نہین کر سکتا تھا اور کیا اُن کو یہ حکم نہین دے سکتا تھا کہ تم اس شوق کو چھوڑ دو اور نفس کو زینب کی خواہش سے روکو اور اس کے پیچھے نہ پڑو اور کیا اللہ کو یہ قدرت نہ تھی کہ اپنے رسول کو عیب کے چپک جانے سے بچا لیتا اور اس چیز سے اُسے محفوظ رکھ لیتا جو اس کو مورد طعن و تشنیع کرتی اللہ تعالے نے یہ بات جتا دی کہ جس کو حضرت

چھپاتے ہین وہ اُسے ظاہر کرتا ہے اور اس سے صرف نکاح کرنے کا اظہار کیا اگر حضرت کو زینب کے ساتھ تعشق ہوتا تو اُسے بھی ضرور ظاہر کر دیتا اس تفصیل کے بعد معلوم ہو گیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قضیے مین کوئی گناہ سرزد نہین ہوا اور یہ جو بعض نکتہ چین نے کہا ہے کہ آنحضرت زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے تھے سو اُن کی عصمت پر خیال کر کے ایسی بات منہ سے نہ نکالنا چاہیے اور بالفرض اگر ہو بھی تو حسین عورت کا مرغوب دل ہونا بے اختیاری ہے اس مین ہر بشر مجبور ہے یہ گناہ نہین یہ جواب شرح مواقف مین مذکور ہے مگر میرے نزدیک یون جواب نہایت بہتر ہے کہ نبی بشر تھے اور قوت شہوت ان مین موجود تھی اس وجہ سے ایک خوبصورت کو دیکھ لیا تو اچھی معلوم ہوئی اور یہ بات عصمت کے منافی نہین ہان معصوم کی یہ صفت ہے کہ مقتضائے شہوت سے بچے اس مین کمال ہے کہ ایک چیز کا مادہ موجود ہوا اور پھر اُس کے مقتضے سے محفوظ رہے اور اپنے دامن پاک کو قوت شہوانی کے مطلوب سے آلودہ ہونے دے بعض مفسرون اور ارباب سیر نے اس مقام مین وہ کچھ لکھا ہے کہ منصب نبوت کے بالکل لائق نہین اور اہل تحقیق نے اسے زلات مفسرین سے شمار کیا ہے۔

(۵) حضرت ایک کافر کو سمجھاتے تھے اس مین ایک مسلمان نابینا آیا وہ اپنی طرف مشغول کرنے لگا کہ وہ آیت کیونکر ہے اُس کے معنے کیا ہین حضرت کو اس کا بے وقت کا دریافت کرنا ناگوار ہوا اللہ تعالے نے آپ کی اس بے اعتنائی سے ناخوشی ظاہر کی اور اس پر یہ آتین بھیجین عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی او یذکر فتنفعہ الذکری اما من استغنی فانت لہ تصدی وما علیک الا یزکی واما من جاءک یسعی وھو یخشی فانت عنہ تلہی تیوری چڑھائی اس سے کہ اس کے پاس اندھا آیا اور تجھکو کیا خبر ہے شاید کہ وہ پاک ہو جاتا یا نصیحت سنتا تو اس کو نصیحت فائدہ دیتی وہ جو پروا نہین کرتا سو تو اس کی فکر مین ہے اور تجھ پر کچھ

گناہ نہین کہ وہ نہین پاک ہوتا اور وہ جو تیرے پاس دوڑتا آیا اور وہ ڈرتا ہے سو تو اس سے تغافل کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو اندھے سے بے پروائی کی یہ سراسر گناہ تھا **جواب** یہ گناہ نہین ترک اولے ہے یعنی ایسا برتاو آپ کے اخلاق کے خلاف تھا اور چونکہ آپ نبی اولوالعزم تھے آپ کی شان یہ نہ تھی کہ کسی کے ساتھ کم توجہی کی جاے اس لیے عتاب بطور گلہ کے نازل ہوا (۶) خدا تعالیٰ فرماتا ہے لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین اگر تم شرک کروگے تو تمھارے عمل اکارت جائینگے اور تم خاسر ہوجاوگے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سے شرک بھی ظہور مین آتا تھا جس سے جناب باری نے اُن کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم شرک سے بچو کہ شرک محبط اعمال ہے **جواب** ایسا سمجھنا نادانی ہے یہ تو جملہ شرطیہ ہے جس کا تحقق ضروری نہین ہے اور اللہ تعالے یہ کب فرماتا ہے کہ تم شرک کرتے ہو بلکہ وہ تو بطور نصیحت کے کہتا ہے کہ اگر تم شرک کروگے تو تمھارے سب اعمال اکارت جائینگے سو ہم کہتے ہین کہ حضرت نے کبھی شرک نہین کیا اور یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ بادی النظر مین حضرت کی طرف خطاب ہے مگر حقیقت مین تعریض کے طور پر خطاب اورون کے ساتھ ہے (۷) حق تعالے فرماتا ہے ووجدک ضالا فھدی یعنی تجھکو راہ بھولا ہوا پایا پھر راہ بتائی یہ آیت اس بات پر صاف دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابتداء حال مین گمراہی مین مبتلا تھے جس کو حق تعالے نے اپنی ہدایت کے ساتھ دور کیا **جواب** مفسرین نے اس آیت کی تفسیر و تاویل مین کئی وجہین بیان کی ہین **اول** یہ کہ حضرت کو احکام شریعت مین نادان پایا پھر تعلیم و تلقین کے ساتھ ہدایت فرمائی اور یہ قول ابن عباس اور حسن اور ضحاک اور شہر بن خوشب سے مروی ہے **دوسرے** یہ کہ ضلال سے مراد یہ ہے کہ تو کفار مین مغلوب تھا پھر قوت و غلبہ عطا کیا کہ تو نے دین الٰہی ظاہر کیا **تیسرے** اکثر اوقات سردار و سرگروہ

کو مخاطب کرتے ہین اور مراد اس سے قوم ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے تیری قوم کو
گمراہ پایا پھر ہم نے بسبب تیرے اور تیری شرع کے ہدایت کی **چوتھے** یہ کہ شاید
کسی وقت مین حضرت سے سہو و نسیان واقع ہوا ہو جیسے کہ خطائے اجتہادی ہین اور
پھر حضرت کو حق تعالےٰ نے اس سہو و نسیان سے آگاہ کردیا اور حق و صواب کے
اوپر قائم کردیا کہ یہ آیت اُس کے امتنان و احسان مین نازل ہوئی **پانچوین** مراد
یہ ہے کہ اہل ضلال کے درمیان مین پایا اور ان کے سبب سے تیرے بھی جہل و گمراہی
مین پڑجانے کا مظنہ تھا پس تجھکو اس سے معصوم و محفوظ رکھا اور اُن کے ایمان کے
واسطے ہدایت کی جیسے کہ ان دونون آیتون مین اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے
دان کادوا لیفتنونک یعنی قریب تھا کہ تجھکو فتنے مین ڈالین اور لقد کدت ترکن الیھم
یعنی قریب تھا کہ تو ان کی طرف میل کرے **چھٹے** تجھے قرآن کے لطائف کے بیان مین
متحیر پایا پھر بذریعہ آیات کے ہدایت اور رہنمائی کی اور تشفی اور دلاسا فرمایا چنانچہ اللہ
آپ کی تسلی کے لیے کہتا ہے ثم ان علینا بیانہ یعنی تحقیق ہم پر اس کا بیان کرنا ہے
وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم یعنی ہم نے تیری طرف یہ ذکر اوتارا
تاکہ تو کھولدے لوگون کے لیے وہ چیز جو اُن کی طرف اتری ہے اور یہ جنید علیہ الرحمۃ
سے منقول ہے مگر تحقیق جو مطلب اس کا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت جوان ہوے
قوم کی راہ و رسم سے بیزار تھے اور اپنے پاس کوئی رسم و راہ نہ تھی پھر اللہ نے دین
حق نازل کیا سو اس کے جتنی توجیہات ہین ان سب سے یہی بہتر ہے (۸) اللہ
فرماتا ہے ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ہم نے تجھ سے تیرے
بوجھ کو اوتارا جس نے تیری کمر توڑی تھی یہ آیت ظاہر مین اس امر پر دلالت کرتی ہے
کہ بار گناہ سبب شکستگی پشت حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھا اور ایسا بڑا گناہ ضرور کیا
ہوگا **جواب** علما و مفسرین نے بہت سی وجوہ کے ساتھ اس شبہے کو دفع کیا ہے کہ

ان سب کے ذکر کرنے مین طوالت ہے اس لیے ایک وجہ بیان ذکر کرتا ہون کہ وزر سے مراد امت کے گناہ ہین جن کی وجہ سے ہمیشہ حضرت کے دل پر غم رہا کرتا تھا اللہ تعالے نے یہ آیت تسلی خاطر شریف کے لیے نازل فرمائی اور اس کے علاوہ یہ بھی ارشاد کیا وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یعنی اللہ کو یہ منظور نہین کہ ان کو باوجود ہونے تیرے کے ان مین دنیا مین عذاب دے اور آخرت مین قبول شفاعت کی بشارت بھی دی کہ ولسوف یعطیک ربک فترضی یعنی قریب ہے کہ تجھکو تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جاے گا (۹) اللہ فرماتا ہے یاایھا النبی اتق اللہ ولاتطع الکافرین والمنافقین اے نبی پرہیز کر اور خدا سے ڈر اور اطاعت و فرمان برداری کفار و منافقین کی نکر اس آیت سے عدم تقوے اور نافرمانی آلہی مین کفار کی اطاعت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ظاہر ہے **جواب** اس کلام سے مقصود الٰہی یہ ہے کہ اے نبی تقوے اور عدم اطاعت کفار پر ثابت قدم رہ امر ونہی یہان پر صرف انھین دو باتون کی استدامت اور استمرار کی غرض سے ہے نہ اس غرض سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تقوے نکرتے تھے اور کفار کے مطیع و منقاد تھے تو اللہ تعالے نے انھین تنبیہ کی اور بری باتون سے باز رکھنے اور تقوے کی طرف مائل کرنے کو ایسا فرمایا اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہر مین خطاب نبی کی طرف ہے اور مراد امت ہے اسی لیے فرمایا ان اللہ کان بما تعملون خبیر یعنی اللہ تمھارے عملون سے خبردار ہے اور بما تعمل نکہا اگر نبی ہی مقصود ہوتے تو بما تعمل کہتا (۱۰) حق تعالے فرماتا ہے فان کنت فی شک مما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک لقد جاءک الحق من ربک فلا تکونن من الممترین ولا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخاسرین یعنی اگر تو اس چیز سے شک مین ہے جو ہم نے تیری طرف اوتاری تو تو ان سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے سے

کتاب پڑھتے ہین بے شک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے یعنی قرآن تو تو شبہہ لانے والا مت ہو اور نہ اُن لوگون مین سے ہو جنھون نے اللہ کی باتین جھٹلائین پس تو بھی خراب ہونے والون مین سے ہو جائے گا۔ **جواب** مفسرون نے اختلاف کیا ہے کہ اس کلام کا مخاطب کون ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہین یا اُن کے سوا کوئی اور ہے جو لوگ آنحضرت کو مخاطب سمجھتے ہین انھون نے تین وجہین بیان کی ہین اول یہ کہ اگرچہ حضرت کی طرف خطاب ہے مگر فی الحقیقۃ لبطور تعریض کے مراد اور لوگ ہین جیسے اس آیت مین لئن اشرکت لیحبطن عملک یعنی اگر تو نے اللہ کا شریک مانا تو تیرے عمل ضائع ہو جائین گے اور جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے عیسے بن مریم کے باب مین کہا ہے أانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ یعنی کیا تو نے لوگون سے کہا ہے کہ مجھکو اور میری مان کو دو معبود سوا اللہ کے ٹھہراؤ غرض کہ اس روش کے کلام بہت مستعمل ہین جیسے کہ بادشاہ کسی امیر کو ایک قوم کے اوپر حاکم کرے اور کہے ایسا ایسا کرنا اگر اس کے خلاف کرے گا تو تجھکو سزا دون گا ظاہر مین خطاب امیر کی طرف ہوتا ہے اور مراد رعیت ہوتی ہے دوسری یہ کہ خدا خوب جانتا ہے کہ اس کا رسول شک کرنے والا نہین ہے لیکن جس طرح کبھی کبھی مہربانی اور محبت کی راہ سے باپ اپنے بیٹے کو اور آقا اپنے نوکر کو کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا اور میرا نوکر ہے تو میرے حکم کی تعمیل کر باوجودیکہ یقیناً جانتا ہے کہ یہ میرا بیٹا اور وہ میرا نوکر ہے لیکن تاکید کے لیے یہ بات کہتا ہے اسی طرح حق تعالےٰ تعریضاً و کنایۃً فرماتا ہے تیسرے یہ کہ مراد اس جگہ یہ ہے کہ کفار کی عداوت اور ایذا رسانی پر صبر کر اور اس حال کو پہلے کتاب پڑھنے والون سے دریافت کر اور اُن سے انبیاے ماتقدم کا حال پوچھ کہ انھون نے کیونکر صبر کیا اور اپنی قوم کی ایذا رسانی اور عداوت رانی پر استقلال رکھا پس انجام کار تائید سبحانی و نصرت یزدانی نے اُن کی دستگیری فرمائی اور انبیا کے دشمنون کو تباہ و برباد کر دیا چنانچہ قرآن شریف

نے بھی ان قصوں کو بیان کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت نے اس آیت کے نزول کے وقت
فرمایا تھا لا اشك ولا اسئل یعنی نہ مین شک کرتا ہون اور نہ مین پوچھتا ہون ابن عباس کہتے
ہین کہ خدا کی قسم آپ نے نہ شک کیا اور نہ پوچھا اور تائید اس بات کی کہ خطاب آیت
مذکور مین فی الحقیقۃ غیرون کی طرف ہے اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نہین اس آیت
سے بھی ہوتی ہے قل یا ایھا الناس ان کنتم فی شك من دینی الآیہ یعنی کہہ
ای محمد اے لوگو اگر تم میرے دین سے شک مین ہو (۱۱) قرآن مین آیا ہے وان کنت من
قبلہ لمن الغافلین یعنی اگرچہ تو پہلے اس سے غافلون سے تھا اور آیات الٰہی سے
غفلت عین گناہ ہے جواب مراد اس سے یہ نہین ہے کہ تو آیات حق سے غافل تھا
بلکہ یہ مقصود ہے کہ تجھے قصہ یوسف علیہ السلام معلوم نہ تھا کہ نہ کبھی حضرت کے دل مین اس
کا خطرہ آیا تھا اور نہ کبھی انھون نے کان سے سنا تھا مگر بذریعہ وحی الٰہی کے آپ کو یہ حال معلوم
ہوا تھا (۱۲) اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ فلا تکونن من
الجاھلین یعنی اگر اللہ چاہتا تو سب آدمیون کو ہدایت پر جمع کر دیتا سو تو نادانون مین سے مت
ہو یہ آیت دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم مین صفت جہل ہے جس
سے منع کیا ہے جواب مراد یہ نہین ہے کہ تو نادان مت ہو باوجودیکہ اگر مشیت الٰہی
چاہے تو سب لوگون کو راہ راست پر جمع کرلاے اس لیے کہ یہ معنے لینے کی صورت
مین یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی صفات مین سے
ایک صفت سے جاہل تھے اور یہ جائز نہین کہ انبیا خصوصًا سید الانبیا اللہ تعالےٰ کی صفات
سے جاہل ہون پس مقصود یہان حضرت کو اس بات کی نصیحت ہے کہ اپنے معاملات مین
جہال کی خصلتون کے ساتھ مشابہت پیدا نکرین اور یہ سمجھنا نہایت جہل ہے کہ حضرت
مین صفت جہل تھی کہ اُس سے حق تعالےٰ نے منع کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ اپنی
قوم کی مخالفت اور اعراض کرنے پر صبر و تحمل رکھین اس لیے کہ صبر ثابت قومی چھوڑنا جاہلون کا

شبوہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ خطاب امت کی طرف ہے کہ تم جاہلون مین سے نہ ہو جیسے کہ اور مقامون مین کہا ہے اور اس کی مثل قرآن مین بہت ہے اسی قبیل سے ہے یہ آیت وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ اگر تو اکثر لوگون کا جو دنیا مین ہین (یعنی کفار کا) کہا مانے تو تجھکو راہ خدا سے گمراہ کردین اسی طرح وان تطیعوا الذین کفروا یعنی اگر تو ان لوگون کا کہا مانے جو گمراہ ہوے اسی طرح فان یشاء اللہ یختم علی قلبک اگر اللہ چاہے تو تیرے دل پر مہر کردے اور اسی قسم کی اور جتنی آئتین ہین مراد سب جگہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہین بلکہ اور لوگ ہین اور اللہ تعالے کی یہ عادت ہی کہ جب چاہتا ہے آنحضرت کو امر ونہی کرتا ہے ایسی چیز کے ساتھ کہ آپ سے وہ چیز کبھی وقوع مین نہین آتی جیسے کہ اس آیت مین ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یعنی اپنی مجلس سے اُن کو مت دور کر جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہین حالانکہ ایسے لوگون کو کبھی حضرت نے اپنے پاس سے دور نہین کیا تھا اس کے سوا اور بھی بہت ایسی آیات مبہمات قرآن مین موجود ہین جن کے مضامین بادی النظر مین درجۂ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تنقیص وانحطاط پر دلالت کرتے ہین اور حقیقت مین متشابہات کی قسم سے ہین کہ علمانے سب کے معانی صاف صاف بیان کرکے راجع بحث کیا ہے۔

اور رعایت ادب یہ ہے کہ اگر دیکھے کہ جناب آلہی سے کوئی خطاب بہ عتاب وسطوت واستغنا و استعلا بہ نسبت آنحضرت کے واقع ہوا ہے جیسے انک لا تھدی یعنی ای محمد تحقیق تو اختیار ہدایت نہین رکھتا۔ و لیحبطن عملک اور تحقیق تیرے عمل ضائع ہوجائین گے ولیس لک من الامر شئی یعنی تیرے لیے امر سے کوئی چیز نہین اور ترید زینۃ الحیاۃ الدنیا یعنی تو آرائش وزیبائش زندگانی دنیا کی چاہتا ہے یا نبی علیہ السلام کی طرف عبودیت وانکسار وافتقار وعجز ومسکنت کے کلمات وقوع مین آئے ہین جیسے انما انا بشر مثلکم یعنی سوا اس کے نہین کہ مین تمھاری طرح ایک آدمی ہون اور اغضب کما یغضب البشر اور

[illegible]

[illegible]

ہین غصہ کرتا ہون جیسے بندہ غصہ کرتا ہے اور لا اعلم ما فی ہذا الجدار یعنی مین نہین جانتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے وما ادری ما یفعل بی و لا بکم یعنی مجھے معلوم نہین کہ قیامت مین میرے اور تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا ایسے مقامات مین دخل ندے یہ راز و نیاز کے مقامات ہین اکثر ضعیف الایمان اور جاہلون کے ایسے موقعون پر پانون پھسلتے ہین۔

انبیا علیہم السلام حسد و بخل سے منزہ ہوتے ہین۔

اور نیز انبیا منزہ ہین اصل فطرت مین اخلاق رذیلہ مثل عجب وحسد وحقد وجبن اور مثل اُن کے سے اس لیے کہ رذائل اخلاق معاصی قلب ہین جو معاصی اعضا سے بدترین اور حضرت سلیمان کی زبانی یہ جو قرآن مین آیا ہے رب ہب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی یعنی ای رب میرے مجھکو وہ بادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی کے لائق نہو یہ بوجہ حسد کے اُنھون نے نہین کہا تھا چونکہ معجزہ ان کا ملک و سلطنت تھی اس لیے اُنھون نے ایسی سلطنت کی آرزو کی جو کسی کو حاصل نہو یا ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا کی سلطنت ناپائدار ہے مجھے ایسا ملک دے جو کبھی زائل نہو سکے اور وہ ملک دین ہے یا اُن کی مراد یہ تھی کہ مجھے بادشاہت دنیا مین بھی قناعت عطا کر کہ سلطنت کرون مگر لذت دنیا کی طرف متوجہ نہوون **وقد کانت منہم زلات وخطیات** اور انبیا سے تقصیرات اور خطائین ہوئی ہین تقصیر جیسے حضرت آدم نے گیہون کھایا اس خیال سے کہ درخت خاص کے دانے کو منع کیا ہے مطلق گیہون کو نہین یا اس خیال سے کہ فرشتہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کے لیے جنت مین منع ہے مطلق کھانا منع نہین جیسے شیطان نے بہکایا تھا اور خطا جیسے حضرت موسےٰ نے ایک قبطی کو ایک اسرائیلی کے ساتھ لڑتے دیکھ کر اسرائیلی کی حمایت کی اور قبطی کی تادیب کے لیے گھونسا مارا وہ مرگیا تو گھونسا مارنا قصداً تھا اور موت خطاءً واقع ہوئی کیونکہ حضرت موسےٰ کی یہ مرضی نہ تھی کہ اس کو مار ڈالین اور اس کو زلت بھی کہہ سکتے ہین کیونکہ ہر خطا زلت ہے مگر ہر ایک زلت خطا نہین دونون مین عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے اس لیے کہ زلت کبھی خطا سے واقع ہوتی ہے اور کبھی بھولے سے اور کبھی ترک

زلت اور خطا مین فرق۔

اولے وافضل سے۔ عمر نسفی نے تفسیر مین لکھا ہے کہ ائمہ سمرقند زلت کا لفظ انبیا کے
کے افعال پر نہین بولتے تھے کیونکہ یہ ایک قسم کا گناہ ہے جب ایسا ہو قع ہوتا تو کہتے
اولے وافضل کو ترک کیا اور اس لیے عتاب آلہی ہوا اس لیے کہ اُن سے افضل واولے
کا ترک ہونا ایسا ہے جیسے غیر انبیا سے واجب کا ترک ہونا تھے اور حق یہ ہے کہ انبیا
کی تقصیرات پر بھی زلت کا اطلاق ہوتا ہے اور اس مین کوئی حرج نہین علماے اشاعرہ و
ماتریدیہ دونون کے نزدیک انبیا سے زلت وخطا کا سرزد ہونا جائز ہے وہ کسی کار مباح
کا قصد کرتے اور اتفاقی طور پر غیر مناسب کام وقوع مین آجاتا اور جن انبیا سے
زلات اور خطائین سرزد ہو گئی ہین سب معاف کر دی گئی ہین اور مفسرین نے کہا ہے
کہ جس جگہ قرآن مین اللہ تعالے نے ذکر توبہ یا بخشش انبیا کا کیا ہے تو جو زلت وخطا
اُن سے واقع ہوئی ہے وہ بیان کی ہے انبیا علیہ السلام سے ان کے صادر ہونے
مین چند حکمتین تھی ایک یہ ہے کہ کبھی نفس بشری ان کو اپنی عبادت کے غرور مین نہین
ڈالتا بلکہ وہ اپنی عبادت کو اس تقصیر ہی کی مکافی نہین سمجھتے دوسری یہ کہ وہ اپنی
ان لغزشون اور خطاؤن کو یاد کر کے بہت رویا کرین اور عبادت زیادہ کرین تیسری یہ
ہے کہ وہ اپنی امت کے گناہ دیکھکر ان سے متنفر نہو جائین بلکہ ان کو بھی اپنی کثرت استغفار
مین شامل کر لیا کرین چوتھا فائدہ اس مین انبیا کے لیے ابتلا ہے اس فعل پر انکو
خود متنبہ ہو کر یا جناب باری کی طرف سے تنبیہ ہو کر ندامت اوٹھانی پڑتی ہے جیساکہ
موسے علیہ السلام اپنے مکے سے قبطی کے مرجانے پر پشیمان ہو کر بولے هذا
من عمل الشیطان انہ عدو مبین یہ حرکت شیطانی ہوئی تحقیق وہ دشمن ہے گمراہ کرنیوالا اور
جب اپنے فعل سے توبہ واستغفار کرتے ہین تو خداے تعالے انھین مرتبۂ رفیعہ
عنایت کرتا ہے ان حکمتون کے لیے ان سے کبھی ایسا فعل خطاءً صدور مین آجاتا ہے
د محمد علیہ الصلوۃ والسلام حبیبہ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے دوست ہین اور

محبوبیت کے مرتبے سے ممتاز ہین اور یہ مرتبہ سب مراتب سے افضل واعلے ہے
اور ظاہر ہے کہ جو کوئی کسی کو اپنا یار اور محبوب کرتا ہے تو اس کو بہت سی چیزون مین
پوشاک مین سواری مین نشست کی جگہ مین اور ان کے سوا اور مراتب مین ممتاز فرماتا
ہے اور جبکہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو اپنا یار اور محبوب کیا ہے تو اُن کو وہ مراتب جو
تمام انبیا پر افضلیت کا موجب ہون کیونکر نہ دیتا ترمذی اور دارمی نے ابن عباس سے
روایت کی ہے کہ ایک روز کسی تقریب سے جناب سرور کائنات نے صحابہ سے
فرمایا کہ مین خدا کا حبیب ہون اور مین قیامت کے دن الحمد اللہ کا جھنڈا اٹھانے والا ہون
کہ حضرت آدم اور اُن کی تمام اولاد اُسی جھنڈے کے تلے ہوگی اور سب سے پہلے
مین شفاعت کرونگا اور سب سے اول میری شفاعت قبول کی جائیگی اور سب سے پہلے
مین ہی بہشت کا دروازہ کھلواؤنگا اور اندر جانے کا قصد کرونگا پس خدا تعالیٰ
میرے واسطے بہشت کا دروازہ کھولدے گا اور مجھکو اس مین داخل کرے گا اس وقت
میرے ساتھ فقرائے مسلمین ہونگے مین تمام اگلون اور پچھلون سے بہتر ہون اور حضرت
نے فرمایا کہ یہ باتین مین فخر کی راہ سے نہین کہتا ہون بلکہ ذکر نعمت حق کے لیے ہے
اور بیان واقعی ہے اور جتنے درجات وکمالات ہین ان سب کا آپ کو حاصل ہونا بہ نسبت
اور انبیا کے اعلےٰ واتم واکمل ہے چنانچہ حق تعالےٰ نے اپنے اس قول مین اسی مطلب
کی طرف اشارہ فرمایا ہے ورفع بعضھم درجات یعنی بعض کے درجے بلند کیے
دیکھو اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو یہ مرتبہ نہین دیا اور حضرت
داؤد کے واسطے مرتبہ بادشاہت اور نبوت کو جمع کیا اور یہ کسی اور کو نہ ملا اور حضرت سلیمان
کے قابو مین انس وجن اور پرند وچرند اور ہوا کو کیا اور یہ کسی اور کو حاصل نہوا اور محمد علیہ السلام
کو یہ مرتبہ دیا کہ وہ انس وجن کی طرف نبی ہوکر بھیجے گئے اور انکی شرع اور شرائع کی ناسخ ٹھہری اور یہ اُس
صورت مین ہے کہ درجات کو مناصب ومراتب کے معنے مین لیا جاسے اور جبکہ درجات

کو معجزات کے معنے مین لیا جاے گا تو مراد اس سے یہ ہوگی کہ ہر ایک نبی کو ایک علحدہ قسم کا معجزہ دیا گیا جو اُس کے زمانے کے لائق تھا جیسے اژدہا ہونا عصا کا اور ید بیضا حضرت موسےؑ کو عنایت ہوا کہ اُس وقت مین جادو کا غلبہ تھا اور یہ معجزہ جادو پر غالب ہوا اور مردون کو زندہ کرنا اور کوڑھی اور اندھے مادرزاد کو اچھا کرنا حضرت عیسےؑ کو ملا کہ اس زمانے مین طب کا زور تھا اور یہ معجزہ طب پر بالا ہوا اور لوگون کو عاجز کیا اسی طرح ہمارے آنحضرت کے وقت مین فصاحت و بلاغت کا دعوے تھا سو قرآن شریف فصاحت اور بلاغت کے ایسے اعلے درجے پر نازل کیا کہ سب اُس کے آگے اچھے اچھے دعویدار مغلوب ہوے اور کچھ بن نہ آئی اور یہ معجزہ قیامت تک رہا اور اور انبیا کے معجزات اُن کے زمانے تک مخصوص رہے اور پھر اُن کے بعد منقطع ہو گئے اور علمانے کہا ہے کہ تفضیل انبیا علیہ السلام کی تین وجہ سے ہوتی ہے یا باعتبار معجزات کے یا باعتبار امت کے یا باعتبار ذات کے سو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزات جتنی کثرت سے اور اعلے درجے کے سرزد ہوے ہین اُن کے تقابلے مین انبیاے سلف کے معجزات بہت ہی کم ہین علماے اسلام نے انبیائی سلف کے معجزات سے اُن کے معجزات کا بخوبی مقابلہ کر کے دکھا دیا ہے کتب دلائل النبوۃ کے دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے اور جیسی سند متصل مرفوع صحیح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے صادر ہونے کے باب مین اہل اسلام کے ہان پائی جاتی ہے ویسی انبیاے بنی اسرائیل مین سے کسی نبی کے معجزے کے لیے خواہ قولی ہو یا پیشین گوئی ہو یا فعلی یعنی غیر پیشین گوئی اہل کتاب کے پاس نہین ہے اور بمقابلہ مولفین اناجیل کے راویان معجزات مصطفویہ صاحب کرامات بھی زیادہ ہین اور اُن کی کرامات کا ثبوت سنداً موجود ہے اور مولفین اناجیل کی کرامات کا ثبوت سنداً موجود نہین اس لیے حواریونکی روایات کو راویان احادیث مصطفویہ کی روایات پر ترجیح نہین ہو سکتی علاوہ اس کے اناجیل حواریون کی تالیفات سے بھی نہین ہین جن پر

انبیاے بنی اسرائیل کے معجزات کی سند بھی ایسی متصل نہیں جیسی معجزات مصطفویہ کی ہے ۱۲

بقول عیسائیان روح القدس اُترا اور جنکی کرامتین رسالہ اعمال مین لکھی ہین اور اگر پہلے طبقے والونکا تالیف کرنا تسلیم بھی کیا جاتے تب بھی اُن روایات مین عدم وقوع سہو ونسیان اُس وقت تسلیم ہو تا جب کہ یہ ثابت ہے کہ مجرد دیکھنے معجزات کے اُنھون نے قلمبند کیا حالانکہ ایسا نہین ہے بلکہ عیسائی کہتے ہین کہ سالہا سالے دراز کے بعد انجیلین تالیف ہوئی ہین پس سالہاے دراز کے بعد جیسا کہ اخبار ماضیہ کے زبانی بیان کرنے مین احتمال سہو ونسیان کا ہے ویسے ہی قلم بند کرنے مین بھی ہے اور انجیلون کے تالیف ہو چکنے کے بعد ان مین دخل و تصرف غیر مولفین کا ہونا ثابت ہے پس نہین معلوم اصل مین کیا لکھا تھا اور کیا ہو گیا بخلاف روایات معجزات مصطفویہ کے کہ اُن کی تالیف مین دخل و تصرف دوسرے کا مظنون بھی نہین ہے چہ جاے کہ ثابت ہو اور روایات معجزات مصطفویہ اگرچہ کئی طبقے تک صرف زبانی نقل ہوتی رہین مگر یہ لوگ برابر صاحب وثاقت بلکہ اکثر صاحب کرامات ہوتے رہے بخلاف اہل اناجیل کے کہ سیکڑون برس تک انجیلون کے نسخے جن کے دخل و تصرف مین رہے بڑے خائن و بے دیانت تھے چنانچہ اُن کی بھویا تین او رخیانتین تھوڑی سی ڈاکٹر ٹیٹلر صاحب کی تاریخ مین بھی مذکور ہین اور قرآن شریف مین بھی کئی معجزات مصطفویہ کا اور اجمالاً سب کا ذکر ہے بخلاف معجزات حضرت عیسے کے کہ اُن کا بیان انجیل مین اس طرح نہین البتہ بطور یاد دہی کے بعض معجزات کا ذکر ہے مثلاً انجیل اول کے سولھوین باب کی آیت نہم اور دہم مین ہے اُن پانچ ہزار کی پانچ روٹیان یاد نہین کرتے کہ تم نے کتنی ٹوکریان اُٹھائین اور نہ چار ہزار کی سات روٹیان اور تم نے کتنی ٹوکریان اُٹھائین اور ایک بار حضرت یحیٰے کے شاگردون سے حضرت عیسے نے بطور خبر کے کہا تھا کہ بیمار اچھے ہوتے ہین اور اندھے آنکھین پاتے ہین مگر یہان کسی مقام پر حضرت عیسے نے اپنی نسبت کسی فعل کی تصریح نہین کی بلکہ احتمال ہے کہ روٹیون کا ماجرا جو کسی جہت سے واقع ہوا تھا صرف واسطے اظہار چارہ سازی حضرت بے نیاز کے کہا ہو نہ یہ کہ اپنا فعل بیان کیا اور آنکھین کھولنے اور اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس سبب کو مین حق جانتا ہون

روایات معجزات محمدیہ و انبیاے بنی اسرائیل کا امتیاز

روایات معجزات انجیل اور ان کا ...

اُسے بعض لوگوں نے اختیار کیا یعنی بیماری کفر و نابینائی ضلالت سے پاک ہوتے جاتے ہین اور رہا یہ کہ مولفین اناجیل نے معجزات کا ذکر کیا سو اہل اسلام کے ائمہ حدیث نے جتنے معجزات مصطفویہ بیان کیے ہین اُتنے کسی نبی سے بروایات توریت و انجیل نہین ثابت ہین بلکہ مولفین اناجیل نے انجیل مین ان روایتون کو خلط کر کے لکھا ہے اور علماے اسلام نے قرآن مین خلط نہین کیا اور نہ مولفین اناجیل کے لکھنے کی سند مرفوعہ متصلہ صحیحہ کسی کے پاس ہی اور پھر نسخون کے اختلاف کے باعث گمان غالب بلکہ یقین قطعی ہے کہ مولفین اناجیل نے جو کچھ لکھا تھا وہ بھی صحیح و سالم باقی نہین رہا بخلاف اہل اسلام کے ہان کی روایات اور کتب احادیث کے کہ اُن کا ایسا حال نہین ہے اور جب ایک ہی معجزے کی دو دو تین تین روایتین ہین اور اگر ان مین کچھ تھوڑا سا راویون کے بیان مین اختلاف ہے سو وہ اختلاف اس اختلاف سے زیادہ نہین جو انجیلوں کے تالیف کرنے والون کی روایتون مین ہے اور بعض معجزات کی تفصیل اور اختصار مین جو اختلاف ہے سو وہ اُس کی بیشی سے جو انجیلون کی تالیف کرنے والون کی مرویات مین ہے بہت کم ہے الغرض ایک سند بھی حضرت موسے و عیسے کے کسی معجزے کی اس طرح پر جس طرح معجزات مصطفویہ کی سندین ہین موجود نہین اور صرف کتاب مین لکھا ہونا اگر کافی ہو تو امیر حمزہ اور لندھور بن سعدان کی داستان بھی کہہ سکتے ہین کہ اُن کے دیکھنے والون نے لکھی ہے یا اب ہم ایک کتاب بنائین اور کہین کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسےٰ کی یہی کتاب ہے اور جن روایات متخرجہ ائمہ احادیث مصطفویہ مین سنی اور شیعون نے اختلاف کیا ہے سو وہ اختلاف روایات معجزات فعلیہ مین نہین بلکہ بسا نید مخصوصہ مین ہے نہ کہ متن روایت مین اسی طرح بہت سی پیشین گوئیون کی نسبت بھی شیعہ سنی اتفاق رکھتے ہین اور جن بعض پیشین گوئیون کہ اختلاف ہے تو وہ اختلاف بمصداق مین ہے نہ صحت الفاظ مین سو ایسا اختلاف اُس کو مرتبۂ پیشین گوئی سے خارج نہین کرتا اور تھوڑی سی ایسی پیشین گوئیان بھی ہین کہ ان کی روایات کے تسلیم مین بھی اختلاف ہے

سوا اگر ان مختلف فیہا سے بالکل قطع نظر کر لی جائے تب بھی وہ پیشین گوئیان جن کی تسلیم متفق علیہ ارباب فن حدیث فریقین ہے وہ اتنی ہین کہ جملہ بائبل کی پیشین گوئیون سے کمیتہً وکیفیتہً زیادہ ہین۔

آنحضرت کی امت تمام انبیا کی امتون سے افضل ہے

رہی دوسری بات یعنی امت کی وجہ سے افضل ہونا تو امت بھی آپ کی بہتر اور عمدہ ہے یہان تک کہ حدیث مین آیا ہے کہ اُن کی امت تمام اہل جنت کی دو تہائی ہوگی قرآن مین اللہ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس یعنی تم بہترین امت علم آلہی مین تھے کہ لوگون کی ہدایت کے لیے باہر لائے گئے اور اس سے یہ واجب ہوتا ہے کہ آنحضرت تمام انبیا سے افضل ہون اس لیے کہ آپ کی امت کو آپ کی متابعت کی وجہ سے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے اور تابع کی فضیلت سے متبوع کی فضیلت ظاہر ہے جس تابع مین فضیلت ہوگی اُس کا متبوع ضرور افضل ہوگا۔

باعتبار ذات کے بھی حضرت افضل الانبیا ہین

اور باعتبار ذات کے بھی آپ سب انبیاے سابق پر تفوق و شرف رکھتے ہین آپ کی ذات مراتب محبوبیت و رویت و کلام و خلت وغیرہ سے مخصوص ہے حدیث شفاعت مین دیکھنا چاہیے جو بخاری و مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ محکمہ محشر مین تمام خلائق استدعاے شفاعت کے لیے آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ وغیرہ انبیا کے پاس جا کر التماس شفاعت کرے گی اور سب اپنا عجز و ناتوانی ظاہر کر کے اس بار عظیم کے تحمل سے انکار کرین گے اور کہین گے کہ یہ کام ہمارا نہین پس لوگ مضطر و مضطرب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مایوس ہو کر حاضر ہون گے آپ گناہگارون کی شفاعت کے لیے جائین گے۔

خصوصیت شریعت محمدی

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شریعتون مین جن چیزون سے مخصوص ہین وہ بہت ہین ان مین سے ایک یہ ہے کہ اُن کو کافرون کی غنیمت کا مال حلال کیا اور اُن کے لیے زمین کو مسجد بنا دیا یعنی جس جگہ چاہین نماز پڑھین اور اُن کے لیے زمین کی مٹی کو پاک اور پاک کرنے والی کیا اور پانچ وقتون کی نماز اور وضو اس طریق سے اور

دلائل تفضیل

اذان اور اقامت اور سورۂ الحمد اور آمین اور جمعہ کا روزہ اور قبولیت کی ساعت جو جمعہ کے روز
مین ہے اور ماہ رمضان اور شب قدر کی برکتین کہ یہ سب انھین کے لیے مخصوص ہین۔
آنحضرت کی افضیلت پر اور بھی بہت سے دلائل ہین جن کی تفصیل یہ ہے (۱) آنحضرت
تمام آدمیون کی طرف رسول ہو کر آئے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وما ارسلناک
الا کافۃ للناس یعنی ہم نے تجھکو تمام آدمیون کے لیے بھیجا ہے اور اس سے واجب
ہے کہ اُن کی مشقت بھی زیادہ ہو دلیل اس پر کہ مشقت اُن کی زیادہ تھی یہ ہے کہ وہ تنہا
ایک شخص تھے نہ اُن کے پاس مال تھا نہ مددگار ساتھ تھے پس جس وقت اُنھون نے
تمام عالم سے یہ کہا کہ اے کافرو تو وہ تمام دشمن بن گیئے اور اُس وقت مین آپ کو سب
کی طرف سے خوف اذیت پہونچنے کا رہا کرتا تھا مشقت آپ ہی زیادہ ہوگی موسےٰ
علیہ السلام جب بنی اسرائیل مین رسول ہوے تو اُن کو سواے فرعون اور قوم فرعون
کے دوسرون کا خوف نہ تھا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کا خوف تھا سب اُن کے
دشمن تھے اور آپ عمر بھر رات دن اسی بات پر مامور رہے کہ جن وانس کو جن کے ساتھ
نہ کوئی عہد و پیمان تھا نہ اُن کو آپ کا لحاظ تھا بلکہ ہر وقت درپے آزار و تفضیح تھے دین اسلام
کی طرف دعوت کرتے رہے اور پھر آپ دل پریشان اور خاطر برداشتہ اس کام سے نہوئے
بلکہ شب و روز اس کام مین مصروف رہے اس سے معلوم ہوا کہ دین الٰہی ظاہر کرنے
مین اُن کو بڑی بڑی مشقتین اٹھانا پڑین اسی لیے اللہ تعالےٰ نے سورۂ حدید مین فرمایا ہے
لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین
انفقوا من بعد وقاتلوا تکو ابرابر نہین ہے تم مین سے جس نے فتح مکہ سے پہلے
خرچ کیا اور لڑائی کی اُن لوگون کا درجہ اُن سے بڑا ہے جو اس کے بعد خرچ کرین اور
لڑین ظاہر ہے کہ یہ مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ تھی پس جبکہ صحابہ کا
فضل اس شدت کی وجہ سے بڑا ہے تو رسول کا فضل تو بہت ہی بڑا ہوگا اور جبکہ یہ

ثابت ہو چکا کہ رسول کی مشقت اور لوگون سے زیادہ ہے تو واجب یہ ہے کہ اس کا فضل
بھی اورون سے بہت زیادہ ہو (۲) محمد بن عیسے حکیم ترمذی نے آنحضرت کی افضلیت
کے باب مین یون تقریر کی ہے کہ ہر ایک امیر کی مشقت اس کی رعیت کی مقدار
کے مطابق ہوتی ہے پس جو امیر کسی ایک گانؤن کا مالک ہوتا ہے اُس کی مشقت اوسی
گانؤن کے موجب ہوتی ہے اور جو ایک شہر کا مالک ہوتا ہے وہ اُسی قدر محنت او
مشقت رکھتا ہے پس جو مشرق سے مغرب تک کا مالک ہو وہ ان دونون سے زیادہ
فوج اور سپاہ اور ہتھیار اور خزانے کا محتاج ہوگا اسی طرح جو رسول صرف اپنی قوم
کی طرف مبعوث ہوگا تو اس کو اتنے ہی خزائن توحید اور جواہر معرفت دیئے جائینگے
جس قدر کہ اس کی رسالت کے لیے ضرور ہو جو رسول ایک قوم کی طرف ایک خاص
جگہ مین آئے گا اسس کو اُن خزائن روحانی مین سے اسی کے موافق حصہ ملے گا اور
جو رسول مشرق سے مغرب تک تمام انس وجن کی طرف بھیجا جاے گا اس کو ضرور اُس
قدر معرفت عطا ہوگی جو اس کی کارروائی کے لیے کافی ہو اور اُس کے ذریعہ سے وہ
اہل شرق وغرب کی ہدایت کا کام کر سکے اس صورت مین آنحضرت کی نبوت تمام انبیا
کی نبوات کے مقابلے مین ایسی ہے جیسے ایک ملک کے سردار کے مقابلے مین
ایک شہنشاہ کی سلطنت پس آنحضرت کو خزانہاے حکمت وعلم بھی اسی قدر دیئے گئے جو
کسی نبی کو نہ ملے اور وہ ایسے مرتبے کو پہونچے کہ کوئی نبی ان کی ہمسری کے قابل نہین
اسی رمز کی طرف اللہ تعالٰے کے اس قول مین اشارہ ہے فاوحی الی عبدہ ما اوحی
(۳) محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین سب دینون سے افضل ہے اس سے لازم آیا کہ
وہ بھی سب انبیا سے افضل ہون پہلی بات کا بیان یہ ہے کہ اللہ نے آپ کے دین
سب دینون کا ناسخ کیا ہے اور ناسخ کے لیے افضل ہونا واجب ہے جریر سے مسلم نے
روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو شخص دین اسلام مین طریق نیک کو رواج دے تو اوس

حضرتؐ کی تفضیل کی خصلتین

کے لیے اُس کا ثواب ہے اور اس شخص کا بھی ثواب ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کرے بغیر
اِس کے کہ اُس دوسرے کے اجرین سے کچھ ناقص ہو اور جبکہ یہ دین افضل ہے اور اس
مین سب دینون سے زیادہ ثواب ہے تو اس کے واضع کو بھی تمام دینو کے واضعون سے
زیادہ ثواب ملے گا اور اس سے یہ لازم آیا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیا سے افضل ہین
(۴) محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہین پس واجب ہے کہ افضل ہون اگر مفضول ہون
تو یہ عقل کے خلاف ہے اس لیے کہ مفضول کے ساتھ فاضل کا نسخ عقلاً قبیح ہے (۵)
عمدہ دلیل آپ کی تفضیل کی یہ ہے کہ ابو ہریرہ سے مسلم نے روایت کی۔ ہے کہ آنحضرت
نے فرمایا کہ مین انبیا پر سات خصلتون کی وجہ سے فضیلت دیا گیا ہون ایک جوامع الکلم۔
(یعنی کلام مختصر جو بہت سے معنون کو شامل ہو جیسے انما الاعمال بالنیات اور الوعد دین
اور بعض کے نزدیک اس سے مراد قرآن شریف ہے) دوسرے مجھکو دشمنون پر ان کے
دلون مین رعب ڈالنے کے ساتھ فتح دی گئی تیسرے میرے لیے غنیمتین حلال کی گئین
چوتھے میرے لیے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی پانچوین مین تمام مخلوق یعنی انس و
جن کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ چھٹے مجھ پر نبوت ختم کی گئی کہ میرے بعد کوئی نبی نہوگا اور
جابر سے جو صحیح بخاری مین پانچ خصلتون کا ہونا مروی ہے سو اس مین کوئی تعارض نہین
اس لیے کہ حقیقت مین خصائل آنحضرت کے جو اُن سے مخصوص ہین بہت ہین لیکن بعض
ان مین سے تقریب وقت اور سوال کے بموجب حدیثون مین مذکور ہوے ہین مقصود حصر
نہین ہے (۶) امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ حقتعالی
نے انبیا علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ بیان کرکے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا اولئک
الذین هدی اللہ فبهداهم اقتده یعنی انبیاے ماتقدم ایسے ہین کہ اللہ نے انھین ہدایت کی
پس تو اُن کی ہدایت کی پیروی کر دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاے سلف کی
اقتدا کے لیے حکم کیا اور حکم خدا کی بجا آوری واجب ہے اور جبکہ آنحضرت انبیا کے خصائل

وکمالات کی پیروی بجالاے تو بالضرور حضرت مین وہ تمام چیزین جمع ہوئین جو ہر ایک نبی
مین متفرق موجود تھین اس صورت مین حضرت کی فضیلت سارے انبیا پر ثابت متحقق ہوئی
یہ استدلال نہایت عمدہ ولطیف ہے بادی النظر مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت
کو انبیاے سلف کی اتباع واقتدا کے لیے حکم ہوا ہے تو اس صورت مین مفضول ہوے
لیکن مراد اس جگہ اقتدا سے موافقت ہے چونکہ انبیا حضرت سے پہلے تھے اس سبب
سے لفظ اقتدا اطلاق کیا گیا ہے جیسے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی متابعت کرنے کے
لیے حکم کیئے گئے ہین۔

اور یہ جو مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت کو ایک شخص نے کہا تھا یا خیر
البریہ یعنی اے بہترین خلق تو آپ نے اُس کو سمجھایا کہ ذاک ابراہیم یعنی بہترین خلق حضرت
ابراہیم تھے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم بہترین خلق ہین نہ محمد صلے اللہ علیہ
وسلم علما نے جواب اس کا تین طرح پر دیا ہے ایک تو اس طرح کہ یہ کلام آنحضرت نے تواضع
وانکسار کے طور پر بسبب رعایت حق خلت اور باپ ہونے کے فرمایا ہے جیسے کہ ایک
شخص تعظیم وتقدیم کے واسطے حق ہے مگر وہ اور کو اپنے اوپر مقدم رکھے اور اس کی تعظیم
کرے دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے اپنی شان مین اس بات کی وحی آنے سے
پیشتر کہ آپ سید اولاد آدم اور افضل خلق ہین حضرت ابراہیم کے حق مین ایسا فرمایا ہوگا۔
تیسرے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اپنے زمانے مین بہترین خلق تھے لیکن مبالغے کے
لیے عبارت مطلق لاے۔ اور وہ فرقے جو آنحضرت کی افضلیت کے انبیا پر قائل نہین
اُن کے دلائل بھی اُن کی راے پر کئی ہین۔ جن کی تفصیل اور اُن کے جوابات بیان
آئندہ سے ظاہر ہونگے (۱) قرآن مجید مین واقع ہے والذین آمنوا باللہ ورسلہ
ولم یفرقوا بین احد منہم اولئک سوف یوتیہم اجورہم یعنی جو لوگ اللہ اور اُس
کے رسولون پر ایمان لاے اور جماعت انبیا کے درمیان کسی ایک کی تفریق نہین کی

اُن کو اللہ تعالےٰ اُن کے ثواب دے گا۔ **جواب** مراد اس قول سے یہ ہے کہ ایمان
مین تفریق نکرنا چاہئیے کہ بعض پر ایمان لائین اور بعض پر ایمان نہ لائین ایمان لانا بعض انبیا پر
اور انکار کرنا بعض سے حقیقت مین تکذیب سب انبیا کی ہے کیونکہ کلمۂ اسلام متحد ہے
اور پیغمبرون مین مساوات و برابری ایمان مین بعض کے بعض سے افضل ہونے کے
منافی نہین (۲) صحیحین مین ابوہریرہ سے روایت آئی ہے لا تفضلونی علی الانبیاءؑ
یعنی مجھکو اور انبیا پر فضیلت ندو اور اُن کی ایک روایت مین ہے لا تفضلوا بین الانبیاءؑ
یعنی انبیا کے درمیان فضیلت ندو اکثر نسخون مین تو لفظ لا تفضلوا ضاد معجمہ ہی سے
ہے اور ایک نسخے مین صاد مہملہ سے ہے یعنی اُن کے درمیان فرق نکرو **جواب** ان
احادیث کا کئی وجوہ کے ساتھ دیا ہے بعض نے کہا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ سلم
نے فضیلت دینے کو اس بات کی وحی آنے سے قبل منع کیا تھا کہ تم سید انبیا اور افضل
البشر و سید ولد آدم ہو اور بعض نے کہا ہے کہ تفضیل اس طرح نکرنا چاہیے جس سے
مفضول کی شان مین اہانت و حقارت لازم آتی ہو اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ تفضیل اصل
نبوت مین ندو اس لیے کہ اصل نبوت مین انبیا کے درمیان تفاضل نہین بلکہ تفاضل امر
زائد مین ہے جیسے کہ بعض انبیا رسول ہین اور بعض الوالعزم ہین اور کوئی خاتم النبیین ہے
اور حاصل مطلب اس کا یہ بیان کیا ہے کہ تفضیل اُس کو حاصل ہے جس کا درجہ
رب العزت نے خصائص قرب کے ساتھ بلند کیا ہے (۳) ابوہریرہ سے بخاری
و مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ مجھکو موسے علیہ السلام پر بزرگی مت
دو اور وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ جب مین قیامت مین پہلے نفخے کے بعد بے ہوش
ہو کر ہوش مین آؤن گا تو موسے علیہ السلام کو عرش کی ایک جانب پکڑے ہوئے
کھڑے دیکھون گا مین نہین جانتا کہ موسے مجھ سے پہلے ہوش مین آئے یا موسے اُن
لوگون مین سے تھے کہ اُن کو اللہ نے بے ہوش ہونے سے مستثنےٰ کیا ہے مراد آنحضرت

کی یہ ہے کہ اگر حضرت موسے مجھ سے پہلے ہوش مین آئے تو یہ فضیلت ان کی ظاہر ہے
اور اگر اُن مین سے ہوے جنکو اللہ نے مستثنےٰ کیا ہے اور بیہوش نہوے تو یہ بھی اُدن کی
فضیلت ہے اور جب موسے کو یہ فضیلت ثابت ہوئی جو مجھکو نہین ہے تو مجھکو اُن پر
فضیلت کیون دی جاے **جواب** یہ آنحضرت کی تواضع اور انکسار ہے ورنہ انھون
نے انبیا کے درمیان فضیلت دینے سے منع نہین کیا ہے مگر اس شخص کو جو اس طرح
فضیلت دے کہ جس سے مفضول کی شان مین نقصان پیدا ہوتا ہو یا خصومت کی
راہ سے فضیلت دیتا ہو یا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ یہ فضل جزی ہے
کہ موسےٰ علیہ السلام کے لیے ثابت ہے اور وہ منافی فضل کلی کے نہین ہے یا
وقوع اس کلام کا آپ کی فضیلت کے باب مین وحی اُترنے سے پہلے ہے یا مراد آپ
کی یہ ہوگی کہ نفس نبوت مین فضیلت مت دو اس لیے کہ اس مین سب برابر ہین (۴)
صحیح بخاری و مسلم مین ابو ہریرہ سے روایت آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت
نے یونس بن متےٰ پر اپنی فضیلت دینے سے منع کیا ہے **جواب** یہ بطور تواضع اور
کسر نفس کے ہے پس یہ مخالف اس حدیث کے نہین ہے انا سید ولد آدم ولا فخر اور
یونس علیہ السلام کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ اولوالعزم نہ تھے اور قوم کی ایذا پر بے صبری
کی اور غصہ کیا اور قوم مین سے نکل گیے پس یہان مظنہ اس تھا کہ کسی کو ان پر فضیلت
دین اس لیے حضرت نے اپنی امت کو روکا کہ کوئی اُن پر طعن نکرے اور اُن کو حقیر نہ
جانے (۵) آدم مسجود ملائکہ تھے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے نہ تھے **جواب**
آدم کے مسجود ملائکہ ہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ وہ محمد سے افضل ہون اور دلیل اُس پر
یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ مین قیامت مین لواے حمد کا اُوٹھانے والا ہون گا
جس کے تلے آدم اور اُن کی تمام اولاد ہوگی جیسا کہ ابن عباس سے ترمذی اور دارمی
نے روایت کیا ہے اور آنحضرت نے فرمایا ہی کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد

[illegible]

یعنی میں جبکہ نبی تھا تو اس وقت آدم درمیان روح اور جسم کے تھے اور حاصل معنے اس کا یہ ہے کہ میں نبی تھا اور آدم نے اس وقت صورت بشری حاصل نہ کی تھی یا اُنکے پتلے کے ساتھ روح کے متعلق ہونے سے پہلے حضرت بنوت کے ساتھ نامزد ہوئے اور یہ کنایہ ہے سبقت و تقدم سے جیسا کہ احمد اور بغوی اور حاکم نے روایت کی ہے اور بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے اور جامع ترمذی میں بھی یہ حدیث آئی ہے اور راوی اس کے ابوہریرہ ہیں اور عوام میں یوں مشہور ہے کنت نبیا وادم بین الماء والطین در الثمین میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام درمیان آب و گل کے تھے یعنی ابھی صورت بشری حاصل نہیں کی تھی اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم مثال میں ظہور تام تھا اور نبوت اس حدیث میں اسی سے عبارت ہے اور اللہ نے آنحضرت پر بذات خود درود بھیجی اور ملائکہ اور مومنین کو بھی حکم دیا کہ وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور یہ بات بدرجہا بسجود ملائکہ سے افضل ہے اور اس کی کئی وجہیں ہیں (الف) اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو تادیبا حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور آنحضرت پر درود بھیجنے کا تقربیًا حکم دیا ہے (ب) درود بھیجنے کا حکم آنحضرت پر ملائکہ کو قیامت تک کے لیے ہے اور آدم کو ملائکہ نے سجدہ صرف ایک بار کیا (ج) آدم کو سجدہ کرنے کا کام صرف ملائکہ ہی کی طرف سے ہوا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا کام اول خدائے تعالےٰ نے خود کیا پھر فرشتوں اور مسلمانوں کو اس کام کے کرنے کے لیے حکم دیا وعبدہ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں یہ لفظ مسلمانوں کی حفاظت کے لیے قول نصاریٰ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے حضرت عیسٰے کو بندے سے خدا کا بیٹا بنا دیا حضرت عمر سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسولہ مطلب یہ ہے کہ میری مدح میں حد

سے تجاوز مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسےٰ کی مدح مین مبالغہ کرکے ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور کفر تک نوبت پہونچا دی مین اللہ کا بندہ ہون تو تم مجھکو اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو تاکہ تم اُن کی طرح نہو جاؤ۔

پس افسوس ہے اُن شیعون کی سمجھ پر جنھون نے انبیا اور ائمہ کی شان مین اتنا غلو کیا ہے کہ کہتے ہین وہ خدا ہین یا خدا نے ان مین حلول کیا ہے اُن سے متحد ہو گیا ہے صوفیہ کہتے ہین کہ عبدیت کا مرتبہ سب مراتب سے اعلےٰ ہے۔ عبادت صاحب علم الیقین بجالاتا ہے اور عبودیت صاحب عین الیقین اور عبدیت صاحب حق الیقین اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو شب معراج مین کہ ان کا یہ اعلےٰ درجے کا مرتبہ دنیا مین تھا اسی خطاب کے ساتھ یاد کیا ہے اور کہا ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ یعنی پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو راتون رات مسجد حرام سے مسجد اقصے تک لے گیا اور اسی طرح کہا ہے واوحی الی عبدہ ما اوحیٰ پس اگر کوئی اور نام عبدیت سے اعلےٰ اور افضل ہوتا تو اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ یاد کرتا **اور رسولہ و نبیہ** اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہین جبکہ عرب کے لوگ توحید سے منکر ہو گئے تھے عبادت اور استعانت مین شرک کرنے لگے تھے معاد پر یقین نرکھتے تھے عبادت کے طریقون کو بھول گئے تھے دین ابراہیمی مین تحریفین کرنے لگے تھے جانورون کی طرح آپس مین لڑتے اور وحشیون کی طرح آپس مین جھگڑتے تھے علم و حکمت سے بے بہرہ ہو گئے تھے اخلاق حسنہ کو چھوڑ کر جاہلانہ رسوم کے پابند ہو گئے تھے تو اللہ جل شانہ نے توحید کے بتلانے شرک کے چھڑانے عبادت کے طریقے سکھلانے دین ابراہیمی کے جاری کرنے اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے کے لیے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت کا مرتبہ دیا اور تمام بنی آدم کی ہدایت کا بار آپ کے اوپر رکھا اور چونکہ بعد حضرت کے خدا کو دوسرا نبی بھیجنا منظور نہ تھا اور سلسلہ نبوت کا آپ کی ذات پر ختم کرنا منظور تھا اس لیے جو فضائل اور کمالات اور

معجزات جدا جدا اور انبیا علیہم السلام کو دیئے گئے تھے وہ سب حضرت کو دیے گیے اور جو طریقے ہدایت اور تعلیم کے علیحدہ علیحدہ اور پیغمبرون کو سکھلاے گئے تھے وہ سب حضرت کو سکھلاے گئے بلکہ اس نظر سے کہ کوئی فرقہ کوئی گروہ آپ کے فیضان نبوت سے محروم نرہے اور آپ کی ہدایت مثل بعض اور نبیون کے بے اثر نہو جاے اور کسی کو کوئی عذر ایمان اور اسلام لانے پر باقی نرہے اور کسی کو موقع آپ کی نبوت کے انکار کرنے کا نہ ملے وہ معجزات حضرت کو دیئے گئے اور اُن باتون کی اجازت آپ کو دی گئی کہ اور کسی پیغمبر کو نہین دی گئی اسی واسطے آپکی ہدایت کا اثر جلد اور کامل ہوا اور کچھ ایک ہی ذریعہ سے نہین بلکہ مختلف ذریعون سے لوگون نے ایمان قبول کیا جو لوگ فصحا اور بلغا مشہور تھے وہ قرآن مجید کی فصاحت دیکھکر قائل ہو گئے جو شخص معجزے کے طالب تھے وہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لاے جو لوگ شجاعت اور مردانگی مین مشہور تھے وہ میدان جنگ مین مقابلے کی تاب نہ لاسکے آخر مغلوب ہو کر مطیع بن گئے اور جو غرض اللہ جل شانہ کی آپ کی نبوت سے تھی کہ دین اسلام تمام دنیا مین پھیل جاے اور سب باطل دینون پر غالب ہو جاے وہ حاصل ہو گئی۔

اہل کتاب کی عادت اسماء اعلام کا ترجمہ کر دینا

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر پہلے انبیا نے بھی دی ہے اور اب تک اہل کتاب کے ہان وہ بشارتین پائی جاتی ہین اگرچہ اکثر خبرون کو انھون نے بدل ڈالا اور اکثر کو اپنی کتابون سے نکال ڈالا اور علماے یہود و نصارے عوام کو غلطی مین ڈالتے ہین اور اُن بقیہ خبرون کی تاویلات کرتے ہین۔ اور سب اہل کتاب کے سلف اور خلف مین ہمیشہ سے یہ عادت جاری ہے کہ نام کا ترجمہ کر دیتے ہین اور کبھی کلام الٰہی مین بطور تفسیر کے کچھ بڑھا دیا کرتے ہین اور اصل کلام اور تفسیر مین کوئی علامت امتیاز کی نہین رکھتے پس اس سے مطلب اصلی مین خبط ہو جاتا ہے ان کے مختلف زبانون کے ترجمون کے دیکھنے سے یہ امر صاف ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ کتاب پیدائش کے باب دوم درس ۲۳ نسخہ مطبوعہ سنہ ۱۸۱۱ع

مین ہے تسمی امرأۃ لانہا من امرء اخذت اور ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء مین ہے یہ ایشاہ یعنی عورت کہلاے گی کیونکہ ایش یعنی مرد سے نکلی ہے دیکھو ایش و ایشاہ امرأۃ و امرء کا ترجمہ کیا مگر ترجمے مین چاہیئے تھا کہ صرف لفظ کا ترجمہ کرتے یا صرف اصل کو نقل کرتے اور یہان کتاب مین بلا امتیاز تفسیر اپنی طرف سے بڑھادی اور ایشاہ و ایش یہ دو لفظ بھی غلط معلوم ہوتے ہین اور اس کی صحت طراز اللغۃ مولفہ سید علی خان شوستری سے یون معلوم ہوتی ہے کہ انھون نے اس کتاب مین کہا ہے در کتب قدیم اہالی پارس آدم و حوا را ایشی و یشا نامیدہ اند باب چہارم ورس ۲ نسخہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء عیسوی مین ہے اور یروشلم مین ایک بھیڑ کے بازار کے نزدیک ایک حوض ہے جو عبرانی مین بیت حسدا کہلاتا ہے سب نسخے اس کے موافق ہین مگر کسی مین صاد سے حصدا ہے اور نسخہ عربی ۱۸۱۱ء مین یون ہے بالعبرانیۃ بیت حسدا ای بیت الرحمۃ دیکھو بیت حسدا کی تفسیر نسخہ ۱۸۱۱ء مین کیسی غلط بڑھائی گئی اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶ ورس ۱۴ مطبوعہ ۱۶۲۵ء مین ہے لذلک دعت اسم البیر بیر الحی الناظری اور ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء مین ہے اس واسطے اس کنوین کا نام بیر حی ناظری یعنی میرے دیکھنے والے زندے کا کنوان رکھا اس جگہ دو طرح کی تبدیل ہوئی ایک یہ کہ کنوین کا نام جو عبرانی مین تھا اُسے عربی کیا وہ بھی غلط دوسرے اُس کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی خدا کی کتاب مین مخلوط کر دیا اور باب ۲۲ ورس ۱۴ مطبوعہ ۱۸۱۱ء عیسوی مین ہے مسی ابراہیم اسم ذلک الموضع یہوہ یراہ ۱۴ اور ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء مین ہے ابراہیم نے اُس مقام کا نام یہواہ یرے رکھا دیکھو نام کی تبدیل اور اس کا ترجمہ اور باب اول انجیل یوحنا مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے ورس ۴۱ مین یون ہے۔ قد وجدنا مسیا الذی تاویلہ المسیح اور ترجمہ فارسی مطبوعہ ۱۸۱۶ء مین اس طرح پر ہے ما مسیح را کہ ترجمہ آن کرسطوس مے باشد یافتیم یعنی ہم نے مسیح کو جس کا ترجمہ کرسطوس ہی پایا اور ترجمہ اُردو مطبوعہ ۱۸۳۹ء مین اصل لفظ خرستہ اور مسیح اُس کا ترجمہ قرار دیا ہے

اب نہین معلوم ہوتا کہ اصل نام مسیا ہے یا مسیح یا خرستہ ہے عربی ترجمے سے اصل مسیا معلوم ہوتا ہے اور مسیح اس کا ترجمہ اور ترجمہ فارسی سے اصل مسیح اور کرسطوس ترجمہ ظاہر ہوتا ہے اور اُردو سے اصل خرستہ اور ترجمہ مسیح سمجھا جاتا ہے دیکھو نام کا اس طرح پر ترجمہ کیا کہ معلوم نہین کہ اصل کیا ہے اور ترجمہ کونسا ہے ۔

اسی طرح اصل عبری انجیل مین جو عیسے علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا تھا اور خاص احمد کے نام سے بشارت مذکور تھی جیسا کہ قرآن مجید مین ہے جب اس کا اول ترجمہ یونانی زبان مین ہوا تو احمد کا ترجمہ پیرکلوطوس کر دیا جب یونانی زبان سے عربی مین ترجمہ کیا تو اس سے عربی لفظ فارقلیط بنا یا چنانچہ ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالے مین جو لفظ فارقلیط کی تحقیق مین اُنھون نے لکھا ہے اور سنہ ۱۲۶۸ہجری مین کلکتے مین چھپا تھا لکھتے ہین کہ یہ لفظ یونانی لفظ سے معرب کیا گیا ہے پس اگر اس کی اصل یونانی مین پارکلی طوس قرار دی جاے تو اس کے معنے معین اور وکیل کے ہین اور اگر کہین کہ اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنے محمد یا احمد کے قریب ہین پس اُس نے دعوے کیا کہ عیسے علیہ السلام نے محمد یا احمد کی خبر دی لیکن اصل پارکلی طوس ہے فقط ہم کہتے ہین کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر معین اور وکیل ہونا بھی صادق ہے ۔ روح القدس یعنی جبریل پر جیسا کہ عیسائی دعوے کرتے ہین کہ فارقلیط سے روح مراد ہی سو وہ عیسے کے بعد حواریون پر ایک گھر مین اس طرح ظاہر ہوئی تھی کہ جس طرح کسی مین آکر جن ظاہر ہوتا ہے اور کلام کرتا ہے کیونکہ عیسے علیہ السلام کی اس بشارت کے بموجب اس نبی فارقلیط مین چند باتین ایسی ہین جو خاص آنحضرت مین پائی جاتی ہین نہ روح مین اور یہ بشارت انجیل یوحنا کے چودھوین اور پندرھوین اور سولھوین باب مین ہے (۱) عیسے علیہ السلام نے کہا ہے کہ مین باپ سے تمھارے لیے فارقلیط مانگتا ہون یا مین تمھارے لیے باپ کی طرف سے بھیجون گا یا مین اگر نجاؤن گا تو فارقلیط تمھارے پاس نہ آے گا ان اقوال

سے ثابت ہوتا ہے کہ فارقلیط میں اور مسیح میں اور باپ میں مغائرت ہے حالانکہ نصاریٰ کے اعتقاد کے موافق روح ابن یعنی عیسےٰ سے متحد ہے اسی طرح اس کو باپ یعنی خدا سے اتحاد ہے پس روح کو عیسےٰ اور باپ کے ساتھ غیریت ناممکن ہے اس صورت میں عیسےٰ کا باپ سے عین اُس کے نفس کو یا خاص اپنے نفس کو مانگنا اور بھیجنا عقل کے خلاف ہے بخلاف محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ اُن سے بالکل غیریت ہے تو معلوم ہوا کہ عیسےٰ نے فارقلیط کے آنے سے حضرت کے آنے کی خبر دی ہے اسی طرح عیسےٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں صاف دلالت کرتا ہے کہ فارقلیط سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ روح کہ وہ بعینہٖ عیسےٰ علیہ السلام ہے اور یہ لفظ غیریت چاہتا ہے اور عیسےٰ اور روح میں غیریت نہیں اور جبکہ روح عیسےٰ سے متحد اور عین ہے تو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ میں اگر نجاؤں گا تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا اس لیے کہ عیسےٰ کا جانا عین روح کا جانا ہے اور روح کا آنا عین عیسےٰ کا آنا ہے تو معلوم ہوا کہ جس فارقلیط کا آنا عیسےٰ کے جانے پر موقوف ہے اُس کو عیسےٰ سے بالضرور غیریت ہے (۳) یہ جو اس بشارت میں عیسےٰ نے فارقلیط کی نسبت کہا ہے میں نے تم کو اس کے آنے سے پہلے خبر کر دی تاکہ جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ اس سے ظاہر ہے کہ روح مراد نہیں ہے کیونکہ روح پر تو حواری پہلے ہی سے ایمان رکھتے ہیں (۴) عیسےٰ فرماتے ہیں فارقلیط آکر میرے لیے گواہی دیگا پس یہ گواہی دینا محمد صلے اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسےٰ کے رسول ہونے کی گواہی دی ہے چنانچہ قرآن میں موجود ہے بخلاف روح کے کہ وہ عیسےٰ کے شاگردوں پر نازل ہوئی تھی سو وہ حضرت عیسےٰ کو پہلے ہی سے رسول جانتے تھے اُن کو روح کی گواہی کی حاجت نہ تھی (۴) عیسےٰ نے جو کہا ہے کہ وہ عالم کو اس گناہ پر توبیخ و تشدید کرے گا یعنی سزا دے گا کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے تو یہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اس سزا دینے والے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ آنحضرت نے یہود کو جو عیسےٰ پر ایمان

نہ لائے تھے خوب سزا دی کہ مخالف لوگ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے بخلاف روح کے کہ اس کا سزا دینا عیسے کے منکرون کو کہین ثابت نہین نصارے کی بھی کسی معتبر کتاب مین موجود نہین اور نہ حواریون نے کسی منکر کو سزا دی کیونکہ وہ نہایت عاجز و مسکین تھے (۵) اور عیسےٰ یہ جو اس بشارت مین فرماتے ہین کہ وہ میری پاکی اور بزرگی تم سے بیان کرے گا پس پاکی اور بزرگی بیان کرنا بھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم مین پایا جاتا ہے کیونکہ حضرت عیسے کے حق مین جس قدر ان کی امت نے خیالات فاسدہ باندھ لئے تھے اور ان کو جزو خدا ابن اگر پوجتے تھے ان کا انکار کیا اور عیسےٰ کی اور ان کی مان کی پاکی بیان کی روح کا بھی عیسےٰ کی پاکی بیان کرنا عیسائیون کی کتابون مین موجود نہین اور نہ حواریون سے ایسا ظہور مین آیا ہی (۶) یہ جو مسیح نے کہا ہے کہ اسے میرا باپ میرے نام پر بھیجے گا اس قول مین اشارہ ہے اس مطلب کی طرف کہ وہ میری رسالت کی تصدیق کرے گا (۷) یہ جو مسیح نے کہا ہے کہ وہ کلام اپنی طرف سے نہین کرتا بلکہ جو سنتا ہے وہ کہتا ہے یہ مطابق ہے اس آیت کے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔

آسمانی بادشاہت

انجیل متی کے چوتھے اور چھٹے اور نوین اور دسوین باب مین ہے کہ حضرت عیسےٰ اور اُن کے شاگرد سب ایک آسمانی بادشاہت کے آنے کی خبر دیتے تھے اور ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بادشاہت حضرت عیسے کے عہد تک ظاہر نہوئی سو اب ہم کہتے ہین کہ اس آسمانی بادشاہت سے کہ جس کے عیسےٰ علیہ السلام اور اُن کے حواری منتظر تھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت مراد ہے کیونکہ آسمانی بادشاہت کے یہی معنے ہین کہ کسی نبی پر کتاب جس مین سب قسم کے احکام ہون بڑے زور اور شوکت سے نازل ہو کہ وہ نبی بزور شمشیر سرکشون کو اُن احکام پر چلاوے اور جو انھین نہ مانے اوسے سزا دے جیسا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ یہ کہ فقط بادشاہت دنیوی ہو جیسا کہ سلاطین کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ کہ فقط احکام مسکنت اور عاجزی کے طور پر کسی نبی پر اوتارے

جائین جیساکہ عیسے علیہ السلام پر نازل ہوے تھے بلکہ دونون چیزین مجتمع ہون کہ احکام آسمانی بھی ہون اور بادشاہت اور حکومت کے طور سے بھی ہون بعض نصارے بے انصافی سے آسمانی بادشاہت کے معنے حضرت عیسے کی شریعت کا شائع ہونا مراد لیتے ہین سو یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ آسمانی سلطنت کی کوئی بات شریعت عیسوی مین نہین پائی جاتی ہے تاکہ اس کا ظہور قرار پاجاے کیونکہ اول تو اس شریعت مین احکام سیاست اور حلت اور حرمت نہین ہین جیساکہ اناجیل متداولہ کے مطالعہ سے خوب ظاہر ہوتا ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جاے کہ اُن کے ہان احکام سیاست وحلت وحرمت ہین تو وہ آج تک عیسٰے علیہ السلام کے عہد سے کبھی جاری نہ کیے گئے نہ حواریون کے عہد مین نہ خود عیسے علیہ السلام کے زمانے مین کبھی کسی زانی یا چور یا قزاق کو سزا دی گئی۔

پھر اُس کا شیوع کب ہوگا اگر نصارے کی شوکت وحکومت کو شیوع شریعت عیسوی قرار دیا جاے تو اس زمانے سے زیادہ کبھی نصارے کو شوکت وحکومت حاصل نہین ہوئی پس اب بھی احکام آسمانی کہین جاری ہوتے نہین دکھائی دیتے ہان پارلیمنٹ اور کمیٹیون کے احکام جاری ہین جنکو بھی قرار نہین ہوتا اور ہر سال بہت روپے صرف کرکے نئے قانون بدلتے ہین البتہ شریعت محمدی کے قوانین آسمانی ہین ہر ملک مین ہر قوم مین روز نزول سے قیامت تک اُن پر عمل درآمد سزاوار اور بجا ہے اور نصارے کے قوانین اپنی اٹکل کے ہین تو ایک قوم کے موافق اور دوسری کے مخالف ہین اور اگر آسمانی بادشاہت سے حضرت عیسٰے کی شریعت کا شائع ہونا مراد ہوتا تو حضرت عیسٰے انجیل کے اکیسوین باب اور آیت ۴۲ مین ایک قوم سے اس سلطنت کی نسبت یون نفرماتے کیا تم نے نوشتون مین کبھی نہین پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیرون نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے اور تمھاری نظرون مین عجیب اسی لیے مین تم سے کہتا ہون کہ خدا کی بادشاہت

تم سے لی جاے گی اور ایک قوم کو جو اس کا میوہ لاے دی جاے گی جو اس پتھر پر گرے گا چورا ہو جاے گا پھر جس پر وہ پتھر گرے گا اُسے پیش ڈالے گا انتہے اس قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہت سے خود طریقۂ آسمانی مراد ہے نہ اُس کا شائع ہونا کیونکہ شیوع اس کا ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیا جانا کچھ معنے نہیں رکھتا اور آسمانی بادشاہت کا ایک میوہ لانے والی قوم کو دیا جانا عرب پر صادق آتا ہے اور اُس کے بعد صاحب سلطیت کی مثال ناپسند پتھر کے ساتھ دینا اور اس کا کونے کا سرا ہونا اور لوگوں نظروں مین اُس کا عجیب معلوم ہونا پتھر مین یہ وصف ہونا کہ جو اس پر گرے گا چورا ہو جاے گا اور جس پر وہ پڑے گا چورا کر ڈالے گا خاص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ قوم عرب تمام قومون کے نزدیک ذلیل و خوار تھی چنانچہ تورات کی کتاب استثنا باب ۳۲ آیت ۲۱ مین ان کی نسبت یون پیشین گوئی کی ہے انھون نے اس کے سبب سے جو خدا نے مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتون سے مجھے غصہ دلایا سو مین بھی انھین اس سے جو گروہ نہین غیرت مین ڈالون گا اور ایک بے عقل قوم سے انھین خفا کرون گا انتہے پس گروہ بے عقل اور جاہل سے مراد عرب ہین کیونکہ تمام جہان سے جاہل یہی لوگ تھے ان کے ہان نہ علوم عقلیہ تھے نہ نقلیہ لکھنا پڑھنا بھی نہ جانتے تھے اور بتون کی عبادت کے سوا اور کچھ نہ پہچانتے تھے اور عرب مین بالخصوص آنحضرت اور بھی لوگون کے نزدیک ناپسند تھے کیونکہ نہ ان کے پاس مال و اسباب دنیوی تھا نہ کبھی ان کا کوئی باپ دادا بادشاہ ہوا تھا نہ اُن کے باپ دادا حیات تھے گویا حضرت ناپسند پتھر کی مانند تھے اور لوگون کے نزدیک آپ کا تمام جہان کے لیے رسول ہونا عجیب تھا اور باوجود یتیمی کے کہ آپ کے باپ دادا بچپن ہی مین گذر گئے تھے اور بھائی بند اور قوم جہل مین گرفتار تھی ستھرے آداب اور نیک اور پسندیدہ وضعون سے بالکل واقف نہ تھے اُن کے درمیان مین آپ کی ذات بابرکات کمال حسن اخلاق اور نہایت آداب کی رعایت کے ساتھ ظاہر

ہوئی اور باوجود اس بات کے آپ امی محض تھے بلکہ مکتب میں بیٹھے بھی نہ تھے مشکل مشکل
علموں کی باریکیاں واضح بیان سے ارشاد فرماتے تھے اور الفاظ کہ گویا وہ بھی معجزے تھے کمال
فصاحت سے ادا کرتے تھے اور کبھی بات خلاف عقل اور مروت کے آپ سے ظہور میں
نہ آئی بلکہ جس نے آپ سے بیعت کی تو آپ نے اس سے یہ عہد بھی کرایا کہ بعد ازین وہ شرک نہین
کرے گا زنا نہین کرے گا اور اپنے بچون اور بچیون کو نہین مار ڈالے گا اور احکام الٰہی سے
مخالفت نہین کرے گا رواہ البخاری ومسلم عن عبادہ بن صامت اور ملکی تدبیرین اور
جنگ و صلح کے مقدمے اور سوا اس کے آپ کا ہر کام حکمت کے قاعدے پر جاری
تھا پھر باوجود نہونے تعلیم اور تعلم کے کمال کو اس مرتبے کو پہونچنا بغیر تائید غیبی اور بدون
تعلیم الٰہی کے ممکن نہین ہے اور یہی معنے پیغمبری کے ہین۔ پھر آپ کو اللہ نے نبیون کا سرا
بنایا یعنی خاتم النبیین کر دیا چنانچہ صحیح بخاری ومسلم مین ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت
نے فرمایا کہ میری اور پہلے انبیا کی مثال ایک ایسے محل کی ہے کہ تمام خوب بنا لیکن اس
مین ایک اینٹ کی کمی تھی پھر اس محل کے گرد دیکھنے والے پھرنے لگے اور وہ اس
دیوار کی خوبی سے تعجب کرتے تھے مگر اس اینٹ کی جگہ خالی تھی سو مینے اس اینٹ کی جگہ
جو خالی تھی بند کی میرے ساتھ دیوار ختم کی گئی اور میرے ساتھ رسول ختم کیے گئے اور
ایک روایت مین ہی کہ وہ اینٹ مین ہون اور مین ہی نبیون کا سلسلہ ختم کرنیوالا ہون پھر آپ
پر جو گرا چورا ہو گیا اور جس پر حضرت جھک گئے اس کو بھی چورا کر ڈالا اور آپ کے بعد صحابہ
جن ملکو پر گرے سب کا انھون نے چورا کر دیا یہود اور نصاریٰ کو قتل کیا روم اور شام اور
ایران پر کمبل پوش عربون کا قبضہ ہو گیا پس یہ بشارت بجز محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اور
کسی پر صادق نہین آتی خاص کر عیسے علیہ السلام پر تو کسی طرح صادق نہین آتی کیونکہ
اول تو عیسے علیہ السلام کسی اور کی نسبت یہ فرماتے ہین جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے دوسرے
نہ تو حضرت عیسے ناپسند پتھر کی مانند تھے کیونکہ بنی اسرائیل مین سے خاص داود علیہ السلام

ختم نبوت کا بیان

کی نسل مین سے تھے کہ جو تمام بنی اسرائیل مین معظم و مکرم تھی اُن کی قوم کسی طرح جاہل و حقیر نہتھی
جن سے کسی کو غیرت دلائی جاتی اور نہ عیسےٰ پر گرکے کوئی چور اہوا چنانچہ یہود نے آپ سے
کیا کچھ کیا اور کس طرح سے آپ پر گرے کہ آپ کو بقول نصارے چور اکر دیا اور اُن کا کچھ بھی
ضرر نہوا اور نہ عیسے علیہ السلام نے گر کے کسی کو چور اکیا جس طرح محمد رسول اللہ نے فتح مکہ مین
اہل مکہ کو اور اس سے پہلے اہل خیبر وغیرہ کو گر کر چور اکر دیا اور نہ عیسے علیہ السلام کونے کا سرا
ہوے جس سے مراد خاتم النبیین ہونا ہے اور نصارے کا یہ دعوے کہ عیسےٰ علیہ السلام
خاتم النبیین ہین کہ اُن کے بعد اور کوئی نبی نہ آئے گا بالکل غلط ہے کیونکہ اہل کتاب اُن
کے سوا اور نبی کا انتظار کرتے تھے جس کی موسےٰ علیہ السلام نے توریت کی کتاب استثنا
کے اٹھارھوین باب کے درس ۱۸ مین خبر دی تھی کہ مین اُن کے لیے ان کے بھائیون مین
تجھ سا ایک پیغمبر قائم کرون گا یہود کہتے ہین کہ اس نبی موعود سے مراد یوشع بن نون ہین
مگر یہ قول باطل ہے اس لیے کہ یوشع کفو و مماثل موسےٰ کے نہ تھے بلکہ اُن کی حیات
مین خادم رہے اور وفات کے بعد موکد اور موید اُن کی دعوت کے تھے اور حضرت موسےٰ
کی شریعت کے تابع تھے نہ اُن پر نئی کتاب نازل ہوئی تھی نہ ان کی شریعت جدید تھی اور نصارے
کہتے ہین کہ یہ بشارت عیسے علیہ السلام کے لیے ہے اور یہ بھی غلطی ہے اس لیے کہ حضرت
عیسے علیہ السلام کے زمانے مین بھی اس نبی کے جس کی یہ بشارت ہے علماے توریت
منتظر تھے اور ان سے پیشتر بھی اہل کتاب کو سواے مسیح کے ایک اور نبی کا انتظار تھا چنانچہ
یوحنا نے اپنی انجیل کے باب اول مین لکھا ہے کہ جب حضرت یحیےٰ مبعوث ہوے تو یہود نے
اپنے علما کو اُن کے پاس بھیج کر یہ دریافت کیا کیا تم ایلیا یعنی یحیےٰ ہو یا مسیح ہو یا وہ نبی ہو
(جس کی موسےٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے) تو اس سے معلوم ہوا کہ یہود کو سواے مسیح
اور ایلیا کے اور پیغمبر کا بھی انتظار مسیح اور ایلیا کے انتظار کی برابر تھا اور یہ نبی معہود ایسا مشہور
تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی بلکہ اس کی طرف اشارہ ہی کافی تھا انجیل

خاتم النبیین

یوحنا کے ساتوین باب مین عیسےٰ علیہ السلام کا قول نقل کرکے یہ لکھا ہو آیت ۴۰ تب اُن لوگون مین سے بہتیرون نے سنکر کہا کہ حقیقت مین یہ وہ نبی ہے آیت ۴۱ اورون نے کہا یہ مسیح ہے یہان سے ظاہر ہوا کہ نبی معہود اُون کے نزدیک مسیح کے سوا کوئی اور شخص ہے کیونکہ اس کو مسیح کے مقابلے مین ذکر کیا اور ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانے تک اہل کتاب فارقلیط کے منتظر تھے چنانچہ بعض مسیحی لوگون نے فارقلیط ہونے کا دعوے بھی کیا تھا اور بعض عیسائی لوگون نے اُسے مانا بھی تھا چنانچہ ولیم میور صاحب نے اپنی تاریخ کی کتاب کے تیسرے باب مین جو ۱۸۴۶ء مین چھپی ہے ایک شخص کا حال لکھا ہے جس نے قرن ثانی مین دعوے کیا تھا کہ مین وہ فارقلیط ہون جس کی عیسےٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے اور لب التواریخ کا مصنف کہ وہ بھی عیسائی ہے لکھا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود ونصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اسی وجہ سے ملک حبشہ کا بادشاہ نجاشی اُن کا حال سنکر ایمان لایا اور کہا بلاشک وہی نبی ہین جن کی عیسےٰ علیہ السلام نے انجیل مین خبر دی ہے اور اسی طرح مقوقس بادشاہ مصر نے حضرت کی نبوت کا اقرار کیا اور ہرقل شہنشاہ روم نے بھی اقرار کیا تھا اور علما ورا ہبان نصاریٰ اپنی اولاد کو تعلیم و تلقین کرتے تھے اور خروج اور بعثت کا وقت مقرر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خروج اُن کا مکے سے اور ہجرت طرف مدینے کے ہوگی اسی لیے اُن کے اسلاف قلعے مدینے کے قریب بناتے تھے کہ جب رسول آخر الزمان آوینگے تو ہم اُن کی مدد کرینگے اُن کو حکم تھا کہ وہ اپنے اوطان ملک شام سے ہجرت کرکے ان قلاع وبقاع مین جا رہین اور جب وہ پیغمبر ظاہر ہو اور فاران مین حق علانیہ ہو اور وہ ہجرت کرکے دار الہجرت مین آئے اور یثرب مین نزول فرماے تو اس کی نصرت ومعاونت کرین کیونکہ توریت کے پانچوین سفر مین نور الٰہی کے فاران سے آشکارا ہونے کی بشارت ہے اور فاران نام عبرانی ہے اور وہ تین پہاڑ ہین مکے مین کہ ایک مین اُن مین سے ایک غار ہے اس کو غار حرا کہتے ہین اس مین محمد صلے اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھ کر یاد الٰہی

کرتے تھے اور وحی وہین سے ظاہر ہوئی ہے - ام المومنین صَفِیَّہ کہتی ہین کہ میرے باپ حیی
اور چچا ابو یاسر بن اخطب نے جب سنا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم آکر قبا مین مقیم ہوے ہین
تو اُن کے دیکھنے کو گئے شام کو لوٹ کر آے تو نہایت غمگین گھر مین آکر پڑ رہے مین اُن
پاس گئی باوجودیکہ مجھ پر بہت پیارے تھے مگر اپنے ملال و رنج کی وجہ سے میری طرف ذرا بھی
خیال نہین کیا اس وقت میرے چچا نے باپ سے کہا کہ کیا یہ مرد وہی پیغمبر ہے جس
کی صفت توریت مین موجود ہے میرے باپ نے جواب دیا کہ یہ وہی ہے چچا نے
کہا کہ تجھے یقین ہے کہ یہ وہی ہے کہا کہ خدا کی قسم یقیناً وہی ہے پوچھا کہ اس کی نسبت
تو اپنے دل مین کیا پاتا ہے محبت یا عداوت جواب دیا کہ عداوت واللہ جب تک مین
زندہ ہون عداوت سے باز نہین رہنے کا اب کہیئے کہ اگر عیسےٰ علیہ السلام
خاتم النبیین تھے تو اہل کتاب اُن کے بعد پھر کیون ایک اور نبی کے منتظر تھے اور عیسے
علیہ السلام نے کیون ایک اور نبی کے آنے کی بشارت دی تھی پس عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین
سمجھنا غلط ہو گیا دوسرے نصاریٰ پولس اور حواریون کی نبوت کے قائل ہین حالانکہ یہ سب
حضرت عیسےٰ کے بعد ہین تیسرے کتاب اعمال کے گیارھوین باب مین آیت ۲۸ مین ہے
اور انھین دنون مین کئی ایک نبی بیت المقدس سے انطاکیہ مین آے اُن مین سے ایک
نے جس کا نام اجبس تھا روح کے باعث سے تبلایا کہ سارے جہان مین عنقریب بڑا
کال پڑے گا جیسا کہ قلادیوس قیصر کے عہد مین پڑا تھا یہان سے صاف ظاہر ہوا کہ
بیت المقدس سے انطاکیہ مین نبی لوگ آئے تھے اُن مین سے ایک کا نام اجبس تھا اور
یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ قصہ عیسےٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور اُن کے بعد بھی نبی ثابت
ہوئے پس عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبیین ماننا بالکل غلط و مخالف ہے چوتھے عیسائیون
کے پاس کوئی دلیل نہین ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عیسےٰ علیہ السلام کے بعد
کوئی نبی نہ ہوگا -

حضرت موسےٰ کی بشارت

عیسائی جو کہتے ہین کہ حضرت موسےٰ کی اس بشارت مین کہ مین بنی اسرائیل کے لیے اُن کے (یعنی بنی اسرائیل کے) بھائیون مین تجھ سا ایک پیغمبر قائم کرون گا اور اپنا کلام اُس کے منھ مین ڈالون گا اور جو کچھ مین اس سے فرماؤن گا وہ ویسے ہی کہے گا اور جو کوئی اُن باتون کو جنھین وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو مین اس سے مطالبہ کرونگا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات جو مینے اس سے نہین کہی جو میرے نام سے یا اور معبودون کے نام سے کہے سو وہ نبی قتل کیا جاوے گا (کتاب استثنا باب ۱۸ درس ۱۸ و ۱۹) حضرت عیسےٰ مقصود ہین یہ اُن کی سخت غلطی ہے کیونکہ حضرت عیسےٰ حضرت موسےٰ کی مانند نہین کیونکہ یہ بنی اسرائیل مین سے ہین اور توریت کی سفر خامس مین لکھا ہے کہ بنی اسرائیل مین کوئی نبی موسےٰ کی مثل نہین ہوا دوسرے عیسےٰ علیہ السلام نصاریٰ کے اعتقاد کے بموجب خدا کے بیٹے اور خود خدا تھے اور موسے آدمی تھے پس دونون مین مماثلت کیسے ہو سکے گی تیسرے عیسےٰ بقول نصاریٰ ملعون ہوے اور پھانسی دیئے گئے اور بعد مرنے کے دوزخ مین بھی داخل ہوے چنانچہ پولوس کے خطوط اور اہل تثلیث کے عقائد کی کتابون اور نماز کے لفظون سے یہ جملہ حاصل ہوتا ہے کہ عیسےٰ خدا ہی اور اپنے بندون کی نجات کے لیے ملعون ہو کر تین دن دوزخ مین رہا اور موسے مین یہ باتین ہرگز نہین پائی گیئن چوتھے انجیل جو عیسےٰ علیہ السلام پر اوتری اس نے نہ اختصاص احکام کیا اور نہ استنباط حلال وحرام کا وہ تو نری رموز و امثال و مواعظ و مزاجر تھی ان کے سوا جس قدر شرائع و احکام تھے سو وہ سب توریت پر محول تھے اسی قضیئے کے سبب سے یہود حضرت عیسےٰ کے منقاد نہ ہوے اور یہ دعوے کیا کہ عیسےٰ متابعت موسے و موافقت توریت کے واسطے مامور ہین لیکن عیسے نے تغیر و تبدل کر ڈالا جیسے سنیچر کی جگہ اتوار بدل دیا خنزیر کا کھانا جو توریت مین حرام تھا اس کو عیسائیون کے لیے مباح کر دیا اور ختنہ اور غسل کو بدل ڈالا وغیرہ وغیرہ اور مسلمانون نے کہا کہ مبدل و محرف امتین خاص کر پولس

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ مین کچھ مناسبت نہین

نے جو نصاریٰ کے نزدیک حواریون کے مرتبے مین ہے اور اہل تثلیث اس کو اپنا بزرگ اور
پیشوا سمجھتے ہین عیسائیون کا دین بالکل خراب کر ڈالا حرام چیزون کو حلال کر دیا ورنہ عیسے تقرر
رکھنے والے اُس چیز کے تھے جس کو موسے لاے تھے پس ثابت ہوا کہ یہان نبی موعود
سے مقصود محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہین کہ وہ کفو اور مماثل موسے علیہ السلام کے اتنی باتون
مین ہین (۱) صاحب والدین ہونا (۲) صاحب زن و فرزند ہونا (۳) صاحب
سیاست مدینہ ہونا (۴) صاحب جہاد ہونا (۵) عبادت کے وقت وضو کرنے کا
حکم دینا (۶) جنابت اور حیض ونفاس سے غسل کا واجب کرنا (۷) زناکارون کی
سزا تجویز کرنا (۸) بدن اور کپڑے کو بول وبراز سے پاک رکھنے کا حکم کرنا (۹) خدا کے
نام پر جو جانور بلا تکلف ذبح نکیا جاے بلکہ اور طرح سے مارا جاے اس کے کھانے سے
منع کرنا (۱۰) عبادات اور ریاضات بدنی مقرر کرنا (۱۱) فصل خصومات کے لیے قاضی
مقرر کرنا (۱۲) بڑے کامون مین مشورے کی شریعت جاری کرنا (۱۳) سور کھانے
سے منع کرنا (۱۴) نئی چیزون یعنی حادثات کو معبود ٹھہرانے پر معجزات دکھلانے
والے کو سچا جاننے سے منع کرنا (۱۵) دشمن کے ہاتھ سے اکیلے مخفی ہونا بلکہ یارون
کو بھی بچانا (۱۶) بیماری سے مرنا (۱۷) دار العمل سے وفات پاکر پھر دار العمل
مین نہ آنا (۱۸) خدا کی عبادت گاہ مقرر کرنا (۱۹) آدمیون کی نجات کے لیے
نہ ملعون مشہور ہونا اور نہ تین دن دوزخ مین رہنے والا قرار پانا (۲۰) اپنی امت مین
عبد اللہ و رسول اللہ کہلانا نہ اللہ و ابن اللہ

اور جس طرح موسے نے بنی اسرائیل کو فرعون کی ذلت سے نکالکر عزت دی اور راہ
راست دکھائی اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کو فارس و روم کی قید اطاعت سے
نکالکر موحد بنایا اور مہذب وشائستہ کر دیا اسی سیے قرآن مین اللہ فرماتا ہے انا ارسلنا
الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا ہمنے تمھاری طرف رسول تمپر گواہی دینے

والا بھیجا جیسے کہ ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا اور حضرت عیسے کو صرف اتنی مماثلت ہے کہ وہ بھی بنی اسرائیل سے ہین سو اس مماثلت مین سبھی انبیاے بنی اسرائیل شریک ہین کچھ حضرت عیسے کی خصوصیت نہین بخلاف محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ حضرت موسے کے ساتھ بھائی بندی مین زیادہ قرابت رکھتے ہین اس لیے کہ حضرت ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسحاق سارا خاتون سے اور اسماعیل ہاجرہ سے سو حضرت اسحاق کی اولاد سے بنی اسرائیل ہین اور حضرت اسماعیل کی اولاد مین اکثر عرب ہین خصوصاً محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی نسل سے ہین سو حضرت موسے اور آنحضرت دونون ایک جدی ہین اور حضرت ابراہیم کی اولاد مین داخل ہین پس اس بشارت مین بنی اسرائیل کے بھائیون سے بنی اسماعیل ہی مراد ہین اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسماعیل مین سے سواے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی ایسا نہین ہوا ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ یہود کہا کرتے کہ خداوندا اپنے نبی امی کو کہ ذکر اس کا توریت مین ہم پاتے ہین مبعوث فرما تا کہ کفار عرب کو سزا دے اور انکو قتل کرے اور یہود مدینہ اوس وخزرج سے کہا کرتے تھے قریب ہے کہ ایک نبی مبعوث ہوگا اس کے ساتھ ہوکر ہم تم سے لڑین گے آرزو انکی یہ تھی کہ وہ نبی ان کی قوم مین سے ہو یعنی بنی اسرائیل مین سے ہو جب نبی آخر الزمان اُن کی غیر قوم مین سے مبعوث ہوے تو حسد پیدا ہوا اور کفر و انکار کرنے لگے اور اس بشارت مین حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مین اپنا کلام اس کے منھ مین رکھونگا یہ دلیل واضح ہے کہ اس بشارت سے مراد محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہین اس لیے کہ غرض اس قول سے یہ ہے کہ مین اس کی طرف کلام وحی کرونگا نہ صحف والواح اس لیے کہ وہ امی ہوگا لکھنا پڑھنا نہین جانتا ہوگا سو یہ بات سوا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی پیغمبر مین نہین پائی جاتی خصوصاً یوشع جن کو یہود اس بشارت کے ساتھ مقصود بتاتے ہین پڑھے لکھے تھے سو وہ کسی طرح اس خبر سے مراد نہین ہو سکتے ہین اور اللہ تعالیٰ

نے یہ جو فرمایا ہے کہ جو شخص اس نبی کی بات نہ مانیگا تو مین اُسے سزا دونگا اس سے صرف سزا ے
آخرت ہی مراد نہین کیونکہ اس مین کسی نبی کی خصوصیت نہین بلکہ ہر نبی کے نافرمان کو
عذاب اخروی ہوگا بلکہ اس سے مراد دنیا کی سزا ہے کہ اس نبی کے منکرون کو جہاد و
قتال سے زیر کرونگا اور محکوم اور ذلیل بناؤنگا سو یہ بات نہ یوشع کو حاصل تھی نہ عیسے
کو البتہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی کہ آپ نے باوجود اس بے سروسامانی کے کہ
نہ آپ کے پاس فوج تھی نہ خزانہ نہ اعوان والانصار نہ خویش وتبار اس وقت مین
سب لوگ کافر ومشرک تھے اور آپ کے عزیز اور قریب اور رشتہ دار اور بھائی بند
آپ کے دشمن ہوگئے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے کوئی مجنون کہتا تھا اور کوئی دیوانہ
بتلاتا تھا اور وہ سب خونخوار تھے لڑائی کفار سے ایسی سخت کی کہ لاکھون یہود ونصاریٰ
جنھون نے مقابلہ کیا قتل ہوے اور باواز بلند یہ فرمایا کہ تم اہل مکہ بلکہ تمام عرب بلکہ تمام
عالم کہ جو اس طریق حق پر نہین کافر ہے اور اس کے لیے دوزخ ہے پھر درجہ بدرجہ
تمام عالم سے جنگ ہوئی سب سے غالب رہے آخر مشرق سے مغرب تک دین حق
پھیلا دیا اور اس بشارت مین تصریح ہے کہ یہ نبی اگر کوئی بات اپنی طرف سے کہے گا
تو قتل کیا جاے گا اور یہ ظاہر ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بعد دعوت کے قتل نہین
کیے گئے بلکہ روز بروز آپ کے دین کو ترقی ہوتی گئی یہان تک کہ زمین کے کنارون
تک اسلام پھیل گیا اور بڑی بڑی شان وشوکت کی سلطنتین اہل اسلام کے قبضے
مین آئین اور دم آخر تک حضرت کی شان وشوکت زیادہ ہوتی گئی پس اگر حضرت
وہ نبی نہوتے تو بموجب وعدۂ الٰہی کے شان وشوکت کے عوض ذلت اُٹھاتے
اور آخر بہت رسوائی سے قتل کئے جاتے عیسے علیہ السلام نصاریٰ کے اعتقاد
مین قتل کیے گئے پس اگر یہ بشارت اُن کے لیئے قرار دی جاے تو اُن کا جھوٹا نبی
ہونا لازم آے جیسا کہ یہود کہتے ہین پس معلوم ہوا کہ یہ خبر اُسی نبی خاص کے لیے ہی

جس کے یہ فرمایا ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی بات ہم پر باندھ کر کہے تو مار ڈالا جاے اور بعد اس کے فرمایا واللہ یعصمک من الناس یعنی خداوند تعالیٰ تجھے آدمیون سے بچائیگا۔

اشعیاء کی پیشین گوئی

کتاب اشعیا کے بیالیسوین باب مین ایک نبی کی نسبت بشارت ہے آیت اول دیکھو میرا بندہ جسے برپا کیا میرا برگزیدہ جس سے میراجی راضی ہے مینے اپنی روح اس پر رکھی وہ قومون پر عدالت کرے گا آیت ۲ وہ نچلاے گا اور اپنی صدا بلند نکرے گا اور اپنی آواز بازارون مین نہ سناے گا آیت ۴ وہ جب تک زمین پر عدالت نکرلے نہ گھٹے گا اور جزیرے اس کی شریعت کی راہ تکین گے آیت ۶ مین جو یہوواہ ہون تجھکو راست بازی سے بلایا ہے تیرا ہاتھ پکڑونگا اور تیری حفاظت کرونگا اور لوگون کے عہد اور قومون کی روشنی کے لیے تجھے دونگا آیت ۷ تو اندھون کی آنکھین کھوے گا اور بندھوون کو قید سے اور اُن کو جو اندھیرے مین ہین وہان سے نکالے گا آیت ۸ یہوواہ مین ہون یہ میرا نام ہی اپنی شوکت دوسرون کو نددونگا اور وہ ستائش جو میرے لیے ہوتی ہے سو تبون کے لیے ہونے دونگا آیت ۱۰ یہوواہ کے لیے نیا گیت گاؤ اے تم جو دریا مین گذرتے ہو اور اُس مین پیرتے ہو اور اے جزائر اور وہان کے بسنے والو تم زمین پر سرتاسر اُس کی ستائش کرو آیت ۱۱ صحرا اور وشت اور صحرائی اور دشتی گانون اور جو قیدار مین ہین آوازین بلند کرین پہاڑیان گیت گائین پہاڑیون کی چوٹیون پر للکارین آیت ۱۲ وہ یہوواہ کا جلال ظاہر کرین اور جزیرون مین اُس کی ثنا خوانی کرین آیت ۱۳ یہوواہ ایک بہادر کی طرح نکل کھڑا ہوگا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت اکساے گا وہ نعرے مارے گا وہ اپنے دشمنون پر بہادری کرے گا آیت ۱۶۔ اور اندھون کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہین جانتے تھے لے جاے گا مین انھین اس راستے سے چلون گا جس سے وہ آگاہ نہین ہین تاریکی کو اُن کے آگے روشنی کردونگا اور بھتیری چیزون کو سیدھا مین ان سے یہ سلوک کرونگا اور انھین

ترک نکرونگا آیت ۱۷ وہ پھرائے جائینگے وہ بالکل پشیمان ہونگے جو کھودی ہوئی مورتون پر بھروسا کرتے ہین اور ڈھالے ہوئے بتون کو کہتے ہین کہ تم ہمارے خدا ہو یہ جو ہم نے آیت ۳ و ۵ و ۹ و ۱۴ و ۱۵ کو نہین لکھا تو صرف اختصار کے لیے نہین لکھا نہ کہ اپنے مطلب کے مضر اور عیسائیون کے مفید سمجھ کر چھوڑ دیا جس کا جی چاہے کتاب اشعیا کو پڑھکر دیکھ لے عہد عتیق کے مجموعے مین شامل ہے۔ عیسائیون کا دعوے ہے کہ یہ خبر اشعیا نبی نے حضرت عیسے کے حق مین دی ہے چنانچہ پہلی انجیل کے مولف نے بارھوین باب کی سترھوین آیت مین اس کا اشارہ کیا ہے خیر بیت یہ ہے کہ حضرت عیسے کے اقوال مین اس اشارے کو نہین داخل کیا خود اس مولف نے اپنا گمان لکھا ہے اور اہل اسلام کا دعوے یہ ہے کہ یہ خبر حضرت محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور اس کی کئی وجہین ہین وجہ اول پہلی انجیل کے پندرھوین باب مین حضرت عیسے کا قول یون نقل کیا ہے آیت ۲۴ مین سوائے اسرائیل کے گھرانے کی گمراہ بھیڑون کے اور کسی کے لیے بھیجا نہین گیا انتہے یہ نص جلی ہے اس بات پر کہ حضرت عیسے کی نبوت کی وضع صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی گو کہ اور گمراہ لوگ بھی آکر ان کی باتین سنکر راہ پر آئین تو کچھ مضائقہ نہین اور اسی طرح یہ تخصیص حضرت عیسے کی بنی اسرائیل کے لیے انجیلون کی بہت جگہ سے اور پولوس کے خط موسومہ عبرانیان کے آٹھوین باب کی آیت ہشتم اور دہم سے بھی نکلتی ہے پس عیسائیون کا یہ کہنا کہ حضرت عیسے سارے جہان کے لیے آئے تھے محض غلط ہے غایت الامر حضرت عیسے کے بعض اقوال سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ غیر بنی اسرائیل بھی اگر شریعت عیسوی سے ہدایت پاوے تو ہو سکتا ہے مگر بعثت اُن کی صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی تو دیکھئے یہ اشعیا نبی کا کلام اول سے آخر تک پکارتا ہے کہ اس شخص موعود کو جو کہ خدا کا بندہ ہوگا عموم خلقت کی پیشوائی اور سارے جہان کے لوگون کی رہنمائی کا منصب ملے گا پس حضرت

عیسے علیہ السلام کیونکر یہان مراد ہو سکتے ہین خصوصًا اہل تثلیث کے عقائد پر اس لیے کہ یہان اس شخص موعود کو اپنا بندہ کہا نہ کہ خود اپنے تئین سو یہ خبر صادق نہین آسکتی مگر اس شخص پر جس سے فرمایا قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا تو کہہ اے لوگو مین اللہ کا رسول ہون تم سب کی طرف عیسائیون نے جو اس بشارت مین اپنے اصول کے خلاف بندے کا لفظ حضرت عیسے کے حق مین دیکھا تو تحریف کر ڈالی جو نسخہ عربی مطبوعہ ۱۸۱۱ع مین ہے یعوب فتائی اعضد ہ واسرائیل مختاری قبلتہ نفسی اعطی روحی علیہ یخرج الحکم الامم اور اس ترجمۂ عربی سے ایک اور وجہ دریافت ہوتی ہے کہ حضرت عیسے اس پیشین گوئی سے مراد نہین ہین اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص درماندہ نہوگا یہان تک کہ اپنی حکومت اور عدالت کرے گا اس لیے کہ حضرت عیسیٰ کی شریعت مین حکومت کا صیغہ ہی نہین اور اُنھون نے عاجز ہو کر دنیا سے انتقال کیا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مضمون باواز بلند پکارتا ہے کہ یہان محمد رسول اللہ مراد ہین **وجہ دوم** علی العموم آیت ۱۱ مین نوید کے ساتھ ایک قوم خاص کی تصریح کی کہ جس مین بنی اسرائیل کی تخصیص والا پیغمبر صاف باہر ہو جاتا ہے اور بنی اسماعیل والا پیغمبر صاف ثابت ہو جاتا ہے یعنی بنی قیدار کی قوم کو خاص کر کے نوید دی اور توریت سے ثابت ہی کہ قیدار حضرت اسماعیل کے بیٹے کا نام ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اُنھون نے عربستان مین بود و باش اختیار کی اور سارا عرب بنی اسماعیل ہین داخل ہے خصوصًا قریش لوگ قطعًا بنی اسماعیل ہین اسی واسطے عربی ترجمے مین جو ۱۸۱۱ع مین چھپا ہے سرے پر اس خبر کے تغیر و تبدیل کی اور بعد اُس کے قیدار کے لفظ کو حذف کر دیا فرحی ایتہا البریۃ وقراہا یعطون للہ مجدا یعنی خوش ہو اے جنگل اور اُس کے دیہات کہ وہ خدا کی بڑائی کرتے ہین **وجہ سوم** گیارھوین آیت مین اس بات کو بھی لحاظ کیجیے کہ بلندیون پر خدا کی بزرگی ظاہر کی جاوے گی یہ بات اوس شخص پر صادق آتی ہے جس کے دین کے شعائر ضروریہ سے یہ بات ہو کہ پانچون وقت منارون پر اللہ اکبر اللہ اکبر

کہا جائے اور سفر حج مین ہر ٹیکری اور ٹیلے پر کوسون تک پکارا جائے لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد و النعمة لک والملک لا شریک لک

اور جیسے فرمایا ہو کہ جب راہ چلنے مین نشیب سے بلندی پر چڑھو تو اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو اور جب بلندی سے اترو تو کہا کرو سبحان اللہ سبحان اللہ اور جب سفر مین کسی آبادی مین داخل ہونے لگو تو اسطرح خدا کو یاد کرو اور جب منزل پر اترو تو یہ پڑھا کرو یا اُس شخص پر صادق آتی ہی جسنے ایسا کچھ نہ فرمایا اور نہ اُسکی شریعت مین یہ باتین داخل ہون گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہو اور خدا کے ذکر کو اُس نے کہا ہو کہ دروازہ بند کرکے کیا کرو چپکے چپکے وجہ چہارم گیارھوین آیت کو بارھوین آیت سے ملا کر پھر غور کیجیے خدا نے فرمایا ہی کہ خدا کی ثنا خوانی سب جہہ مین پھیلے گی مین پوچھتا ہون کہ یہان خدا کی ثنا خوانی کسطرح کی مراد ہی آیا وہ ثنا خوانی مراد ہی جو سگن یا پاسنا کے ضمن مین ہوتی ہی یعنی بعض مصدورات واجب کو جو صاحب فیضان کثیر ہین واجب سے بیان کرنا اور آئین ہم واجب کی ثنا خوانی سمجھنا اور اسکی بعض مخلوقات کو بالکل کارخانہ ایجاد و افنا کا مالک و مختار اعتقاد کرنا اور آئین واجب کی قدرت کا تصور کرنا یا وہ ثنا خوانی جس مین یہ کچھ نہو بلکہ اسکو بیحد اور بے پایان اور غنی مطلق سمجھنا اور اُسکی ذات کے سوا کسیکو فی الجملہ بھی بڑائی کی بات مین بے نیاز نہ سمجھنا اور اس کے سوا اور کسی چیز کو فی الجملہ بھی بے نیاز سمجھنے کو سب گناہون سے بڑا جاننا اگر پہلی ثنا خوانی مراد ہے تو حضرت عیسےٰ سے آگے ہی سارے جہان مین پھیلی ہوئی تھی کون فرقہ ایسا تھا جو خدا کو نہ جانتا تھا اور اس کی ویسی ثنا خوانی نہ کرتا تھا اہل تثلیث کے ہاتھون سے کچھ نہین پھیلا سوا اس کے کہ باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا اور خدا نے مریم کے پیٹ مین جسم پکڑا اور بندون کی نجات کے لیے عالم ظہور مین آگر آخرکار کچھ اس سے نہ بن پڑا سوا اس کے کہ ملعون ہو کر تین دن دوزخ مین رہا ہندو لوگ رام چندر اور کرشن کی نسبت بھی یہی کہتے ہین کہ زمین کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایکبار کوسلیا کے پیٹ مین رام چندر بنکر اور ایک بار دیوکی کے پیٹ سے کنھیا ہو کر خدا جسم پکڑکے پیدا ہوا اور بعض عیسائی کہتے ہین کہ عیسےٰ خدا سے صادر ہوا اور خدا نے اس کو بالکل سارے عالم کا مالک و مختار کر دیا

ایسے ہی پارسی لوگ نفوس فلکیہ اور کوکبیہ اور عقول عشرہ کو سمجھتے ہین اور انھین ایجاد و افناے موجودات کے باب مین مفوض الاختیار جانتے ہین اور اگر دوسری طرح کی ثناخوانی مراد ہے تو یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکہ کے ملکون مین اور کم وبیش تمام جزائر مین بڑا پہلا حکم شریعت یعنی لا الہ الا اللہ جس زمانے سے کہ آدمی دنیا مین پھیل پڑے کسی کے ہاتھ سے سواے محمد رسول اللہ اور ان کے متبعین کے پھیلا ہو تو بتا دیجئے باوجودیکہ بڑے بڑے گیتی ستان اور بڑے شمشیر زن مسلمانون سے زیادہ ہندو اور پارسی اور یہودی مذہب والون مین بھی ہوتے چلے آئے پس وہ خبر سواے اس شخص کے جس کو خدا نے فرمایا ہو ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کرے اور کس پر صادق آئے گی ہزارون برس سے ثنویت زردشتیون کے اور تثلیث عیسائیون کے ہان ضروریات التزامیہ ملت مین داخل ہے سو وہ سچی ثناخوانی خدا کی اب تک کسی عہد مین دنیا مین مشرق سے مغرب تک اس کیفیت اور کمیت کے ساتھ نہین پھیلی جیسی کہ دین محمدی مین پھیلی وجہ پنجم چھٹی آیت مین خدا نے وعدہ کیا ہے کہ مین اس شخص موعود کی حفاظت کرون گا اور حضرت عیسے دشمنون کے ہاتھ سے دنیا مین محفوظ نہ رہ سکے پس اس سے مراد محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہین جن کے حق مین اللہ تعالے فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس اللہ تجھ لوگون سے بچاے گا وجہ ششم تیرھوین آیت کو دیکھئے وہ جہاد کے مقدمے مین شمشیر برہنہ گواہ ہے اور کس لطافت کے ساتھ گواہی دیتی ہے کہ خدا آدمیون کی طرح پر دشمنون سے لڑے گا نہ یہ کہ جس طرح اور اگلے بعض پیغمبرون کے دشمنون سے لڑا کہ مضطر کر کے مار ڈالا اور بکمال بیکسی و بےبسی سے ہلاک کیا بھی رحمۃ للعالمین کی شان ہے کہ خدا کے دشمنون سے جو لڑے بھی تو اس طرح لڑے کہ ان کے بھی دل کی ہوس بجھتی رہی نہ رہے بےکس اور بےبس ہو کر نہین مارے گئے

[illegible]

وجہ ہفتم سولھوین آیت کو غور کیجئے خدا فرماتا ہے کہ خدا کی شریعت سے ناواقف کا ذہن کے لیے اس بندے ظاہر کرونگا اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل جن کے واسطے حضرت عیسیٰ آئے تھے خدا کی شریعت کے بڑے عالم تھے خصوصاً بھلا برا حکم شریعت کا ان کے سوا کوئی دنیا مین گویا جانتا ہی نہ تھا اور عیسےٰ نے خود ان کو فرمایا کہ تم لوگ علم کی کنجی ہو پس یہ بات صادق نہین آتی مگر بنی عرب پر جس سے عرب والے جو خدا کی صفتون سے بالکل ناواقف تھے اور معاد کو تو جانتے ہی نہ تھے اور جاہل کر کے مشہور تھے راہ یاب ہوے اور ایسے ہوے کہ اُن کی ہدایت کا جلوہ اب تک پھیلا ہے **وجہ ہشتم** آٹھوین آیت کو ملاحظہ کیجئے کہ اُس کے اخیر کی عبارت اور سترھوین آیت ساری کیا کہتی ہے یعنی خدا فرماتا ہی کہ اس نے بت پرستی کی موقوفی پھیلے گی اور بت پرست لوگ ہزیمتین اوٹھائینگے سیر المتقدمین اور بھی بائبل کے بعض رسالون سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل بت پرستی سے چار سو کئی برس حضرت عیسےٰ سے پہلے تائب ہو چکے تھے اور پھر کبھی بت پرستی مین نہ پڑے پھر حضرت عیسےٰ کے ہاتھ سے کونسی بت پرستی موقوف ہوئی اور کن بت پرستون نے ہزیمتین اُٹھائین یہ تو عیسائیون کے طور پر کہا گیا یعنی صرف پتھر وغیرہ کی تصویر کے سجدہ کرنے کو عیسائی لوگ غیر خدا پرستی سمجھتے ہین کہ یہ بات البتہ تھوڑے دنون سے یورپ سے موقوف ہو گئی ہے ورنہ عیسائیان یورپ کے بہت سے فرقون مین حضرت عیسےٰ کی یا صلیب کی تصویر عبادت کے وقت آگے رکھی جاتی ہے اور اصول عقلیہ کے موافق جس کا نام بت پرستی ہے یعنی مصدر و واجب مین سے کسی کو مبدء کل تصور کرنا یہ تو اصل الاصول مذہب عیسوی کا ہے اس کا موقوف ہونا کیسا پھر وہ کونسی بات ہے جس مین خدا کی ثناخوانی اور غیر خدا پرستی کی نفی عیسائیون کے ہاتھون سے ہوئی اور حضرت عیسےٰ کی بدولت پھیلی ذرا پادری صاحبان سمجھائین اور عیسائیون کے پاس کوئی وجہ معقول سواے تحریفات کے اس بات کی نہین کہ اشعیا نبی کی اس خبر سے حضرت عیسیٰ

اصول عقلیہ کے موافق بت پرستی

مراد ہین - اور اس طرح کی بشارتین حضرت اشعیا کی کتاب مین اور بھی ہین اور اشعیا نبی کی پیشین گوئیان اکثر ایسی ہین جیسے مجاذیب کا کلام **سوال** تم نے جو بیان کیا کہ پہلے انبیا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر دی ہے اور اب تک اہل کتاب کے ہان وہ بشارتین پائی جاتی ہین جن کو تفصیل وار تم نے بیان کیا سو جتنی بشارتین تم نے اگلی کتابون سے نقل کی ہین اُن مین نبی کے باپ مان شہر محلہ قوم سن و سال صورت سیرت کی خوب صراحت کہان ہے کہ کسی کو شبہہ باقی نہ رہے اور ہر شخص جان لے کہ یہ وہی نبی ہے جس کے ظاہر ہونے کے پہلے انبیا نے خبر دی ہے اگلی کتابون مین تو مجمل خبرین ہین اور کچھ تھوڑا سا ذکر بطور کنائے واشارے کے ہے سو اس سے خاص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل قطعی نہین ہوسکتی بلکہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک نبی یا انسان کامل ظاہر ہوگا کیونکہ یہ کہ سکتے ہین کہ جس شخص کے اوصاف ان کتب مین بیان کئے گئے ہین وہ محمد نہون کوئی اور شخص ہو جو ابھی عالم وجود مین نہین آیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے اہل کتاب نے باوجود اس کے کہ وہ ان علامات کو جانتے تھے مگر محمد کو رسول تسلیم نہین کیا اور ان خبرون کی تاویلات کرنے لگے سو وجہ اس کی یہی ہے کہ بشارت تفصیلی نہین اور اب تک اہل کتاب یہی شبہہ کرتے ہین کہ تمھارے نبی کا نام اور تفصیل سے نشان ہمارے یہان نہین ہے لہذا وہ نبی نہین ہین **جواب** پہلے انبیا اگر کسی پچھلے نبی کے ظاہر ہونے کی خبر دیوین تو اُس مین یہ شرط نہین کہ اس کا بالتفصیل حال ہو جس سے بالکل شبہہ اُٹھ جاوے بلکہ اکثر خبرین مجمل ہوتی ہین کہ اُن کو عوام لوگ نبی موعود کے کہنے سے جان لیتے ہین اور اُن اوصاف کو اسپر مطابق کر لیتے ہین اور خواص لوگ کبھی قرائن سے معلوم کر لیتے ہین اور کبھی خواص بھی نہین معلوم کر سکتے بلکہ کبھی ایسا

۱؎ ماتن وشارح مواقف کو یہان یہ کہنا مناسب نہ تھا کہ خبرین اس طور پر ہین کہ وہ نبوت پر دلالت نہین کرتی ہین بلکہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انسان کامل ظاہر ہوگا انتہے اس لیے کہ توراۃ کے باب

بھی ہوتا ہے کہ جس نبی کی خبر دی گئی وہ خود نہین جانتا کہ فلان خبر کا مصداق مین ہون چنانچہ
یوحنا اپنی انجیل کے باب اول آیت ۱۹ سے لیکر آیت ۲۵ تک لکھتا ہے کہ یہودیون
نے حضرت یحییٰ پیغمبر کے پاس کاہنون اور لادیون کو دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ
تم کون سے پیغمبر ہو آیا ایلیا ہو یا مسیح ہو یا وہ نبی ہو یحیٰے نے جواب دیا کہ ان تینون مین سے
کوئی نہین ہون بلکہ اُن کے سوا ایک اور نبی ہون جس کی خبر اشعیا نبی نے دی ہے پس
معلوم ہوا کہ خاص تفصیل سے ایسی علامات مذکور نہ تھین جن سے علماے یہود پہچان
لیتے کہ یہی یحیٰے ہین جنھین حضرت مسیح نے ایلیا کہا بلکہ یحیٰے علیہ السلام کو خود بھی اپنے
ایلیا ہونے کی خبر نہ ہوئی حالانکہ حضرت عیسٰے کے قول سے ثابت ہے
کہ یہی ایلیا یعنی یحیٰے ہین چنانچہ انجیل متی کے گیارھوین باب مین مندرج ہے پس
تورات وانجیل مین جس قدر مجمل خبرین ہمارے نبی کی نبوت کے واسطے اب موجود ہین
وہی کافی ہین نام اور تفصیل سے نشان نہ سہی اور علماے یہود ونصارے کا ان خبرون
کی تاویلات کرنے سے ہمارے مدعا کو کچھ نقصان نہین پہونچ سکتا اس لیے کہ عیسائیون
نے جو خبرین حضرت عیسٰے کی نبوت کے لیے نقل کی ہین وہ خبرین یہود کی تفسیر اور تاویل
کے مطابق حضرت عیسٰی پر ہرگز صادق نہین آتی ہین اسلیے یہود سخت انکار کرتے ہین لیکن
عیسائی لوگ اپنی سینہ زوری سے یہود کی تاویلات اور جھٹلانے پر کچھ التفات
نہین کرتے اور اپنے طور پر ان کی تاویلات کرتے ہین جو حضرت عیسٰے پر صادق
آتی ہین پس جس طرح آیات مذکورہ مین یہود کی تاویلین عیسائیون کے نزدیک مردود
اور نامقبول ہین اسی طرح جن خبرون سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوتی
ہے ان مین یہود اور عیسائیون کی واہیات تاویلین ہمارے نزدیک مردود اور نامقبول
ہین اور جبکہ انبیاے بنی اسرائیل مین سے اکثر نبیون نے مثل اشعیا اور ارمیا اور دانیال
اور حزقیل وعیسٰے کے آئندہ کے چھوٹے چھوٹے حالات کی خبر دی ہے جیسے

بخت نصر و سکندر و قورش کا ظاہر ہونا اور زمین ادوم اور نینوی[۱] اور مصر پر حوادث کا گذرنا تو عقل سلیم یہ کیسے قبول کر سکتی ہے کہ اُن مین سے کوئی بھی جناب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کا حال نہ بیان کرتا حالانکہ آپ کے ظہور کے بعد عالم مین بڑے بڑے حوادث پیدا ہوے مشرق سے مغرب تک آپ کا دین پھیل گیا لاکھون اہل کتاب مسلمان ہو گئے حکومتین چھین گئین اور قتل کیے گئے اور بہت سے ایسے بادشاہ آپ کے دین مین ہوے کہ جنھون نے عالم کو تہ و بالا کر دیا اہل کتاب مین اُن کے ہاتھ سے انقلاب عظیم آگیا اُن کے سامنے بیچارے سکندر و بخت نصر و قورش کی کچھ بھی حقیقت نہین ان کی فتوحات کا سلسلہ ان کی فتوحات سے بدرجہا اعلےٰ اور زیادہ ہے پس اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اہل کتاب نے توریت و انجیل وغیرہ سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی وہ خبرین جن مین تفصیل سے سب علامتین حضرت کی مذکور تھین نکالڈالین یا بدل ڈالین اور اگر ہم تسلیم کر لین کہ انھون نے ایسا نہین کیا جس قدر بشارتین ہمارے نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ہین وہ اصل مین اسیطرح ہین کچھ دور نہین کیا ہے تب بھی یہ مجملا خبرین آپ کی نبوت کے ثبوت کو جو آپ کے معجزات سے بخوبی ہوتا ہے قوت بخشتی ہین اور بطور تکملہ کے کافی ہین اور معجزات حضرت سرور کائنات کے باسناد صحیحہ متصلہ ثابت ہین اور وہ سب دو قسم پر ہین **ایک** وہ کہ محضر اُن کا اسی زمانے مین مشاہدین ماجرا کے ہاتھ سے لکھا گیا اور اُس کے لکھے جانے پر برابر سیکڑون گواہیان گذرتی چلی آئین جیسے معجزات منصوصہ قرآنیہ **دوسرے** وہ کہ اگرچہ محضر اُن کا تفصیل وار اس زمانے مین نہین لکھا گیا مگر اُن کی تصدیق اجمالی اُس محضر مین مندرج ہوئی اور تفصیل ان کی مدرکین و مشاہدین اول نے لوگون سے زبانی بیان کی اور ان کے بیان پر برابر گواہیان گذرتی چلی آئین یہان تک کہ وہ سب گواہیان قلم بند ہوئین اور اُس قلم بند ہونے اور اس قلم بند کرنے والے اور اُس کی اسناد کے سب راویون کی وثاقت پر بھی برابر بیسیون گواہیان گذرتی چلی آئین یہانتک کہ سب تحریرین پھیل

[۱] بکسر نون و واو معروف اور آخر مین الف مقصورہ قاموس مین کہا ہے کہ موصل مین ایک قریہ ہے حضرت یونس علیہ السلام کی وہان سکونت تھی اسی مین بھیجے گئے تھے

پڑین اور ان سب گواہیون مین بیسون لوگ ایسے ہین جن کے حالات حسنہ حضرت عیسے کے حواریون کے حالات حسنہ سے زیادہ تر ثابت ہین اور معجزات آپ کے بہت طرح کے ہین **قسم اول** ان مین سے قرآن ہی کہ تمام معجزات سے اعظم ہے جو متضمن ہے اخبار غیب اور مبدا اور معاد کو اور اس مین قصے انبیاے سلف کے موافق کتب سابقہ منزلہ سماویہ کے ہین اور اُس نے انبیاے سابق کی اور کتابون کی جو اُن پر نازل ہوتی تھین تصدیق کی ہی حضرت نے بلغاے عرب سے اسکی تحدی کی اور فرمایا کہ یہ کلام رب العلمین ہے اگر یقین نہین کرتے ہو تو کسی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل بنالا دپس اس وقت سے اِس وقت تک باوجود حد باندھ دینے کے اور دشمنون کی کثرت کے کسی وقت مین کسی شخص کو فصحا و بلغاے الیسی قدرت نہوئی کہ کوئی بھی چھوٹی سی چھوٹی سورت کی مثل بنالاتا **قسم دوم** معجزہ شق القمر ہے جیسا کہ امیر المومنین علے اور ابن مسعود اور ابن عباس اور ابن عمر اور انس بن مالک اور حذیفہ بن الیمان اور جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے پیغمبر خدا سے سوال کیا کہ اُن کو کوئی معجزہ دکھائین حضرت نے ان سے فرمایا کہ اگر مینے ایسا کیا تم ایمان لاوگے کفار نے کہا ہان ہم ایمان لائنگے حضرت نے اللہ سے دعا کی کہ کفار نے جو کچھ کہا ہے عطا کرے پس چاند شق ہوگیا اور حضرت ہر ایک کا نام لیکر پکارتے تھے کہ اے فلان اور اے فلان گواہ رہیا تنک کہ انھون نے کوہ حرا کو ان دونون ٹکڑون کے درمیان مین دیکھا اسطرح کہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر کی جانب اور ایک پہاڑ کے نیچے کی جانب تھا اور اُس وقت ولید اور ابوجہل اور عاص بن وائل اور عاص بن ہشام اور اسود بن عبدلیغوث اور اسود بن مطلب اور ربیعہ بن اسود اور نضر بن حارث وغیرہ کفار موجود تھے ان کفار نے یہ معجزہ دیکھنے کے بعد کہا یہ تو ابن ابی کبشہ نے جادو کیا ہے اب مسافرین سے پوچھو اگر اونھون نے بھی دیکھا ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے تب تو سچ ہے اور اگر مسافرین نے نہ دیکھا ہو تو جادو ہے جو تم پر کیا ہے سو تمام مسافرین سے دریافت کیا گیا جو ہر طرف سے آئے تھے

سب نے کہا کہ ہم نے چاند کا پھٹنا دیکھا ہے یہ خلاصہ ہے بخاری و مسلم اور دلائل النبوۃ ابو نعیم اور بیہقی کی شعب الایمان اور ابن جوزی کی کتاب الوفا کی روایات کا اور قصہ انشقاق قمر تو قرآن مین مذکور ہے حیث قال عز وجل اقتربت الساعة وانشق القمر یعنی قیامت قریب آئی اور چاند پھٹ گیا جمہور کے نزدیک یہان انشقاق قمر سے یہی قصہ شق القمر کا مراد ہے اور قرآن سے بھی یہی مرجح معلوم ہوتا ہے علامہ تاج الدین ابن سبکی نے شرح مختصر ابن حاجب مین لکھا ہے کہ صحیح میرے نزدیک یہ ہے کہ قصہ انشقاق متواتر ہے اور قرآن مین منصوص ہے اور شیخ ابن حجر نے فتح الباری مین کہا ہے کہ حدیث شق القمر محدثین محققین کے نزدیک بوجہ نقل شائع کے لائق یقین و قطع ہے اور رسالہ شق القمر مین رسالہ السیف الماضی سے نقل کیا ہے کہ مولوی شاہ عبدالعزیز کے والد شاہ ولی اللہ کو شیخ صدر عالم نے سنہ ۱۱۰۶ ہجری مین لکھا کہ ہم نے شق القمر دیکھا ہے اور مراد اس سے اُن کی رویت حقیقت محمدی تھی، شاہ صاحب نے دفع شبہ کے لیے تفہیمات الٰہیہ مین لکھا وهل اعلمك ما التولی فهو کالبخت الا انه فیه ظلمة وهذا فیه اشراق فبالبخت یسعد السعداء ویشقی الاشقیاء اما البخت فبدیهی وانما انکره قوم لیسوا من اهل التمیز ومن تجلیات الاشراق مثل ان یقال انك فعلت فی بیتك كذا وكذا او سیكون غدا كذا وكذا والمعجزات البخت كالدعاء للمرضى وزيادة الطعام والشراب واما شق القمر فعندنا ليس من المعجزات انما هو من آيات القيامة كما قال تعالى اقتربت الساعة وانشق القمر ولكنه اخبر عنه قبل وجوده فكان معجزة من هذا السبيل اہل انصاف شاہ صاحب کی عبارت مین ذرا غور کرین کہ اولا ولایت کو وہبی ہونے مین بخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے ثانیا چونکہ مشبہ اور مشبہ بہ مین مغائرت ہوتی ہے فرق درمیان ولایت اور بخت کے یہ بیان فرمایا کہ بخت مین ظلمت بھی ہوتی ہے اور ولایت مین سراسر نور ہی نور ہوتا ہے بعد اس کے بطور تفریع کے فرماتے

شق القمر کے باب مین شاہ ولی اللہ صاحب کا مذہب ۱۲

ہین کہ اسی واسطے بسبب بخت کے سعید لوگ سعید ہوتے ہین اور اشقیا لوگ شقی ہوتے ہین پھر بیان فرمایا کہ جو لوگ بخت کا انکار کرتے ہین وہ نادان و بے تمیز ہین کیونکہ بخت تو بدیہی ہے پھر اس نور کا بیان فرمایا جو ولایت مین حاصل ہوتا ہے کہ اس نور کے سبب سے بعض حوادث ماضیہ و مستقبلہ منجلی ہو جاتے ہین جس کے سبب اولیاء اللہ خبر دیتے ہین کہ تو نے اپنے گھر مین ایسا ایسا کیا ہے اور کل کو ایسا ایسا ہوگا آب آگے بیان فرماتے ہین کہ تمام معجزات جزئیہ اسی تجلی اشراق کے سبب سے ہوتے ہین جیسے کسی مریض کو دعا کی کہ وہ اچھا ہوگیا یا کھانے پینے کے واسطے دعا کی کہ وہ بڑھ گیا اور ایسے معجزات مین نبی و ولی دونون شریک ہین کیونکہ نبوت ولایت کو ضرور ہی مستلزم ہے بخلاف ولایت کے کہ مستلزم نبوت کو نہین اب اس بیان سے ایک شک پیدا ہوا کہ معجزات عظیم الشان مخصوصہ سید الانس والجان مثل شق القمر وغیرہ کے اولیا سے بھی صادر ہو سکتے ہونگے کہ نور ولایت ان مین بھی موجود ہے اس سوال کے جواب کو مصدر بلفظ اما کر کے بطور جملہ مستانفہ کے ارشاد فرمایا کہ یہ معجزہ کلان مخصوص رسول مقبول ان معجزات جزئیہ مین داخل نہین جو صرف بہ تجلی نور ولایت ہو سکتے ہین چنانچہ من تبعیضیہ اور الف لام عہد لفظ المعجزات پر اور لفظ اما استینافیہ اس معنے پر صریح دلالت کرتے ہین اس تقدیر پر خلاصہ کلام شاہ صاحب یہ ہے کہ شق القمر معجزات جزئیہ سے نہین ہے کہ ظہور اوس کا ولی کے ہاتھ پر ممکن ہو بلکہ معجزات عظیمہ نبوت سے ہے لیکن چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قبل اس کے وجود کی خبر دی ہے پس اس راہ سے معجزہ جزئیہ ہوگیا کیونکہ نور ولایت سے حوادث ماضیہ و مستقبلہ کی خبر دے سکتے ہین پس نفس شق القمر تو معجزات عظیمہ نبوت سے ہے اور شق القمر اس حیثیت سے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر قبل اس کے وجود کے دی ہے معجزات ولایت و معجزات جزئیہ سے ہے اب اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ قول انما ھو من آیات القیامۃ اس بات پر صریح دلالت کرتا ہے کہ شق القمر سوائے علامت قیامت کے اور کچھ نہین ہے کیونکہ کلمہ انما

ادوات حصر مین سے ہے پس نفس شق القمر معجزات عظیمہ نبوت سے کس طرح ہوسکتا ہے
اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حصر اضافی ہے نہ حقیقی یعنی حصر شق القمر کا علامت ہونے
مین بہ نسبت معجزۂ جزئیہ ہونے کے ہے اور اگر کلام شاہ صاحب کا ظاہر پر محمول کیا جاے
اور کہا جاے کہ شاہ صاحب کے نزدیک نفس شق القمر اصلا معجزہ نہین ہے بلکہ علامات
قیامت سے ہے تو یہ قول شاہ صاحب کا خلاف جمہور امت ہے اس لیے بہتر یہ ہے
کہ جو معنے ہم نے ان کے کلام کے بیان کیے ہین انھین تسلیم کرنا چاہیے اور ظاہر پر
حمل نکرنا چاہیے تاکہ جمہور امت کی مخالفت لازم نہ آے اور واضح ہو کہ شاہ صاحب نے
اس جگہ پر مذاق تصوف کے طور پر شیخ صدر عالم کو مخاطب کر کے معجزۂ شق القمر کو اس طریقے
سے بیان فرمایا ہے جیسا کہ مذاق اہل فلسفہ کے موافق تاویل الاحادیث مین حسب
مصطلحات فلسفہ بیان کیا ہے ورنہ دوسری کتب مین حسب طریقۂ جمہور بیان کیا ہے چنانچہ
کتب مولفہ حضرت شاہ صاحب مثل تفسیر فتح الرحمان و فتح الخبیر و مسرور المحزون وغیرہ سے
ظاہر ہے شاہ صاحب تاویل الاحادیث مین فرماتے ہین کہ یہ ضرور نہین کہ انشقاق قمر جب
ہی بولین گے جب نفس جرم قمر حقیقت مین پھٹ جاے بلکہ تاویل اس کی واسطے اسکات
فلاسفہ کے بموجب مذہب فلاسفہ کے یون ممکن ہے کہ یہ انشقاق بمنزلہ دخان اور ستارون
کے ٹوٹنے کے اور مثل خسوف اور کسوف کے ہو جن کو ناظرین دیکھ کر وہی الفاظ استعمال کرتے
ہین جو ان حوادث کے موضوع لہ حقیقی پر بولے جاتے ہین کیونکہ قرآن شریف تو بموجب
محاورۂ زبان عرب کے نازل ہوا ہے جیسا عرب کا محاورہ ہے اور جیسی بول چال ہوگی
اس کے موافق معنے الفاظ قرآن کے مراد ہوسکتے ہین اور نظیر اس کی وہی کافی ہے جو
عبد اللہ ابن مسعود سے مذکور ہے کہ جب عرب قحط مین مبتلا ہوے تو بسبب شدت قحط کے
آسمان مین ان کو دھوان نظر پڑا اور اسی باب مین آیت یوم تاتی السماء بدخان مبین نازل ہوئی
ہے اور میرے گمان مین سبب حادثہ شق القمر کا بموجب اس تاویل اسکات فلاسفہ کے یہ ہے

کہ اجزاے مایۂ چمکدار جو بسبب اتصال والتیام باہمی کے شل ایک سطح کے ہو جائین اور ایسے سطح حادثہ کے پیچھے کوئی جرم کثیف مثل پہاڑ یا ابر غلیظ کے واقع ہو تو اب یہ سطح حادثہ ایک شیشۂ شفاف کی مانند جس کی پشت پر قلعی بھی ہو ہو گیا اب اس سطح حادثہ مین کل جرم قمر منطبع ہو سکتا ہے اور اس صورت مین پورے دو چاند دکھائی دین گے یا بعض جرم قمر منطبع ہو تو ایک چھوٹا چاند اور ایک پورا دکھائی دے گا اور اگر کوئی جرم کثیف بعض جرم اصل قمر کو دھانک دے تو ٹھیک دو ٹکڑے چاند کے دکھائی دین گے ایک اصل ٹکڑا چاند کا اور دوسرا وہ جو اس سطح حادثہ مین منطبع ہوا اور ریاض سے ثابت ہے کہ یہ کل حوادث آیات اور نشانیون مین سے ہین اور یہ تاویل فلاسفہ کے مقابل مین ان کے مسلک کے موجب ہے ورنہ بموجب مذہب اہل حق کے اللہ تعالے کی قدرت ان سب چیزون کو گھیرے ہوے ہے اور اُس کی قدرت کے نزدیک نفس الامر مین شق القمر ہونا جیسا کہ اہل حق کا مختار ہے کچھ بھی دور نہین۔

پنڈت دیانند سرستی نے معجزہ شق القمر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جبکہ قمر شق ہوا تو سواے مکہ اور اس کے قرب وجوار کے اور کسی نے کیون نہ دیکھا اور اپنی اپنی تاریخون مین کیون نہ لکھا اور قمر شق نہین ہو سکتا کیونکہ اگر قمر کو ستارہ فرض کرین تو اس کا شق ہونا خلاف عقل ہے اور اگر اُس کو کرہ اور آبادی فرض کرین تو اُس کا شق ہونا بعید از عقل ہے کیونکہ اُس کی آبادی بالکل برباد ہو جاتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ دکھانا اور نہ دکھانا خدا کے اختیار مین ہے جسکو اسنے چاہا دکھایا اور جسکو چاہا نہ دکھایا دوسرے طالب اس معجزہ کے خاص مکہ ہی سے تھے نہ غیر بس فقط ان ہی کا دیکھنا ضرور تھا باقی دوسرون سے کیا غرض اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بعض ملکون مین برسات آٹھ آٹھ مہینے کی ہوا کرتی ہے اور بعض ملک ایسے ہین کہ وہان کبھی کبھی ایسی آندھیان آتی ہین جن سے آسمان اندھیرا ہو جاتا ہے اور کچھ سوجھائی نہین دیتا اور بعض ملکون مین ابر آسمان پر محیط رہتا ہے اور اتنا کہر پڑتا ہے کہ چاند چھپ جاتا ہے

پنڈت دیانند کا شق القمر پر اعتراض اور اس کا جواب ۱۲

اور کبھی بغیر آندھی کے بھی آسمان کے کنارون مین گرد و غبار اور دھوان اس قدر چڑھ جاتا ہی
کہ ماہتاب نظر نہین آتا پس ممکن ہے کہ بوقت شق القمر بھی بعض ملکون مین یہی حالت طاری ہو
اور بعض ممالک ایسے ہین کہ وہان رات برائے نام ہوا کرتی ہے اور بعض جگہ چھ چھ مہینے کے
دن رات ہوا کرتے ہین اور بعض مقامون پر بباعث شدت برف باری کے آفتاب و
ماہتاب بہت کم ظاہر ہوتے ہین پس ان مقامون کے لوگ اس کو کیونکر دیکھتے اور بہت
سے ممالک جواب آباد ہین زمانہ شق القمر مین آبادی نہ تھے پھر وہان کون دیکھتا اور یہ بھی ہے
کہ ماہتاب ہر ملک کے آدمیون کو ہر ایک وقت مین یکسان و برابر نہین دکھلائی دیتا ہے
کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آفتاب و ماہتاب مین جو گہن لگا کرتا ہے وہ بعض ملک کے آدمیون کو جو
بالکل گہن لگا ہوا دکھائی دیتا ہے اور بعض ملکون مین ایک جز گہن لگا ہوا نظر پڑتا ہے اور بعض
ملکون مین کچھ معلوم ہی نہین ہوتا ہے ہرگز نہوتا اور اسی طرح رویت ہلال مین جو اختلاف پڑتا
ہے ہرگز نہ پڑتا بلکہ ہر جگہ برابر ایک ہی وقتمین چاند یکسان و برابر نظر آجایا کرتا اور طلوع و
غروب ملکون مین متفاوت ہوا کرتے چنانچہ صحراے عرب مین ڈیڑھ ساعت گذر جاتی ہے
تب بلاد روم و روس مین آفتاب غروب ہوا کرتا ہے فرض کیجیے کہ شق القمر ابتداے رات
مین واقع ہوا تو بعض بلاد مین اس کے طلوع کا وقت کیا یعنے رات ہی نہین ہوئی تھی اور بعض جگہ
آدھی رات سے بھی زیادہ گذر گئی ہوگی اور بہت لوگ بے خبر سوتے پڑے ہون گے پس
ان جگھون کے لوگ عموماً کیونکر دیکھتے ہماری اکثر روایتون سے ثابت ہے کہ شق القمر
بوقت غروب قمر واقع ہوا اور اسی حالت مین دو ٹکڑے ملکر ڈوب گیا پس چونکہ اس کو طالبین
نے ابتدا سے دیکھا ان کو بخوبی چاند کا پھٹ جانا معلوم ہوا اور غیر متر صدین نے اس کی حالت
غروبی سمجھا پھر بھلا اس کو لوگ عموماً کیونکہ دیکھتے اس پر بعض نکتہ چین یہ فرماتے ہین کہ یہ اشتباہ
کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ تمھارے یہان ثابت ہے کہ اس رات قمر بدر تھا تو ہم کہتے ہین کہ بشرط
ثبوت و تسلیم اس سے بھی ہمارا وہی مطلب حاصل ہے کہ جو لوگ مطالبہ کر کے اس کی طرف

نظر لگائے ہوئے تھے ان کو تو یہ بخوبی دکھائی دیا اور غیرون نے دیکھنے کی صورت مین بھی اس کو وہی ابتدائی اضمحلالی ہلالی صورت مثل حالت غروبی کے سمجھا بعض حضرات فرماتے ہین کہ شق القمر کو اگر عموماً لوگون نے نہین دیکھا تو خیر مگر نجومیون کو تو ضرور دیکھنا اور اپنی تقاویم مین لکھنا چاہیئے تھا کیونکہ وہ لوگ برابر ستارون کی گردشون کے دریافت کرنے مین مشغول رہتے ہین اور رصدین بناکر ان کی حرکات کو لحاظ وضبط کیا کرتے ہین حالانکہ کسی نے نہین لکھا اس کے کئی جواب ہین (۱) اگر اثبات کسی نے نہین کیا تو انکار بھی کسی سے منقول نہین ہوا۔

(۲) ابتدائے بنائے ارصاد سے شق القمر تک اور پھر بعد اس کے آج تک کے سب تقاویم آپ مجھکو دکھلائین تو شق القمر بھی دکھلائے دیتا ہون اگر اس کو محال کہا جائے تو اولاً مین عرض کرونگا کہ یہ محال باعتبار آپ کی معلومات وادراکات کے ہے یا باعتبار قدرت قادر بیچون وخالق مخلوقات کے پس باعتبار ذات باری تعالیٰ کے اس کا محال ہونا عقلاً و نقلاً بدیہی البطلان ہے اور باعتبار آپ کے ادراکات کے اس محال کے ممکن ہوجانے مین کوئی استحالہ لازم نہین آتا اور ثانیاً اگر یہ کلیہ تسلیم کرلیا جائے تو مجھکو اس مین جواب دہی کی بہت گنجائش ہوجاتی ہے مثلاً حضرات پنڈتون سے یہ التماس کرونگا کہ آپ کی کتب محققہ مین جو یہ لکھا ہے کہ ہنومان جی نے آفتاب کو اپنی بغل مین لے لیا تو یہ بھی صریح محال ہے اور ایسے ہی ہزارون امور کتب مخالف مین دور از قیاس وخارج از قانون عقل بھرے پڑے ہین پس وہ سب کیونکر تسلیم کئے جاسکتے ہین اور بالاتفاق حکمائے یونان شمس وقمر وغیرہ بسیط نہین بلکہ اشیاء مرکبہ سے ہین اور مرکب کے اجزا کا متفرق ہوجانا کچھ محال نہین - وقوع شق القمر مین ہمارے پیغمبر کی شان مین لوگ دو طور پر تھے ایک رسول دینی سمجھنے والے اور ایک جادوگر وشعبدہ باز وغیرہ ٹھہرانے والے پس فریق اول نے تو باعتقاد موجود رہنے آیت قرآنیہ و روایات متواترہ ولسانیہ کے لکھنا کوئی امر ضروری نہ سمجھا اور فریق ثانی بھلا ساحرون اور شعبدہ بازون کی باتون کو کیونکر لکھتے دیکھئے ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون مین

ہر روز نیا تماشا ہوا کرتا ہے امور شعبدہ و طلسم کا گل کھلا کرتا ہے پھر اس کو کون لکھتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ باوجود علم کے مورخون کو اُسکے لکھنے مین ذہول ہو گیا ہو۔

عیسائیون کے استبعادات کا جواب ۲

اور معجزۂ شق القمر پر جو استبعادات وہمی عیسائی لوگ کیا کرتے ہین اس کا جواب تحقیقی و الزامی اس تیرے سوال سے جو لکھتا ہون خود ہی ظاہر ہو جاوے گا بتلایئے کہ اس طرح کا ثبوت اس ضابطۂ عقلیہ کے موافق جو سمعیات کے لیے درکار ہے یعنی سندون سے ثابت ہونا اس معجزے کے لیے جو یوشع کی کتاب کے دسوین باب مین بارھوین آیت سے تیرھوین تک لکھا ہے آپ کے پاس ہے یا نہین اگر ہے تو اس کی ایک ہی سند حضرت یوشع سے لگا کر اُن قرنون تک کہ وہ کتاب چھپ پڑی یعنی عہد بطلیموس تک کی لکھ دیجئے اور وہ معجزہ یہ ہے یہواہ نے جس دن اموریون کو بنی اسرائیل کے قابو مین کر دیا اس دن یوشع نے یہواہ کے حضور بنی اسرائیل کے آگے یون کہا کہ اے آفتاب تو جبعون پر ٹھہرا رہ اور اے ماہتاب تو وادی ایالون کے مقابل تب آفتاب نے دیر کی اور مہتاب کھڑا رہا یہان تک کہ ان لوگون نے اپنے دشمنون سے انتقام لیا کیا یہ یاوشاہ کی کتاب مین نہین لکھا ہے کہ آفتاب آسمان کے بیچون بیچ ٹھہرا رہا اور سارے دن مغرب کی سمت مائل نہوا دیکھو یہ کیسی بات ہے کہ افتاب سارے دن مغرب کی طرف نہ جھکا ظاہر امطلب یہ ہے کہ بہ قدر ایک روز کے وسط آسمان مین افتاب قائم رہا پس درحقیقت آٹھ پہر کا دن ہوا چنانچہ رسالۂ تحقیق دین حق کے چوتھے باب او صفحہ ۲۱ مین لکھا ہے اور یہ سمجھنے کی بات ہے کہ چاند کے پھٹنے کو سوائے ان لوگون کے کہ جو اس وقت چاند کے دیکھنے مین متوجہ تھے اورون نے اگر نہ دیکھا ہو تو بجا ہے اس لیے کہ وہ رات کو پھٹا جائز ہے کہ اس وقت پھٹا ہو کہ خواص لوگ آرام مین ہون اور کسی عامی مسافر نے دیکھا بھی ہو تو اُس کے کہنے کو کون باور کرتا ہے اور جن لوگون کے افق سے چاند اس وقت متجاوز ہو گیا یا جن پر ہنوز طلوع نہوا وہ بھی اسے نہین دیکھ سکتے بخلاف آفتاب کے آٹھ پہر ٹھہرے رہنے کے کہ جہان رات ہو گئی ہوگی ان لوگون کو بھی بسبب دونی ہو جانے رات کے بے شک اطلاع

ہوتی اور جن لوگون پر چاند طلوع ہوا ہو اور ہنوز غروب نہوا ہو یہ بھی احتمال ہے کہ اُن مین سے بہتیرون کی نسبت ابر غلیظ حائل ہو بخلاف آفتاب کے ٹھہرے رہنے کے کہ ابر کی غلظت بھی اسکے توقف کے دریافت کو منع نہین کر سکتی اسی طرح انجیل اول کے تیسرے باب کے سولھوین آیت مین جو لکھا ہے اس کی سند بھی بتائین اور وہ یہ ہے یکایک اس پر آسمان کھل گیا اور اُس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور اسی طرح سند اسکی لکھدین جو تیسری انجیل کے چوبیسوین باب مین واقعہ صلیب کے ذکر مین آیا ہے کہ ساری روے زمین پر اندھیرا چھا گیا اور آفتاب تاریک ہوا چنانچہ تحقیق دین حق کے چوتھے باب کے صفحہ ۲۱۹ مین لکھا ہے کہ دوپہر سے تیسرے پہر تک آفتاب تاریک رہا اور اسی طرح اس کی بھی سند بیان کرین جو پہلی انجیل کے دوسرے باب کی دوسری اور نوین آیت مین لکھا ہے کہ مجوسیون نے عیسےٰ کے پیدا ہونے کی علامت کے تارے کو طلوع ہوتے دیکھا اور وہ اُن کی روش کے موافق ان کے ساتھ چلا یہان تک کہ اُس گھر پر جہان حضرت عیسےٰ پیدا ہوئے تھے آکر ٹھہر گیا اور یہ بات بھی بتانا چاہیے کہ آفتاب کے توقف یک روزہ کو بدستور اسلام ہندوون اور پارسیون اور چینیون نے اپنی تاریخون مین کیون نہین لکھا اسی طرح آسمان کا پھٹنا اور تارے کا لوگون کے ساتھ چلنا اورون نے تو کیا جو حضرت عیسےٰ کے ہموطن لوگ اور ان کا سلسلۂ نسبی اور علمی اب تک باقی ہے یعنی یہودیون نے اپنی کتابون مین کیون نہین لکھا اور اگر لکھا ہو تو عیسائی بتائین اور جب تک ان خبرون کا نشان ہندوون اور چینیون اور پارسیون اور یہودیونکی کتابون سے نہ لکھین مقتضاے غیرت یہ ہے کہ معجزۂ شق القمر پر یہ استبعاد کہ اور جہان کے مورخون نے سواے اہل اسلام کے کیون نہین اس کو لکھا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نہ دیکھنا اور بیگانی آنکھ کا تنکا دیکھنا **قسم سوم** نباتات کا کلام کرنا اور مطیع و منقاد ہونا چنانچہ حاکم نے مستدرک مین ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر مین تھے ایک

اعرابی راہ مین ملا حضرت نے اُس سے پوچھا تو کہان جاتا ہے جواب دیا کہ اپنے اہل و عیال کے پاس جاتا ہون پھر آپ نے فرمایا کہ مجھکو طلب خیر مین رغبت ہے اس نے کہا وہ کیا ہے فرمایا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ اعرابی نے کہا کہ تمھارے قول پر کوئی شاہد ہے حضرت نے ایک درخت کو بلایا جو وہان سے فاصلے پر جنگل کے کنارے کھڑا ہوا تھا وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا آتا تھا یہان تک کہ ان کے پاس آکر کھڑا ہوگیا حضرت نے اس سے شہادت چاہی اس نے گواہی دی پھر اپنی جگہ پر چلا گیا اور دارمی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی حضرت کے پاس آیا اور کہا کس چیز کے ساتھ ہم آپ کو پہچانین کہ رسول خدا ہو فرمایا کہ اس کے ساتھ کہ مین درخت کھجور کے اس خوشے کو بلاتا ہون کیا تو گواہی دیگا کہ مین خدا کا رسول ہون کہا ہان دونگا پس آپ نے اُس خوشے کو پکارا وہ درخت سے جدا ہوا اور زمین پر گر پڑا پھر آپ نے فرمایا کہ جا اپنی جگہ پر وہ اپنی جگہ پر چلا گیا اعرابی اسلام لایا۔

جمادات کا مطیع ہونا

قسم چہارم جمادات بھی آنحضرت کے مطیع و منقاد تھے چنانچہ روایت ہے کہ جب تک نبی علیہ السلام کے لیے منبر تیار نہین ہوا تھا تو آپ مسجد کے ایک تھم سے جو کھجور کا تھا تکیہ لگا کر خطبے کے لیے کھڑے ہوتے تھے جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے اُس سے تکیہ لگا کر کھڑا ہونا چھوڑ دیا تو وہ آپ کی مفارقت سے اس طرح روتا تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے لیے روتی ہے اس حدیث کو بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے اس لیے مفید قطع و یقین ہے اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ مین متعدد طریقون کے ساتھ آئی ہے شیخ تاج الدین سبکی نے شرح مختصر مین اس کو متواتر بتایا ہے اور یہی جائز ہے کہ جو ایک جماعت کے نزدیک متواتر ہو وہ دوسری کے نزدیک متواتر نہو اور بیہقی نے اس کو اکبر آیات اور اظہر معجزات سے جانا ہے اور اسی قبیل سے ہے تسبیح سنگریزون کی حضرت کے ہاتھ مین چنانچہ انس سے مروی ہے کہ آنحضرت نے کنکریان ہاتھ مین اُٹھالین پس وہ ان کے ہاتھ مین تسبیح کرنے لگین اور ہم نے تسبیح کی آواز

سنی پھر ان کو حضرت ابوبکر کے ہاتھ مین دیا اور تسبیح کی پھر ہمارے ہاتھ مین دیا پس تسبیح نہ کی اور
قاضی نے شفا مین کہا ہے کہ اسی طرح ابوذر نے بھی روایت کی ہے اور ذکر کیا ہے کہ حضرت
عثمان کی ہتھیلی پر بھی اُن کنکریون نے تسبیح کی تھی اور حدیث طبرانی مین آیا ہے کہ ابوذر کہتے ہین
کہ جب وہ ہمارے ہاتھون مین رکھی گئین تو تسبیح نہ کی ایسا ہی اس حدیث کو مواہب لدنیہ
مین بیان کیا ہے اور ابوداؤد اور دارمی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب خیبر حضرت نے
فتح کیا اور قلعہ قموص مین تشریف لائے تو زینب بنت حارث یہودی نے بکری کے گوشت
مین زہر دیا اُسی گوشت کو حضرت نے کھایا تو گوشت نے کہا کہ اس سے زیادہ مجھے نہ
کھائیے اس لیے کہ مجھ مین زہر ملا ہوا ہے پس بعض کہتے ہین کہ اللہ تعالے نے قوت کلام
اس گوشت مین پیدا کر دی جیسا کہ شجر وحجر مین حروف وآواز پیدا کرتا ہے اور اُن سے سنواتا
ہے بے تغیر اشکال اور نقل ہیئت اُن کی کے چنانچہ مذہب شیخ ابوالحسن اشعری اور قاضی
ابوبکر باقلانی کا یہی ہے اور بعض کہتے ہین کہ اللہ تعالے نے اول اس کو حیات دی اور
پھر قوت کلام بخشی اور منھ اور زبان اس کو عطا کی مگر محقق قول اول ہے قسم پنجم حیوانات
کا کلام اور اطاعت کرنا چنانچہ قاضی عیاض نے حدیث ابن عمر سے روایت کی ہے کہ
رسول خدا ایک جگہ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ایک اعرابی قبیلۂ بنی سلیم مین سے
آیا اور اُس نے ایک گوہ پکڑی تھی وہ اس کی آستین مین موجود تھی اس کو اپنے مکان کو
کھانے کے واسطے لیے جاتا تھا جب اس نے جماعت آدمیون کی دیکھی تو پوچھا یہ شخص
جو تم مین بیٹھا ہے کون ہے صحابہ نے کہا کہ یہ رسول خدا ہین اعرابی نے اس گوہ کو آستین مین
سے نکال کر زمین پر رکھدیا اور لات وعزت کی قسم کھا کر کہا کہ ایمان نہین لانے کا مین تم پر
جب تک یہ گوہ تم پر ایمان نہ لائے اور گوہ کو رسول خدا کے سامنے رکھدیا آپ نے گوہ سے
کہا کہ تو کس کی عبادت کرتی ہے گوہ نے صاف زبان قوم مین کہا کہ خدا کی پھر آنحضرت نے
فرمایا کہ مین کون ہون کہا رسول رب العلمین خاتم النبیین پس اعرابی اسلام لایا بیہقی نے

بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض نے شفا مین اور ابو نعیم نے دلائل مین ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار آنحضرت صحرا مین پھرتے تھے کہ آپ نے تین بار یہ سنا کہ کوئی یا رسول اللہ کہکر پکارتا ہے آپ نے آواز کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ہرنی رسی سے بندھی ہوئی پڑی ہے اور ایک اعرابی جس نے اُسے رسی سے باندھا تھا سو رہا ہے حضرت نے اُس سے دریافت کیا کہ تیری کیا حاجت ہے کہا کہ اس اعرابی نے مجھے شکار کیا ہے اور میرے دو بچے اس پہاڑ مین موجود ہین آپ مجھے رہا کر دیجئے کہ انھین جاکر دودھ پلا آؤن آپ نے اُس سے واپسی کا اقرار لیکر چھوڑ دیا وہ گئی اور پھر آئی اور اُسے آپ نے بدستور باندھ دیا اعرابی بھی اس کے بعد بیدار ہو گیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کچھ حاجت رکھتے ہین فرمایا اس ہرنی کو رہا کر دے اعرابی نے اُسے چھوڑ دیا وہ خوش خوش صحرا مین دوڑتی تھی اور کودتی تھی اور کہتی تھی اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حافظ منذری نے بھی ذکر کیا ہے مگر قسطلانی مواہب لدنیہ مین لکھتے ہین کہ ہمارے شیخ حافظ ابو الخیر سخاوی ابن کثیر سے نقل کرتے ہین کہ یہ حدیث محض بے اصل ہے آنحضرت کی طرف اس کا منسوب کرنا ناروا ہے **قسم ششم** تھوڑے سے کھانے کا بڑھکر بہت سے آدمیون کو سیر کر دینا چنانچہ بخاری و مسلم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کہا مین غزوۂ خندق مین اپنی بی بی کے پاس آیا اور کہا تیرے پاس کچھ کھانا ہے کہ مینے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر بھوک کا بہت اثر دیکھا ہے اس نے ایک تھیلا نکالا جس مین ایک صاع[1] جو تھے اور میرے گھر ایک بکری کا بچہ موٹا تازہ تھا مینے اُسے ذبح کیا میری عورت نے جو پیسے اور گوشت کو ہانڈی مین ڈال کر پکنے کو رکھدیا اور مین رسول اللہ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مین نے بکری کا بچہ حلال کیا ہے اور میری عورت نے جو کہ گھر مین موجود تھے پیسے ہین حضور کئی صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلین حضرت نے اصحاب سے جو

[1] صاع قریب ساڑھے تین سیر کے ہوتا ہے ۱۲

خندق مین موجود تھے کہا کہ جابر نے ضیافت تیار کی ہے چلو اور مجھ سے فرمایا کہ ہانڈی کو نہ اوتارنا اور آٹے کو رہنے دینا جب تک کہ مین آؤن پس آنحضرت ہزار آدمیون کو ساتھ لیکر آئے مینے وہ آٹا اور ہانڈی حضرت کے روبرو رکھدی آپنے اسمین آب دہن مبارک ڈالا اور دعائے برکت فرمائی اور میری بی بی سے کہا کہ روٹی پکانا شروع کرو اور اپنے ساتھ پکانے کے واسطے کسی دوسری عورت کو بھی شریک کرلو اور ہانڈی مین سے سالن نکالتے جاؤ اور چولھے سے نیچے اسے نہ اوتارنا اور نہ اس مین دیکھنا جابر کہتے ہین کہ قسم خدا کی ان ہزار آدمیون نے کھالیا اور پھر بھی ہانڈی سالن سے بھری ہوئی تھی اور آٹا بھی باقی تھا اور بخاری و مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ اُن کے گھر بھی جو کی کئی روٹیون سے ستر یا اسّی آدمیون کا پیٹ بھروا دیا اور صحیح مسلم مین ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک مین تھوڑے سے کھانے سے تمام لشکر کو شکم سیر کرا دیا اور لشکر غزوہ تبوک مین تیس ہزار سے ستر ہزار تک آدمی بتاتے ہین اور انس سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ جب رسول خدا نے بی بی زینب سے نکاح کیا تو میری مان نے خرمے اور گھی اور پنیر کو ملاکر ملیدہ سا بنا کر حضرت کے پاس بھیجا آپ نے اُس پر دعائے برکت کی تین سو کے قریب آدمیون نے اُس سے بخوبی کھالیا اور جب انس نے اوٹھا کر دیکھا تو یہ نہین معلوم ہوا کہ وہ طعام رکھتے وقت زیادہ تھا یا اُٹھاتے وقت **قسم ہفتم** تھوڑے سے پانی کا بہت سا ہو جانا اس باب مین مشہور حدیث انس و جابر و ابن مسعود کی ہے جو صحیحین مین مروی ہے انس کہتے ہین کہ مینے بچشم خود دیکھا کہ نماز کا وقت آگیا اور لوگ پانی کو تلاش کرنے لگے اور کہین نہ ملا تو حضرت کے پاس ایک وضو کی مقدار پانی لایا گیا آپ نے اپنا ہاتھ پانی کے برتن مین رکھا اور لوگون کو حکم دیا کہ وضو کرین مینے دیکھا کہ حضرت کی انگلیون سے پانی چشمے کی طرح نکلتا تھا لوگون نے اس سے وضو کیا انس کہتے ہین کہ وہ تین سو آدمی تھے اور جابر کی حدیث مین ہے کہ پندرہ سو آدمیون نے تھوڑے سے پانی سے جو چھاگل مین تھا اور حضرت نے اس مین اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا جنگ حدیبیہ مین وضو

تھوڑے سے پانی کو بہت کر دینا ۱۲

کرلیا۔ پانی چشمے کی طرح اُبلتا تھا اور اگر لاکھ آدمی ہوتے تو اُن کو بھی کفایت کرتا اس حدیث کو امام احمد اور بیہقی اور شاہین نے بھی روایت کیا ہے صحیحین مین عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ایک سفر مین حضرت کے ہمراہ چالیس آدمی پیاسے تھے رستے مین ایک عورت ملی جس کے پاس اونٹ پر پانی سے بھری ہوئی پکھال تھی اُسے حضرت کے پاس لے آئے اور حضرت نے ایک برتن منگا کر پکھال کے دہانون مین سے پانی اُس مین ڈالا سب پی کر سیراب ہو گئے اور ھر ایک نے مشک اور چھاگل بھر لی اور پکھال بدستور بھری رہی **قسم ہشتم** دعاے آنحضرت کا مقبول ہونا جب کسرے والی ایران کے پاس حضرت کا نامہ پہونچا اور اُس نے پھاڑ ڈالا تو حضرت نے یہ خبر سنکر دعا کی کہ اس کا ملک اسی طرح پھٹ جاے چنانچہ حضرت کی دعا کی تاثیر سے یہی ہوا کہ ملک کسرے چھن گیا اور اہل اسلام کے ہاتھون سے پھٹ گیا اور سلمہ بن اکوع سے مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو آپ نے بائین ہاتھ سے کھاتے دیکھ کر فرمایا سیدھے ہاتھ سے کھا اُس نے کہا کہ سیدھے ہاتھ سے نہین کھا سکتا اور یہ قول اُس کا دروغ تھا فرمایا کبھی نہین کھا سکے گا پس یہی ہوا کہ پھر کبھی سیدھا ہاتھ نہ اُٹھا سکا اور جابر سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ مین حضرت کے ہمراہ ایک غزوے مین تھا میری سواری کا اونٹ آب کش تھا اور وہ تھک گیا تھا کہ چل نہ سکتا تھا حضرت یہ حال دیکھ کر اس کے پیچھے کھڑے ہوئے اور اس کو ہانکا اور اس کے لیے تیز روی کی دعا کی پس وہ اونٹ ایسا ہو گیا کہ تمام سفر مین سب سے آگے رہتا تھا۔ **قسم نہم** بیمارون کو تندرست کرنا صحیح بخاری مین یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ جنگ خیبر مین سلمہ بن اکوع کی پنڈلی زخمی ہو گئی تھی حضرت نے اس پر تین بار تھوکا فوراً اچھی ہو گئی اور صحیح بخاری مین آیا ہے کہ جب عبد اللہ بن عتیک نے ابو رافع یہودی کو مارا تو چاندنی رات تھی جس وقت پانون زینے پر رکھا سمجھا کہ زمین ہے پس گر پڑا اور پنڈلی ٹوٹ گئی حضرت کے پاس آیا آپ نے اپنا ہاتھ اس کی پنڈلی پر پھیرا اچھی ہو گئی طبرانی اور ابو نعیم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ قتادہ بن نعمان جنگ احد مین حضرت کے

۹ بیمارون کو تندرست کرنا ۱۲

اخبار غیب اور پیشین گوئیان

سامنے بطور سپر کے کھڑے تھے اُن کی آنکھ کا ڈھیلا تیر کے لگنے سے باہر نکل آیا حضرت نے وہ آنکھ اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ پر رکھ کر دعا کی تو صحیح وسالم ہو گئی **قسم دہم** غیب کی خبرین دینا مثلاً ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہیگی چنانچہ ایسا ہی ظہور مین آیا کہ وہ خلافت کہ جو خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی تھی تیس برس تک رہی اور تیس برس کے بعد عروج دنیاوی اور جاہ وحشم بادشاہی نے ظہور پکڑا آپسمین نزاع وقتال شروع ہوا وہ خیر وبرکت کم ہو گئی اسیطرح جو اہل اسلام کیلیے فتح ونصرت کی پیشین گوئیان آپنے کی تھین وہ سب پائی گئین روم وشام وایران ومصر وغیرہ بڑی بڑی بادشاہتین مسلمانونکے ہاتھ آئین اور خبر دی کہ ترک عرب پر غالب آجاوینگے اور خبر دی کہ زبیر حضرت علی سے لڑینگے اور پھر پشیمان ہونگے اور خبر دی کہ میری امت تہتر فرقے ہو جاوے گی اور خبر دی کہ عمار یاسر کو باغی لوگ مارین گے اور امام حسن کے حق مین فرمایا کہ یہ فرزند میرا سید وسردار ہے اور قریب ہے کہ اللہ بسبب اس کے مسلمانون کے دو گروہون مین صلح کرادے گا اور خبر دی اویس قرنی کے حال سے چنانچہ ایسا ہی ظہور مین آیا ایک شخص نے یہود کے گھرون مین سے ایک مہرہ نکال لیا تھا آپ نے اس کا حال بتا دیا چنانچہ وہ اس آدمی کی جاے سکونت مین سے ملا ایسے ہی ایک شخص نے کنبل چرا لیا تھا آپ نے اُس کی خبر دی وہ اُس کے اسباب مین سے نکلا اور ایک مرتبہ آپ کی اونٹنی گم گئی آپ نے خبر دی کہ فلان جنگل مین ہے اور اس کی نکیل درخت کی شاخ مین لپٹی ہے اور حاطب کے خط کی خبر دی جو اس نے اہل مکہ کو لکھا تھا اور پتہ دیا کہ ایک عورت ایسی اور ایسی فلان جنگل مین اس خط کو لیے جاتی ہے چنانچہ اسی جگہ اس عورت کو پایا جہان کا آپ نے پتہ دیا تھا اور نجاشی بادشاہ حبشہ کی وفات کی خبر دی جس دن وہ مرا حالانکہ وہ حبشہ مین تھا اور اُس کے جنازے کی نماز ادا فرمائی اور فیروز دیلمی جب کسرے کیطرف سے سفیر ہو کر آیا تو اس کو کسرے کی موت سے جس دن اس کا ایران مین انتقال ہوا اسی دن خبر دی پس جب فیروز نے تحقیق کیا تو اسلام لایا اور ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب اور حذیفہ سے آپ نے فرمایا کہ تم مین

ہے جو شخص پیچھے مرے گا وہ آگ مین جلکر مرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سمرہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے ایک دن بدن سینکنے کو آگ جلائی اس مین جلکر مر گئے اور مسلم نے انس سے روایت کی ہے کہ حضرت نے کفار جنگ بدر کی ہلاکت کے مقامات کی خبر دی اس طرح کہ ان لوگون مین سے ایک کا نام لیتے اور اپنا ہاتھ زمین پر تعیین جگہ کے لیے رکھدیتے یہان تک کہ ستر کفار اور اُن کی جگھون کو گنوایا کہ فلان یہان مرا پڑا ہوگا اور فلان یہان پس جیسا آپ نے فرمایا تھا ویساہی ظہور مین آیا اور حضرت نے سراقہ کو فرمایا کہ تو اپنے ہاتھون مین کسرے کے دونون کنگن پہنے گا جب کسرے کا مال واسباب حضرت عمر کے عہد مین مدینے مین آیا تو اس مین دونون کنگن بھی تھے جو سراقہ کو پہنائے اور خدا کا شکر کیا کہ اُن کو کسرے کے ہاتھون سے اوتارا اور سراقہ کو پہنایا۔

اور مین سچ کہتا ہون کہ توریت سے انجیل تک جتنی سب انبیاے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیان ہین اُن سب کے مجموعے سے زیادہ حضرت سرور کائنات کی پیشین گوئیان ہین اور وہ ایسی ہین کہ ان کا ثبوت آنحضرت سے اس طرح پر ہے کہ کوئی پیشین گوئی کسی نبی سے ویسی ثابت نہین ہے بعض آنحضرت کی پیشین گوئیان روایات صحیحہ سے ثابت ہین اور بعض متواتر المعنے ہین اور جو قرآن شریف مین ہین سو علاوہ ہین اور جس قدر قرآن مین ہین وہی اتنی ہین کہ ہر ایک نبی بنی اسرائیل کی پیشین گوئیون سے زیادہ ہین مگر بعض وقوع مین آچکین اور بعض ابھی نہین واقع ہوئین اور افادۂ اعجاز مین تو اکثر انبیاے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیون سے زیادہ ہین۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ معجزات کے خبر متواتر کے ساتھ ثابت ہونے کی وجہ سے ہمارے حق مین اور بذریعہ حس کے صحابہ کرام کے حق مین عقل حکم کرتی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم بے شک رسول خدا ہین اور معجزات کے ساتھ جبکہ اُن کے ذاتی حالات اور اگلے انبیاء کے اخبار پر بھی لحاظ کیا جاے تو اس بات کا قطعی یقین ہوجاے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم رسول برحق

تمام انبیاے بنی اسرائیل کی پیشین گوئیون سے حضرت کی پیشین گوئیان زیادہ ہین

حضرت کے رسول ہونے کے ثبوت کا طریق

ہین کیونکہ پیغمبری کا جھوٹا دعوے کرنے والا معجزے نہین دکھا سکتا ورنہ قلب موضوع لازم آئے یعنی ما بہ الامتیاز کہ جس سے حق و باطل مین امتیاز ہوتا ہے وہی ما بہ الالتباس ہوجاے کہ حق و باطل مین امتیاز نرہے اور اس فعل کا صادر ہونا حضرت حکیم علی الاطلاق سے منجملہ محالات عقلیہ کے ہے اور عقل کی روسے جس پر تکلیف کا مدار ہے حق و باطل شرعی مین کبھی تمیز حاصل نہوا اور ساری تکلیف شرعیہ سب ملتون کی برہم ہوجائین پس جو شخص پیغمبری کا اظہار کرے اور کوئی ایسی بات جس سے اُس کا دعوے خود باطل ہوتا ہو نکہے مثلاً ممکن کو واجب اور ممتنع کو جائز کہے یا مثلاً جیسا مسیلمہ کذاب نے کیا ویسا کرے کہ اس نے حضرت خاتم النبیین کے وقت مین اپنی پیغمبری کے دعوے کے ساتھ حضرت کی پیغمبری کا باوجویکہ آنحضرت اُس کی پیغمبری سے انکار کرتے تھے اقرار کیا سو جو کوئی ایسا کچھ نکرے اور دعوے نبوت کے ساتھ خوارق عادات بینہ صادر کرے اس طرح کہ اُس کی کسی خرق عادت کا کوئی معارضہ کرکے برابر نرہ سکے وہ بے شک خدا کا پیغمبر ہوگا۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کافۂ انام کے واسطے مبعوث ہوے تھے قال اللہ تعالی فی سورۃ السبا وما ارسلناك الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا یعنی تجھکو ہمنے تمام جہان کے آدمیون کے لئے خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے پس ابو عیسے یہودی اصفہانی کے پیرو جو یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ اُن کی رسالت مخصوص ہے مشرکین عرب وغیرہ کے ساتھ اہل کتاب اور بنی اسرائیل کی طرف آپ مبعوث نہین ہوئے یہ اُن کی غلط فہمی ہے اور یہ بھی تھا کہ آپ کی نبوت عام تھی یعنی جس طرح آدمیون کے نبی تھے اسی طرح جنون کے بھی نبی تھے۔

اگرچہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو حق تعالے نے تمام ممالک کے واسطے رسول بناکر بھیجا ہے لیکن بعثت اولی عرب کے انس و جن کی طرف ہے اور اُن کے ذریعہ سے دوسرون تک رسالت پہونچی جیسے فارس اور روم اور اُن کے ذریعہ سے ہندوستان اور چین اور یورپ

یعنی معجزہ و سپاہ معجزہ نہیں دکھا سکتا

نا مسیلمہ

نا ابو عیسے یہودی

قرآن کے خاص عربی زبان میں نازل ہونیکی وجہ

اور امریکہ اور دوسرے جزائر اور جبال مین پس قرآن شریف کو عرب کی زبان مین بھیجا اور اہل عرب کے مذاق کے موافق اس مین ایسی اعجاز بیانی کی کہ وہ اسکے معارضے سے عاجز آگئے تاکہ عرب اس کلام پاک کے دقائق اور معانی و احکام کو ساکنان عراق و عجم و خراسان کو پہونچائین اور وہ اور شہرون مین بھیجدین اور اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ تمام عالم مین پہونچ جائین اور اگر اللہ تعالے ایسا کرتا کہ ہر قوم کی رعایت کرکے قرآن کو ہر ایک قوم کے لغت مین نازل کرتا تو بڑا اختلاف پیدا ہوجاتا اور تحریف اور کمی بیشی اس حد تک ہوجاتی کہ اس کے مطلب کو سمجھنا دشوار ہوجاتا اور اول جن پر قرآن نازل ہوتا یعنی جناب سرور کائنات وہی معانی اور لغات دوسری قومون کے بلکہ مخارج حروف اور لہجہ ہر قوم کا نہین جانتے تھے پس کلام مجہول اللفظ والمعنے کو کس طرح اور قومون تک پہونچا سکتے اور اس کی تمثیل یون سمجھو کہ کسی عربی نژاد آدمی کو مثنوی میر حسن سکھا کر کہا جاوے کہ اس کو فلان آدمی کو سمجھا اور پہونچا دے تو اس سے یہ تعمیل ہونا ناممکن ہے اور اگر برسون تک مشق کرے گا تب بھی مخارج اور لہجہ اس کا درست نہو سکے گا جیسا کہ ایک ہندوستانی اس کتاب کے لغات کو ادا کرتا ہے اس سے ادا نہو سکینگے اور یہ کہنا نہ چاہیے کہ جس طرح حضرت کی تعلیم باوجود امی ہونے کے خرق عادات مین سے ہے اسی طرح ہر زبان کے لغات والفاظ کے مخارج اور لہجہ کی تعلیم بھی بطریق خرق عادت کے ہوسکتی تھی اس لیے کہ جناب سرور کائنات کو مدۃ العمر اتفاق ملاقات کا اقوام غیر سے نہوا اور یہ بات علم الٰہی مین متحقق تھی پس ہر ایک زبان کا سکھانا بطور خرق عادت کے بیکار رہتا اسی لیے حکمت الٰہی نے اسی وضع کو اختیار کیا جو وقوع مین آئی اب یہان یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ جو لوگ حضرت سے زمان اور مکان دونون کے اعتبار سے غائب ہین اور اعجاز قرآن سے بھی آگاہ نہین اُن پر نبوت کا ثابت ہونا کیونکر ہوسکتا ہے پس امام رازی وغیرہ علمائے کلام نے لکھا ہے کہ اس وقت مین جناب سرور کائنات کی نبوت کا اثبات کہ عہد نبوت سے بہت فاصلہ ہوچکا ہے اعجاز قرآن کے ذریعہ سے نہین بلکہ اس کے دو اور طریق ہین اول یہ کہ ہر وقت

ہین لاکھون بلکہ کرورون آدمی اُن کے ہزارون معجزات کو نقل کرتے چلے آئے ہین پس اسی کو ہر قوم کے نزدیک ثابت کرنا چاہیے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ متواترات سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے اور اس طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود بلکہ احکام شرعی متواتر بطور بداہت کے اُن کے نزدیک ثابت ہوجائین گے انصاف سے دیکھو تو تمام گذشتہ زمانے کے حالات کے ثبوت کا طریق یہی تواتر ہے نوشیروان اور حاتم اور سکندر اور خلافت بنی عباس اور آنا سلطان محمود غزنوی کا ہندوستان ہین ہم کو یہ چیزین کس طریق سے ثابت ہوئی ہین اس کے سوا کوئی اور طور ہی نہین **دوسرے** یہ کہ اب حاجت نبوت کے ثابت کرنے کی باقی نہین رہی اس لیے کہ جناب سرور کائنات پیدا ہوے لاکھون آدمیون نے اُن کی فیض صحبت سے راہ راست پائی طاعت وعبادت مولے مین مشغول ہوگئے گناہ کے کام چھوڑ دیئے تقوے اور طہارت اور اخلاق محمود اور آداب مستحسن اختیار کرلیے اور ظاہر ہے کہ عبادت وطاعت کا اختیار کرلینا اور ظلم ومعصیت سے بچنا اور اخلاق حسنہ سیکھنا اور بداخلاقی چھوڑنا یہ سب باتین ہر قوم کے نزدیک پسند اور مستحسن ہین اور ان کو سارے آدمی ہدایت جانتے ہین پس جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے خلق کی ہدایت کا دعوے کیا اور وہ ہدایت وقوع مین آگئی تو پھر احتیاج نبوت کے ثابت کرنے کی نرہی اس لیے کہ نبوت اور رسالت کے یہی معنے ہین اور یہ دونون طریق دور دور از ملکون اور جزیرون اور پہاڑون کے رہنے والون کے نزدیک متحقق ہین اور اگر بالفرض کوئی اُن مین سے ان دونون طریقون سے محروم رہا تو وہ اہل فترت کے حکم مین ہے علے اختلاف المذاہب جیساکہ کتب اصول مثل مسلم وعضدی وغیرہ مین مذکور ہے لیکن جہان تک معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ کوئی ملک اور آبادی اب ایسی باقی نہین کہ جہان کسی نہ کسی وقت مین نبی آخرالزمان کے مبعوث ہونے کی خبر نہ پہونچ چکی ہو اور دین اسلام کے آثار وہان نہ چلے گئے ہون اور حجت بالغہ آلہی تمام انسانون پر تمام نہوگئی ہو پس کوئی آدمی اس کے قبول کرنے

اثبات آنحضرت کی نبوت کا اثبات معجزات و اعجاز قرآن کے علاوہ بغیر ان کے بھی دو اور طریق ہین

مابینہ

ہین معذور نہین **وصفیہ** اور مختار اس کے یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ ہین واثلہ بن اسقع سے مسلم نے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے کہا ان اللہ اصطفی کنانۃ من ولد اسماعیل و اصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ہاشم واصطفانی من بنی ہاشم یعنی اللہ نے بنی اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کر لیا اور کنانہ مین سے قریش کو چن لیا اور قریش مین سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم مین سے مجھکو چن لیا پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام برگزیدون کے برگزیدہ اور تمام خلاصون کے خلاصہ ہین **وتقیہ** اور اس کے پاک کئے ہوے ہین اور بعض نسخون مین مُنَقّاہُ مذکور ہے جس کے معنے مختار اور چنے ہوئے کے ہین اور بعض نسخون مین منقیہ واقع ہے اور غرض اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالے نے اُن کے دل کا تنقیہ اور طہارت تمام برائیون سے کر دی ہے اور یہ اشارہ ہے طرف واقعہ شق صدر کے اس باب مین بعض معتبر کتابون مین بھی روائتین نقل کی جاتی ہین لیکن وہ ایسی مختلف ہین کہ جن کی تطبیق کسی قدر مشکل نظر آتی ہے قرآن مجید مین اس کی حقیقت اور صلیت کا پتہ نہین ملتا البتہ شرح صدر کا قرآن مجید کے پارہ عم سورۂ انشراح کی آیت اول الم نشرح لک صدرک (کیا ہم نے تیرے لیے سینے کو نہین کھول دیا ہے) سے ثبوت ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد لوگ شرح صدر کو شق صدر کہنے لگے ہون لیکن قرآن مجید سے اس کی اصلیت اور حقیقت کے نہ دریافت ہونے سے یہ لازم نہین آتا کہ یہ واقعہ بالکل غلط ہو کیونکہ قرآن مجید احکام الٰہی کی کتاب ہے نہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بالکل سوانح عمری ہے ہشامی نے ایک مقام پر حلیمہ سے واقعہ شق صدر کو اس طرح پر نقل کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلعم اپنے رضاعی بھائی اور بہن کیساتھ گھر کے قریب مویشی چرانے گئے تھے وہ دونون دفعتًہ روتے دوڑتے ہوئے آئے اور یہ بیان کیا کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ لے گئے اور اُن کا سینہ چاک کر ڈالا ہین اور میرا شوہر اُس مقام پر گئے دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا رنگ مارے خوف کے فق تھا ہمنے اُن کو اپنے گلے سے

لگا لیا اور اُن سے باعث اضطرار کا دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ دو آدمی سفید پوش میرے
پاس آئے اور مجھکو چت لٹا کر میرا دل چیرا اور اُسمین سے کوئی چیز نکال لی مجھے یہ نہین معلوم کہ وہ
کیا چیز تھی اور مسلم مین بروایت انس بن مالک لکھا ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم لڑکون کے ساتھ مکے مین کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیل اُن کے پاس آئے اور اُن
کا دل چیرا اور ایک قطرہ خون کا نکال کر کہا کہ یہ حصہ شیطان کا تھا بعد اس کے اس کو سونے
کے طشت مین آب زمزم سے دھویا اور پھر اس کو بجنسہ جہان رکھا ہوا تھا وہان رکھدیا لڑکے
یہ واقعہ دیکھ کر زہیرہ آنحضرت کی کھلائی کے پاس بھاگ کر آئے اور کہا کہ محمد کو ایک آدمی نے
مار ڈالا وہ فوراً آپ کے پاس آئین اور ان کا رنگ فق پایا انس کہتے ہین کہ سیون کا نشان
جو آپ کے سینے پر تھا مینے بچشم خود دیکھا ہے ان دونون روایتون کے دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ ایک دوسری سے بالکل مطابق نہین ہے پہلی روایت اس امر کو ثابت کرتی ہے
کہ شق صدر مکے کے باہر حلیمہ کے مکان کے قریب ہوا ہے اور دوسری روایت سے ثابت
ہوتا ہے کہ مکے کے قریب واقع ہوا ہے اور پھر ایک مین سونے کے طشت اور آب زمزم
کا ذکر ہے اور ایک مین اس کا کچھ تذکرہ نہین ہے اور پھر انھین انس بن مالک نے ایک دوسری
روایت مین شق صدر کا واقعہ شب معراج مین بیان کیا ہے اور وہ زمانہ اس زمانے سے جو
اس روایت مین ہے بالکل مخالف و مختلف ہے ممکن ہے کہ انس کے بعد کے راوی
نے اُس روایت مین سے جو انس کی معراج سے متعلق ہے ایک ٹکڑا کاٹ کر علیحدہ بیان کردیا
ہو علاوہ اس کے خود بروقت وقوع اس واقعہ کے انس موجود نہ تھے اور نہ اُنھون نے
اُن راویون کے نام بیان کیے ہین جن کے ذریعہ سے اُن کو یہ روایت پہونچی ہے اور حق یہ
ہے کہ واقعہ معراج واقعہ شق سینہ سے غیر ہے وہ صغرسن مین حضرت کے دل سے
مادۂ شیطانی کے نکالنے کے لیے ہوا تھا اور یہ اُن کے دل مین کمال علم و معرفت کے
داخل کرنے کے لیے ہوا تھا ولم یعبد الصنم ولم یشرک باللہ طرفۃ عین قط ادر

پیغمبری پانے سے قبل حضرت کا عبادت کرنا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بت کی عبادت نہین کی اور نہ اللہ تعالی کیساتھ ایک لمحہ شرک کیا کیونکہ انبیا پیغمبری پانیسے قبل بھی اور پیغمبری پانیکے بعد بھی اصلی اور طبعی کفر اور گمراہی سے پاک ہین اور بہدایت ازلی کبھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بت کیطرف خم نہوا قاضی عضد نے شرح مختصر ابن حاجب مین کہا ہی کہ علما کو آپس مین اختلاف ہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ رسالت حاصل ہونے سے پیشتر کسی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے یا نہین بعض کہتے ہین کہ وہ کسی شرع کے موافق عبادت نہین کرتے تھے اور امام غزالی اس باب متوقف ہین مگر قول مختار یہ ہی کہ وہ بالضرور عبادت کرتے تھے اب اسصورت مین اختلاف ہی اسبات مین کہ وہ کون سے نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے بعض کی راے ہے کہ شرع نوح کے مطابق اور بعض کہتے ہین کہ شرع ابراہیم کے مطابق اور بعض شرع موسے کے مطابق بتاتے ہین اور بعض شرع عیسےٰ کے موافق جانتے ہین اور بعض کے نزدیک تعین ثابت نہین ولم یرتکب صغیرۃ ولا کبیرۃ قط اور نہ کبھی اُنھون نے گناہ صغیرہ و کبیرہ کیا حضرت جاہلیت مین اور پیش از نبوت و بعد از نبوت ہر گناہ سے معصوم و پاک ہین اور آپ کی عصمت ایسی اتم و اکمل ہے کہ آپ سے کبھی بھولے سے صغائر غیر رذیلہ بھی صادر نہین ہوے اور بلا شبہ آپ ہر صغیرہ و کبیرہ سے بری تھے اور خلاف اس قول کے کیونکہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مین خداے تعالےٰ آپ کی صفت ان الفاظ کے ساتھ بیان کرتا ہے ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ حضرت علی سے مروی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مینے کبھی ایام جاہلیت کے کامون کا ارادہ و قصد نہین کیا مگر دو مرتبہ کہ ہر مرتبہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم اور حول و قوت سے مجھے اس سے محفوظ رکھا اور ہدایت ربانی مجھ مین اور اُس کام مین حائل ہو گئی جس سے مین اس کام کے ارتکاب سے باز رہا پھر مجھے اللہ تعالےٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ مکرم و مشرف کیا اور اُن کامون کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت نے اُس لڑکے سے جو آپ کے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا کہا کہ آج کی رات تو اُن بکریون کی حفاظت رکھنا مین کعبے مین جا کر اور نوجوان کی طرح قصہ و کہانی کہون اور سنون گا

اس ارادے سے نکلے اور اتفاقاً ایک گھر مین پہونچے وہان کچھ آدمیون کو تقریب شادی عروسی کے سبب سے گانا بجانا کرتے دیکھا آپ بھی سننے کی غرض سے ان مین بیٹھ گئے اللہ نے آپ کو ایسا غافل کر دیا کہ سوتے سوتے دوپہر کیوقت بیدار ہوئے اور وہانسے لوٹکر اپنی بکریون کے پاس چلے گئے دوسری بار بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا مگر خدا کی حمایت و توفیق سے محفوظ رہے معتزلہ کہتے ہین کہ گناہ کی تین قسمین ہین (۱) ایسے گناہ ہین جن کے کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مرتکب نہ اللہ کو جانتا ہے نہ اُس کی وحدانیت کو پہچانتا ہی اور نہ اس بات سے واقف ہی کہ کیا جائز ہی کیا ناجائز ہے اور رسول کی رسالت کا بھی قائل نہین اور جو گناہ ان باتون پر دلالت کرتے ہین اور اس قسم کے ہین وہ یہ ہین مثلاً قرآن کی بے حرمتی کرنا اس کو زمین پر دے مارنا اور ایسے کلمات منہ سے نکالنا جن سے اس کی اہانت ثابت ہو اور رسول کی باتون پر تمسخر کرنا اور اس کے اقوال کو جھوٹا جاننا سو ایسا گناہ کفر ہے (۲) وہ ہے جو اس طرح کا تو نہو مگر اس کا کرنے والا فاسق ہو جاے اگر اس پر کافر کا اطلاق جائز نہو تو ایماندارون کے زمرے مین بھی شمار نہ پاوے اسی قسم کا نام گناہ کبیرہ ہے جیسے قتل عمد اور زنا اور شرب خمر (۳) وہ گناہ ہے جس کا کرنے والا اس حد تک نہ پہونچے اور ایمان کے دائرے سے خارج نہ ہو جیسے شرمگاہ کا کھولدینا اور مسخراپن وغیرہ وغیرہ ایسے گناہ کو گناہ صغیرہ کہتے ہین اور اس کے مرتکب کو نہ فاسق کہہ سکتے ہین نہ کافر بلکہ مومن رہتا ہے اور علماے اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ شرع مین اس کے کرنے پر حد آئی ہو یا اس کے کرنے پر وعید عذاب کتاب قرآن اور حدیث صحیح مین آیا ہو یا شرع مین اس پر کفر کا اطلاق ہوا ہو جیسے اس حدیث مین من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر یا اس کا فساد گناہ کبیرہ کی طرح یا اس سے زیادہ ہو یا دلیل قطعی کے ساتھ اُس کی ممانعت آئی ہو اور ہتک حرمت دین کا موجب ہو پس جس مین یہ بات نہو وہ صغیرہ ہے اور مراتب کبیرہ کے متفاوت ہین بعض بہت بڑے اور برے ہین بعض سے اور حدیثون مین جو مذکور ہوے سب نہین مذکور ہوے بلکہ جو مناسب پوچھنے والے کے ہوتا

معتزلہ

ما سنت کے نزدیک کبیرہ

صغیرہ

بیان فرماتے اہل علم نے تعداد گناہان کبیرہ کی چار سو سے زیادہ بتائی ہے اور ابن عباس نے فرمایا ہے کہ کبائر ستر کے قریب ہین اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ قریب سات سو کے ہین اور مناسب یہ ہے کہ کبائر کو مفسدہ منصوصہ پر ضبط اور قیاس کرنا چاہیئے تو اگر اقل مفاسد سے کم ہو تو صغیرہ ہی اور نہین تو کبیرہ یہ امام عزالدین بن سلام کی تقریر کا خلاصہ ہے اور شیخ ابو طالب مکی نے قوت القلوب مین فرمایا ہے کہ مینے کبائر کی احادیث کو جمع کیا تو سترہ کبائر مصرح پاے چار گناہ دل سے متعلق ہین اول شرک دوسرے معصیت پر اصرار تیسرے ناامیدی خدا کی رحمت سے چوتھے نڈر ہونا خدا کے غضب سے اور چار گناہ زبان سے متعلق ہین اول جھوٹی گواہی دینا دوسرے پاک دامن آدمی کو حرام کی تہمت لگانا تیسرے جھوٹی قسم کھانا چوتھے جادو کرنا تین گناہ پیٹ سے متعلق ہین اول شراب پینا دوسرے یتیم کا ناحق مال کھانا تیسرے سود اور بیاج کھانا اور دو گناہ شرمگاہ سے متعلق ہین اول زناکاری دوسرے اغلام کرنا اور دو گناہ ہاتھ سے متعلق ہین اول خون ناحق دوسرے چوری اور ایک گناہ پانون سے متعلق ہے یعنی جہاد مین صف جنگ سے بھاگنا اور ایک گناہ تمام بدن سے یعنی مان باپ کو رنج دینا اور صغیرہ بے انتہا ہین اور اُن سے پرہیز کرنا بھی دشوار ہے اور بموجب مذہب مختار کے تقوے مین بھی خلل نہین ڈالتے بشرطیکہ اُن پر اصرار نہو اسلیے کہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے علامہ طبرسی اثناعشری اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ جس قدر گناہ ہین سب کبیرہ ہین پھر جو ہم بعض کو صغیرہ اور بعض کو کبیرہ کہتے ہین اُس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بہ نسبت دوسرے کے چھوٹا گناہ معلوم ہوتا ہے مثلاً کسی عورت نامحرم کا بوسہ لینا بہ نسبت اس کے ہمراہ زنا کرنے کے چھوٹا گناہ ہے اگرچہ اُس کی طرف نظر بد سے دیکھنے کی بہ نسبت بوسہ لینا بھی گناہ کبیرہ ہے اور خوارج کے نزدیک کل گناہ کبیرہ ہین وہ کسیکو صغیرہ نہین کہتے

افضل الناس بعد النبیٖن علیہم الصلوٰۃ والسلام ابو بکر الصدیق ثم عمر بن الخطاب الفاروق ثم عثمان بن عفان ذو النورین ثم علی

بن ابی طالب المرتضیٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

یعنی انبیا کے بعد تمام آدمیوں سے بہتر ابوبکر صدیق ہیں پھر عمر بن خطاب فاروق ہیں پھر عثمان ذوالنورین ہیں پھر علی بن ابی طالب ہیں خوشنود ہو جیو اللہ اون سے اور بعض نسخوں میں یوں ہے افضل الناس بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہر صورت افضلیت ان کی تمام انبیا کے بعد ہے اس لیے کہ کوئی ولی کسی نبی کے مرتبے کو نہیں پہنچتا اگرچہ نبی اولو العزم نہو پس کوئی صحابی کسی نبی کے مرتبے کو نہیں پہونچ سکتا افضل ہونا کیسا۔ افضلیت کی یہ ترتیب اہلسنت کے نزدیک ہے اور اکثر قدماے معتزلہ بھی اسی مذہب پر ہیں اور خوارج کے نزدیک بھی صرف حق شیخین میں یہی ترتیب ہے اور خطابیہ کے نزدیک سب سے افضل حضرت عمر ہیں اور فرقہ عباسیہ جو امامت حضرت عباس عم رسول اللہ کا قائل ہے اس کی راے میں افضل اصحاب عباس بن عبد المطلب ہیں اور شیعہ تمام علے الاتفاق حضرت علیؓ کو افضل جانتے ہیں اور یہی مذہب جمہور متاخرین معتزلہ کا ہے جیسا کہ شرح مقاصد میں ذکر کیا ہے۔ واضح ہو کہ فضیلت کی دو قسمیں ہیں ایک کلی ایک جزی **فضل کلی** اُسے کہتے ہیں کہ کسی شخص میں ایسے اوصاف زیادہ ہوں جو اکثر احوال میں عقلا کے نزدیک مرغوب اور معتبر ہوں اور عقلا کو اکثر امور میں اُن سے فائدہ و نفع پہونچتا رہے مگر اس وجہ سے کہ حسن و خوبی باعتبار رسوم و حاجات و صناعات کے مختلف ہوتی ہے اس لیے فضل کلی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک موافق عرف عام کے اور وہ اُن اشیا میں ہوتا ہے کہ تمام آدمی انھیں عادت اور رسم عام کے موافق بہتر جانتے ہوں اس وجہ سے کہ وہ صفات آدمیوں میں زیادہ رائج ہوں اور ہر طبقے کے عمدہ عمدہ آدمی اُن اوصاف کو پسند کرتے رہے ہوں جیسے جو کے مقابلے میں گیہوں اور تانبے کے مقابلے میں سونا افضل ہے دوسر افضل کلی موافق عرف خاص کے اور یہ باعتبار ضروریات و حاجات افراد انسانی کے مختلف ہوتا ہے چنانچہ فرمان رواؤں کی اصطلاح میں اس شخص کو فضل کلی حاصل

اہل سنت اور اکثر قدماے معتزلہ اور خوارج

خطابیہ عباسیہ شیعہ جمہور متاخرین معتزلہ

ہوتا ہے جو فوج کے جمع کرنے اور سامان جنگ کے درست کرنے مین تمام آدمیون سے ہوشیار ہو انتظام ملک سب سے بہتر کر سکتا ہو سیاست و تعزیر کے قوانین سے ماہر ہو اور علما مین فضل کلی اُسے حاصل ہے جس کو مسائل علیہ زیادہ یاد ہون خوش تحریر و تقریر ہو علوم مین نظر اس کی وسیع ہو۔ اور **فضل جزی** اُسے کہتے ہین کہ آدمی مین کوئی ایسی فضیلت موجود ہو جس سے اس طبقے کی کوئی غرض و حاجت متعلق نہو شلاً خوبصورتی شرافت نسب اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اکثر آدمیون مین دو چیزین مجتمع ہوتی ہین اور وہ ان مین کمال و شہرت رکھتے ہین جیسے سیدون کا خاندان نجابت و سخاوت مین مفتخر ہے یا قریش کا خاندان علم و نجابت مین ضرب المثل ہے پس اگر کوئی آدمی ان مین سے علم و سخاوت رکھتا ہو اور نجابت کامل اُس مین ہے اس کو اُن کے عرف مین فضل کلی ندین گے۔ بعد اس تفصیل کے معلوم کرو کہ افضلیت کی دو صورتین ہین **ایک** یہ کہ تمام وجوہ سے تمام صفات مین رجحان ہو یعنی جو صفت فرض کرین اس مین کمال حاصل ہو یا مجموع صفات و فضائل مین من حیث المجموع مین رجحان ہو اور یہ اس بات کے منافی نہین کہ مفضول مین ایک صفت صفات کمال سے ایسی ہو جو فاضل مین نہ پائی جاے **دوسری** قسم یہ ہے کہ افضلیت اور رجحان ایک خاص وجہ اور خاص صفت سے ہو اور افضل الناس بعد النبیین الخ سے خاص یہی دوسری قسم کی تفضیل مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ تفضیل کے معنے یہان عند اللہ زیادتی ثواب کے لیے جاتے ہین اور کسی دوسری قسم کی تفضیل مثلاً کثرت علم و شرف نسب اور شجاعت و مروت وغیرہ وغیرہ جسے عقلا اپنے عرف مین فضیلت سمجھتے ہین یہان درکار نہین پس جس کو کثرت ثواب کی وجہ سے تفضیل حاصل ہو اس کے لیے یہ بات منافی نہین ہے کہ غیر شخص اس سے شرافت نسب اور شجاعت اور علم وغیرہ تمام صفات یا بعض صفات کیساتھ فضیلت رکھتا ہو اور کثرت ثواب کے اسباب وہ خوبیان اور فضائل ہین جن کے منافع اور نتیجے دین اسلام کے کارآمد ہون جیسے ایمان مین سبقت اور دین کی نصرت اور اسلام کی تقویت اور مسلمانون کی معاونت

افضلیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ثواب زیادہ ہو

اور خیرات وصلات ومبرات کی کثرت اور آدمیون کی ہدایت وغیرہ وغیرہ اور یہ تمام باتین ابو بکر رضی اللہ عنہ مین جمع تھین پھر اگر شجاعت وغیرہ دوسری قسم کی صفات عرفی غیر شخص مین زیادہ ہون تو ہون افضلیت کے واسطے اسی قدر کافی ہے یا مثلاً ابو ہریرہ وغیرہ بحیثیت کثرت روایت یا اور وجوہ سے اُن پر افضلیت رکھتے ہون تو اس مین کیا قباحت ہے فضل جزئی بعض صحابہ کا افضل اصحاب پر موجب اُن کی منقصت کا نہین ہو سکتا جن کے لیے فضل کلی ثابت ہی خلاصہ کلام یہ ہی کہ ہر طرح سے ایک کی تفضیل دوسرے پر محال ہی اسلیے کہ تفضیل جناب امیر کی جہاد سیفی و سنانی اور زہد و قضا اور ہاشمیت خصوصاً زوجیت بتول مین صدیق اکبر پر قطعی ہے اسی طرح ان کی تفضیل قدیم الاسلام ہونے اور اول نماز پڑھنے مین حضرت فاروق پر یقینی ہے پس مراد تفضیل صدیق یا فاروق سے جناب امیر پر یہ ہے کہ اُن کو ریاست امت کے معاملے اور دین کی محافظت اور فتنۂ فساد کے مٹانے اور احکام شریعت کے جاری کرنے اور ملکون مین اسلام پھیلانے اور حدود اور تعزیرات کے قائم کرنے مین نبی علیہ السلام کیساتھ مشابہت تھی اور یہی مقاصد خلافت کبرے کے ہین سب مفسرین کہتے ہین کہ یہ آیت ابو بکر صدیق کی شان مین نازل ہوئی ہے وسیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی یعنی نزدیک ہے کہ دور رکھا جاوے گا جہنم کی بھڑکتی آگ سے جو بڑا متقی ہے اور اپنے مال کو راہ خدا مین دیتا ہے تاکہ اپنے تئین پاک کرے اور تقریر اس دلیل کی اس طرح پر ہے کہ حضرت ابو بکر کو حق تعالے نے اتقے فرمایا ہے اور دوسری آیت مین فرمایا ہے کہ ان اکرمکم عند الله اتقیکم یعنی بڑا بزرگ تم مین سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو بڑا متقی ہے تو ان دونون آیتون مین توفیق دینے سے ایسا ثابت ہوا کہ ابو بکر صدیق رضی آدمیون مین اللہ کے نزدیک بزرگ ہین اور یہی معنے افضلیت کے ہین اور تفضیلی لوگ کہتے ہین کہ یہان پر اتقے سے مراد متقی ہے نہ یہ کہ جو تقوے مین سب سے زیادہ ہو اس لیے کہ ابو بکر رسول اللہ سے کمتر تھے تو اس سے وجہ سے اُن پر اتقے ہونا ثابت نہو اہل سنت ان کے جواب مین کہتے ہین کہ اتقے کو متقی کے معنے مین لینا لغت عرب

مگر ان کی افضلیت مراد ہے

۱ـــ

کے خلاف ہے اور جو ضرورت ان معنون کے مراد لینے کی بیان کرتے ہین وہ مردود ہے
کیونکہ کلام دوسرے آدمیون مین ہے نہ پیغمبرون مین اس لیے کہ شریعت کے قاعدون سے
معلوم ہو چکا ہے کہ سب پیغمبر بزرگی اور مرتبے مین اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے بڑے
ہین پیغمبرون کو دوسرے آدمیون پر اور دوسرے آدمیون کو پیغمبرون پر کسی بات مین قیاس
نکرنا چاہیے اس لیے کہ ایسے لفظون کے بولنے سے بزرگی اور تعظیم کے مقام پر عرف
شرعی مین اہل امت ہی مراد ہوتے ہین اور عرف کی تخصیص ذکر کی تخصیص سے قوی ہوتی
ہے اور دوسری جگہ قرآن مین اللہ نے پیغمبر کی زبان سے ابو بکر کی شان مین ان اللہ معنا
فرمایا ہے یعنی اللہ ہم دونون کے ساتھ ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح معیت
خدا کی رسول کیساتھ تھی اسی طرح ابو بکر صدیق کے ساتھ ہان اگر دو لفظ ہوتے تو یہ بھی احتمال
تھا کہ یہ اور قسم ہے وہ اور قسم ہے اس صورت مین بجز اس کے نہین کہ رسول کا اور حضرت
ابو بکر کا مقام برابر ہو یا اوپر نیچے بہر حال تفاصلے کی گنجائش نہین سو برابری تو ممکن نہین یہی ہوگا
کہ رسول کی سرحد اسفل اور صدیق اکبر کی سرحد اعلےٰ دونون ملی ہوئی ہون سو ظاہر ہی کہ اس
صورت مین حضرت ابو بکر کا رتبہ اور امتیون سے بلند ہوگا اور ابو درداء سے دار قطنی مین
سند صحیح سے روایت آئی ہے کہ اونھون نے کہا ایک روز مین رستے مین حضرت ابو بکر
کے آگے جاتا تھا کہ یکایک آنحضرت ملگئے فرمایا کیا تو اس شخص کے آگے چلتا ہے جو دنیا
و آخرت مین تجھ سے بہتر ہے خدا کے آفتاب نے انبیاء و مرسلین کے بعد کسی ایسے شخص پر طلوع
نہین کیا جو ابو بکر سے بہتر ہو اور ترمذی نے انس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت کے پاس ایک
پرند بھنا ہوا یا پکا ہوا رکھا تھا اُس وقت آپ نے دعا کی کہ خداوندا میرے پاس اس شخص
کو لا جو تیرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہو تاکہ وہ میرے ساتھ اس کو کھاے
اس وقت حضرت علے آئے اور اُسے حضرت کے ساتھ کھایا ابن جوزی اس حدیث
کو موضوع بتاتے ہین اور حاکم کہتے ہین کہ موضوع نہین ہے اور مختصر مین لکھا ہے کہ اسکے

طرق بہت سے ہین لیکن سب ضعیف ہین شارحین محققین کہتے ہین کہ اس حدیث سے حضرت
علی رض پر حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رض کی افضلیت مین فرق نہین آتا صحابہ مین
اگر بعض کو محبوب تر بعض سے بعض وجوہ و حیثیات سے رکھین تو کیا ہوتا ہے اس سے اُس
افضلیت مین جو بسبب کثرت ثواب کے ہو کوئی نقصان پیدا نہین ہوتا اس لیے کہ تمام وجوہ
کے ساتھ محبوبیت مراد نہین ہے اور لفظ احب دوسرے صحابہ کے حق مین بھی حضرت نے
فرمایا ہے ترمذی نے اسامہ سے روایت کی ہے کہ ایکبار حضرت رض علی اور حضرت عباس رض
پیغمبر خدا کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ آپ کی اولاد و ازواج کے سوا جتنے لوگ
ہین اُن مین سے کون آپ کو محبوب ہے فرمایا احب اهلی الیّ من قد انعم الله علیه
وانعمت علیه اسامة بن زید قالا ثم من قال علی بن ابی طالب یعنی محبوب ترین اہل
بیری کا میرے نزدیک وہ شخص ہے جس پر اللہ نے اور مینے انعام و احسان کیا ہے
وہ شخص اسامہ بن زید ہے پھر حضرت رض علی و عباس رض نے کہا کہ اس کے بعد کون ہے فرمایا علی
بن ابی طالب یہ نص جلی ہے کہ احبیت سے افضلیت لازم نہین اس لیے کہ حضرت علی اسامہ
سے بالاجماع افضل ہین اور جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے انا دار الحکمة وعلی بابها
مین حکمت کا گھر ہون اور علی اس کا دروازہ ہے اور ایک روایت مین آیا ہے انا مدینة العلم
اور ایک روایت مین آیا ہے انا دار العلم اور ایک روایت مین یہ زیادہ ہے فمن
اراد العلم فلیاتیه من بابه اس مین حضرت رض علی کی ایک طرح کی تعظیم نکلی اور واقع مین حضرت
علی رض ایسے ہی ہین کیونکہ وہ بہ نسبت بعض صحابہ کے زیادہ علم رکھتے تھے نہ یہ کہ تمام صحابہ سے
زیادہ عالم تھے اس لیے کہ یہ بات تحقیق ہو چکی ہے کہ تابعین نے طرح طرح کے علوم شرعی از
قسم قراءت و تفسیر و حدیث و فقہ تمام صحابہ سے لیے ہین نہ فقط حضرت علی رض سے پس علوم
انحصار ربابیت کا حضرت علی رض کے حق مین ظاہر ہے لیکن ہان اگر وہ باب قضا کے ساتھ
مختص سمجھے جائین تو ہو سکتا ہے کیونکہ اُن کی شان مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے

احبیت سے افضلیت لازم نہین آتی

علی باب علم نبوی

فرمایا ہے اقضٰھم علی اور ظاہر معنے اقضٰھم کے یہ ہین کہ حضرت علیؓ احکام خصومت کے خوب جاننے والے ہین جو علم فقہ کی طرف محتاج ہے جیسا کہ احمد اور ترمذی نے انس سے روایت کی ہے کہ زید بن ثابت کے حق مین آنحضرت نے فرمایا ہے افرضھم زید بن ثابت یعنی صحابہ مین بڑے فرایض دان زید بن ثابت ہین اور اُبیّ بن کعب کی نسبت آپ نے کہا ہے اقرءھم ابی بن کعب یعنی صحابہ مین بڑے قاری ابی بن کعب ہین اور معاذ بن جبل کے واسطے فرمایا ہے اعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل یعنی صحابہ مین سب سے زیادہ حلال و حرام کا علم معاذ بن جبل کو ہے آنحضرت نے جس صحابی کے باب مین جو کچھ فرمایا ہے اُس صفت کے ساتھ وہ صحابی اور لوگون مین ممتاز ہوا ہے اور ایسے ہی آثار اس سے ظاہر ہوے ہین اور جو یہ گمان کرے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر رعایت محل کے کسی کے حق مین کچھ کہدیا ہوگا اور مقصود صرف اُس کی عزت افزائی ہوگی سو یہ صحیح نہین وہ نبی تھے بلا ثبوت کچھ کہدینا اُن کی شان اور کمال کے خلاف تھا اور اس حدیث مین محدثین نے اختلاف کیا ہی بعض نے صحیح کہا ہے بعض نے حسن اور بعض نے ضعیف اور بعض منکر بتاتے ہین اور بعض موضوع کہتے ہین اور امام مالک وغیرہ بعض اسلاف اہل سنت تفضیل حضرت عثمان و حضرت علیؓ مین توقف کرتے ہین امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ پیغمبر کے بعد افضل امت کون ہے کہا حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر جب حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کے باب مین استفسار کیا تو جواب دیا کہ پیشوایان دین مین سے کوئی شخص ایسا نہ ملا کہ اُن مین سے ایک کو دوسرے پر تفضیل دیتا ہو اور امام الحرمین کا بھی یہی مذہب ہے اور ابو بکر بن خزیمہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر تفضیل دیتے ہین اور جواہر الاصول اور مقدمۂ شیخ ابو عمر بن صلاح مین ہے کہ اہل کوفہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر تفضیل دیتے تھے اور علماے حدیث مین سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے اور قسطلانی شرح صحیح بخاری مین کہتے ہین کہ بعض سلف حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتے ہین

(۱) صحابہ مین ہر ایک خاص خاص علوم مین ممتاز تھا

تفضیل حضرت عثمان و حضرت علیؓ

اُن میں سے سفیان ثوری بھی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ سفیان نے آخر عمر میں اپنی اس رائے کو
چھوڑ دیا تھا اور محی الدین نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ کوفے کے بعض اہل سنت وجماعت
نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے اور قول صحیح ومشہور اس کے برعکس ہے
اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے
صحابہ وتابعین میں سے حضرت ابو بکر وحضرت عمر کی تفضیل اور تقدیم میں اختلاف نہیں کیا ہے
اگر اختلاف ہے تو حضرت علیؓ وحضرت عثمان میں ہے اور امام اعظم حضرت عثمانؓ کو حضرت
علیؓ پر بلا خلاف تفضیل دیتے ہیں نواب صدیق حسن خان نے رسالہ انتقاد الرجیح میں یہ لکھا
ہے کہ ابو حنیفہ امام اعظم اس امر کے قائل ہیں کہ علیؓ کو عثمانؓ پر تفضیل ہے افسوس انھوں نے
امام کے اس قول کو نہیں دیکھا اور نہ امام کے عقائد پر اُن کو پوری طرح اطلاع ہوئی معلوم ہوتا
ہے کہ سنی سنائی بات بے تحقیق لکھ ماری خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کے تمام
اکابر اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابو بکر وحضرت عمر برعایت ترتیب تمام صحابہ سے افضل ہیں لیکن
شرح قصیدۂ امالیہ میں مذکور ہے کہ خلفاے اربعہ کی فضیلت مخصوص ہے بعد اولاد نبی کے
اور ابن عبد البر کہ مشاہیر علماے حدیث سے ہیں استیعاب میں لکھتے ہیں کہ اگلے علما نے
اختلاف کیا ہے تفضیل حضرت ابو بکر وحضرت علیؓ میں اور کہتے ہیں کہ سلمان اور ابو ذر اور
مقداد اور خباب اور جابر اور ابو سعید خدری اور زید بن ارقم سے مروی یہ ہے کہ حضرت علیؓ
مرتضے کا اُن لوگوں میں اول نمبر ہے جو ایمان لائے لیکن ابو طالب کے خوف سے چھپاتے
رہے اور کہا کہ یہ لوگ تمام صحابیوں سے حضرت علیؓ کو تفضیل دیتے ہیں یہ عبد البر کے کلام
کا خلاصہ ہے مگر اہل تحقیق اس قول کو نامعتبر سمجھتے ہیں اس لیے کہ روایات شاذہ جو قول جمہور
کے مخالف ہوں معتبر نہیں اور خطابی نے بعض مشائخ حدیث سے نقل کیا ہے کہ کہتے تھے
ابو بکر خیر من علی وعلی افضل من ابی بکر یعنی ابو بکر صدیق حضرت علیؓ سے خیر ہیں اور
حضرت علیؓ حضرت ابو بکر سے افضل اور امام تاج الدین سبکی کہ شافعی مذہب کے بڑے امام

[illegible] تفضیل علیؓ [illegible]

گذرے ہیں طبقات کبرے میں لکھتے ہیں کہ بعض متاخرین حسنین علیہما السلام کو تفضیل دیتے ہیں بوجہ اس کے کہ جگر گوشۂ رسول کے جز ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص میں امام علم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم بالاتفاق خلفائے اربعہ سے افضل ہیں۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ میں نبی کے جگر پارے پر کسی کو تفضیل نہیں دیتا۔ جمہور ائمہ ترتیب تفضیل پر اجماع نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالک کے قول میں تفضیل خلفائے راشدین کے سوا اور صحابہ کی نسبت ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ کی روایات کے تسلیم کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ہمارے مقصود کو مضر نہیں ہیں کیونکہ اثبات تفضیل کی بنیاد ایک خاص طور کی فضلیت پر ہے جو دوسری قسم کی مفضولیت کو منافی نہیں یہ تمام فضائل جو انھوں نے نقل کئیے ہیں شرف نسب اور جواہر ذات کی بزرگی کی وجہ سے ہیں جن کثرت ثواب اور نفع اسلام متصور نہیں اس میں شک نہیں کہ پیغمبر کی اولاد کو جو شرف جزو پیغمبر ہونے کی وجہ سے حاصل ہے وہ شرف شیخین میں کہاں ہے کسی کو اس میں مجال انکار نہیں ہے مگر باوجود اس کے شیخین کا ثواب زیادہ ہے اور اسلام کو ان کی ذات سے نفع زیادہ پہونچا ہے اور خطابی نے جو کچھ بعض مشائخ سے نقل کیا ہے ہمیں اس قول کا نتیجہ نہیں معلوم ہوا کہ خیریت کیا ہے اور افضلیت کیا اگر مراد یہ ہے کہ ابوبکر کی خیریت ایک وجہ خاص سے ہے اور علی کی افضلیت دوسری وجہ سے تو یہ بات دائرۂ خلاف سے خارج ہے اور اگر خیریت سے مراد کثرت ثواب ہے اور افضلیت سے دوسری وجہ سے مثلاً شرف ذات و کرامت نسب وغیرہ تو یہ ہمارے مقصود کے منافی نہیں اور اگر کوئی اور بات مقصود ہے تو اس کا کھولدینا چاہیے تھا۔ اسعاف الراغبین میں لکھا ہے کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ مہدی موعود شیخین سے افضل ہوں گے بلکہ بعض انبیا پر بھی ان کو فضیلت ہوگی عرف الوردی فی اخبار المہدی میں اس کی تاویل یوں کی ہے کہ مہدی کو اس وجہ سے افضلیت حاصل ہوگی کہ وہ فتنہ و فساد میں زیادہ صبر کریں گے اور اہل روم کے ان کے

تفضیل حسنین و فاطمہ و ابراہیم

مہدی کی شیخین پر افضلیت

مسئلہ افضلیت کی تفضیلیت خلفاء

ساتھ محاربہ کرنے اور دجال کے اُن کا محاصرہ کرنے کی وجہ سے اُن کو ایذا و تکلیف زیادہ پہونچے گی جو اُنکی تفضیل کا موجب ہوگی نہ یہ کہ اُن سے اِن کا ثواب زیادہ ہوگا اور وہ اللہ کے نزدیک اِن سے بڑا مرتبہ رکھین گے۔

اب اس مین گفتگو رہی کہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ یقینی ہے کہ جس پر دلیل قاطع موجود ہو یا ظنی کہ دلیل اس کی قرینہ و قیاسات ہون جو رجحان اولویت تک پہونچا دیتے ہین بعض کی رائے یہ ہے کہ قطعی ہے اور اکثر محققین کا مختار یہ ہے کہ ظنی ہے امام الحرمین ارشاد مین کہتے ہین کہ مسئلہ تفضیل کی بنا اس پر ہے کہ مفضول کا امام ہونا فاضل کے موجود ہوتے ناجائز ہے کیونکہ علماے سنت کہتے ہین کہ امام کا افضل ہونا چاہیئے مگر افضل آدمی کے امام بنانے مین اگر فتنہ و فساد پیدا ہونے کا احتمال ہے اور مفضول مین امامت کی اہلیت موجود ہے تو اس کا امام کر دینا جائز ہے امام الحرمین نے کہا ہے کہ میرے نزدیک امام کے افضل ہونے کی دلیل قطعی نہین ہے کیونکہ اخبار آحاد کے سوا کوئی دلیل اس بارے مین نہین آئی ہے اور پھر وہ بھی امامت کبرے یعنی خلافت کے باب مین نہین ہے بلکہ امامت صغرے یعنی امامت نماز کے بارے مین ہے چنانچہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز مین وہ شخص امام بنے جو سب سے زیادہ قاری اور سب سے بہتر علم فقہ سے ماہر ہو اور خود یہ قول بھی قطعیت کا مفید نہین ہے پس صحیح یہ ہے کہ امامت و خلافت مین افضلیت شرط نہین ہے پس امامت دلیل افضلیت کی نہین ہو سکتی ہے اور ہمارے پاس کوئی اور دلیل ایسی نہین ہے جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ ائمہ یعنی خلفا اوروں سے افضل ہین اس لیے کہ عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے اور جس قدر اخبار انکے فضائل مین وارد ہین وہ باہم متعارض ہین پس سوائے توقف اور سکوت کے کچھ نہین لیکن غالب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ سب خلائق سے افضل ہین اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ اور گمان حضرت علےؓ و عثمانؓ مین متعارض ہین اور کہتے ہین کہ حضرت علےؓ مرتضٰے سے بھی روایت آئی ہے کہ سب

آدمیون سے افضل بعد پیغمبر علیہ السلام کے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ہین اب آگے خدا جانے کہ کون افضل ہے یہ ترجمہ امام الحرمین کے کلام کا ہے اور وہ لکھتے ہین کہ یہ قول وہ ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے اور تقلید چھوڑکر راہ حق پر چلے ہین اور شرح قصیدہ امالیہ مین لکھا ہے کہ شیخ احمد زروق جو بڑے فقیہ و علامہ گذرے ہین شرح قصیدۂ حجۃ الاسلام مین کہتے ہین کہ اس باب مین علما کا خلاف ہے کہ یہ تفضیل قطعی ہے یا ظنی ابوالحسن اشعری کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کی تفضیل تمام صحابہ پر قطعی ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی کے نزدیک ظنی اور اس مین بھی اختلاف ہے کہ یہ تفضیل ظاہر و باطن دونون مین ہے یا فقط ظاہر مین یہان بھی دو قول ہین انتہے اور صاحب مفہم شارح مسلم بھی قطعیت کے قائل ہین اور قاضی عضد نے بعد لکھنے فضائل علے مرتضےٰؓ کے جن سے شیعہ ان کی افضلیت پر استدلال کرتے ہین ان کے جواب مین اس افضلیت کو کثرت ثواب پر حمل کرنے کے بعد کہا ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ایسا ہے جس مین تقین کی کوئی صورت نہین ہے اور عقل کے لیے افضلیت کو کثرت ثواب کے معنون مین لینے کی بطریق استدلال کے سبیل نہین ہے بڑی سند اس کی نقل ہے اور یہ مسئلہ ایسا نہین ہے جو عمل سے متعلق ہو کہ جس پر صرف ظن ہی کفایت کر سکتا ہے بلکہ یہ مسئلہ اعتقادیات سے ہے جس مین جزم و یقین کی بڑی ضرورت ہے اور نصوص جتنی وارد ہین اُن مین باوجود تعارض کے قطعیت نہین ہے اور انتہا درجے کی دلالت اُن کی اختصاص اسباب کثرت ثواب پر ہوگی اور کثرت ثواب کی وجہین یقینی طور پر زیادتی ثواب کا موجب نہین ہو سکتین اس لیے کہ اجر و ثواب خدا کے فضل پر موقوف ہے کسی شے کے بھروسے پر نہین ہے اگر اللہ چاہے تو گناہگار نافرمان کو وہ ثواب دے جو مطیع کو نہ دیا ہو اور خلافت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے لیکن اس سے افضلیت کا یقینی ہونا لازم نہین آتا ہان گمان غالب کی رو سے افضلیت مان لی جاتی ہے اس لیے کہ فاضل کے موجود ہونے کے باوجود مفضول کی امامت بھی اہل سنت و جماعت کے نزدیک جائز ہے اور اس کا عدم جواز قطعی نہین ہے لیکن ہم نے

تفضیل ظاہری و باطنی

مشائخ سلف سے یہی سنا ہے کہ افضل ابو بکرؓ ہین پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ اور مشائخ سلف کی نسبت ہمارا حسن ظن چاہتا ہے کہ ہم اعتقاد یہ کرلین کہ اگر یہ لوگ کوئی دلیل اس مسئلے پر نہ رکھتے تو ایسا نہ کہتے اور اس قول پر اتفاق نکرتے اور ہم اس مسئلے مین انکی اتباع کرتے ہین اور اصل بات کو اللہ تعالےٰ کے علم پر چھوڑتے ہین اور آمدی جو عمدہ علماے اصول فقہ وکلام سے ہین کہتے ہین کہ تفضیل سے مراد مخصوص کرنا ایک آدمی کا دو مین سے اس فضیلت وصفت کے ساتھ ہے جو اس دوسرے مین نہو خواہ اصل ہی مین یہ دوسرا شخص اس صفت و فضیلت سے معرا ہو جیسے عالم صفت علم کی وجہ سے جاہل سے افضل ہے جو ایسا نہین ہے اس مین نہین خواہ اصل فضیلت تو دونون مین مشترک ہو مگر اس کی کمی بیشی دونون مین ہو چنانچہ اگر حامد کو علم زیادہ ہوگا اور محمود کو کم تو ہم حامد کو محمود کے مقابلے مین اعلم کہین گے اگرچہ اصل علم دونون مین مشترک ہے مگر کمی بیشی ہے اور اس وجہ سے بھی صحابہ مین تفضیل کا جزم نہین ہو سکتا جو فضل کسی ایک صحابی مین ثابت کرین گے تو دوسرا ضرور اس مین شریک نکلے گا یا کوئی ایسی صفت اس مین موجود ہوگی جو پہلے صحابی کی صفت کا نقطۂ مقابل بن سکے گی اور کثرت فضائل کے سبب سے تفضیل کا قائل نہونا چاہیے اس لیے کہ شرف نفاست کی زیادتی یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو دوسری سو فضیلتون پر فوق ہو سکتی ہے جس طرح ایک ہیرا ایک لاکھ روپیون سے زیادہ قیمت رکھتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس ایک فضیلت کے لیے وہ ثواب اور اجر ہو جو بہت سے فضائل کو حاصل نہو پس افضلیت کو کثرت ثواب کے معنے مین بھی قطعی نہ سمجھنا چاہیے۔ اور علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی مین کہتے ہین کہ ہم نے سلف کو اس روش پر پایا ہے کہ وہ افضل اصحاب ابو بکر صدیقؓ کو پھر حضرت عمر فاروقؓ کو پھر حضرت عثمان ذو النورینؓ کو پھر حضرت علے مرتضےٰؓ کو بتاتے ہین اگر اُن کے پاس کوئی دلیل نہوتی تو ایسا نکرتے اور جانبین کی دلیلین متعارض ہین اور ہم اس مسئلے کو اُس قبیل سے نہین پاتے جس سے کسی قسم کا عمل متعلق ہو اور یا اُس مین توقف کرنے سے کسی واجب چیز مین خلل پڑتا ہو اور اسی قسم کی رائے

محقق دوانی کی شرح عقائد عضدیہ مین ہے صواعق محرقہ مین لکھا ہے کہ ابن عبد البر نے
استیعاب مین عبد الرزاق سے نقل کیا ہے کہ معمر کہتے ہین کہ اگر کوئی آدمی کہے کہ حضرت عمر رضہ
حضرت ابو بکر سے افضل ہین تو مین اسے منع نکرونگا اور سختی سے پیش نہ آون گا اور اگر کہے
کہ حضرت علی رضہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے افضل ہین تو بھی اُس سے سختی نکرون گا بشرطیکہ
وہ آدمی شیخین کی فضیلت کا معترف ہو اور اُن سے محبت رکھتا ہو اور ان کی مدح و ثنا اُس
قدر جس کے یہ مستحق ہین کرتا ہو عبد الرزاق کہتے ہین کہ مینے معمر کی یہ بات وکیع کے آگے
بیان کی انھون نے پسند کیا شیخ ابن حجر نے اس قول کی توجیہ مین کہا ہے کہ اس منع نکرنے
اور سختی سے پیش نہ آنے کا یہی سبب ہے کہ تفضیل مذکور ظنی ہے نہ قطعی اگر کوئی سوال
کرے کہ تفضیل مذکور کی ظنیت اسی آدمی کے نزدیک ہوسکتی ہے جو اجماع کا قائل نہو اور
ان روایات شاذہ کو مانتا ہو جو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہین اور جو کوئی اجماع کو مانتا ہو جو
کہ راجح اور مختار ہے تو اسکے نزدیک ظنیت کی راے درست نہوگی کیونکہ اجماع بھی دلائل قطعیہ
مین سے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم اصول فقہ مین یہ بات مقرر ہوچکی ہے کہ اجماع
دلیل قطعی ہے مگر اس کی سب قسمون اور نوعون مین سے وہ قسم قطعی ہے جس مین بالکل خلاف
نہو اور جس مین ذرا سا بھی خلاف ہو خواہ وہ شاذ و نادر ہی کیون نہو وہ ظنی ہے قطعیت کے
حکم سے نکل جاتا ہے گو اس مین خلاف بطور ندرت کے ہے ایسا نہین ہے جس سے اجماع
مین خلل پڑے لیکن اس کے درجے کو قطعیت سے گرانے کے لیے کافی اور موثر ہے
اور یہان اجماع افضلیت ظنیہ پر ہے اور اہل اجماع نے اس کی قطعیت پر اجماع نہین کیا ہی
چنانچہ علما کے اشارات و عبارات سے یہ بات بخوبی مفہوم ہوتی ہے پس صفت ظنیت اس
مسئلے مین قید محکم ہے نہ عارض اور مستند اس کا صرف اسی قدر ہے کہ جب دلیل قطعی سے
ثابت ہوچکا کہ خلافت اس ترتیب کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ فضیلت بھی اسی طور سے
ہوگی مگر خلافت کی ترتیب سے افضلیت قطعًا و یقینًا لازم نہین آتی کیا تم نہین دیکھتے کہ اہلسنت

وجماعت نے حضرت عثمانؓ کی خلافت پر اجماع کر لیا ہے مگر ان کی افضلیت مین خلاف ہے پس
پس معلوم ہوا کہ خلافت کی قطعیت سے افضلیت کی قطعیت لازم نہین آتی اور نہ افضلیت کی
ظنیت خلافت کی ظنیت کو مستلزم ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ فضل کی حقیقت وہی ہے
جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک ثابت ہو اور اس پر مطلع ہونے کی سبیل اخبار و وحی ہین اور اُن کی
مدح وثنا مین جسقدر اخبار ہین وہ متعارض ہین جن لوگون نے وحی کا زمانہ پایا ہے اور آنحضرت کے احوال
کا مشاہدہ کیا ہے اُنھون نے تو قرینون اور علامتون سے معلوم کر لیا ہے مگر وہ لوگ جن کو یہ بات
حاصل نہین ہے ان کی نظر تو صرف دلیل اور مفہوم کلام پر ہے اور مفہوم کلام متعارض ہے اِس
لیے اکابر سلف کی تقلید و اتباع کرنا چاہیے اور احادیث و اخبار پر جو صحابہ کے فضائل مین نازل
ہین غور کرنے سے سواے توقف کے اور کوئی بات حاصل نہین ہوسکتی ابن حجر کہتے ہین کہ
اہل سنت وجماعت کے نزدیک افضلیت کا مسئلہ اس ترتیب خاص کے ساتھ گو ظنی ہے
مگر شیعون پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت کو قطعی اور یقینی مانین کیونکہ
ان کے نزدیک حضرت علے اور ائمہ اثنا عشر معصوم ہین اور معصوم کی خبر مفید قطع و یقین ہے اس
لیے کہ معصوم سے کذب کا صدور ناجائز ہے اور یہ بات صحت و تواتر کو پہونچی ہے کہ حضرت
علے مرتضےٰ رضؓ نے اپنی خلافت کے عہد مین علانیہ اپنے دوستون اور شیعون سے حضرت ابوبکرؓ
وحضرت عمر کی مدح وثنا کی ہے اور ان کی افضلیت کو بیان کیا ہے ذہبی نے کچھ اوپر اسیؔ
آدمیون کی سند سے اس کا ثبوت پہونچایا ہے اور صحیح بخاری مین محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ
ایک روز مینے حضرت علےؓ مرتضےٰ سے پوچھا کہ لوگون مین سے کون بہتر ہے اُنھون نے
فرمایا حضرت ابوبکر مینے کہا پھر کون بہتر ہے بولے حضرت عمر محمد بن حنفیہ کہتے ہین کہ مجھے اس بات کا
خوف ہوا کہ اگر اب مین یہ پوچھون گا کہ عمر کے بعد کون افضل ہے تو عثمانؓ کا نام لیدین گے اس لیے
عنوان سوال سے عدول کر کے یون پوچھا کہ پھر آپ بہتر ہین حضرت علےؓ نے فرمایا کہ مین مسلمانون
مین سے ایک آدمی ہون اور یہ حدیث متعدد طریقون سے صحت کو پہونچی ہے اور بعض روایتون

حضرت علی نے حضرت ابوبکر و عمر کی مدح کی ہے ۱۲

مین آیا ہے کہ حضرت علے نے فرمایا کہ مجھکو خبر لگی ہے کہ بعض آدمی مجھے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رض
پر تفضیل دیتے ہین جو کوئی ایسا کرے وہ مفتری ہے اور جو سزا مفتریون کے لیے ہوتی ہے وہ
اُس کا مستوجب ہے اور امام مالک نے امام جعفر صادقؒ سے اور اُنھون نے اپنے والد امام
محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت رضؓ علے حضرت ابو بکر کی طرف سے کہ وہ چادر اوڑھے لیٹے
ہوے تھے گذرے اور کھڑے ہو کر فرمایا کہ مجھے کوئی آدمی ایسا عزیز نہین ہے جس کے
نامۂ اعمال کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے ملون مگر یہ آدمی کہ چادر اوڑھے ہوے ہے اور دارقطنی
نے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ کو جو مولانا علےؑ کو تمام امت سے افضل جانتے تھے معلوم ہوا کہ بہت
سے لوگ میری اس راے سے مخالفت کرتے ہین اُن کو بہت ملال ہوا اور حضرت امیر کے
پاس گئے حضرت امیر اُن کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مکان مین لے گئے اور پوچھا کہ آج مین تم کو ملول
پاتا ہون اس کا کیا سبب ہے اُنھون نے حال بیان کیا جناب امیرؓ نے فرمایا اے ابو جحیفہ مین
تم کو بہترین امت سے مطلع کرتا ہون کہ وہ حضرت ابو بکر ہین پھر حضرت عمر ابو جحیفہ نے کہا کہ مین
اللہ سے عہد کرتا ہون کہ یہ بات کبھی نہ چھپاؤن گا کہ حضرت علے سے مینے بالمشافہ ایسا سنا
ہے نہج البلاغۃ مین کہ شیعون کے ہان بہت معتبر کتاب ہے معاویہ کے نام حضرت علے کا
ایک خط اُن کے خط کے جواب مین مندرج ہے اس مین حضرت امیر نے ابو بکر و عمر رضی اللہ
عنہما کے حق مین فرمایا ہے لعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصائب بھما لجرح
فی الاسلام شدید رحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا ترجمہ قسم اپنی جان کی کہ ان دونون کا منصب
اسلام مین بڑا ہے اور واقعہ وفات ان دونون کا تحقیق زخم سخت ہے اللہ تعالےٰ اُن پر رحمت
کرے اور اُن کو جزاے خیر دے بعوض بہترین کامون کے کہ ان دونون نے کیئے۔

قول حضرت امام جعفر صادق کا

اور نور اللہ شوستری وغیرہ علماے امامیہ نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؓ حضرت
ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق مین فرماتے ہین ھما امامان عادلان قاسطان
کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیھما رحمۃ اللہ یوم القیامۃ (ترجمہ) وہ دونون دو امام عادل انصف

ہیں دونوں حق پر تھے اور حق پر مرے پس ان دونوں پر اللہ کی رحمت قیامت کے دن ہو
اور اس طرح کی روایتیں حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں اور ائمہ سے طرفین کی کتابوں میں بہت ہیں
مگر حضرت امامیہ ائمہ کی ایسی حدیثوں کو خوف اور تقیہ پر محمول کرتے ہیں اور اس پردے میں اپنے
مذہب کو بچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو حدیثیں خلفائے ثلثہ کی تعریف میں یا اور عقائد وغیرہ
میں کہ مذہب اہل سنت کے موافق امامیہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں وہ سب حدیثیں خوف
اور تقیہ سے ائمہ نے فرمائی ہیں اہل سنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بات امامیہ کی
کسی طرح سے ماننے کے قابل نہیں منجملہ ان کے **اول** یہ کہ نبی اور امام اللہ کا حکم
پہونچانے میں کسی سے نہیں ڈرتے اور گمراہوں کی رہنمائی میں ہرگز سستی نہیں کرتے ہیں
اگر خلفائے راشدین قابل تعریف نہوتے تو ائمہ ہرگز اُن کی مدح نکرتے اور بندگان خدا کو دھوکا
ندیتے **دوسرے** یہ کہ اگر خوف جان یا اذیت کے سبب سے حق بات نہیں کہہ سکتے
تھے تو ائمہ پر ہجرت واجب تھی بموجب اس آیت کے ان الذین توفیہم الملائکۃ ظالمی انفسہم
قالوا فیما کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا
فیھا یعنی جن لوگوں کی فرشتے جان کھینچتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنا بُرا کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ تم کس بات
میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں مغلوب تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ جان
وطن چھوڑ جاؤ امامیہ میں سے سید محمد بن مرتضے صاحب وافی نے اس آیت کے بیان میں
لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے ہجرت کے واجب ہونے میں اس جگہ سے جہاں آدمی اپنا
دین قائم نکرسکے جب باوجود اس حکم الٰہی کے ائمہ نے ہجرت نکی بلکہ کبھی قصد بھی نہ کیا تو ثابت
ہوا کہ یہ روایتیں ائمہ نے تقیہ سے نہیں فرمائیں **تیسرے** یہ کہ فقط ائمہ کو خوف جان کا
اعدائے دین سے نہیں بلکہ سب پیغمبروں کو قتل کا خوف رہا اب فرمائیے کہ کسی نبی نے جان
کے ڈر سے کافروں اور منافقوں کی تعریف فرمائی یا ان کے آئین کے موافق خلق اللہ کو راہ
دکھائی کہ جس پر ہم قیاس کریں کہ یہ فعل اُن کا انبیاء کے فعل کے موافق ہے تو نسبت تقیہ

کی ائمہ کی حدیثوں مین بے معنے ہے چوتھے اماموں کا ہونا واسطے ہدایت و رہنمائی گمراہون کے ہے پھر جب ائمہ ظالمون کے ڈرتے خلاف نبیوں کے طریقے کے دشمنون کی تعریف کرین اور حق بات کو چھپائین تو ہدایت کیسی یہ تو گمراہ کرنا خلق کا ہے اس لیے کہ جن لوگون کے سامنے ایسی حدیثین فرمائین اور اُن لوگون نے حق سمجھ کے اُن پر عمل کیا پھر گمراہی مین اُن لوگون کی کیا باقی رہا عبدالرزاق نے جو اہل روایت اور علماے حدیث مین اعلےٰ درجے کا فاضل اور اکابرین اہل شیعہ سے ہے کہا ہے کہ مین شیخین کو اس لیے فضیلت دیتا ہون کہ علے نے ان کو اپنے اوپر تفضیل دی ہے اگر وہ ایسا نکرتے تو مین بھی نکرتا اور حضرت علےؓ کو دوست رکھنا اور پھر اُن سے مخالفت کرنا یہ ایک بڑا گناہ ہے پانچوین یہ کہ امام باقر اور جعفر صادق کو حکم تقیہ کا نہ تھا بلکہ امر الٰہی یون تھا کہ نصیحت کرین اور فتوے دین اور اہلبیت کے علم کو رواج دین اور اپنے باپ دادا کو سچا کرین اور کسی سے نڈرین کہ کوئی کچھ نہین کرسکتا جیسا کہ عبارت خاتم ذہب سے کہ جبریل لائے تھے اور کافی کلینی مین موجود ہے معلوم ہوتا ہے چھٹے یہ کہ اگر ائمہ کو تقیہ اور خوف سے خلاف حق کے کہنا درست ہوتا تو حضرت امام حسینؑ بھی یزید کی بیعت کرلیتے اور اپنے تئین مع اہلبیت کے فوج یزید سے قتل اور اسیر ہونا روا نرکھتے امام باقر سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے حق مین آپ کیا کہتے ہین فرمایا کہ اُن کو دوست رکھتا ہون سائل نے کہا کہ آدمی ایسا خیال کرتے ہین کہ آپ اُن کی تعریف خوف و تقیہ کی وجہ سے کیا کرتے ہین اور دل مین ان کی طرف سے اور ہی کچھ ہے انھون نے فرمایا کہ خوف زندون کا ہوتا ہے نہ مردونکا پھر ہشام بن عبدالملک بن مروان کی بہت کچھ مذمت کی جو اس وقت تمام دنیاے اسلام کا فرمان روا تھا اور بعد اس کے امام موصوف نے کہا کہ اگر شیخین کی تعریف خوف کی وجہ سے کرتے تو پادشاہ وقت کو کیون برا کہتے اس کا خوف بدرجۂ اولے کرتے جبکہ امام باقر کا کہ حضرت علے کے اجزا مین سے ہین یہ حال تھا کہ وہ حاکم وقت کے افعال پر بے دھڑک نکتہ چینی کرتے تھے تو حضرت علے مرتضے شیر خدا کی شان مین کیونکر روا رکھ سکتے ہین

کہ وہ شیخین کی تعریف خوف وتقیہ کی وجہ سے کیا کرتے تھے اور حق بات کے اظہار اور باطل
کے رد سے ہمیشہ خائف رہتے تھے اسد اللہ اُنکا لقب اور لا یخافون لومۃ لائم
اُنکی صفت اور علی مع القران والقران مع علی اُنکی منقبت پھر کیونکر وہ ایسے
دبکر رہے اور اگر بالفرض سیدنا علیؓ تقیہ بھی کرتے تو سب کے سامنے کرتے اور اُس
حالت مین کرتے کہ خلیفہ نہ تھے خلوت اور ایام خلافت مین اور اپنے دلی دوستون
سے کیون چھپاتے اور علیؓ مرتضی نے جو حضرت صدیقؓ کی بیعت کے وقت اُن سے
بیعت نہ کی تھی تو یہ نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ اُنکی افضلیت کے قائل نہ تھے بلکہ
اسکی وجہ اور ہے جو آگے چلکر معلوم ہوگی حضرت ابوبکرؓ نے اصحاب کو بلاکر کہا کہ یہ علیؓ بن
ابی طالب ہین مین انکو اپنی بیعت نہ کرنے پر الزام نہین دیتا اُنکو اپنا اختیار رہے اور تمکو
بھی اختیار ہے اگر کسی اور کو مجھ سے اولی وافضل جانو تو اس سے بیعت کرو سب سے اول
جو اُس سے بیعت کریگا وہ مین ہونگا پس حضرت علی نے کہا کہ ہم تم سے زیادہ کسی کو
اولی نہین جانتے تم کو پیغمبر خدا نے امر دین مین ہمارا پیشوا کیا پھر دوسرا کون ہے جو تمپر
سبقت کریگا اور اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے
مرض الموت مین حضرت صدیق کو حکم دیا کہ وہ مسجد مین امامت کرین پھر حضرت علی نے بیعت
کر لی اور اُنکی تاخیر بیعت مین تامل اور اجتہاد اور امر صواب کی تلاش کی وجہ سے تھی۔
بعض کہتے ہین کہ حضرت علی سے جو بیعت مین تاخیر ہوئی اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ پیغمبر خدا کی
تجہیز وتکفین مین مشغول تھے اور اسکے بعد ملال وحزن کی وجہ سے مکان مین جاکر بیٹھ رہے
اور قرآن کے جمع کرنے مین مشغول ہوگئے کذا فی الاستیعاب یہان سے مدت توقف و
تردد کو سمجھ لینا چاہیے یہانتک کہ صحیحین مین مروی ہے کہ چھ ماہ تک بیعت نہ کی مگر
ابن حبان کی صحیح مین یہ ہے کہ تیسرے دن بیعت کر لی تھی اور قسطلانی نے بھی اس
قول کی تصحیح کی ہے اور مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے تکمیل الایمان مین لکھا ہے کہ صحیح

یہ ہے کہ اُسی دن یا دوسرے دن بیعت کی اور شرح مسلم الثبوت مؤلفہ بحر العلوم مین ہے
کہ بعض محققین کا قول ہے کہ دو بار بیعت واقع ہوئی پہلی بار تو انعقادِ خلافت سے تیسرے
دن اور دوسری بار چھ ماہ کے بعد اور ضرورت بیعت ثانی کی یہ تھی کہ جب فدک وغیرہ
کے باب مین باہم حجت واقع ہوئی اور لوگون کو ثابت ہوا کہ انہین ملال ہے تو اُنکے
اس زعم کے دفع کرنے کے لیے بیعت ثانیہ کی۔ اور ہمیشہ حضرت ابو بکر کی اتباع کرتے
رہے اور مطیع اُنکے احکام کے رہے اور نماز فرض وجمعہ وعیدین مین اُنکی اقتدا کرتے
رہے اور غزوہ بنی حنیفہ مین کہ مسیلمہ کذاب وہان مارا گیا حضرت صدیق کے ساتھ رہے
اور ایک کنیز اس غزوہ کی غنیمت مین سے لی اگر امام حق کے ہمراہ نہ ہوتے تو غنیمت مین
تصرف جائز نہ تھا اور اگر نظر غور سے دیکھو تو تقیہ اُنکے دامن کمال پر دھبہ لگاتا ہے اُن کو
خوف کس کا تھا علیؓ شیر خدا اور امام اولیا مرکز دائرہ حق تھے قرآن اُنکے ساتھ تھا
اور وہ قرآن کے ساتھ تھے ملا باقر مجلسی حق الیقین مین لکھتے ہین کہ جب حضرت
علی نے معاملہ فدک مین ابو بکرؓ و عمرؓ کو بہت سخت وسست کہا اور اُنسے معارضہ کیا تب
ابو بکر نے عمر کو بلایا اور کہا کہ تم نے دیکھا کہ آج علی نے کیا کیا اگر ایک دفعہ اور ایسا ہی
وہ کرینگے تو ہمارے سب کام درہم وبرہم ہو جاینگے یہ سنکر عمرؓ نے کہا میری صلاح
یہ ہے کہ علیؓ قتل کرا دیے جائین اور اس خدمت پر خالد بن الولید کو متعین کیا اور
صبح کی نماز کا وقت اُنکے قتل کا مقرر ہوا چنانچہ جب صبح کی نماز کو علی مسجد مین آئے
اور براہ تقیہ ابو بکر کے پیچھے نماز کو کھڑے ہوے اور خالد تلوار باندھکر حضرت علی کے
برابر کھڑے ہوے مگر جبکہ ابو بکر تشہد کے لیے بیٹھے تب اُنکو ندامت ہوئی اور فتنہ وفساد
سے ڈرے اور شدت اور صولت اور شجاعت حضرت امیر کی اُنکو معلوم تھی تب
ایسا خوف ابو بکر پر غالب ہوا کہ نماز ختم نہ کر سکے بار بار تشہد پڑھین اور خوف کے
مارے سلام نہ پھیرین آخر خالد سے کہا کہ جو کچھ مین نے تم سے کہا ہے وہ نہ کرنا چنانچہ

حضرت علی کو کس کا خوف تھا

بعد نماز کے حضرت علیؓ نے خالد سے پوچھا کہ تم سے ابو بکرؓ نے کیا کہا تھا انھون نے کہا کہ تمہارے قتل کو کہا تھا اور اگر وہ مجھے منع نہ کرتے تو ضرور مین تم کو مار ڈالتا حضرت علیؓ غصے مین آ کر خالد کو پکڑا اور زمین پر دے مارا جب عمرؓ چلانے لگے اور لوگ جمع ہوگئے تب حضرت امیر نے خالد کو تو چھوڑ دیا اور گریبان عمرؓ کا پکڑا اور کہا کہ اگر وصیت رسول خدا کی اور تقدیر الٰہی نہوتی تو تم اسوقت دیکھتے کہ کون ضعیف ہے ہم یا تم حضرات شیعہ اس روایت کو دیکھو اور شیر خدا وصی رسول کی شجاعت اور مردانگی پر خیال کرو پھر مسئلہ تقیہ پر نظر کرو اور سوچو کہ تقیہ اور خوف وہان ہوتا ہے جہان صاحب حق ضعیف اور مغلوب ہو اور یہان یہ بات نہین ہے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے مدت توقف کے اندر حضرت علیؓ سے کہا کہ ہاتھ لاؤ کہ مین تم سے بیعت کرون تاکہ مخلوق کہے کہ رسول اللہ کے چچا نے اپنے بھتیجے سے بیعت کی اور پھر کوئی تمہارے ساتھ مخالفت نہ کر سکے اور ابو سفیان نے کہا کہ تم کو اے پسران عبد مناف کیا ہو گیا ہے کہ ایک تیمی آدمی تم پر حاکم اور والی ہو گیا یہ اشارہ تھا ابو بکر صدیق کی خلافت پر کہ بنی تیم سے تھے اگر تم خلافت کا دعوے کرو تو مین اتنے سوار و پیادے جمع کر دون کہ تمام جنگل بھر جائے اور انکو خراب و تباہ کر دون پس علی مرتضی نے انکو منع کیا اور نہایت سختی کے ساتھ کہا کہ تم چاہتے ہو کہ مسلمانون مین فتنہ و فساد پیدا ہو جائے اور ابن عمرؓ سے ترمذی نے روایت کی ہے کنا نقول و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی ابو بکر و عمر و عثمان یعنی ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مین اس ترتیب سے ذکر کرتے تھے کہ اول ابو بکرؓ کا نام لیتے پھر عمرؓ کا پھر عثمانؓ کا اور اسکو آنحضرت پسند کیا کرتے تھے اور یہ صحابہ کے درمیان مشہور اور ممتاز و مذکور تھے اور حقیقت مین جس جگہ ذکر خلفاے اربعہ کا حدیثون مین واقع ہوا ہے سب کا یا بعض کا اسی ترتیب سے ہوا ہے اور اس سے حقیت مذہب اہلسنت و جماعت کی ثابت ہوتی ہے اور یہ گمان کرنا کہ راوی ترتیب مین تغیر دیکر موافق اعتقاد کے

افضلیت کی دلیل اجماع ہے

لائے ہوین محض بے اصل ہے اگر کہین ضرورت پڑتی ہے تو وہ تھوڑی سی تقدیم وتاخیر اور تغیر سے کام لیتے ہین جس سے مقصود مین فرق نہین آتا اور ایسے محل مین کیونکہ تغیر کرتے بس جس طرح ہے اسی طرح ادا کرتے ہین بہرصورت کوئی دلیل افضلیت مین اجماع امت سے بڑھکر نہین ہے اور کوئی حجت اس سے زیادہ نہین ہے اور جتنی حدیثین حضرت علیؓ کی شان مین ہین وہ دراصل حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت پر دلیل واضح ہین کیونکہ اُنھون نے باوجود اس فضل وکمال کے ابوبکر کی فضیلت کا اپنے اوپر اعتراف کیا اور اُنکی متابعت کی تو اس سے اور کونسی دلیل روشن اور قوی ہوگی ابو منصور بغدادی کہتے ہین کہ علما کا اسپر اجماع ہے کہ تمام صحابہ مین افضل خلفاے اربعہ ہین پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر وہ صحابہ جو جنگ بدر مین شریک ہوے پھر وہ صحابہ جنھون نے جنگ احد مین شراکت کی پھر وہ جنھون نے مقام حدیبیہ مین بیعت الرضوان کے ساتھ اختصاص پایا پھر وہ صحابہ جنھون نے بیعت عقبہ اول وبیعت عقبہ دوم وبیعت عقبہ سوم مین شرف اسلام پایا اور ایسے ہی سابقون اولون اور وہ ہین کہ انھون نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی یعنی کعبہ اور بیت المقدس کی طرف عابرین علی الحق ومع الحق یعنی خلفاے راشدین حق پر عبادت کرنے والے تھے اور حق کے ساتھ تھے بعض نسخون مین عابدین کیجگہ غابرین غین معجمہ اور راے مہملہ سے ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ حق پر باقی رہنے والے تھے اور ہمیشہ حق کے ساتھ تھے یہ رد ہے شیعہ وخوارج کا شیعہ اصحاب ثلثہ کو ظالم وغاصب بلکہ منافق بتاتے ہین اور کہتے ہین کہ سرور عالم کی رحلت کے بعد ان کا حال متغیر ہوگیا حتے کہ انمین سے غلاۃ انکو کافر سمجھتے ہین اور مہدویہ (جو منسوب ہین عبد اللہ مہدی فاطمی کی طرف) اور امامیہ کے نزدیک مرتد ہوگئے تھے کیونکہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نص کردی تھی کہ حضرت علی میرے بعد امام ہین لیکن اِنھون نے اسکی تعمیل نکی اور بوجہ ظلم وعناد اور مکابرے کے امر حق سے چشم پوشی کی قاضی ابوبکر باقلانی

تمام صحابہ کی باہم فضلیت کی ترتیب

مراد سابقون اولون سے

غلاۃ ومہدویہ وامامیہ کا صحابہ کی نسبت خیال

کہتے ہین کہ جو مذہب اور عقیدہ شیعہ کا ہے اگر اسکو تسلیم کر لیا جائے تو بالکل دین اسلام
کا باطل کرنا لازم آجائے اس لیے کہ جب چھپانا نصوص کا اور ظلم وافترا اور جھوٹ
ان معاملات اسلام مین بسبب غرض نفسانی کے صحابہ سے واقع ہوا تو اور جسقدر
حدیثین اور اخبار اُنسے روایت کیے گئے ہین وہ بھی سراسر دروغ اور لغو ہونگے
بلکہ یہ منقصت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتی ہے کہ انکی صحبت مین
ایسے ایسے لوگ رہے اور اُنکی مطلقاً اصلاح نہوئی بلکہ حضرت علی کی شان مین بھی
یہ الزام آتا ہے کہ انھون نے طلب حق مین کمال سستی اور تقصیر کی بلکہ ایسے بد افعال صحابہ
کی تائید کرتے رہے اور اس تقدیر پر کسی شرعی بات اور شرعی مسئلے مین وثوق نہ رہے
کیونکہ قرآن وحدیث انھین کے ذریعے سے ہمکو پہونچے ہین اور خوارج حضرت علی سے
نہایت بغض رکھتے ہین اور اُنکی تکفیر کرتے ہین بلکہ حضرت عثمان کی طرف بھی ان کا یہی
خیال ہے اور عموماً شیعہ یہ جو کہتے ہین کہ خلافت حق حضرت علیؓ کا تھا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ
و عثمان نے جو غیر مستحق تھے غصب کر لی تو اس صورت مین خدا و رسول کی تکذیب
لازم آتی ہے اس لیے کہ اللہ نے جسکی خلافت اور قدرت کے لیے وعدہ کیا ہوا اور
وہ اسکو نہ پہونچے یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے اگرچہ حکم شرعی کی مخالفت ممکن ہے
اس طرح کہ زید کو نماز کا حکم دیا جائے اور وہ نہ پڑھے مگر وعدۂ الٰہی کی مخالفت نہین ہو سکتی
اس واسطے کہ بیان وعدہ مقدم ہے اور آیندہ کی خبر دی ہے پس انکی خلافت کو شرعی
ماننا وعدے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ جب اللہ نے اُسکی نسبت وعدہ کیا اور پسند کیا
تو معلوم ہوا کہ یہ استخلاف برا نہوگا بلکہ پسندیدہ وعدہ ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ خلافت حکم شرعی
نہین ہے تا کہ اُسکی تعمیل نہونا متصور ہو بلکہ یہ خبر ہے کہ آیندہ ایسا ہونے والا ہے اور
ظاہر مین تو یہ وعدہ ہے اور حقیقت مین انقیاد اور طاعت کا واجب کر دینا ہے
اور خلافت کوئی حکم و امر شرعی نہین کہ جس کے ساتھ عموماً مسلمان مکلف کیے گئے ہون

کہ اگر اُسکی تعمیل کی تو مطیع ہوے اور جو نافرمانی کی تو گناہ کے مستوجب ہوے بلکہ یہ اللہ کا ایک وعدہ تھا کہ عرش سے نازل ہوا اور ٹلنے والا نہ تھا اور اس وعدے مین کسی کے جبر و اختیار کو تعلق بھی نہ تھا چونکہ تعیین اللہ تعالے کی طرف سے نہوئی تھی اس لیے جب تک اشخاص معین مسند خلافت پر نہ بیٹھ گئے مسلمانون کے ذہن ہر طرف دوڑتے رہے جب لوگون نے اہتمام کرکے اشخاص معین کو خلیفہ بنایا اور اُن خلفانے ممالک فتح کیے دین الٰہی کو قوت دی ارکان اسلام قائم کیے تو یقین ہوگیا کہ جنکی نسبت وعدہ تھا وہ یہی ہین قرعۂ خلافت و قدرت انھین کے نام پر نکلا کون سا نامنصف یہ خیال کر سکتا ہے کہ جن صحابہ نے اپنی جان و مال کو راہ خدا مین نثار کر دیا ہو نبی کے ساتھ جان لڑادی ہو اپنے عزیز و اقارب کو حق بات کے لیے اپنے ہاتھون سے مار ڈالا ہو اور نبی کی مدد اور حمایت کے لیے کنبا چھوڑ دیا ہو وہ نبی کے مرتے ہی حق سے پھر جاتے نتولی ھم جمیعا ہم اُن سب کو دوست رکھتے ہین اور بعض نسخون مین نَتَوَلّٰی ھُمْ ہے پیغمبر خدا نے انکی تعریف و توصیف کی ہے اور امت کو انکی اقتدا کے واسطے حکم دیا ہے چنانچہ احمد اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے فعلیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وَعَضُّوْا علیھا بالنواجذ یعنی لازم پکڑو میرے طریقے کو اور خلفاے راشدین کے طریقے کو جو ہدایت کیے گئے ہین اسکے ساتھ بھروسا کرو اور اسے اپنے دانتون سے مضبوط پکڑے رہو اور بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا کہ پہلی امتون مین محدث ہوا کرتے تھے اگر میری امت مین کوئی ایسا ہو تو وہ حضرت عمر ہین آنحضرت کی مراد اس امر مین شک اور تردد نہ تھا کہ میری امت مین کوئی محدث نہین ہے اسلیے کہ یہ امت خیر الامم ہے اور جبکہ اگلی امتون مین موجود تھے

تو اس مین بطریق اولی موجود ہونگے بلکہ مقصود اس طرح کے کلام سے تاکید اور تخصیص ہے توربشتی نے کہا ہے کہ محدث دال حملہ کے فتح سے اس شخص کو کہتے ہین جسکو الہام ہوتا ہو اس حدیث مین حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے کہ اس امت کے وہ محدث ہین اسی واسطے اُن کا کلام وحی الٰہی کے مطابق ہوا کرتا تھا اور عمر کی رائے کے موافقات قرآن کے ساتھ علما نے بیس سے زیادہ ذکر کیے ہین اور سعد بن ابی وقاص سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے ایک بار عمر سے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے جس راہ مین تم چلتے ہو شیطان اُس راہ مین نہین چلتا اور طلحہ بن عبد اللہ سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کے لیے رفیق دہربان ہے اور میرا رفیق بہشت مین عثمان ہے اور انس سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ بیعۃ الرضوان مین آنحضرت نے بوجہ غیر حاضری حضرت عثمان کے کہ آپنے انکو حدیبیہ سے اہل مکہ کے پاس بھیجا تھا اپنے ایک ہاتھ کو اُنکا نائب کرکے دوسرے ہاتھ پر بیعت لی انتہی پس اس سے حضرت عثمان کی فضیلت ظاہر ہے کہ نبی کا ہاتھ اُنکے ہاتھ کا قائم مقام بنا اور بخاری و مسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ غزوہ خیبر مین آنحضرت نے فرمایا کہ مین کل یہ نشان ایک ایسے شخص کو دونگا جس کے ہاتھون اللہ تعالے قلعہ خیبر فتح کرلے گا دوست رکھے گا وہ شخص خدا و رسول کو اور خدا و رسول اُسے دوست رکھین گے صبح کو نشان حضرت علی کے ہاتھون مین دیا اور ام عطیہ سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے ایک لشکر کے ساتھ علی کو بھیجا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللھم لا تمتنی حتے ترینی علیا یعنی الٰہی جبتک علی زندہ لوٹ نہ آئین مجھے موت نہ دینا یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ آنحضرت جناب امیر سے نہایت محبت رکھتے تھے اور اُنکی مفارقت کا آپکو رنج ہوتا تھا اور حبشی بن جنادہ سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

عمر کی رائے سے موافقات قرآن

حضرت عثمان

حضرت علی

فرمایا کہ علیؓ مجھ سے ہے اور مین علیؓ سے اور کوئی میری طرف سے عہد نہ باندھے مگر مین یا علی
اور جامع ترمذی مین مروی ہے کہ ایک شخص کا جنازہ آنحضرت کے روبرو لایا گیا تاکہ
آپ اُسکی نماز پڑھائین مگر حضرت نے نہ خود اسکی نماز پڑھی نہ دوسرون سے کہا کہ تم اسپر
نماز پڑھو جب لوگون نے اسکا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا
پس اللہ اس سے بغض رکھے اور جناب امیر کے حق مین فرمایا ہے لایحب علیا منافق
ولا یبغضہ مومن رواہ احمد والترمذی عن ام سلمہ یعنی علی کو دوست نہین
رکھتا منافق اور دشمن نہین رکھتا اُنکو مومن اور یہ بھی اُنکے باب مین کہا ہے اللھم
وال من والاہ وعاد من عاداہ رواہ احمد عن براء بن عازب وزید بن ارقم
یعنی خداوندا دوست رکھ اس شخص کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُس شخص کو
جو علی کو دشمن رکھے اور ترمذی نے عبداللہ بن مغفل سے روایت کی ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا من بعدی
فمن احبھم فبحبی ومن ابغضھم فببغضی ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی
فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ ویعذبہ عذابا الیما یہ حدیث مسند امام
احمد اور صحیح ابن حبان مین بھی مذکور ہے مطلب حضرت کا یہ ہے کہ میرے اصحاب کو سوا
تعظیم وتوقیر کی یاد نہ کرو میرے ساتھ جو اُنکو حق صحبت حاصل ہے اسپر لحاظ رکھو اور
عیب گیرون کا تیر جسکا زخم بہت برا ہوتا ہے اُنکی طرف مت پھینکو اور جو شخص اُنکو
دوست رکھتا ہے تو یہ وہ ہے کہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو اُنکو دشمن جانتا ہے
تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مجھ سے دشمنی رکھتا ہے اور جس نے اُنکو ایذا دی تو بیشک اُس نے
مجھکو ایذا دی اور جسنے مجھکو ایذا دی تو تحقیق اُسنے اللہ کو ایذا دی اور جو شخص خدا کو ایذا دے تو اُسکو
خدا پکڑے گا اور عذاب سخت دیگا علمانے کہا ہے کہ صحت محبت کی علامت اور دوستی
محبت کا نشان یہ ہے کہ محبت محبوب کے متعلقون کی طرف سرایت اور تجاوز کرے

پس حق جل وعلا کی محبت کا نشان رسول اللہ کی محبت ہے اور رسول اللہ کی محبت کا نشان اُنکے اصحاب کی محبت ہے پس اُنکے حق مین ایسا کچھ فرمایا تو کیا باقی رہا اور اصحاب کے حق مین یہ بھی آیا ہے وَمَنْ سَبَّهُمْ فَقَدْ سَبَّنِي یعنی حضرت نے فرمایا کہ جس نے صحابہ کو بُرا کہا تحقیق اُس نے مجھکو بُرا کہا اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا بغض رسول کا بغض ہے اور صحابہ کا بُرا کہنا رسولؐ کا بُرا کہنا ہے اور یہ بالیقین و بالاتفاق کفر ہے یہان تک کہ رسولؐ کے بُرا کہنے والے کی توبہ قبول نہین ہے قتل کے سوا اُس کا کچھ اور حکم نہین ہے چنانچہ کتاب فتح القدیر مین لکھا ہے کہ جو کوئی رسولخدا سے بغض رکھے وہ مرتد ہو جاتا ہے پس بُرا کہنا بطریق اولی باعث ارتداد ہوگا پس بطور حد کے ہمارے نزدیک اُسکو قتل کر ڈالنا چاہیئے اور توبہ اُسکی اسقاط قتل مین نہ قبول کرنا چاہیئے اور تنویر شرح اشباہ مین ہے کہ نشئے والے کا ارتداد صحیح نہین مگر اسوقت کہ نبی علیہ السلام کو بُرا کہے پس وہ قتل کیا جاوے اور اُس سے نہ معاف کیا جاوے خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بُرا کہنے والا کافر ہوتا ہے اور اس کا قتل واجب ہے اسی وجہ سے امام مالک کہتے ہین کہ جس شخص نے اصحاب نبی مین سے کسی کو بُرا کہا حضرت ابوبکرؓ کو یا حضرت عمرؓ کو یا حضرت عثمانؓ کو یا حضرت علیؓ کو اور اُنکو گمراہ یا کافر جانا تو اس کا قتل کرنا واجب ہے ولا نذکر احدا من اصحاب رسول اللہ الا بخیر اور ہم حضرت کے اصحاب کا ذکر بجز خیر و خوبی کے نہین کرتے اور بعض نسخون مین لا نذکر الصحابۃ واقع ہے اصول فقہ کی اصطلاح مین صحابی اُس مسلمان کو کہتے ہین جس نے عرصہ دراز تک آنحضرت کی صحبت مین رہکر شرف متابعت حاصل کیا ہو اور صحبت مین رہنے کی مدت کا تعین بعض نے کم سے کم چھ مہینے کیا ہے اور بعض نے ایک سال قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کسی غزوے مین حضرت کے ساتھ

شریک ہوا ہو مگر طول صحبت کے لیے کوئی مدت قرار دینا یا غزوے مین شریک ہونے کی
قید لگانا تحقیق کے خلاف ہے چنانچہ اس صورت مین کئی مسلم الثبوت صحابی صحابیت
سے نکلے جاتے ہین چنانچہ حسان بن ثابت اور جریر بن عبداللہ بجلی بالاجماع صحابہ
مین داخل ہین مگر حسان کسی غزوہ مین حضرت کے ساتھ شریک نہین ہوے اور
جریر حضرت کی وفات سے چالیس دن قبل ایمان لائے تھے اور محدثین کے
نزدیک صحابی اُس شخص کو کہتے ہین جس نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت
ایمان مین پایا اور دین اسلام پر مرا اگرچہ اس درمیان مین مرتد ہوگیا جیسے کہ عبداللہ
بن سعد بن ابی سرح بعد الاسلام مرتد ہوا تھا اور فتح مکہ کے دن دوبارہ اسلام لایا
جو حضرت عثمان کے ایام خلافت مین مصر کا حاکم بھی مقرر ہوگیا تھا پھر اس بات کی
شناخت کے کہ یہ شخص صحابی ہے کئی طریق ہین (۱) تواتر (۲) خبر مشہور (۳) ایک
صحابی دوسرے صحابی کی نسبت کہے کہ وہ صحابی ہے (۴) صحابی خود اپنی ذات کو
کہے کہ مین صحابی ہون مگر اُس کا قول اُس وقت مسلم رکھا جاے گا کہ وہ عادل ہو
اور مراد عدالت سے یہ ہے کہ روایت حدیث مین کذب کے قصد سے پرہیز رکھنا اور — عدالت
حقیقت مین سارے صحابہ ایسی عدالت کے ساتھ متصف ہین اور نبی پر جھوٹ باندھنے
کو بڑا گناہ جانتے تھے ؁ سو ہجری کے بعد ہندوستان مین رتن بن نصیر نے ظاہر ہو کر — رتن ہندی
دعوی کیا کہ مین نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے کنیت اسکی ابو الرضا
ہے اور بابا رتن ہندی کرکے مشہور ہے ؁ سو ہجری مین بھٹنڈہ علاقہ پٹیالہ مین فوت
ہوا وہین مدفون ہے شیخ ابن حجر عسقلانی اور مجد الدین فیروز آبادی اور شیخ رکن الدین
علاء الدولہ سمنانی اور خواجہ محمد پارسا اُس کے مداح ہین شیخ رضی الدین علی لالاے
غزنوی اس سے ملے تھے اُس نے اُنکو رسول اللہ کی کنگھی دی تھی اور بہت سی
حدیثین رسول اللہ سے اُس نے روایت کین جنکو محدثین محققین موضوع بتاتے ہین

ور علاء الدولہ اور شیخ رضی الدین یا خواجہ محمد پارسا نے جو اُسکے دعوے کو تسلیم کیا تھا تو ان بزرگون کا قبول کر لینا قابل حجت نہین اگرچہ یہ صاحب کرامات وعابد ومتقی تھے مگر احوال رجال کی ان کو معرفت حاصل نہ تھی اور انھون نے یہ دعوے نہین کیا کہ ہم کو روح پاک نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا ہے کہ رتن اپنے قول مین سچا ہے اور نہ ابن حجر اور فیروز آبادی کا مان لینا محققین کے جم غفیر کے انکار کے سامنے قابل سند ہے تمام اہل حدیث نے اُسکی احادیث کو رد کر دیا ہے اور کبھی کسی واقعہ کے متعلق حدیث وسیر کی کتاب مین اسکا ذکر کسی حدیث یا قصے مین نہین ہے بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت مین تاویل بارد کے ساتھ صوفیہ کی باتون سے رتن کی صحبت رسول اللہ کے ساتھ ثابت کی ہے صاحب نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان نے کہا ہے کان عند موتہ مأتہ الف واربعۃ عشر الف صحابی یعنی آنحضرت کی وفات کے وقت اصحاب ایک لاکھ چودہ ہزار تھے اور اس مین شبہہ نہین کہ صحابہ مین اس شخص کا مرتبہ اعلی ہے جو حضور کی خدمت مبارک مین حاضر رہا اور آپکے ساتھ جہاد کیا اس شخص سے جو حضرت کی خدمت مین زیادہ حاضر نہین رہا اور نہ کسی جہاد مین شریک ہوا اور نہین دیکھا آنحضرت کو مگر ایک نظر دور سے اور اُن سے کلام نہین کیا یا آپکو حالت طفلی مین دیکھا اگرچہ شرف صحبت سب کو حاصل ہے اور سب کا اتفاق ہے اس بات پر کہ لڑکون مین حضرت علی مرتضے سب سے پہلے مسلمان ہوے اور آزاد مردون مین حضرت صدیق اکبر اور عورتون مین بی بی خدیجہ اور غلامون مین زید بن حارثہ یہ چارون تمام عالم کے مسلمانون پر سابق الاسلام ہین۔ ورقہ بن نوفل اور بحیرا اور نسطورا اہل فترت سے ہین یعنی قبل از نسخ دین عیسوی کے متمسک تھے اور رسول منتظر کے مومن اور مصدق تھے اور یہ تصدیق اِن راہبون کو امور آخرت مین مفید ہوگی اور انتہا یہ ہے کہ نجات پا لینگے اور سلمان سے مروی ہے کہ فترت حضرت عیسی

اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو برس ہین اخرجہ البخاری لیکن یہ لوگ اسلام مین داخل نہین اس لیے کہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حقیقت مین اول جو شخص ایمان لایا وہ خدیجہ کبری ہین اور نہ یہ تینون شخص صحابہ مین داخل ہین اس لیے کہ صحابی وہ ہے جو بعد رسالت کے یعنی بعد نزول سورہ مدثر کے رسول کریم کا مصاحب ہوا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان چار مسلمانون کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر عثمانؓ زبیر- ابن عوفؓ. سعد بن ابی وقاصؓ اور طلحہؓ مسلمان ہوے پھر اور بہت سے لوگ اسلام مین داخل ہونے لگے یہ مہاجرین کا حال ہے اور انصار مین سے پہلے وہ لوگ ایمان لائے جنھون نے بیعت عقبہ اول وبیعت عقبہ دوم وبیعت عقبہ سوم اختیار کی عقبہ مقام منی کی بلندی کا نام ہے مدینے سے موسم حج مین چھ شخص آئے ابو امامہ اور عوف بن حارث اور رافع بن مالک اور قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ انکو حضرت نے اسی مقام پر دعوت اسلام کی یہ مسلمان ہوے اور بیعت کی یہ عقبہ اولی کہلاتا ہے یہ لوگ مدینے کو گئے اور چرچا کیا اگلے سال بارہ آدمی مدینے سے مکے کو آئے پانچ پہلے سوائے جابرؓ کے اور سات اور بھی ایمان لائے یہ عقبہ ثانیہ کہلاتا ہے اب تو مدینے مین گھر گھر چرچا اسلام کا تھا پھر اگلے سال ستر آدمی آئے اور بیعت کی یہ عقبہ ثالثہ ہے بیعت عقبہ اسی سے مراد ہے القصہ بہتر یہ ہے کہ زبان صحابہ کی گفتگو سے بند رکھین بلکہ سوائے کلمہ خیر وخوبی کے کچھ نہ کہین اگر کچھ برخلاف خیر وخوبی کے منقول ہو اس سے چشم پوشی کرین اگرچہ بڑے بڑے صحابہ گناہون کے عمداً صدور سے محفوظ تھے مگر یہ نہ تھا کہ تمام صحابہ مین سے کوئی بھی قابل طعن نہو اس لیے کہ بعض صحابہ سے شراب خوری ثابت ہوئی ہے چنانچہ مشکوۃ مین مذکور ہے اور بارہا جناب سرور کائنات نے اُنپر حد جاری کی - اور مسطح پسر اثاثہ اور حسان بن ثابت سے حضرت عایشہ پر زناکاری کی تہمت ثابت ہوئی اور اُن پر

صحابی کا وصف

بیعت عقبہ اول ودوم وسوم

بڑے بڑے صحابی گناہون سے محفوظ ہین

حد جاری کی گئی ماعز اسلمی نے زنا کیا اور مرجوم ہوئے مگر اتنا ضرور ہے کہ بوجہ صحابیت کے اُنکی خطاو زلات واجب الاحترام ہین اور اس قابل نہین کہ اُنپر زبان طعن دراز کرے جب تک کہ نفاق وارتداد اُن کا پورے طور پر معلوم نہوئے۔

اور یہ سب پر ظاہر ہے کہ شیعہ اور خوارج اور نواصب اور اہل سنت کے مذہب کا اختلاف مسئلہ صحابہ کرام کے معاملے کا ہے کہ اہل سنت اُنکو تمام امت سے مرتبے مین اعلیٰ اور افضل اور ایماندار اور اسلام مین سب سے بہتر اور کامل جانتے ہین اسی طرح شیعہ و خوارج و نواصب اُنکو سب سے بدتر اور خراب حتیٰ کہ کافر اور مرتد کہتے ہین شیعہ اور خوارج اور نواصب کے عقائد مین یہ فرق ہے کہ شیعہ اصحاب ثلثہ کو بُرا جانتے ہین اور خوارج اُن صحابہ کو جنھون نے باہم لڑائیان کین جیسے طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت عثمانؓ اور علیؓ اور معاویہ اور عمروؓ ابن عاص اور نواصب صرف حضرت علیؓ اور اُنکی اولاد سے بغض و عداوت رکھتے ہین اور انھین پر کیا منحصر ہے بعض معتزلہ بھی بعض صحابہ کو فاسق جانتے ہین چنانچہ نظام ابوہریرہ کو اکذب الناس بتاتا تھا اور واصلیہ اصحاب جمل و صفین مین سے ایک گروہ غیر معین کو مخطی و فاسق بتاتے ہین اور عمرویہ کے نزدیک حضرت علی بن ابیطالبؓ و طلحہؓ و زبیرؓ فاسق ہین پس درحقیقت یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جسپر شیعہ و سُنی و خوارج و نواصب کی حقیت و بطلان کا مدار ہے اس لیے ہم عموماً صحابہ کی فضیلت شواہد عقلی و نقلی سے بالتفصیل لکھتے ہین ؎ جن لوگون نے ابتداے دعوت مین اسلام قبول کیا اور بغیر صلاح اور مشورہ اپنے عزیزون اور رشتہ دارون کے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ دیا اور اپنے بھائی بندون اور دوست آشناؤن سے مخالفت کر کے غاشیہ اطاعت نبوی اپنے دوش پر رکھا تو ایسے نازک وقت مین ایسے لوگون کے اسلام قبول کرنے اور اپنے گھر بار چھوڑنے کے صرف دو سبب معلوم ہوتے ہین یا دین کی

شیعہ و خوارج و نواصب کا مذہب صحابہ پر طعن زنی

بعض معتزلہ بھی بعض صحابہ کو فاسق جانتے ہین۔

خواہش اور نجات کی امید یا دنیا کی طمع اور مال و دولت کا لالچ اگر ہم پہلے سبب کو تسلیم کرین تو ہمارے وہم مین بھی یہ بات نہین آتی کہ پھر ایسے لوگ کسی وقت مین اُس دین سے پھر گئے ہون اور دین و اسلام کی محبت کو دل سے نکال دیا ہو اور اگر ہم دوسرے سبب پر نظر کرین تو یہ ایسی بات ہے کہ جس کی نسبت ہم فرضی خیال بھی نہین کر سکتے اس لیے کہ ابتدائے اسلام مین جو کچھ دولت اور مال کی طمع تھی وہ ظاہر ہے پس ثابت ہوا کہ صحابہ کا ایمان لانا صرف نجات آخرت کی امید پر تھا اور جب اس امید پر اُن کا ایمان لانا ثابت ہوا تو پھر اس سے پھرنا اُن کا غیر ممکن تھا (۲) جبکہ ہم خلفاے راشدین اور مہاجرین و انصار کے حالات پر نظر کرتے ہین تو اس سے ہمکو یقین کامل ہوتا ہے کہ قدم بہ قدم اپنے پیغمبر کے چلتے تھے شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضا کے طالب رہتے تھے اُن کے دشمن بھی اس سے انکار نہین کر سکتے کہ اُنھون نے حضرت کی رفاقت کا حق کس خوبی سے ادا کیا اور اپنی جانون اور مالون کو نہایت خوشی سے حضرت پر فدا کیا اور کفار نے جب پیغمبر خدا کو ایذا دینا شروع کیا اس وقت اصحاب نے نبی کی کیسی حمایت و رفاقت کی اور دعوت اسلام مین کیسی سعی بلیغ فرمائی سوچنا چاہیے کہ مہاجرین کو کس کے عشق نے گھرون سے نکالا انصار کو کس کی محبت نے دیوانہ کیا پھر جس کے پیچھے اُنھون نے تکلیفین گوارا کی ہونگی اس کی نگاہ مین کیا کچھ بھی اُنکی قدر و منزلت اور اُسکے دل مین کیا کچھ بھی اُنکی محبت نہ ہو گی۔ (۳) اللہ جل شانہ نے آنحضرت کو توحید کے بلانے شرک کے چھڑانے عبادت کے طریقے سکھلانے اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے کے لیے نبوت و رسالت کا مرتبہ دیا اور یہ غرض اللہ جل شانہ کی حاصل ہو گئی لیکن یہ فائدہ جو بعثت نبوی سے ہوا صرف اہل سنت کے اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول مذہب شیعہ کے ہرگز ثابت نہین ہوتا کیونکہ جب ان لوگونکی نسبت یہ گمان کیا جاوے کہ وہ ظاہر مین مسلمان تھے اور باطن مین عیاذاً باللہ کافر حضرت کی

وفات کے بعد ہی مرتد ہو گئے تو کس کے منھ سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضرت کی ہدایت سے کچھ فائدہ حاصل ہوا حقیقت یہ ہے کہ جو اعتقاد شیعون کا بہ نسبت صحابہ کے ہے اُس سے الزام آپکی نبوت پر آتا ہے اور سننے والے کو شبہہ آپکی نبوت پر ہوتا ہے اس لیے کہ جب کوئی اس امر پر یقین کرے کہ جو لوگ حضرت پر ایمان لائے اُنکے دلون پر کچھ اثر ایمان اور اسلام کا نہ تھا وہ حضرت کی نبوت کی تصدیق نہین کرسکتا ہے اگر حضرت سچے نبی ہوتے تو کچھ نہ کچھ اُنکی ہدایت مین تاثیر ہوتی اور کوئی نہ کوئی دل سے اُنپر ایمان لایا ہوتا اور منجلہ ہزارون لاکھون آدمیون کے جو انپر ایمان لائے سَو دو سَو آدمی تو ایمان پر ثابت قدم رہتے (۴) مسلمان پیغمبر صاحب کی زیارت کو افضل ترین سعادت سمجھتے ہین اور چونکہ اب زمانہ آپ کی حیات کا نہین ہے اس لیے آپ کے روضۂ انور کے دیکھ لینے کو غنیمت جانتے ہین اگر کوئی شخص خواب مین آپکی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے تو وہ بڑے بزرگون مین شمار کیا جاتا ہے پس نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم اُن لوگون کی بزرگی اور فضیلت کا کچھ بھی اعتقاد نہ کرین جو برسون حضرت کی زیارت کرتے رہے اور رات دن آپکی صحبت مین حاضر رہے اور آپکی مدد اعلاے کلمۃ اللہ مین کرتے رہے ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا لا تمس النار مسلما رآنی او رأی من رآنی یعنی اُس مسلمان کو آگ نہ لگے گی جس نے مجھکو دیکھا ہے یا اُسکو دیکھا ہے جس نے مجھکو دیکھا ہے (۵)

توریت وانجیل مین صحابہ کی نسبت پیشین گوئی

اتنی بات تو امامیہ اور خوارج بھی جانتے ہین کہ جس طرح پر اللہ جل شانہ نے کتب سماویہ مین ذکر پیغمبر خدا کا بطور پیشین گوئی کے کیا ہے اسی طرح حضرت کے یارون کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور اُنکے صفات وحالات کو مثالون مین بیان کیا ہے چنانچہ خدا آیۂ محمد مین فرماتا ہے مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل کزرع اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوی علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بهم الکفار یعنی پیغمبر کے

یارون کی مثال توریت اور انجیل مین اس طرح لکھی ہے کہ جس طرح ایک کھیتی کہ اُس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اپنی اُس سوئی کو قوی کیا چنانچہ وہ رفتہ رفتہ موٹی ہوئی یہان تک کہ آخر کار کھیتی اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی جس سے دیکھنے والون کو تعجب آتا ہے اور خدا نے اُنکو روز افزون ترقی اس لیے دی ہے کہ اُنکی ترقی کے رشک سے کفار کو جلاوے متی کی انجیل کے باب ۱۳ ورس ۳۱ و ۳۲ مین لکھا ہے کہ آسمانی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لیکے اپنے کھیت مین بویا او. وہ سب بیجون سے چھوٹا ہے لیکن جب اُگتا ہے تو سب ترکاریون سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ ہوا کے پرندے اُسکی ڈالیون پر بسیرا کرتے ہین پس اُس آیت کے مضمون کی انجیل کی اس عبارت سے کیسی تصدیق ہوتی ہے اور اس سے بہ شہادت قرآن و بہ شہادت انجیل صحابہ کی فضیلت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور درحقیقت یہ مثال بالکل صحابہ کے حال کے مطابق ہے اس لیے کہ وہ اول تھوڑے تھے پھر آہستہ آہستہ بڑھ گئے اور ایک بڑا لشکر اُنکا ہو گیا جسکی جماعت و کثرت کو دیکھ کر کفار حسد و رشک کرتے تھے اور اس آیت کے شروع مین جو اللہ نے صحابہ کی شان مین فرمایا اشداء علی الکفار یعنی کافرون کے حق مین بڑے سخت ہین اسی کے مطابق توریت کی کتاب استثنا کے تیرھوین باب کی چھٹی آیت مین یون پیشین گوئی کی ہے اگر تیرا بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست کوئی تجھے پھسلائے اور یہ کہے کہ آؤ غیر معبودون کی بندگی کرین تو تو اُسکے موافق نہونا اور اسکی بات نہ سننا بلکہ اسکو ضرور قتل کر ڈالنا اُسکے قتل پر تیرا ہاتھ پڑے بہ جو کچھ حضرت موسے نے اپنی قوم سے کہا صحابہ کرام نے اسکو کر دکھلایا اور جیسی کچھ شدت اور سختی کافرون پر چاہی اُسکا ظہور حضرت پیغمبر صاحب کے یارون کے ہاتھ سے ہوا اور بہت بڑی نظیر اسکی یہ ہے کہ شیعون کے امام اعظم شیخ حلی تذکرۃ الفقہا کی چھٹی فصل مین لکھتے ہین کہ حضرت ابوبکر

حضرت صدیق اور مرتدین کا قتل

حضرت صدیق اور آنکے باپ کا واقعہ

صدیق نے احد کے دن اپنے باپ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کردیا اور فرمایا کہ تو جانے دے اور کوئی یہ کام کرے گا اور تفسیر مجمع البیان اور منہج الصادقین اور خلاصہ تفسیر جرجانی مین امامیہ مذہب کے مفسرین نے کہا ہی کہ جب بدر کی لڑائی فتح ہوئی اور مکے کے بہت سے لوگ قید ہوے جن مین اکثر مہاجرین کے عزیز اور قریب تھے اور حضرت نے اونکے معاملے مین صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے تب حضرت عمر نے فرمایا کہ اونکی گردنین مار دینا چاہیئے بلکہ جو کوئی جس کا رشتہ دار ہے وہ اوس کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے رشتے اور قرابت کا خیال نہ کرے اسلیئے عقیل کو علی کے اور نوافل کو میرے اور فلان کو فلان کے قتل کے واسطے حوالہ کیا جاے

(۶) اللہ صحابہ کی فضیلت کو خود اون سے بیان فرماتا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ یعنی تم بہترین اُمت ہو اور چُن لیئے گئے ہو آدمیون کے لیے حکم کرتے ہو نیک باتون کا اور روکتے ہو بُری باتون سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر (۷) فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ اس آیت مین اللہ مہاجرین کی تعریف کرتا ہے اور انکے جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جن لوگون نے میرے پیچھے اپنے وطن اور گھر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا اور جو مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے اپنے شہرون سے نکالے گئے اور جنکو میری راہ مین ایذائین دی گئین تو مین اُنکے گناہون سے درگذر کرون گا اُنکی بھول چوک کو نہ دیکھون گا بلکہ اُنکے گناہون کو نیکیون سے بدل دون گا اور اُنکو ایسی جنتون مین جگہ دون گا جن کے نیچے نہرین بہتی ہین اور یہ ثواب اُنکو اپنی طرف سے دونگا (۸) وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ

المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ
واعد لھم جنات تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا اس آیت مین اللہ جل شانہ
مہاجرین اور انصار کی نسبت اپنی مہربانی ظاہر فرماتا ہے اور اُنکو اور اُنکی پیروی کرنے
والون کو جنت کی خوشخبری پہونچاتا ہے کہ مین اُن سے راضی اور وہ مجھ سے راضی تیار کر
رکھی گئی ہین اُنکے لیے جنتین تو پھر کون ہے کہ اُن کی فضیلت کا قائل ہو (۹) والذین
آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک ھم
المؤمنون حقا لھم مغفرة ورزق کریم یعنی جو لوگ ایمان لائے اور جنھون نے
ہجرت کی اور خدا کی راہ مین جہاد کیا اور جن لوگون نے جگھہ دی اور مدد کی وہ سچے ایماندار
ہین اُنکے لیے مغفرت اور رزق باکرامت ہے مغفرت کا وعدہ اُنھین کے لیے ہوتا ہے
جو مرتے دم تک باایمان اور صالح رہین ورنہ جہل حق تعالے کے حق مین لازم آتا ہے (۱۰)
لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبھم فانزل
السکینة علیھم واثابھم فتحا قریبا ومغانم کثیرة یاخذونھا سبب نزول اس
آیت کا یہ ہے کہ حضرت نے ارادہ کیا کہ عمرہ ادا کرین پس اعراب اور بادیہ نشینون کو اس سفر
مین ہمراہی کے لیے دعوت دی اسلیئے کہ اندیشہ تھا کہ کفار مکے مین لڑائی کرین اور مکے کے
اندر نہ جانے دین لیکن اکثر اعراب نے حضرت کی دعوت کو نہ سُنا اور اس سفر مین آپ کے
ہمراہ نہوے مگر وہی خالص مخلص کہ جو سراپا ایمان سے بھرے ہوے تھے حضوری مین چلے
اہل مکہ نے جبکہ مسلمانون کے مکہ کی طرف آنے کی خبر سُنی تو بہت متردد ہوے اور اپنے
لشکر کو جمع کیا غدیر الاشطاط نام موقع پر جو حدیبیہ سے تین میل فاصلے پر ہے جب آپ پہونچے
تو مخبرین اسلام نے قریش کے ارادے اور تہیہ کی آپ کو خبر دی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
چونکہ تہیہ جنگ گھر سے نہین چلے تھے اسلیئے کوئی سامان جنگ سوا ے ایک جنبیہ کے
ہمراہ نہ تھا اس خبر کے سُننے پر راستے سے سیدھی طرف کو ایک دشوار گذار پہاڑی پر قیام کر لیا

بیعت الرضوان

اس عرصہ مین کفار قریش حدیبیہ تک آچکے تھے اور حدیبیہ اسی پہاڑی کے نیچے واقع تھا تب حضرت نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کے پاس بھیجا تاکہ قریش کو سمجھا دین کہ حضرت زیارت کعبہ اور اداے عمرہ کے لیے آئے ہین نہ جنگ کے لیے مگر اہل مکہ نے اُنکو قید کرلیا اور اُنکے قتل کی خبر مشہور ہوئی تب حضرت نے صحابہ کو جو ہمراہ تھے جمع کیا جنکی تعداد باختلاف روایات چار سو سے لیکر دو ہزار تین سو تک تھی اور حضرت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھکر ان سے بیعت لی کہ قریش سے لڑین اور کسی طرح پر مُنھ نہ پھیرین چنانچہ اُن سب نے خوشی سے بیعت کی اور سواے قید بن قیس منافق کے کسی نے تخلف اس بیعت سے نہین کیا چونکہ اس سفر مین منافقون کا نفاق اور مخلصون کا اخلاص ظاہر ہوا اور صحابہ کی مضبوطی ایمان کا حال کھل گیا اسلیے اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہوا اور انھین بیعت کرنے والون کی شان مین خدا نے فرمایا خدا راضی ہوا اُن ایمان والون سے جنھون نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کی اور اُنکے دلون کا اخلاص اُس سے ظاہر ہو گیا اور اُن کے دلون کو اطمینان اور تسکین دیدی اور اُنکی شکستگی دُور کرنے کے لیے اُنکو بہت ہی جلد بہت سی غنیمتین دین اور آیندہ بڑی بڑی فتوحات اور غنائم کا مثل روم اور فارس کے وعدہ کیا شرح صحیح مسلم مین ہے کہ صحابہ کا بُرا کہنا حرام اور نہایت بُرا ہے اور مذہب ہمارا یعنی شافعیہ کا اور مذہب جمہور کا یہ ہے کہ اُنکے بُرا کہنے والے کو تعزیر دی جائے اور بعض مالکیہ کی راے یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے بلکہ امام احمد بھی روایات مشہورہ کے استدلال سے صحابہ کے بُرا کہنے والے کو کافر جانتے ہین اور کہتے ہین کہ اُسکو مثل مرتد کے قتل کرنا چاہیئے یہ بات اقناع فقہ حنبلی مین ترغیب وغیرہ سے نقل کی ہے اور ایک روایت امام احمد سے یہ ہے کہ اصحاب کا بُرا کہنے والا فاسق اور بدعتی ہے لیکن اُسکو مارنا ضرور چاہیے اور ایک روایت مین ہے کہ اُسکو تعزیر و تادیب کی جاے اور امام ابو زرعہ رازی کہ اجلہ شیوخ مسلم سے ہین کہتے ہین کہ اگر کوئی کسی کو رسول خدا کے اصحاب سے برا کہے تو اُسکو زندیق سمجھنا چاہیے اور یہ اسلیے ہے کہ قرآن حق ہے اور رسول حق ہے اور جو کچھ

رسول لیکر آئے ہین وہ حق ہے اور یہ سب صحابہ نے روایت کیا ہے پس جس نے انکو عیب لگایا تو اُس نے قرآن وحدیث کے باطل کرنے کا ارادہ کیا اسلیے اُسکو بڑا عیب لگے گا اور حکم زندقہ اور ضلالت کا اُسپر صادق آئے گا علماے حدیث نے صحابہ کے بُرا کہنے والے کے کفر پر چند دلیلین لکھی ہین مگر صاحب مواقف اور شیخ ابوالحسن اشعری اور غزالی اور امام ابوحنیفہ اہل قبلہ کو کافر کہنا مناسب نہین جانتے پس جو لوگ خوارج اور شیعہ کو کافر کہتے ہین اُن کا قول ان ائمہ اہل سنت کے مخالف ہے جواب اس کا یہ ہے کہ ان بزرگون نے اُنکے اہل قبلہ اور صرف کلمہ گو ہونے پر لحاظ کیا جس طرح حضرت علی اور حضرت عمر مانعین زکوۃ کی کلمہ گوئی پر خیال کرکے اُنکے ساتھ قتال نکرنے کی سفارش کو اُٹھے تھے یا ان بزرگون نے ان شیعین کے حق مین کہا ہو جو ایسے غالی نہون جیسے اس وقت کے ہین فتح القدیر مین لکھا ہے کہ جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک خوارج باغیون کے حکم مین ہین اور بعض محدثین اُنکی تکفیر کے قائل ہین ابن منذر نے کہا ہے کہ مین نہین جانتا کہ اہل حدیث کے ساتھ تکفیر خوارج مین کوئی موافق ہوا ہو اور محیط مین مذکور ہے کہ بعض فقہا اہل بدعت کی تکفیر نہین کرتے اور بعض اُس بدعت والیکی تکفیر کرتے ہین جس کی بدعت دلیل کے مخالف ہے اور صاحب محیط نے اُسکو اکثر اہل سنت کی طرف نسبت کیا ہے اور نقل اول یعنی عدم تکفیر اثبت ہے ہان یہ البتہ ہے کہ اہل مذہب کے کلام مین اکثر اہل بدعت کی تکفیر واقع ہے لیکن تکفیر ان فقہا کے کلام مین وارد نہین جو مجتہد ہین اور غیر فقہاے مجتہدین کا کلام معتبر نہین اور مجتہدین سے منقول عدم تکفیر ہے یہانتک صاحب فتح القدیر کے کلام کا خلاصہ ہے حلبی نے کہا ہے کہ یہ کلام وجیہ ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اُن شیعون کی عدم تکفیر کا مقتضی ہے جو شیخین کو بُرا کہتے ہین اور عائشہ صدیقہ پر صفوان بن معطل کے ساتھ زنا کی تہمت کرتے ہین حالانکہ یہ صریح کفر ہے طحطاوی کہتا ہے اس کا جواب ممکن ہے کہ اہل بدعت کی عدم تکفیر سے شیعہ مذکورین کی تکفیر مستثنی ہے اسلیے کہ اُنکی تکفیر نص فقہا سے ثابت ہے عناے مین ہے کہ ابو یوسف رح سے مروی ہے کہ مین اُسکی

علماے حدیث کے نزدیک صحابہ کا بُرا کہنے والا کافر ہے

خوارج باغیون کے حکم مین ہین

گواہی قبول نہین کرتا ہون جو صحابہ کو برا کہے اور اسکی گواہی قبول کرتا ہون جو صحابہ سے بیزار اور ناراض ہی اسلیے کہ وہ ایک دین کا معتقد ہے جیسے خوارج و روافض اگرچہ وہ باطل پر ہے مگر اُس نے اپنا فسق دل مین رکھا بخلاف بدگوے کہ اُس نے اپنا فسق ظاہر کر دیا شاہ عبد العزیز صاحب کے فتاوی مین مذکور ہے کہ بعض ضروریات دین کا انکار کفر ہے اور چونکہ حضرت علی کے ایمان کا علو درجہ اور بہشتی ہونا اُن کا اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت کے لائق ہونا احادیث صحیحہ بلکہ آیات قطعیہ متواترہ سے ثابت ہے پس منکر ان باتون کا بھی کافر ہوگا اسلیے خوارج بالاتفاق احکام اُخروی مین کافر ہین نہ اُن کے لیے دعاے مغفرت کرنا چاہیے اور نہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہیے البتہ احکام دنیوی مین مسلمان ہین کہ اہل حق کے ساتھ اُن کا نکاح اور توارث جائز ہے اور شیعہ کے کفر مین اختلاف ہے حنفیہ مین سے علماے ماوراء النہر نے کافر کہا ہے اور علماے مصر اور علماے عراق عرب اور علماے عراق عجم کی راے مین وہ کافر نہین بلکہ مبتدع اور ضال ہین اور علماے شافعیہ نے بھی اُن کا کفر ثابت نہین کیا بلکہ بدعتی اور گمراہ قرار دیا ہے **سوال** خلفاے ثلثہ کا ایمان بھی بہت عالی تھا اور آنحضرت اُن سے بہت محبت رکھتے تھے یہانتک کہ آپنے ایک شخص کے جنازے کی نماز اس وجہ سے نہ پڑھی کہ وہ حضرت عثمان سے عداوت رکھتا تھا تو ایسے لوگون کے کفر مین کیون اختلاف ہے **جواب** خوارج تمام ایک عقیدے پر ہین اسلیے علما کو انکی تکفیر مین اتفاق ہے باوجودیکہ اُنکے فرقون مین تعدد ہے مگر پھر بھی یہ حضرت امیر کے ساتھ سوء ظن اور دشمنی رکھنے مین متفق ہین اور چونکہ شیعہ عقائد مین باہم مختلف ہین بعض صرف حضرت علی کو شیخین پر تفضیل دیتے اور خلافت کے لیے شیخین سے اُنھین اولے جانتے ہین اور بعض اس مرتبے سے ترقی کرکے اُنکی غلطی ثابت کرتے ہین اور اُنکے اعوان کو بھی غلطکار جانتے ہین اور بعض اُنکو گنہگار اور بدعتی سمجھتے ہین یہانتک کہ امامیہ نے تکفیر تک نوبت پہونچائی ہی اسلیے علما کو اُنکے حق مین اختلاف ہے پس بعض علماے تشیع کے مرتبۂ اول پر حکم کیا اور بعض نے

خوارج احکام اخروی مین کافر ہین اور احکام دنیوی مین مسلمان ہین

شیعہ کی تکفیر مین اختلاف ہے

شیعہ احکام اخروی مین کافر نہین

مرتبۂ دوم پر اور بعض نے مرتبۂ سوم پر مگر اب مفتی بہ اور مرجح یہی ہے کہ یہ بھی خوارج کی طرح احکام اخروی مین کافر نہین انتہی اور شیخ ابن ہمام کا میل فتح القدیر مین بحث مسئلہ امامت مبتدعہ مین اگرچہ تکفیر شیعہ کی طرف ہے لیکن کتاب خراج مین لکھا ہے کہ کافر نہین ہین اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے جو مروی ہے کہ شیعہ کے پیچھے نماز ناجائز ہے سو یہ امر اسکے کفر کی وجہ سے نہین بلکہ سبب اسکا یہ ہے کہ یہ لوگ عموما ہر مسلمان کے پیچھے جماعت نماز منعقد ہونے کے منکر ہین پس جب امام نہین گے تو نماز الٰہی کی نیت نہ کرینگے اور فقدان نیت سے انکی نماز باطل ہوگی اور ساتھ ہی اسکے مقتدیون کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور دوسرا سبب یہ ہے کہ جب انکی بدعت کا زیادہ زور ہوا اور اندیشہ کفر تک پہونچ جانے کا ہوا تو اُنکے ایمان مین شبہ پیدا ہوگیا اسلیئے انکی اقتدا سے لوگون کو روک دیا اور کہدیا کہ جو اُن کے پیچھے نماز پڑھے گا اُس کی نماز خراب ہو جائے گی بحر العلوم نے بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ تکفیر شیعہ ہمارے ائمہ متقدمین کی رائے نہین بلکہ یہ افواہ متاخرین مین پھیل گئی ہے اور وجہ اُن کے کافر ہونے کی یہ ہے کہ دین محمدی کو حق جان کر ایمان لائے ہین اور جو کچھ ان کے زعم مین بس گیا ہے اس سب کو دین اسلام ہی مین سے جانتے ہین اگرچہ یہ زعم ان کا فی الحقیقۃ باطل ہے مگر ان کو اسکے باطل ہونیکا گمان تو کیا شک بھی نہین ہے اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اُنھون نے انکار کیا ہے تا کہ کافر سمجھے جائین اور جب تک مرد مسلمان کفر کا التزام نہ کرے کافر نہین ہو سکتا علما نے لزوم کفر اور التزام کفر مین فرق کیا ہے یعنے اگر مدلول نص کو مدلول نص اعتقاد کر کے بے تاویل انکار کرے اور کہے کہ ہرچند نص وارد ہے مگر مین اس بات کو قبول نہین کرتا یہ کفر کا التزام ہے اور اگر نص کی تاویل کرے اگرچہ وہ تاویل حقیقت مین صحیح نہو مدلول ظاہر کو نہ مانے تو یہ لزوم کفر ہے اور کفر کا لزوم کفر نہین بلکہ کفر کا التزام کفر ہے اور شیعہ نے کفر کا التزام نہین کیا اسلیئے کہ اصحاب کو رسول کا محبوب اور خلیفہ جان کر برا نہین کہتے بلکہ اُنکو وصی رسول کا مخالف اور اہل بیت نبوت کا دشمن سمجھے ہوے ہین اور یہان سے عدم تکفیر خوارج کا بھی سر ظاہر ہوتا ہے

شیعہ کے پیچھے نماز ناجائز

امام محمد کہتے ہین کہ جناب امیر خوارج کو مسجد مین نماز پڑھنے سے نہین رد کتے تھے کسی نے
امام مالک سے اہل بدعت کی تکفیر کا حال پوچھا کہ کیا یہ کافر ہین تو جواب دیا کہ کفر سے بھاگے
ہین اور یہ جواب ماخوذ ہے جناب امیر کے جواب سے جو اُنھون نے خوارج کی نسبت دیا ہے
چنانچہ دارقطنی وغیرہ مین مروی ہے کہ جب لوگون نے اُن سے پوچھا کہ کیا وہ مشرک ہین جواب
مین فرمایا کہ شرک سے بھاگے ہین پھر پوچھا گیا کیا وہ منافق ہین فرمایا منافق اللہ کو بہت تھوڑا سا
یاد کرتے ہین اور خوارج اللہ کو صبح وشام یاد کرتے ہین پھر پوچھا گیا کہ وہ کون ہین فرمایا
اخواننا بغوا علینا یعنے مسلمان ہین ہم سے بغاوت کی ہے اسی لیے خطابی نے کہا ہے
کہ علماے اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ خوارج باوجود گمراہی کے مسلمانون کے فرقون مین سے
ہین اُن کے ساتھ نکاح کرنا اُن کا ذبیحہ کھانا اُنکی گواہی قبول کرنا جائز ہے اور یہ جو حضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ۔
یعنے خوارج دین سے ایسا نکل جائینگے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے مراد اس سے اور
جو اس طرح کی حدیث ہو اس مین بھی دین سے نکل جانے سے مقصود نکل جانا اطاعت امام سے
ہے اور اسلام سے نکل جانا مراد نہین اور حضرت علیؓ کے جواب سے اس بات کا بھید بھی
معلوم ہو گیا کہ بعض علمانے شیخین کے برا کہنے والے کو تو کافر کہا اور ختنین یعنے حضرت علی مرتضی
اور حضرت عثمان ذوالنورین کے برا کہنے والے کو کافر کیون نہین کہا وہ بھید یہ ہے کہ ختنین نے
خود اپنے برا کہنے والون کو کافر نہین کہا چنانچہ جناب امیر کی راے تو معلوم ہو گئی اور حضرت عثمان کا
قول مشکوۃ مین موجود ہے جو بخاری سے نقل کیا ہے کہ جب اہل فتنہ نے اُنکو محصور کیا تو ایک
امام مسجد نبوی مین اپنی طرف سے مقرر کر دیا وہ حضرت عثمان کو برا کہتا عبید اللہ بن عدی بن خیار
نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ ہمکو باغیون کا امام نماز پڑھاتا ہے اور ہم گناہ جانتے ہین پس
آپ کی کیا راے ہے حضرت عثمان نے جواب دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل فتنہ کا امام عمدہ
طور پر نماز پڑھائے تو تو بھی اُسکے پیچھے پڑھا کر اس صورت مین اُسکی اقتدا بہتر ہے او راگر وہ برے

حضرت علی کا جواب خوارج کی نسبت

حضرت عثمان کا جواب اہل الفتن کی نسبت

طور پر پڑھائے اور ارکان اچھی طرح ادا نہ کرے تو تو اُسکے ساتھ نماز مت پڑھا کر یہاں اس مبتدع کے ساتھ نماز گذارنے کی اجازت دی اگر کہتے کہ وہ کافر ہے تو نماز اُسکے پیچھے کیسے ہو سکتی تھی اسلیئے قدماے اہل سُنت نے ختنین کی مرضی کے موافق اُن کے برا کہنے والون کو اہل بدعت وفسق قرار دیا بخلاف شیخین کے بُرا کہنے کے کہ اس معاملے مین چونکہ اس قسم کے آثار مروی نہ تھے اسلیئے علما نے شیخین کے بُرا کہنے والون کی تکفیر کی حالانکہ ختنین کے بُرا کہنے والون کو کافر نہ کہنا ایک خلاف قیاس بات ہے کیونکہ قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ بُرا کہنا سب کا کفر ہو اسلیئے کہ بزرگی سب کی متواتر المعنی اور ضروریات دین سے ہے مگر بہت سے مسائل اسکی نظیر ایسے موجود ہین جنپر خلاف قیاس عمل کر لیا ہے جیسے کنوین کے مسئلے وغیرہ مین اور ختنین نے جو اُن لوگون کو کافر قرار نہ دیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنھون نے مسلمانون کی تکفیر مین احتیاط سے کام لیکر اُنکے شبہات کا اعتبار کر لیا اور وہ شبہات یہ ہین سیرت شیخین کا تغیر حضرت عثمان سے واقع ہونا اور حضرت عثمان رض کے قتل کی تہمت کا حضرت علی پر آنا اُنکی نظرون مین اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ کسی طرح اُن احادیث اور مناقب پر جو ختنین کی فضیلت مین وارد ہوئی ہین خیال نہین کرتے تھے یا اُن معاملات مین تعمق وغور نہین کرتے تھے اور بعض آیات قرآن کے ساتھ استدلال کرتے تھے اور گویا دینداری کے تعصب کی وجہ سے اُن سے مخالفت اختیار کی تھی اور انکار احکام قرآن اور ضروریات دین کا دانستہ نہین کرتے تھے اگرچہ لعنت کرنے اور بُرا کہنے سے احکام قرآن کا انکار اور ضروریات دین سے انحراف اُنپر لازم آتا تھا مگر وہ کافر نہین سمجھے جاتے تھے اسلیئے کہ کفر کا لزوم کفر نہین بلکہ کفر کا التزام کفر ہے حدیث شریف مین آیا ہے کہ حدون اور قصاصون کو شبہات کی وجہ سے دفع کرو اسی لیے ختنین نے بھی اپنے بُرا کہنے والون کی تکفیر سے اُنکے شبہہ مین پڑ جانے کے سبب احتراز کیا لیکن جب متاخرین اہل سنت نے دیکھا کہ اب وہ شبہات بالکل مرتفع ہو گئے اور حق باطل سے ممیز ہو چکا اور اُن مخالفون کی تہمتین بے اصل ٹھہرین اور احادیث صحیحہ کی تتبع سے معلوم ہوا کہ حضرت رسالت مآب نے حضرات ختنین کے منکرون کے ساتھ کفار کا سا برتاؤ کیا ہے تو مجبور اُنھون نے ختنین کے بُرا کہنے والے کی نسبت بھی تکفیر کا فتوے دیا مگر بعض

مسلمانان کے عدم تکفیر پر استدلال

اہل علم نے لکھا ہے کہ اہل قبلہ مین سے کسی کو کافر نہ سمجھنا چاہیئے اور اہل بدعت وہوا مین سے ایک بھی فرقہ کافر نہین اسلیئے کہ مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری مسلم مین عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے سباب المسلم فسوق یعنی مسلمان کا بُرا کہنا فسق ہے اور خلفاے اربعہ اور دوسرے مسلمان اس حکم مین برابر ہین اور بالفرض اگر کوئی مسلمان خلفاے راشدین مین سے کسی کو قتل کر ڈالے تو بھی اہل سنت کے نزدیک وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہین ہوتا اور ظاہر ہے کہ بُرا کہنا قتل سے کمتر ہے اور ابن مسعود سے اُسی حدیث مین یہ جو مروی ہے وقتاله کفر یعنی مسلمان کا مار ڈالنا کفر ہے اگرچہ مسلمانکے مار ڈالنے سے کفر عائد نہین ہوتا مگر چونکہ منع کرتے ہین تاکید منظور تھی اسلیئے اسکے قتل کو کفر کہا اور مقصود نفی اسلام کامل کی ہے جیسے اس حدیث مین المسلم من سلم المسلمون من لسانه رواه البخاری یعنی پورا مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اُسکی زبان سے سلامت رہین ہان اُسوقت صحابہ کا بُرا کہنے والا اور قتل کرنیوالا کافر ہو جائیگا کہ وہ اُن کا مونکو حلال جانے پس نفس قتل اور بُرا کہنا کفر نہین بلکہ ان معاصی کا حلال جاننا کفر ہے جسطرح ترک صلوۃ کفر نہین بلکہ ترک صلوۃ کا حلال جاننا کفر ہے اور یہ جو بحرالرائق مین جوہرۂ نیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیخین کو بُرا کہنے اور اُنپر طعن کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور توبہ اُسکی مقبول نہین بتحقیق درست نہین ہمارے مذہب مین انبیا کے بُرا کہنے والیکی توبہ مقبول ہے برخلاف مذہب مالکیہ اور حنابلہ کے کہ شیخین کو بُرا کہنے والیکی توبہ کا نامقبول ہونا بلادلیل ہے اگر ہم اسکا کفر مان بھی لین تب بھی یہ لازم نہین کہ اُسکی توبہ قبول نہین مولوی ولی اللہ لکھنوی نے مسلم الثبوت کی شرح مین کہا ہے کہ خلاصہ وغیرہ کتب فتاوی مین جو شیعہ کی تکفیر بیان کی ہے یہ امام ابوحنیفہؒ سے منقول نہین یہ مشائخ کی تفریعات مین سے ہے جیساکہ اور اکثر مسائل مین اُنھون نے کفر کا حکم دیدیا ہے اور شیعہ کافر کیسے ہو سکتے ہین امام ابوحنیفہ اور شافعی اہل قبلہ کے کافر ہونے کے باب مین صاف طور پر حکم دے چکے ہین کیونکہ وہ بھی تاویل رکھتے ہین اسلیئے کسی مسلمان کو کافر نہ کہنا چاہیئے انتہی اور مومن کو کافر کہنا بلا دلیل قطعی خطرناک ہے مفتی ابوسعود نے حاشیہ اشباہ مین تصریح کی ہے کہ عدم تکفیر مین روایت ضعیفہ بھی کافی ہے اگرچہ وہ روایت ہمارے غیر مذہب کی ہو صاحب درمختار نے باب المرتدین لکھا ہے

کہ جب ایک صورت مین چند وجہین کفر کی موجب ہون اور ایک وجہ مانع کفر ہو تو مفتی پر اُس وجہ کی طرف میل کرنا لازم ہے جو مانع کفر ہے امام ناصر الدین نے کیا خوب کہا ہے کہ جس مین رجوع یقینی ہو اُس چیز کے ظاہر ہونے سے ردت کا حکم دیا جائیگا اور جس کے ردت ہونے مین شک ہو اُسپر ردت کا حکم نہ دینا چاہیئے کیونکہ جو بات یقینی اور ثابت ہے وہ شک سے زائل نہین ہوتی اور اسلام کی ایک وجہ کو بھی کفر کی کئی وجہون پر ترجیح ہے کیونکہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی ثابت ہے یعنی اسلام بلند ہوتا ہے پست نہین ہوتا تعجب ہے صاحب علم سے کہ ایسے دلائل قویہ مائل بہ اسلام کے موجود ہوتے دلیل ضعیف کو ترجیح دے کر کفر ثابت کرے اور یہانتک حکم دے کہ توبہ اُسکی قبول نہین بلکہ قتل اُسکی توبہ ہے جبکہ شیعہ کا کافر ہونا ثابت ہوا اُنکی توبہ قبول ہونے مین شک نہین رہا اور اگر بالفرض وہ کافر ہون اُس صورت مین بھی اُنکی توبہ قبول نہونے کی کوئی وجہ نہین ہے مقام غور ہے کہ جو شخص مشرک ہو اور اللہ جل شانہ کا شریک ٹھہراتا ہو اگر وہ توبہ کرے قبول ہو جائے کیا شیعہ مشرک سے بدتر ہو گئے کہ توبہ اُن کی قبول نہوگی شامی وغیرہ لکھتے ہین کہ صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبہ شیعہ کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات کے نہین خداوند تعالے الغفور الرحیم ہے اُسکی رحمت کا منکر نہونا چاہیئے توبہ سب کی قبول ہے اگرچہ پیغمبرون کی جناب مین بے ادبی کی ہو اُسکی توبہ بھی قبول ہے مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے ایک فتوے کے جواب مین لکھا ہے کہ امر منقح اور قول مفتی بہ و مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ ضروریات دین کے منکر ہون وہ کافر ہین اُنکا ذبیحہ حلال نہین مناکحت اُنکے ساتھ درست نہین شرکت اُنکے ساتھ مثل شرکت اہل اسلام کے جائز نہین اور جو ایسے نہون گو صحابہ کو بُرا کہتے ہون وہ فاسق ہین کافر نہین ذبیحہ اُنکے ہاتھ کا حلال ہے حرام نہین مناکحت بھی اُنکی درست ہے انتہی اس باب مین صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت کے صحابہ اور محبون کے بُرا کہنے مین اگر دلائل قطعی کی مخالفت لازم آتی ہے تو یہ کفر ہے جیسے حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت کرنا اسلیے کہ خدائے تعالے نے اپنے کلام مین اس عیب سے اُنکی بریت اور پاکدامنی

بیان کردی ہے اور اگر صحابہ کا بُرا کہنا ادلۂ قطعی کے خلاف نہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے پس خوارج
اور عموماً شیعہ تمام اہل بدعت کی طرح کافر نہین بلکہ تکفیر اور ارتداد کا جن شیعہ کے فتوے
دیا جاتا ہے وہ غلاۃ اور کیسانیہ اور اسماعیلیہ اور بعض امامیہ کے حق مین قطعی ہے اور وجہ اسکی یہ ہے
کہ یہ فرقے خدائے تعالےٰ کی ذات پاک کی طرف طرح طرح کے قبائح منسوب کرتے ہین انکے
روساء مین سے کوئی کہتا تھا ائمہ خدا ہین ائمہ مین اللہ تعالےٰ نے حلول کیا ہے کوئی ائمہ کو ابن
اللہ جانتا تھا کوئی حضرت علیؓ کو حضرت رسول اللہ سے افضل مانتا تھا کوئی حضرت علی
علیہ السلام کو جناب رسالت مآب کا شریک رسالت بتاتا تھا کوئی جبرئیل سے غلطی ہونا وحی
مین ثابت کرتا تھا کوئی کہتا تھا میرے پاس جبرئیل خدا کی طرف سے پیغام لاتے ہین کوئی
کہتا تھا مین خدا ہون کسی کے معتقد کہتے تھے کہ ہمارا پیشوا خدا ہے کوئی خدا کو ایک انسان
کی طرح فرض کیے ہوئے تھا اُس کے واسطے بال آنکھ کان ناک وغیرہ ثابت کرتا تھا کوئی
ارکان شرع اور تمام دین کو فضول بتاتا تھا کوئی احکام شرع کی ایسی تاویل کرتا تھا کہ بالکل
دین اسلام درہم برہم ہوجاوے کوئی کہتا تھا کہ خدا کی طرف سے پیغمبر کا مبعوث ہونا باطل
ہے انبیا نے اپنے طمع نفسانی سے یہ جال پھیلا رکھا تھا اور جو بات دل مین آتی تھی اُسے
وحی ظاہر کرتے تھے چنانچہ قلائد الجواہر فی احوال الجواہر مین کہ اسماعیلیہ بوہرون کی تاریخ ہے
اس حال کو مفصل لکھا ہے اور اُس مین کہا ہے کہ بوہرون کا داعی اُس مدعی سے جس کی
طرف سے وہ مطمئن ہوجاتا ہے نوین دعوت مین اس طرح بیان کرتا ہے کہ رسول یا
نبی کا کام یہ ہے کہ جو بات اُسکے دل مین آتی ہے اور اُسے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ لوگون کو
بتا دیا کرتا ہے اور اُس کا نام کلام الٰہی رکھدیتا ہے تاکہ لوگون کے دلون مین یہ قول اثر کر جاے
اور اُسے مان لین اور سیاست اور مصلحت عام مین انتظام رہے اور جبکہ نبی کی حقیقت
یہ ٹھہری تو اُسکے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور ہے اور اسی قدر پر عمل کرنا چاہیے جو اپنی مصلحت
اور حاجت کے مناسب ہو بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عمل در آمد اور

پابندی ضرور نہین اور اُسکے لیے صرف معرفت ہی کافی ہے اور اقسام معرفت مین سے
اُن لوگون کے نزدیک یہ ہے کہ انبیا صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہین
اور جن انبیا کے پاس حکمت خاصہ ہے وہ فلاسفہ کی جماعت ہے اور جو کچھ ریاضت کتب
معارف کے مطالعہ مین کی جاتی ہے یہی ناظر کو امام تک پہونچا دیتی ہے اسماعیلیہ مین سے
دوسرا گروہ خوجون کا ہے جن کے پیشوا سر آغا ہین۔ ان دنون بمبئی کی عدالت عالیہ مین سلطان
محمد شاہ آغا خان اور حاجی بی بی صاحبہ بیوہ آغا موچل شاہ کا مقدمہ چل رہا ہے آخر الذکر
نے بحیثیت دختر آغا جنگی شاہ آغا خان اول کی جائداد پر جس کا متصرف مدعا علیہ ہے ترکہ
دعوے دائر کیا ہے مدعیہ حسب قانون شرع محمدی و فقہ اثنا عشری اپنا حق طلب کرتی
ہے لیکن مدعا علیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ وہ اسماعیلیہ شیعہ ہین جن کے ہان عورتون کو
ترکہ ملنے کا رواج نہین مدعا علیہ کے گواہون نے اپنے جوابون مین اس مذہب کے حالات اسطرح
بیان کیے ہین علی خدا ہے اور سر آغا خان اُسکے مظہر ہین ہم نمازون مین کبھی نہین پڑھتے کوئی خوجہ
حج کرنے کبھی نہین گیا قرآن کو ہم نہین مانتے قرآن پر عمل نہین کرتے نماز سال بھر مین دو دفعہ
پڑھتے ہین علی دسوین اوتار ہین محمد اُنکے پیغمبر تھے[لہ] پس ایسے لوگ کسی طرح مسلمان نہین
ہوسکتے بلکہ اہل بدعت و شرک ہین۔ زیدیہ اور امامیہ کی تکفیر مین جو ایسے نہین اختلاف ہے
اور زیدیہ شیعہ کے سارے فرقون مین اعدل کہلاتے ہین اور اس گروہ کے مذہب کی بنیاد
حضرت علی رض کی افضلیت پر ہے اور کہتے ہین کہ خلافت پیغمبر علی کا حق تھا لیکن حضرت
ابوبکر رض کے نصب مین مصلحت تھی کیونکہ اُنکی تلوار ابھی دشمنان دین کے خون سے خشک
نہوئی تھی اور عداوتین دلون مین موجود تھین اگر اُنھین خلیفہ کردیتے تو شاید دین مین خلل
پڑجاتا اور انتظام بگڑجاتا اور حضرت ابوبکر کے مقرر کرنے مین جھگڑون کے دفعیہ کا خیال تھا
شاہ عبد العزیز صاحب نے اس بحث کو یون صاف کیا ہے کہ شیعہ و خوارج جو کافر نہین ہین
تو یہ احکام دنیوی کے اعتبار سے ہے اور کافر جو ہین تو یہ احکام اخروی کے لحاظ سے ہے

خوجون کا مذہب

لہ منقول از روزنامہ [illegible]

پس کافر ہونے اور نہونے کی جہتین مختلف ہین۔ اور معاویہ بن ابی سفیان کے باب مین علمائے اہل سنت کا اختلاف ہے علمائے ماوراءالنہر اور مفسرین اور فقہا پر تمام حرکات اور لڑائیان انکی جناب مرتضیٰ کے ساتھ خطائے اجتہادی پر حمل کرتے اور خطائے اجتہادی سے یہ مراد ہے کہ قاتلان حضرت عثمان کی سزادہی مین جلدی چاہتے تھے اور بعض یون کہتے ہین کہ امیرالمومنین علیؓ نے اجتہاد کیا خلافت مین اور مصیب ہوئے اجتہاد مین اور وہ اُس وقت مین سب لوگون سے خلافت کے واسطے زیادہ لائق اور حقدار تھے اور معاویہ نے اجتہاد کیا خلافت مین اور خطا کی اجتہاد مین اور وہ حضرت علی کے ہوتے ہوئے خلافت کے مستحق نہ تھے اور اہل حدیث کے نزدیک وہ مرتکب کبیرہ اور باغی تھے اور اہل سنت وجماعت مرتکب کبیرہ کو قابل لعن کے نہین جانتے اور چونکہ وہ مرد صحابی ہین پس بوجہ صحابیت کے واجب الاحترام ہین اسی واسطے علما نے اُنکی اہانت کرنے اور اُنکو باغی وفاسق کہنے سے منع کیا ہے اسی لیے حضرت مجدد الف ثانی نے ان اشعار پر جو ان خلافیکہ داشت باحیدر ۞ درخلافت صحابی دیگر ۞ حق درانجا بدست حیدر بود ۞ جنگ با او خطائے منکر بود ۞ آن خلاف از مخالفان میسند ۞ لیک از طعن ولعن لب بربند ۞ گر کسے را خدائے لعنت کرد ۞ نیست لعن من وتو اش درخورد ۞ ور باحسان وفضل شد ممتاز ۞ لعن ما جز بما نگردد باز ۞ مولوی جامی کا تخطیہ کیا ہے کہ طرز بیان اس کا موجب بے ادبی کا معاویہ کی شان مین ہے اور حسن مجتبیٰؓ کے معاویہ کو خلافت بغرض رفع فتنۂ وفساد وقتال بین المسلمین کے اپنی خوشی کے ساتھ دیدینے اور اُسپر صلح کرنے سے اسلام معاویہ کا قطعاً ثابت ہوتا ہے پس انتہائے کار ان کا یہ ہے کہ ابتدائے خلافت حضرت امیر سے خلع خلافت حضرت امام حسن تک وہ باغی رہے اور امام حسن نے جب اُنھین حکومت سپرد کردی تو بادشاہ بن گئے اور جو کچھ دونون لشکر شام اور لشکر کوفہ مین بوجہ جنگ وجدل کے دونون طرف کے آدمیون مین سے بعض بعض کو برا کہتے اور لعنت کرتے تھے تو اس کا سبب خصومت وتعصب تھا اور منازعین مین سے یہ کسی کا عقیدہ نہ تھا کہ ہمارا مخالف

کافر ہے اگرچہ قرابت رسول کی رعایت اور اُسکی پاسداری لازم ہے مگر نہ اس قدر جس سے دین اسلام کا کام برہم ہوجاے علاوہ اسکے قرابت داران رسول نے اپنے دشمنون کی تکفیر کب کی ہے جو اورون کو کرنا چاہیئے اور نفرت جو اُنکو مخالفین سے تھی یہ نزع اور لڑائی اور جھگڑون کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی مگر اُن کے ایمان و اسلام مین کسی طرح کا کلام نہ تھا پس حرمت صحبت خیر البشر اور حکمت دین پر لحاظ کر کے کسی صحابی پر لعنت نہ کرنا چاہیئے۔ اور جمہور محققین اطلاق حکم کفر و اسلام و جواز و عدم جواز لعن مین توقف کو مذہب اپنا گردانتے ہین خلاصۃ التقوی وغیرہ مین لکھا ہے کہ یزید اور حجاج پر لعنت ہرگز نہ کرنا چاہیئے اسلیئے کہ آنحضرت ؐ نے اہل قبلہ اور نماز گذارون پر لعنت کرنے سے ممانعت کی ہے اور جب تک کسی کی نسبت یقین نہو کہ وہ مستحق لعنت ہے اُسپر لعنت نہ کرے اور لعنت کا مستحق ہونا بغیر خبر شارع کے متیقن نہین اسی وجہ سے قاضی حسین میبذی نے جناب امیر کے دیوان کی شرح کے مقدمے مین اور بعض اور فضلا نے کہا ہے کہ جو کوئی نفس الامر مین ملعون ہے اُسپر لعنت کرنا اور اپنی زبان کو اُس سے آلودہ کرنا اپنی عادت کو بگاڑنا اور تضیع وقت اسکے ساتھ کرنا کیا ضرور ہے اور اگر فی الحقیقۃ ملعون نہین ہے تو کسی کے لعنت کرنے سے اُسکا کیا نقصان ہوگا بلکہ اُلٹا لعنت کرنے والا ہی گنہگار ہوجاے گا مگر تعجب یہ ہے کہ جہان قاضی صاحب نے یزید کے اشعار تعریف شراب مین نقل کیے ہین وہان علیہ اللعنۃ والنکال اُسکے حق مین لکھا ہے اور آنحضرت ؐ نے جو بعض اہل قبلہ پر لعنت کی ہے تو اُسپر قیاس نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اُنکو کشف و الہام اور وحی کے ذریعہ سے ہر ایک حال بخوبی معلوم ہو چکا تھا تو آپ نے بعض منافقون کے نفاق پر وحی کے ذریعے سے مطلع ہو کر لعنت کی ہے جس مین سر مو شک کو گنجائش نہین اور جو آپ نے فرمایا ہے وہ حق ہے پس ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جس کے کفر پر مرنے کی مخبر صادق نے خبر دی ہو اور اور لوگون کو پرایے حالات پر اطلاع اس صفائی اور تحقیق کے ساتھ نہین حاصل ہو سکتی جس طرح آنحضرت کو ہو جاتی تھی اسلیئے ہر ایک پر لعنت کرنے سے احتیاط کرنا اولے ہے

اور صاحب قصیدہ امالی بھی حکم عدم کفر اور عدم لعن کو حق جانتے ہین اور ملا علی قاری اس متن کی
شرح مین کہتے ہین کہ یزید کا امام مظلوم کے قتل کرنے کے لیے حکم دینا خبر واحد سے بھی ثابت نہین ہوا ہے
اور کہتے ہین کہ جب غیر انبیا خصوصًا شیخین کا قتل موجب کفر نہین ہے تو امام حسین کے قتل پر کیون
کفر لازم آیا اور اگر یزید کا کفر بھی تسلیم کرلیا جاے تب بھی لعنت کرنا اوسپر نہ چاہئیے کیا عجب ہے
کہ خدا نے اُسکو توبہ کی توفیق عطا کی ہو اور حسن خاتمہ نصیب ہوا ہو اور حالت اسلام مین انتقال کیا
کیا ہو ہان اگر یہ ثابت ہوجاتا کہ وہ کافر مرا ہے جیسے ابولہب اور فرعون کی نسبت مسلم ہے
تو لعنت اُسپر وارد ہو سکتی تھی اور ابن حجر مکی کا کلام بھی اسی طرح کا ہے بعض نے ملاے مذکور کے
قول کو رد کیا ہے اور مفتاح النجا مؤلفہ مرزا محمد حسن خان بدخشی اور مناقب السادات قاضی
شہاب الدین دولت آبادی اور تاریخ الخلفاے سیوطی اور شرح عقائد نسفی مؤلفہ علامہ سعد الدین
تفتازانی اور تکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے بخوبی ثابت ہے کہ یزید نے قتل امام حسین
کے لیے حکم دیا اور وہ اس کام سے راضی اور خوش تھا اور اسی واسطے بعض اکابر نے اُسپر حکم کفر
وجواز لعن کا اطلاق فرمایا ہے چنانچہ امام احمد حنبل نے یزید پر لعنت کی ہے اور ابن جوزی نے کہ حفظ سنت
وشریعت مین یکتاے روزگار تھے اپنی کتاب مین لعن یزید کا اہل سلف سے نقل کی ہے اور
سیوطی نے اُسکے حق مین تاریخ الخلفا مین لکھا ہے لعن اللہ قاتلہ وابن زیاد معہ ویزید ایضا اور
علامہ تفتازانی نے بڑے شدومد کے ساتھ اُسپر اور اُسکے اعوان والضار پر لعنت کی ہے
اُنکے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ یزید کے قتل امام حسین پر رضامند ہونے اور اہل بیت نبوی
کی اہانت کرانے اور اُن افعال سے مسرور ہونے کے باب مین اگرچہ جزئی روایتین مختلف
طور پر آئی ہین کہ کسی نے کچھ بیان کیا ہے اور کسی نے کچھ مگر اُن روایتون کے مجموعی کا مفاد تواتر
معنوی کو پہونچ گیا ہے علامہ موصوف نے باوجود اقرار اختلاف اہل حق وبیان مذہب حنفیہ کے
اپنے زعم مین ترجیح کفر کی ثابت فرمائی ہے لیکن دوسرے اکابر محققین نے وہ ترجیح مسلم نہین
ٹھہرائی ہے اور کہا ہے کہ شہرت عامہ ثبوت آحاد پر بھی دلیل نہین ہوسکتی چہ جاے ثبوت

متواتر ہے اور بہت کتب مشہورہ محققین مین شرح عقائد پر اعتراض کیا ہے چنانچہ ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر اور ضوء المعالی اور حاشیہ عصام اور حاشیہ ابوالیسر بر شرح عقائد اور دوسرے حواشی سے ثابت ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے رسالہ حسن العقیدہ مین فقرہ علیہ ما یستحقہ پر حاشیہ لکھا ہے اُس مین کہتے ہین کہ علیہ ما یستحقہ کنایہ ہے یزید پر لعنت سے اور کنایہ ابلغ ہے تصریح سے میرے پردادا کے باپ حاجی محمد سعید صاحب فنون تفسیر و حدیث وغیرہ مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے شاگرد تھے اور اُنکی رفاقت مین حجاز گئے تھے شاہ صاحب اُنکو اخی فی اللہ لکھتے تھے شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب اور مولوی اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے میرے پردادا مولوی محمد عبدالرحمن صاحب اور اُنکے بھائیون سے خط و کتابت رکھی چنانچہ بہ خطوط اُنکے اب بھی میرے پاس موجود ہین شاہ عبدالعزیز صاحب ایک خط مین جس کا القاب آداب اسطرح ہے فضیلت مآب گرامی قدر سلمکم اللہ تعالے از فقیر عبدالعزیز بعد سلام محبت التیام مکشوف خاطر عاطر باد کہ رقیمہ کریمہ بعد مدت وصول آورد آگے اپنے حالات لکھکر تحریر فرماتے ہین اطلاق لفظ پلید و خبیث کہ بر یزید در تحفہ اثنا عشریہ واقع شدہ بنا بر حدیث ست کہ در فردوس دیلمی و دیگر کتب آمدہ و صاحب صواعق محرقہ ہم آن حدیث نقل کردہ بلکہ بروایت حاکم ہم ثابت شدہ کہ اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیۃ یسمی یزید و ایضا اول من یثلم فی امر امتی و ہر کہ تبدیل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کند یا سوراخ یعنی خلل در امر امت آن جناب اندازد خبیث و پلید ست در خباثت و پلیدیت وے جائے شک نیست و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ ازین فقیر واقع نشدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے مذہب ایشان یعنی گروہ رفضہ از قدیم بر ہمین امور ست این کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ تعالیٰ خیر حافظا و این تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد بعض کی یہ رائے ہے کہ قتل امام حسین گناہ کبیرہ ہے نہ کفر اور لعنت کفار کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ بر تقدیر

شاہ عبدالعزیز صاحب کا خط

جزم کفر یزید کے حالات حیات مین پھر بھی دعوے جواز لعن باطل ہے کہ اُن کا فرون پر جن کا
مرنا کفر پر خدا اور رسول کی خبر متواتر سے ثابت ہو باتفاق واجماع جمہور ائمہ محققین کے لعن شخصی
کرنا نا جائز و نا روا ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم مین اور عینی نے شرح بخاری مین اور نابلسی نے
شرح طریقہ محمدیہ مین اور دوسرے اکابر دین نے اور کتابون مین تصریح فرمائی ہے اور امام غزالی کا
میل احیاء العلوم مین اس طرف ہے کہ یزید کے خاتمے کا حال معلوم نہین شاید خدا نے اُسے
توفیق توبہ دیدی ہو شرح مقاصد مین کہا ہے کہ اکثر محققین حنفیہ اور شافعیہ جو یزید پر لعنت
کرنے سے ساکت ہین اور دوسرون کو اس کام سے منع کرتے ہین اسکی اصل وجہ یہ ہے
کہ جس طرح شیعہ مین لعن وطعن کثرت کے ساتھ جاری ہے حتی کہ اوراد و وظائف مین اسے
داخل کر لیا ہے اسی طرح اہل سنت مین پھیل جانے کے خوف سے روکا اور عوام کے منھ مین لگام
دی - اور حق تحقیق یہ ہے کہ لعن یزید مین توقف اسلیئے ہے کہ متعارض و مخالف روایتین شہادت
امام حسین کے معاملے مین اُسکی نسبت بیان ہوئی ہین بعض روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ
اہل بیت رسول اللہ کی اہانت سے راضی اور مسرور تھا پس جن علما کے نزدیک ان
روایات کی ترجیح ثابت ہوئی اُس پر لعنت کرنے کا حکم دیا جیسے امام احمد حنبل اور علامہ تفتازانی
وغیرہ علماے شافعیہ اسی طرف گئے ہین اور بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو خاندان
نبوت کی اہانت ناگوار گذری اور ابن زیاد پر خفا ہوا اور یزید کے نائبون سے جو یہ کام ظہور مین آیا
اُسکی وجہ سے وہ خود بہت نادم ہوا پس جن لوگون کی راے مین یہ روایت مرجح ہے وہ اُسپر
لعنت کرنے سے منع کرتے ہین چنانچہ امام غزالی اور علماے شافعیہ اور اکثر علماے حنفیہ کا
یہی مسلک ہے مسایرہ اور مسامرہ و رد المختار وغیرہ کتب معتمد فقہ و عقائد علماے حنفیہ مین
اسی جانب معتمد ہونے کی ترجیح ہے اور جن محققین کو دونون قسم کی روایتون مین سے کسی پر وثوق ہو
اور ایک بات اُنکے نزدیک مرجح ثابت ہوئی اُنھون نے احتیاطاً سکوت اور توقف کیا
اور تعارض کے وقت علما پر واجب بھی یہی ہے کہ وہ خاموشی اختیار کریں اور امام ابوحنیفہ کا یہی

قول ہے ہان اس مین شک نہین کہ شمر اور ابن زیاد کی نسبت قطعاً ثابت ہے کہ وہ امام حسین کی شہادت اور خاندان نبوت کی اہانت سے راضی وخوش تھے تعارض ذرا بھی نہین اسلیئے ان کی نسبت کسی کو توقف نہین ہے اور بعض کہتے ہین کہ یزید جبکہ مسلمانون کے اتفاق سے امیر ہو گیا تھا تو امام حسین پر اُسکی اطاعت واجب ہو گئی تھی مگر یہ بات سراسر لغو ہے اسلیئے کہ یزید کے امیر ہوئے پر مسلمان متفق نہین ہوئے تھے صحابہ کی ایک جماعت اور اُنکی اولاد اُسکی اطاعت سے باہر تھی اور جو اُسکے مطیع ہو گئے تھے اُنھون نے بھی جب اُسکی شراب خواری ترک نماز زناکاری حرام باتون کے حلال کر دینے کا حال دیکھا تو مدینے کو چلے آئے اور خلع بیعت کیا وَلَا نُکَفِّرُ مُسْلِمًا بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوْبِ وَاِنْ کَانَتْ کَبِیْرَۃً اور ہم کسی مسلمان کو کافر نہین ٹھہراتے کسی گناہ کے سبب سے اگرچہ کبیرہ ہو یہ رد ہے خوارج کا جو یہ کہتے ہین کہ صاحب کبیرہ بے توبہ مرجاوے تو وہ کفار کے حکم مین ہے کیونکہ ان کے نزدیک حقیقت ایمان مین تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہین خوارج اپنے مذہب کے اثبات مین جو دلائل لائے ہین وہ مع جوابات یہان لکھے جاتے ہین (۱) قرآن مین آیا ہے وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ جو کوئی اس چیز کے ساتھ حکم نہ کرے جس کو اللہ نے اتارا وہ لوگ کافر ہین اور فاسق بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے ساتھ حکم نہین کرتا جواب کلمہ من بمعنی جو کوئی اسم موصول ہے اور موصولات عموم کیواسطے وضع نہین ہوئے ہین بلکہ معنی جنسی کے لیے بنائے گئے ہین جس مین عموم اور خصوص دونون کا احتمال ہے پس مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ سے وہ شخص مراد ہے جو اصلاً اُس چیز پر حکم نہ کرے جو اللہ نے اُتاری ہے اور واقعی ایسے شخص کے کافر ہونے مین کلام نہین اور مرتکب کبیرہ ایسا نہین کیونکہ وہ یہ نہین کرتا کہ بالکل ما انزل اللہ کے ساتھ حکم نہ کرے یا ما انزل اللہ سے مراد توریت ہے اس صورت مین اُمت محمدی سے اس حکم کا تعلق نہو گا یہود اسکے ساتھ مختص ہین (۲) قرآن مین ہے وَھَلْ نُجَازِیْٓ اِلَّا الْکَفُوْرَ ہم جزا نہین دیتے مگر کافر کو اس آیت سے ثابت ہے کہ جو کوئی جزا پائیگا وہ کافر ہوگا اور صاحب کبیرہ ضرور جزا پائیگا

چنانچہ قرآن مین ہے وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ جو کوئی مسلمان کو عمداً مار ڈالے اُسکی جزا دوزخ ہے **جواب** یہ آیت متروک الظاہر ہے اسلئے کہ اس سے جزا یعنی بدلے کا حصر کافر ہی کے واسطے ثابت ہوتا ہے حالانکہ غیر کافر بھی جزا پائیگا چنانچہ مومن کو اپنے افعال کے بدلے مین جنت ملے گی کیونکہ جزا کا اطلاق ثواب وعذاب دونون پر ہوتا ہے پس خوارج نے جو آیت پیش کی ہے اُسکا محمل مخصوص جزاے کافر ہے چنانچہ سیاق آیت اسی پر دلالت کرتا ہے ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجَازِي إِلَّا الْكَفُورَ یعنی یہ بدلہ ہم نے انکو بسبب اسکے دیا کہ اُنھون نے کفر کیا اور نہین جزا دیتے ہم مگر کافر کو مطلب یہ ہے کہ یہ جزا ہم کافر ہی کو دیتے ہین اور یہ جائز ہے کہ صاحب کبیرہ کو ایسی جزا دی جاے جو کفار کی جزا سے مغائر ہو (۳) قرآن مین ہے وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ اللہ کے واسطے ہے لوگون پر اُس گھر کا حج جو کوئی اُسکی طرف راہ پا سکے اور جو کوئی کافر ہو یعنی حج نہ کرے تو تحقیق اللہ بے پروا ہے اس آیت مین ترک حج کو کفر قرار دیا ہے **جواب** مُراد یہ ہے کہ جو کوئی وجوب حج سے انکار کرے وہ کافر ہے (۴) قرآن مین ہے وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ مت ناامید ہو اللہ کی رحمت سے بے شک ناامید نہین اللہ کی رحمت سے مگر وہ لوگ جو کافر ہین اور فاسق اللہ کی رحمت وکرم سے ناامید ہے کیونکہ اُسکو اپنے گناہون کی ثواب کی آس نہین رہتی پس وہ کافر ہے **جواب** فاسق کا رحمت الٰہی سے ناامید مطلق ہونا ہم تسلیم نہین کرتے کیونکہ اُسکو رحمت الٰہی کی بالضرور اُمید ہوتی بوجہ ایمان کے جو اُسکو حاصل ہے (۵) ہر ایک فاسق یا تو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے یا غیر پر اور ہر ایک ظالم کافر ہے چنانچہ قرآن مین مذکور ہے أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ خبردار ہو اللہ کی لعنت ہے ظالمون پر جو اللہ کی راہ سے روکتے ہین اور اُس مین کجی ڈھونڈھتے ہین اور وہی ہین آخرت سے کافر **جواب** خوارج کی

اس تقریر سے اُن انبیا کی بھی تکفیر لازم آتی ہے جنھوں نے اپنے ظلم سے اعتراف کیا جیسے آدم نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا اور حضرت موسیٰ نے کہا رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي اور یونس علیہ السلام نے کہا إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ اصل بھید یہ ہے کہ جو آیت خوارج ظالم کی تکفیر میں پیش کرتے ہیں اُس میں لفظ ظالمین کے بعد جو کچھ مذکور ہے صفت مخصصہ ہے پس وہی ظالم کافر ہوگا جو اللہ کی راہ سے روکے گا اور اُس میں کجی ڈھونڈھے گا اور جس ظالم میں یہ صفت نہو وہ کافر نہیں ہو سکتا (۶) دارمی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا جس شخص کو حاجت ظاہری یا بادشاہ ظالم یا مرض حج کا مانع نہو اور پھر بھی حج نہ کرے تو چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر اور ایک اور حدیث میں وارد ہے مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ رواہ الطبرانی یعنی جس نے نماز عمداً چھوڑی تحقیق وہ کافر ہوا **جواب** خبر آحاد سے ایسے اجماع کا جو مخالفین کے حدوث سے قبل منعقد ہو چکا معارضہ نہیں ہو سکتا اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز اور تارک حج کو تغلیظ اور تشدید کے طور پر کافر کہا یا یوں تاویل ہوگی کہ جو ترک کو حلال جانے وہ کافر ہے (۷) اللہ کے ساتھ دوستی اور عداوت یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں پس ان میں کسی قسم کا واسطہ نہیں ہے اور اللہ تعالےٰ کی دوستی ایمان ہے اور عداوت کفر اور مرتکب کبیرہ جبکہ اللہ تعالیٰ کا دوست نہوا تو بالضرور دشمن ہوگا اور جب دشمن ہوا تو کافر ہوا **جواب** دو ضدوں کے درمیان واسطے کا قائل نہونا غلطی ہے اسلئے کہ سفیدی و سیاہی ضدین ہیں اور انمیں واسطہ موجود ہے اسلئے کہ نہ سفیدی ہو نہ سیاہی کوئی اور رنگ ہو پس اسی طرح جائز ہے کہ خدا کی دوستی اور دشمنی میں بھی کوئی واسطہ ہو إِذَا لَمْ يَسْتَحِلَّهَا یعنے جب تک وہ اسکو حلال نہ جانے اور حلال جاننا گناہ کو صغیرہ ہو یا کبیرہ کفر ہے اور استحلال کے معنے یہ ہیں کہ دل میں ڈر اور خوف اُس گناہ کے عذاب کا نہ رہے اور برائی اُسکی اعتقاد میں دور ہو جاے گو جانتا ہو کہ اس گناہ کو شرع میں حرام کہا ہے اور اسکے کرنے سے سخت منع فرمایا ہے اور زبان سے

بھی اقرار کرے کہ یہ گناہ گناہ ہے اسلیئے کہ معنی استحلال کے حلال جاننے کے ہین حلال
کہنے کے نہین اور جب خوف اُس گناہ کے عذاب کا دل سے جاتا رہا تو اعتقاد مین وہ گناہ
حلال ہوا اور معاملہ حلالون کا اُس گناہ کے ساتھ وقوع مین آیا اور بعض فقہاے ظاہر مین
سمجھتے ہین کہ استحلال اسے کہتے ہین کہ اُسکی حرمت کا انکار کرے یعنی اس طرح کہے کہ اُسکی
حرمت شرع مین وارد نہین ہوئی ہے اور یہ بات نادر الوقوع ہے آیتون اور حدیثون کی روسے
استحلال کی تحقیق مین اسی قدر کافی ہے اور انکار اُسکی حرمت کے ورود کا شرع مین دل یا
زبان سے ضرور نہین اکثر اوقات آدمی ایسا اعتقاد کرتا ہے کہ شرع مین اُس فعل کی حرمت
محض مصلحت عام کے واسطے ہوگئی ہے تاکہ رسم فاسد نہ پھیل جائے اور رفتہ رفتہ کسی دوسری
قباحت کی طرف نہ پہونچ جائے ڈرانے اور خوف دلانے کے لیے عذاب کا وعدہ کیا ہے
ورنہ فی نفسہ یہ فعل کسی وجہ سے قباحت نہین رکھتا اور عذاب اُسپر مترتب نہین ہوتا
ولا نزیل عنہ اسم الایمان اور ہم مرتکب کبیرہ کو مومن کہنا موقوف نہین کرتے ہین یہ رد ہے
معتزلہ کا کہ وہ کہتے ہین مرتکب کبیرہ مومن نہین رہتا کیونکہ ان کے نزدیک حقیقت ایمان مین
تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہین اگرچہ معتزلہ کہتے ہین کہ صاحب کبیرہ ایک ایسے مقام
مین ہے جو کفار اور اہل ایمان کے مقامون کے درمیان مین ہوگا اور خوارج کہتے ہین کہ وہ کافر
ہے لیکن چونکہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہوا تو معتزلہ کے مذہب پر بھی کافرون کے
حکم مین ہوگیا حالانکہ یہ اُسکو کافر بھی نہین کہتے وہ اپنے مذہب پر دلیل یہ لاتے ہین کہ مومن تو
اسلیئے نہین ہے کہ وہ ایمان سے خارج ہے اور کافر اسلیئے نہین ہے کہ صحابہ اور علماے ابرار
اور قضاۃ مرتکب کبیرہ پر زنا اور شرب خمر مین حد جاری کیا کرتے تھے اور اپنے ملک سے
بدر نہین کرتے تھے اور نہ قتل کراتے تھے اور اُنکی لاشونکو مسلمانون کے مقابر مین دفن ہونے
دیتے تھے حالانکہ کافر کے ساتھ ایسے معاملات بالاجماع ناجائز ہین اور اسی کا نام اُنھون نے
منزلۃ بین المنزلتین رکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص پر نہ تو کفر کا حکم کر سکتے ہین

اس شک سے کہ شاید اُسکو تصدیق ہو اور نہ اُسپر ایمان کا حکم لگا سکتے ہین اس وجہ سے
کہ اُسکے پاس اعمال صالحہ نہین ایسے شخص کو معتزلہ فاسق کہا کرتے ہین منزلتین کفر وایمان ہو کے
اور درمیانی منزل یہی فسق ہے جواب اسکا یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کے مومن ہونے مین شک
نہین اور علماے سلف نے اس کلیہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر بس قول
بالواسطہ سراسر اجماع کے مخالف ہے اور احادیث صحیحہ مین متواتر وارد ہے کہ قتل اور شرب خمر اور
زنا وغیرہ گناہ کبیرہ بندہ مومن کو دائرہ ایمان سے خارج نہین کرتے حدیث ابوذر مین آیا ہے کہ
حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہین ہے کوئی بندہ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا
پھر اُسی پر مرا لیکن داخل ہوگا جنت مین ابوذر کہتے ہین مین نے کہا گو اُس نے زنا کیا ہو یا چوری
کی ہو فرمایا گو اُس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو پھر مین نے یہی کہا اور آپنے بھی یہی جواب دیا
چوتھی بار مین فرمایا وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر مطلب یہ ہے کہ اس بات کو اگرچہ
ابوذر مکروہ جانتے بار بار ابوذر نے اسلئے پوچھا کہ وہ اس بات کو عجیب جانتے تھے رواہ احمد و
الشیخان بطولہ دوسرا لفظ اس حدیث کا یہ ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ جبرئیل نے
آکر مجھے یہ بشارت دی کہ جو کوئی تمھاری اُمت مین سے مرے گا اور وہ کسی شے کو اللہ کے
ساتھ شریک نہ کرتا ہوگا تو جنت مین جائے گا ابوذر نے کہا گو اُس نے زنا کیا ہو یا چوری یہ دلیل
واضح ہے اس بات پر کہ گناہ گو کبائر ہون ایمان کے سامنے مضمحل ہو جاتے ہین ہلاک مومن
مین تاثیر نہین کرتے و نسمیہ مومنا حقیقۃ اور ہم مرتکب کبیرہ کا حقیقی طور پر مومن نام رکھتے
ہین نہ مجازًا اسلئے کہ ہمارے نزدیک حقیقت ایمان مین اعمال داخل نہین ہین ایمان صرف تصدیق
قلبی اور اقرار زبانی کا نام ہے اور یہ تارک اعمال مین موجود ہے اور چونکہ معتزلہ کے نزدیک
اعمال ماہیت ایمان کا جز ہین اسلئے ان کے نزدیک تارک طاعات کو مومن نہین کہا جائیگا
گوکہ وہ اُسے بھی کافر نہین بتاتے مگر مومن بھی نہین جانتے اور خوارج اُسے بالکل کافر سمجھتے ہین کیونکہ انکے
نزدیک بھی عمل اصل ایمان ہے پس ان کے مذہب کی رو سے بھی وہ مومن حقیقی نہین کہلا سکتا

معتزلہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ کفر وایمان کے درمیان مین ہے ۔ جواب

ولیجوز ان یکون مومنا فاسقا غیر کافر اور ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مومن فاسق ہو کافر نہو اللہ
کی اطاعت سے ارتکاب کبیرہ کے باعث سے نکل جانے کو فسق کہتے ہین پس مرتکب کبیرہ اپنی
تصدیق واقرار کی وجہ سے مومن رہتا ہے اور عصیان الٰہی کی وجہ سے فاسق ہوتا ہے اس قول مین
اور معتزلہ کے قول مین یہی فرق ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ کو بالکل فاسق جانتے ہین اُسکو مومن نہین
سمجھتے اسلئے اُسکو مومن فاسق نہین کہتے اور اہل سنت کے نزدیک وہ مومن فاسق ہے یعنی
دونون باتین اُس مین جمع ہین اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک عمل اصل ایمان کی
حقیقت مین داخل نہین بلکہ ایمان کا کامل کرنے والا ہے اور صاحب تصدیق واقرار بوجہ ایمان کے
اگرچہ مومن ہے لیکن اُس کا ایمان کامل نہین اور ایسے شخص کو مومن فاسق کہتے اور خوارج کافر
جانتے ہین اور حسن بصری کا مذہب یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ منافق ہے اور اُن کے دلائل یہ ہین
(۱) بخاری مین ابوہریرہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیۃ المنافق
ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان آنحضرت فرماتے ہین کہ
منافق کی تین نشانیاں ہین جبکہ بات کرے جھوٹ بولے اور جبکہ وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جبکہ
اُسکو امانت سونپی جائے تو خیانت کرے جواب یہ حدیث متروک الظاہر ہے اسلئے کہ اگر
ایک شخص نے کسی سے وعدہ کیا کہ مین تجھے گھوڑا بخشونگا اور پھر اُسے گھوڑا نہ دیا تو وہ ایمان سے
خارج ہو کر دائرۂ نفاق مین نہین داخل ہوجاتا اور اسپر تمام اکابرین کا اتفاق ہے اور بعض نے
کہا ہے کہ جبکہ یہ خصلتین کسی کا ملکہ ہوجائین اُس وقت اُسکے نفاق کی علامت قرار پاتی ہین
کیا یہ بات اظہر من الشمس نہین ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ سے حضرت
یوسفؑ کی حفظ جان کا وعدہ کرکے شکار کو لیگئے اور پھر خلاف کیا اور اُنکے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام نے
حضرت یوسفؑ کو امانۃً اُن کے سپرد کیا اور اُنھون نے خیانت کی اور یوسف کو کنوئین مین ڈال کر
باپ کے سامنے آکر جھوٹ بولے کہ اُنھین بھیڑیا اٹھا لیگیا اور باوجود ان تینون باتون کے اُن پر
منافقین کا اطلاق نہین ہوا ہے علاوہ اسکے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شے کی علامت اُسپر

حسن بصری کے نزدیک مرتکب کبیرہ منافق ہے

قطعی الدلالت نہین ہوتی پس اُس کا تخلف مدلول سے جائز ہے اور حق یہ ہے کہ نفاق دو قسم ہے
ایک نفاق عقیدے مین اور دوسرا نفاق عمل مین حدیث مذکور مین مراد دوسری قسم ہے (۳)
جب کسی ذی شعور کو اس بات کا یقین ہو جاے کہ اس سوراخ مین سانپ ہے تو وہ کبھی اُسمین
ہاتھ نہ ڈالے گا اور اگر اُس نے باوجود اس اعتقاد کے اُس سوراخ مین ہاتھ ڈالدیا تو معلوم ہوا کہ اُسکو
اس بات پر اعتقاد نہ تھا اور نہ اُس کے قائل پر وثوق اور یہی حال مرتکب کبیرہ کا ہے کہ اگر وہ
اُس فعل کو گناہ سخت جانتا اور خدا اور رسول کے قول پر اُسکو اعتقاد ہوتا تو کبھی اُس کا مرتکب ہوتا
جواب سانپ کی مضرت متحقق اور فوری ہے بخلاف سزاے گناہ کے کہ اُسمین ڈھیل ہے
اور نہ وہ محقق ہے اسلیئے کہ توبہ اور عفو و ونوں کا دروازہ کھُلا ہوا ہے پس گناہ کبیرہ کو اس طرح
خیال کرنا قیاس مع الفارق ہے والمسح علی الخفین سنة اور موزون پر مسح کرنا سنت ہے
شیعہ اور خوارج کو اس کا انکار ہے اور یہ راے باطل ہے اسلیئے کہ مسح موزون کا سنت اور اخبار
مشہورہ سے جائز ہے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے کہ حدیث مسح موزہ کی
متواتر ہے بعض محدثون نے اس کے راوی جمع کیے ہین تو اسّی صحابہ سے زیادہ ہوتے ہین جن مین
عشرہ مبشرہ بھی ہین علامہ عینی نے شرح ہدایہ مین لکھا ہے کہ ہم نے معانی الآثار کی شرح مین ۶۰ صحابہ کی
روایت احادیث کی مع مخرجین کے ذکر کی ہے اور ابن عبداللہ نے کہا ہے کہ مین علماے سلف مین
سے کسی کو ایسا نہین جانتا جس نے اس کا انکار کیا ہو اور حسن بصری نے کہا ہے کہ مین نے ستّر
صحابہ کو پایا کہ اس سب کا اعتقاد رکھتے تھے اور کرخی نے کہا ہے کہ مجھے مسح موزہ کے منکر کے کفر کا خوف ہے
اسلیئے کہ جس قدر حدیثین اس باب مین وارد ہوئی ہین وہ متواتر المعنی ہین کسی نے انس بن مالک
سے سوال کیا کہ سنت کیا شے ہے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر کو سب صحابہ پر فضیلت دینا اور
حضرت عثمان و علی سے محبت رکھنا اور موزون کا مسح حق جاننا یہی سنت ہے امام ابوحنیفہ
کہتے ہین کہ مین مسح موزہ کا اس وقت قائل ہوا ہون جبکہ حدیثین روشنی آفتاب کی مثل ہوگئین اور
ہدایہ مین ہے کہ جو کوئی مسح موزہ کا اعتقاد نہ رکھے وہ بدعتی ہے لیکن جو کوئی اعتقاد رکھے اور

مسح موزہ

مسح نہ کرے بسبب اس کے کہ دھونا اصل واولی ہے اُسکو ثواب دیا جاتا ہے اور مواہب لدنیہ مین ہے
کہ علما کو اس مین اختلاف ہے کہ مسح کرنا موزون پر افضل ہے یا اُسکو اُتار کر پانُون دھونا افضل ہے
بعض نے تو کہا ہے کہ مسح کرنا افضل ہے کیونکہ اس مین رد ہے اہل بدعت یعنی شیعہ وخوارج کا کہ وہ
اسپر طعن کرتے ہین مذہب مختار امام احمد کا یہی ہے اور نووی نے کہا ہے کہ مذہب ہمارے علما یعنی
شافعیہ کا یہ ہے کہ پانُون کا دھونا افضل ہے اسلئے کہ یہ اصل ہے لیکن شرط ہے کہ مسح کو ترک کرے
اور صاحب سفر السعادت نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونون مین تکلف نہ تھا
اگر وہ موزہ پہنے ہوتے تو پانُون دھونے کے لیے نہ اُتارتے اور اگر نہ پہنے ہوتے تو مسح کے لیے نہ پہنتے
پس سنت کے موافق یہی ہے کہ بے تکلفی رکھے والتراویح فی شهر رمضان سنة یعنی
رمضان کی راتون مین تراویح بھی سنت ہے یہ رد ہے شیعہ کا کہ وہ اسکو نہین مانتے حالانکہ آنحضرت نے
اسکو پڑھا تھا اسلئے اس کے سنت ہونے مین کیا شبہہ ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ حضرت نے ایک
سال رمضان مین مسجد کے اندر چٹائی کا حجرہ بنایا عبادت اور اعتکاف کے واسطے حضرت نے
اُسکے اندر رات کو تراویح کی نماز پڑھی چند اصحاب بھی ساتھ ہوے ایک رات بہت لوگ مسجد مین جمع ہوگے
حضرت نے اُس رات نماز نہ پڑھی اصحاب سمجھے کہ حضرت سو گئے بعض اصحاب کھانسنے لگے تاکہ
حضرت جاگین اور نماز پڑھائین تب حضرت نے فرمایا کہ مین ڈرتا ہون کہ تراویح کی نماز تمپر فرض ہوجاے گی
پھر اگر نہو سکے گی تو گناہگار ہوگے اپنے گھرون مین جا کر پڑھو حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت مین
تراویح کی نماز مسجد مین جاری کی اس واسطے کہ نماز کی خوبی حضرت کے فعل سے ثابت تھی صرف
فرض ہونے کے خوف سے حضرت نے موقوف کروادی تھی اور حضرت کے بعد وحی موقوف ہوئی
فرض ہونے کا ڈر نہ رہا شیعہ جو کہتے ہین کہ تراویح عمر کی ایجاد ہے یہ غلط بات ہے بلکہ حضرت کی سنت
ہے اور بخاری نے عبد الرحمن بن عوف سے جو روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے لوگون کو علیحدہ
علیحدہ نماز تراویح پڑھتے دیکھکر سب کو حکم دیا کہ وہ جماعت کے ساتھ پڑھا کرین اور ابی بن کعب کو
امام بنایا اور جب وہ جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے تو آپ نے اُنکو دیکھکر کہا نعمت البدعة ہذہ

یعنی یہ کیا اچھی بدعت ہے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ تقرر جماعت اچھی بدعت ہے نہ کہ اصل جماعت اسلئے کہ وہ حضرت سے ثابت ہو چکی ہے اور حضرت نے کئی بار جماعت کے ساتھ تراویح کو پڑھا ہے اور حق یہ ہے کہ خلفاے راشدین نے جو کچھ کیا سنت ہے کیونکہ حضرت نے خلفا خصوصاً ابوبکر و عمر کی اقتدا کے لیے حکم دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اقتدوا باللذین من بعدی ابا بکر و عمر و الا احمد یعنی میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کیجو بس بدعت کے معنے یہان باعتبار لغت کے ہین نہ باعتبار اصطلاح فقہا کے والصلوۃ خلف کل بر و فاجر من المومنین جائزۃ اور نماز پڑھنا ہر نیک بد مسلمان کے پیچھے روا ہے یہ رد ہے شیعہ کا کیونکہ وہ اُسی کے پیچھے نماز پڑھتے ہین جو مجتہد ہو یا مجتہد نے اُسے امامت نماز کی اجازت دی ہو بوہرے بھی جو اسمٰعیلی شیعہ ہین بغیر اپنے داعی یا عامل کے یا جو ان سے اجازت پا چکا ہو دوسرے شخص کے پیچھے نماز نہین پڑھتے گو وہ شیعہ ہی کیون نہو اس لیے ان فرقون مین ہر شخص امام نماز نہین بن سکتا اور یہ اُن کی غلطی ہے ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا الصلوۃ واجبۃ علیکم خلف کل مسلم برا کان او فاجرا وان عمل الکبائر الخ یعنی تمہیر نماز ہر مسلمان کے پیچھے واجب ہے نیک ہو یا بد گو گناہ کبیرہ کرے سخاوی نے مقاصد حسنہ مین لکھا ہے کہ اس حدیث کو دار قطنی اور ابوداؤد نے ذکر کیا ہے بیہقی نے بھی اُسکو روایت کیا ہے اور یہ تمام مکحول کی حدیث سے مروی ہے جنھون نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور اس کی اسناد منقطع ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابن حبان نے ضعفا مین اس حدیث کو دوسرے طور سے بیان کیا ہے اور دار قطنی نے اسکو حدیث حارث سے اور انھون نے حضرت علی سے اور نیز حدیث علقمہ اور اسود سے اور انھون نے ابن مسعود اور ابو درداء سے روایت کیا ہے اور یہ تمام طریقے واہی ہین چنانچہ بہت سے علما کی یہی رائے ہے اور بعض اُن طریقون مین سے علل ابن جوزی مین مذکور ہین اس باب مین صحیح اور بہتر وہ حدیث ہے جو مکحول کے ذریعے سے ابوہریرہؓ سے مرسلا مروی ہے انتہی بچھے بڑا تعجب ہے مولف سفر السعادت سے کہ وہ اس حدیث کی صحت کے

قائل نہیں یاد رکھو کہ امامت نماز فاسق کی جائز ہے اگر فسق اُس کا حد کفر کو نہ پہونچے لیکن مکروہ ہے اور نیک شخص کے موجود ہوتے ہوے فاسق کو امامت نکرنی چاہیئے معتزلہ بھی فاسق کے پیچھے نماز جائز بتاتے ہیں اگرچہ اُنکے نزدیک وہ مومن نہیں اسلیئے کہ اُن کے نزدیک امامت کے شرائط میں سے کفر کا نہ ہونا ہے نہ ایمان کا ہونا جو جامع ہے تصدیق اور اقرار اور اعمال واجبہ کو جن کا تارک فاسق ہے ولا نقول ان المومن لا یضرہ الذنوب ولا نقول انہ لا یدخل النار اور ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مسلمان کو ضرر نہیں کرتا اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ دوزخ میں نہیں جائیگا برخلاف مرجیہ کے کہ وہ کہتے ہیں ایمان کے ہوتے ہوے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی ہے جس طرح ہمراہ کفر کے کوئی طاعت نفع نہیں دیتی ہے چنانچہ حدیث میں بھی عمر بن خطاب سے مرفوعا وارد ہے کما لا ینفع مع الشرک شیٔ کذا لا یضر مع الایمان شیٔ خطیب نے اس حدیث کو منذر بن زیاد طائی سے روایت کیا ہے مگر دارقطنی متروک بتاتے ہیں اور عمر بن علی الفلاس کے نزدیک یہ شخص کاذب ہے اور دلیل عقلی و نقلی دونوں دلالت کرتی ہیں کہ عذاب کرنا اللہ تعالیٰ کا گناہ پر جائز ہے چنانچہ سورہ کہف کی اس آیت میں اسی معنی کی طرف اشارہ ہے لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰھا نہیں چھوڑتے چھوٹی بات کو اور نہ بڑی بات کو مگر اُسکو گن لیا ہے ولا نقول انہ لا یخلد فیہا وان کان فاسقا بعد ان یخرج من الدنیا مومنا اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ دوزخ میں رہے گا گو فاسق ہو بعد اس بات کے کہ وہ دنیا سے ایماندار گیا ہو کیونکہ ہمیشہ دوزخ میں رہنا کفر کا خاصہ ہے اور سوائے کفار کے مسلمان گناہگار گو دوزخ میں جائینگے مدتوں تک وہاں بسبب گناہوں کے رہینگے لیکن آخرکار دوزخ سے نکالے جائینگے اور بہشت میں داخل کیے جائینگے انکو خلود فی النار نہوگا لقولہ تعالیٰ من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لیگا اور شک نہیں کہ توحید حق تعالیٰ اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقرار بہترین خیرات سے ہے پس ضرور ثواب اُسکا بہشت میں دیکھینگے مسلم نے روایت کی ہے کہ جس نے گواہی دی کہ نہیں معبود مگر اللہ اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے

امامت نماز فاسق کی

بھیجے ہوئے ہیں اللہ دوزخ کو اُسپر حرام کر دیتا ہے ابو سعید خدری سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ جس نے کہا کہ میں نے اللہ کا رب ہونا اور اسلام کا دین ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رسول ہونا مانا اور دل سے میں اسپر راضی ہوں اُس کے لئے جنت واجب ہو گئی انتہی یعنی اگرچہ بسبب گناہ کے کچھ دنوں دوزخ میں رہے لیکن انجام کار توحید اور رسالت رسول کا اقرار اُسکو آگ سے نکال کر جنت تک پہونچاوینگے وہ مستحق جنت کا ٹھہر چکا اس میں کچھ شک و شبہہ نہیں ہے اس کا وعدہ اللہ اور رسول دونوں نے ہم سے کیا ہے اللہ سے بڑھکر کون سچا ہو سکتا ہے رسول سے زیادہ کون معتمد ہے قرآن میں ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ یعنی یہ بات میری طرف سے ثابت ہوئی ہے کہ تحقیق دوزخ کو اکٹھے جنوں اور آدمیوں سے بھرونگا ظاہر آیت سے معلوم ہوتا کہ تمام انسان جہنم میں جاوینگے حالانکہ آثار و اخبار اس کے خلاف پر دلالت کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت اس بات کی مقتضی نہیں ہے کہ کل جہنم میں جائیں گے بلکہ جس قدر سے جہنم پر ہوسکے گی اُسی قدر اس میں داخل ہونگے انموذج میں ملا جلال نے اس جواب کو محاورہ عرب کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناپسند کر کے یوں جواب دیا ہے کہ لفظ اجمعین سے مراد تعمیم اصناف ہے اور یہ مقتضی تمام افراد کے دخول کو نہیں یعنی ہر فرقے اور ہر قسم کے انس و جن میں سے اللہ تعالی داخل جہنم کرے گا سو ایسے بھی اشخاص ہونگے کہ وہ جہنم میں نہ جائیں گے ابن فورک نے کہا ہے ہمارے اصحاب کا اس بات پر اجماع ہے کہ فاسق کے لیے تخلید نہیں ہے فاسق اہل قبلہ میں سے ہے اگر بے توبہ مرجائے گا اور معذب ہوگا تو بھی لامحالہ آگ سے بہ شفاعت رسول اللہ یا رحمت خدا باہر نکلے گا ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی عمدہ میں کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا اور کفار کا جنت میں ہمیشہ رہنا اشاعرہ کے نزدیک عقلی طور پر جائز ہے مگر شرع نے اُس کے خلاف حکم دیا ہے اور حنفیہ کے نزدیک تخلید مومن دوزخ میں اور تخلید کفار جنت میں عقلا بھی ناجائز ہے انتہی اور ابن ہمام نے اشاعرہ کی رائے کو عمدہ خیال کیا ہے اس وجہ سے کہ عقل کے نزدیک جائز ہے کہ اللہ تعالی اُس شخص کو جو کبیرہ پر مصر ہو ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور کفار کو ہمیشہ کیلئے

جنت عطا کر دے اگرچہ نصوص شرعی اس باب میں وارد نہیں ہوئی ہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں مگر عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں کہ صاحب حق اپنا حق معاف کر دے اگر فاسق کا مخلد فی النار ہونا عقلاً جائز نہوتا تو معتزلہ ایسا اعتقاد نہ کرتے جواب اس کا یہ ہے کہ مومن کو ہمیشہ دوزخ میں ڈالے رکھنا اور کافر کو جنت میں داخل کرنا قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ قبیح کام نہیں کرتا اگر ایسا کرے گا تو قبیح ہوگا اللہ تعالے حکیم ہے اور حکمت اُس کی صفت ازلی ہے اور اُس کے افعال سے حکمت کا انفکاک جائز نہیں امام فخر الدین رازی نے آیہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت بڑی قوی دلیل ہے ہمارے لیے عقوبت پر اصحاب کبائر کے اس کی کئی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہے بعض وجوہ کا ذکر کیا ہے (وجہ اول) اِنَّ اللّٰهَ لا یغفر ان یشرک بہ کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالے شرک بطریق مہربانی کے بھی نہیں بخشتا کیونکہ اس بات پر تو اجماع ہے کہ اللہ تعالے پر شرک کا بخشنا واجب نہیں اگرچہ توبہ کر لی ہو اور یہ جو کہا ہے کہ اللہ شرک اپنی مہربانی سے بھی نہیں بخشتا اس سے یہ لازم آیا کہ اللہ تعالے غیر شرک کو مہربانی کے طور پر بخشدے تاکہ نفی و اثبات دونوں ایک مضمون پر وارد ہیں جب یہ بات ثابت ہوئی تو اس سے لازم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کو بے توبہ بھی بخشدے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک بخشنا صغیرہ اور کبیرہ کا توبہ کے بعد تو عقلاً واجب ہے (وجہ دوم) اللہ تعالیٰ نے منہیات کو دو قسم قرار دیا ہے ایک شرک اور ایک ماسوائے شرک سو دوسری قسم میں کبیرہ قبل التوبۃ اور کبیرہ بعد التوبہ اور کل صغیرہ داخل ہیں اور شرک کی نسبت یہی حکم ہے کہ وہ ہرگز نہ بخشا جائے گا اور سوا شرک کے سب گناہ قطعاً بخشے جائینگے مگر انکی بخشش اللہ کی مشیت پر موقوف ہے جب کہ آیت سے معلوم ہوا کہ ماسوائے شرک مغفور ہے تو ثابت ہوا کہ کبیرہ قبل التوبہ بھی مغفور ہے معتزلہ کی طرح خوارج کا بھی یہ مذہب ہے کہ مرتکب کبیرہ اگر توبہ کیے بغیر مر جائے گا تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور اُنکی دلیلیں یہ ہیں (۱) فاسق مستحق عذاب ہے اور استحقاق عذاب مضرت خالص ہے کسی وقت منقطع نہوگی جس طرح استحقاق منفعت خالص ہے

ہو ہمیشہ قائم رہتی ہے ان دونون استحقاقون کا جمع ہونا محال ہے جیسا کہ ثواب عذاب جمع نہین ہو سکتے پس جبکہ فاسق کے لیے استحقاق عذاب تحقق ہوا تو یہ امر واجب ہوا کہ اُس سے استحقاق ثواب زائل ہو جاے اس صورت مین مخلد فی النار ہوگا **جواب** عاصی و مطیع اپنی معصیت و طاعت کی وجہ سے عذاب و ثواب کے مستحق نہین ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوپر کسی کا حق واجب نہین ہے اور مخالفین نے جو ثواب و عقاب کے یہ معانی بیان کیے ہین انکے تسلیم کرنے کے بعد بھی ہم کہہ سکتے ہین کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ صاحب کبیرہ کا گناہ معاف کردے اور اُسے عذاب نہ دے اور اپنی مہربانی و عنایت سے جنت مین داخل کردے یا ایسا ہو کہ مرتکب کبیرہ کے ثواب عذابون پر غالب آجائین ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ جس وقت تم مین سے کوئی اپنے اسلام کو اچھا کرے تو اُس کی ایک نیکی کے بدلے مین دس نیکیون سے سات سو تک لکھی جاتی ہین اور برائی جتنی کرتا ہے اُسی قدر لکھی جاتی ہے **حاصل** یہ ہے کہ ایک نیکی کی دس نیکیان لکھی جاتی ہین اور موافق صدق و اخلاص کے سات سو تک بڑھتی جاتی ہین بلکہ بعض جگہ زیادہ بھی چنانچہ حرم مین ایک کی لاکھ لکھی جاتی ہین اور برائی جتنی کرتا ہے اُتنی ہی لکھی جاتی ہے

(۲) سورۂ نسا مین ہے وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ یعنی جو کوئی اللہ اور اُسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اُسکی حدون سے بڑھے اللہ اُسکو دوزخ مین داخل کرے گا ہمیشہ اُس مین رہے گا اس مقام پر معتزلہ اور خوارج کا زعم یہ ہے کہ خلود کے حقیقی معنی ہمیشگی کے ہین اور مدت دراز سے مراد نہین اسلیے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیا مین فرمادیا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ یعنی ہم نے تجھسے پہلے کسی آدمی کو خلود یعنی ہمیشہ دنیا مین رہنا نہین دیا حالانکہ اگلے زمانے مین بہت سے ایسے آدمی گذرے ہین جو مدت دراز تک جیے ہین پس اگر مِنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ سے مدت دراز مراد لی جائے تو اس آیت کا مضمون غلط ہو جاے اسلیے کہ مدت دراز تو بہت سے آدمیون کو حاصل ہوئی ہے البتہ ہمیشگی کسی کو نصیب نہین ہوئی اس صورت مین پہلی آیت مین خلود کے معنے

اللہ پر کسی کا حق واجب نہین

تفسیر خلود

ہمیشگی کے ہی لینا واجب ہے **جواب** یہ قول مسلم نہین کہ جس سے کوئی کبیرہ گناہ واقع ہوتا ہے
وہ تمام حدود الٰہی سے تجاوز کرتا ہے اسلئے کہ ایسے شخص پر بعض حدون سے بڑھ جانا لازم آتا ہے
پس یہ آیت مرتکب کبیرہ پر صادق نہین آتی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اس کا مصداق مرتکب
کبیرہ ہی ہے تو بھی استدلال مخالفین کا ناکافی ہے کیونکہ خلود کے معنے یہان مدت طویل ہین
نہ دوام و ہمیشگی اور مخالفین نے جس قدر دلائل خلود کے معنے ہمیشگی پر بیان کیے ہین وہ نہین
بنتے اسلئے کہ جیسی مخلد اور وقف مخلد اور خلد اللہ ملکہ بولتے ہین اور طول مدت مراد لیتے ہین
پس بہتر یہ ہے کہ یہان پر خلود مدت طویل کے معنون مین حقیقت گردان لیا جائے اب عام
ہے اس سے کہ ہمیشگی اُسکے ساتھ ہو یا نہو تا کہ مجاز اور اشتراک لازم نہ آئے پس خلود کی دو قسمین
ہونگی ایک مدت طویل مع الدوام دوسری مدت طویل بلا دوام پس جیسا قرینہ ہوگا ویسے ہی
معنے آیت کے لگائے جایا کرینگے چنانچہ آیت مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ مین خلد
کے معنے اول مراد لیے جاتے ہین کیونکہ قرینہ حال یہان پر ان معنے کے لئے موجود ہے جو ذات
لفظ سے تو مقصود نہین مگر خارج سے مستفاد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار آنحضرت کو کہا
کرتے تھے کہ اس شخص تک ہی یہ دھوم دھام ہے جہان یہ مرا کچھ نہین اُنکے جواب مین اسی لئے
آگے چلکر فرمایا فان مت فھم الخالدون اگر تو مر گیا تو کیا وہ ہمیشہ رہجاینگے ولا نقول
ان حسناتنا مقبولۃ وسیئاتنا مغفورۃ کقول المرجیۃ اور ہم یہ نہین کہتے کہ
ہماری نیکیان خواہ مخواہ مقبول اور ہمارے گناہ معاف ہین جیسے مرجیہ کہتے ہین یہ لفظ
ارجا سے نکلتا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنی امید سے اسلئے کہ مرجیہ کو یہ امید ہے کہ اہل معاصی
کو اللہ ضرور ثواب دے گا اسی وجہ سے یون کہتے ہین کہ جہان ایمان ہوتا ہے وہان کوئی
گناہ نقصان نہین پہونچا سکتا مومن امین ہے گناہون کی سزا سے یا لفظ مشتق ہے
ارجاء بمعنی تاخیر سے اسلئے کہ اُنھون نے حکم اصحاب کبائر کو آخرت تک موخر رکھا ہے پس
دنیا مین صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہین ہو سکتا کہ وہ دوزخی ہے یا جنتی ہے پہلی صورت مین مرجیہ

متن

یاے تحتانی کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت مین ہمزہ کے ساتھ مرجیہ ر اور حقیقت
مرجیہ کی یہ ہے کہ ان کو اثبات وعدا ور نفی وعید وخوف مین مومنین سے غلو ہے مرجیہ ایمان
اور عمل کو دو مختلف چیزین قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا
نہونا کچھ ضرر نہین کرتا ایک شخص دل سے اگر توحید اور نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہین
ادا کرتا تو وہ مواخذے سے بری ہے ولکن نقول من عمل حسنة بجمیع شرائطها خالیة عن
العیوب المفسدة ولم یبطلها حتی خرج من الدنیا فان الله تعالی لا یضیعها
بل یقبلها منه ویثیبه علیها لیکن ہم یہ کہتے ہین کہ جو کوئی نیک کام اُنکے تمام شرائط کے
ساتھ کرے گا اور اُنکو تباہ کرنے والے عیبون سے پاک صاف رکھے گا اور ان نیک کامون کو
باطل نہ کرے گا یہان تک کہ دنیا سے ایمان کے ساتھ انتقال کرے گا تو اللہ تعالی اُسکے نیک
کامون کو ضائع نہ کرے گا بلکہ اُس سے اُنکو قبول فرمائے گا اور اُسکو اُن کا ثواب بخشے گا کیونکہ اللہ
تعالی کسی کا اجر ضائع نہین کرتا چنانچہ قرآن مین ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اور
دوسری جگہ ہے وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مگر اللہ تعالی مختار ہے اُس پر کوئی بات
واجب نہین ہے وہ براہ فضل اعمال حسنہ کے عوض ثواب دیتا ہے امام صاحب کا یہ قول دیکھتے
ہوے معتزلہ سے تعجب ہوتا ہے کہ اُنھون نے امام صاحب اور اُنکے تابعین کو مرجیہ کہدیا ہے
شاید امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق نہ زیادہ ہوتی ہے
نہ کم تو معتزلہ کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ امام صاحب نے جو عمل کو حقیقت ایمان سے خارج
کر دیا ہے تو اُنکے نزدیک مغفرت کے لیے ایمان کافی ہے اُسکے ہوتے ہوے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور
گناہ ضرر نہین کرتا کیونکہ اعمال ایمان مین داخل نہین لیکن امام ابو حنیفہ اور اُنکے اصحاب کو مرجیہ کا
ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہین اسلیے کہ ارجاء تو یہ ہے کہ یہ سمجھین کہ عذاب و عقاب اور مواخذہ
کسی طرح نہوگا اور ایمان کے ہوتے ہوے کوئی گناہ نقصان نہ پہونچا سکے گا سو یہ عقیدہ حنفیہ کا
کب ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہین کہ اللہ تعالے کی مشیت و ارادے مین ہے جسے چاہے معاف کرے

بعض لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

جسے چاہے عذاب دے اور گناہ گار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہین اور اُسکے ضرر سے
خائف رہتے ہین ہان لطف پر انکی نظر بھی ہے اسلئے جانب مغفرت وامیدواری کی رعایت
رکھتے ہین اور کہتے ہین کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخشدے اور فاسق کو دوزخ مین نہ
ڈالے امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلان شخص یا فلان فرقے کا ہے وہ اصل
حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہونچتے تھے جب بحث اُنکے سامنے پیش کی گئی تو انھون نے
علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزین ہین اور دونون کا حکم مختلف ہے اس پر بہت لوگون نے
انکو بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہا مین سے جو لوگ امام
صاحب کے ہمزبان تھے انکو یہ بھی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف
مین مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہین جنمین سے چند یہ ہین ابراہیم تیمی و عمرو بن مرہ و طلق
الحبیب و حماد بن سلیمان و عبدالعزیز بن ابوداؤد و خارجہ بن مصعب و عمرو بن قیس الماصر و ابو معاویۃ الضریر و یحیی
بن زکریا و مسعر بن کدام حالانکہ انھین سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہین اور صحیح بخاری و مسلم مین ان لوگونکی
سیکڑون روایتین موجود ہین جو اسپر شاہد ہین کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی یہ فہرست
دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی اور یہ جو غنیۃ الطالبین مین آیا ہے اما المرجیۃ ففرقہا اثنا عشر فرقۃ الجہمیۃ والصالحیۃ و الشمریۃ ... و الحنفیۃ
واما الحنفیۃ فہم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الخ اسمین علمای محققین کو کلام ہے یہانتک کہ شیخ القطب
عبدالوہاب شعرانی اس بات کے قائل ہین کہ اس عبارت کو معاندین نے غنیہ مین اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے
بلکہ محققین کو تو اسمین بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے
شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہین ہرگز ثابت نہ شدہ کہ این تصنیف آنجناب ہست اگرچہ انتساب این بآنحضرت
شہرت دارد لظر بر این کہ شاید دران حرف از ان جناب بود ترجیہ کردم چنانچہ علامہ میر حسین میبذی در دیباچہ
دیوان کہ نزد عوام منسوب بحضرت امیرالمومنین علی ست ہمین اسلوب معذرت کردہ علامہ ابن حجر و علامہ عبدالغنی نابلسی
و علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہ غنیۃ کو تصنیف حضرت غوث اعظم کہتے ہین بہرصورت امام ابوحنیفہ کا اس عبارت سے
مرجیہ ہونا کب ثابت ہوتا ہے انھون نے تو حنیفہ کہا ہے سو ممکن ہے کہ حنفیہ مین سے بعض آدمی مرجیہ کے ہم اعتقاد ہون

غنیۃ الطالبین شیخ کی تصنیف نہیں ہے

امام کے بعض متبع کا یہ عقیدہ ہونے سے امام کا یہ عقیدہ کیونکر سمجھ لیا گیا امام کے کمال اور انکے مذہب کی قبولیت عام نے انکو لوگون کا محسود بنا رکھا ہے ذراسی بات بھی برائی کی کہین مل جاتی ہے تو بدگمانی سے اُسکو امام کے دامن سے باندھنا چاہتے ہین راست بازون کے زمرے مین ایسے شخصون کے کلام کا اعتبار نہین ہوتا علما کے مجمع مین ایسے حضرات کا وقار نہین ہوتا اور ہم یہ فرض کرنے کے بعد کہ غنیہ کی عبارت سے مراد امام ابوحنیفہ ہی ہین کہتے ہین کہ غنیہ مین جہان اور اغلاط فاحشہ موجود ہین اُسی قبیل سے یہ بھی ایک غلطی ہے مثلاً غنیہ مین لکھا ہے کہ حضرت مرتضی نے فرمایا ہے لم یخرج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الدنیا حتی بین لنا ان الامر بعدہ لابی بکر ثم لعمر ثم لعثمان ثم لی یعنی آنحضرت نے اپنی زندگی ہی مین فرما دیا تھا کہ ان کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر ہونگے پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر مین شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین کہتے ہین کہ اگرچہ یہ حدیث بحسب ظاہر غریب معلوم ہوتی ہے مگر جب اس بات پر لحاظ کیا جاتا ہے کہ آنحضرت نے اصحاب ثلثہ کی خلافت کے باب مین پچاس حدیثون سے زیادہ بیان کی ہین جن مین سے بعض مین یہ امر تصریح کے ساتھ موجود ہے اور بعض مین بطور اشارات کے اس کا ذکر کیا ہے تو اس کی غرابت کے دفع ہو جانے مین شک نہین رہتا اور اس کی صحت کو دل قبول کرتا ہے مین کہتا ہون کہ یہ حدیث موضوع اور غلط ہے اس کی غرابت کسی طرح دفع نہین ہو سکتی اور دلیل اسپر یہ ہے (۱) جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے دن سقیفہ بنی ساعدہ (یعنی بنی ساعدہ کے چبوترے) مین انصار نے یہ ٹھہرایا کہ ایک امام ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین کا ہوگا اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ بناتے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر آمادہ ہو گئے اور یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وہان پہونچ گئے اور کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے کہ امام قریش ہونا چاہیے تب سب انصار نے قبول کیا اگر آنحضرت نے خلفا کی نام بنام تصریح کر دی ہوتی تو مہاجرین و انصار بحث نہ کرتے کہ ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم مین سے امیر ہو اور دوسرا کہتا تھا ہم مین سے اس رد و بدل کی حاجت نہوتی اور اگر کوئی کہے کہ اس قدر گفتگو تحقیق اور تلاش

نص کے لیے تھی کیونکہ وہ نص مخفی تھی بعض صحابی اول اُس سے واقف نہ تھے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت سے آخر میں تنزل کیوں چاہا اور حضرت علی اور صحابہ کو بیعت اور خلافت کے لیے کیوں اختیار دیا اسلیے کہ منصوص اور واجبی کلام میں تواضع کرنے اور اختیار دینے کی گنجائش نہیں ہے (۲) حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عمرؓ کو اپنا ولی عہد بنایا اور اُن کی خلافت پر تنصیص کی اسکی ضرورت نہوتی آنحضرت کی نص کافی تھی (۳) حضرت عمرؓ نے جو اپنی وفات کے وقت حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبد الرحمن بن عوف کو کار خلافت کے لیے منتخب کیا جن کی حاکمانہ لیاقتیں اُن کے نزدیک ایسا مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے اسکی ضرورت نہ تھی اسلئے کہ جبکہ حضرت عثمانؓ کے واسطے جناب سرور عالم کی طرف سے نص ہو جاتی تو حضرت عمرؓ کو ایسا کرنیکا کب حق پہونچتا تھا اور اگر یہ نص جناب امیر کو معلوم ہوتی تو وہ ضرور کہتے (۴) عبد الرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنے کے لیے مقرر ہوئے تھے اول حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ابایعنا علی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الشیخین یعنی اللہ کی کتاب و رسول اللہ کی سنت اور حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے طریقے پر ہماری بیعت قبول کرتے ہو تو حضرت علیؓ نے جواب دیا علی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ واجتہاد رائی یعنی میں تم سے بیعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اپنی رائے کے اجتہاد پر لیتا ہوں سیرت شیخین پر بیعت لینے سے انکار کیا عبد الرحمن نے حضرت علیؓ کا ہاتھ چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہی بات کہی جیسا کہ شرح مقاصد میں لکھا ہے اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ بیعت کے وقت عبد الرحمن نے حضرت عثمانؓ سے یون کہا تھا ابایعک علی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ والخلیفتین من بعدہ یعنی میں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا و سنت رسول اور طریقۂ شیخین پر حضرت عثمان نے قبول کر لیا پھر سب صحابہ نے اُن سے بیعت کر لی اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو ضرور حضرت علی صاف لفظوں میں کہدیتے کہ شیخین کے بعد جناب سرور کائنات نے حضرت عثمان کی خلافت کے لیے تنصیص کی ہے

شورے کی کیا ضرورت ہے (۵) حضرت علی نے جب تک حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی تھی اس عرصے مین عباس اور سفیان نے اُن سے کہا کہ تم خود کیون نہین خلافت کا دعوی کرتے تو آپ نے اُنکو جواب دیا کہ تم چاہتے ہو مسلمانون مین فتنہ پیدا ہو جائے پس اگر وہ نص پیغمبر خدا سے وارد ہوتی تو آپ یون جواب دیتے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہون پھر عمر پھر حضرت عثمان کے بعد ہے ابھی سے مین کیون خلافت کا خواستگار ہون (۶) ۳۷ ہجری مین جب معاویہ نے حضرت علی سے ثالثی چاہی اور اُن کے اہل لشکر نے بھی اُنکو مجبور کیا کہ وہ ثالثی منظور کرین پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو وہ ضرور کہتے کہ عثمان کے بعد میری خلافت کے لیے آنحضرت ارشاد فرما گئے ہین اور ثالثی منظور نہ فرماتے (۷) حضرت علی نے حضرت ابوبکر سے بیعت کرنے کے وقت اُن کے احق بالخلافت ہونے کے لیے یہ کہا تھا کہ ہم تم سے زیادہ کسی کو اوسے نہین جانتے تمکو پیغمبر خدا نے امر دین مین ہمارا پیشوا کیا پھر دوسرا کون ہے جو تم پر سبقت کرے گا صرف ہمکو شاق یہ گذرا کہ ہم پیغمبر خدا کے اہل بیت اور ارباب مشورت و اجتہاد سے تھے تم نے ہم سے صلاح کیے بغیر خلافت کا کام کیون طے کر لیا اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو حضرت علی یون تقریر نہ کرتے بلکہ یہ کہتے کہ تمھاری خلافت کے لیے آنحضرت نے نص کر دی ہے اسلیے امامت و خلافت کے لائق اور اوس کے احق تم ہی ہو خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو خلافت کے عظیم الشان کام مین صحابہ کے سامنے ضرور پیش ہوتی اور سب کو اس کا علم ہو جاتا اور اس کے موافق کام کیا جاتا۔ اگر فی الواقع جناب سرور کائنات نے ایسا فرمایا ہوتا تو صحابہ کو آنحضرت کے بعد اور پھر ہر خلیفہ کے بعد دُوسرے خلیفہ کے انتخاب کرتے مین کیون ایسی تشویش و تردد پیدا ہوتا سب موافق اس حدیث کے عمل کرتے اور اپنی رائے کو دخل نہ دیتے پس ثابت ہو گیا کہ غنیۃ الطالبین کی ساری باتین صحیح نہین ہین اور جبکہ ایسے اہم کام کی حدیث موضوع لکھدی ہے تو امام ابو حنیفہ کی نسبت مرجیہ ہونے کا غلط قول لکھدینے مین تعجب کی کونسی بات ہے

وما کان من السیئات دون الشرك والکفر ولم یتب عنها صاحبها حتی مات

مومنا فانه فی مشیة الله تعالیٰ ان شاء عذبه بالنار وان شاء عفا عنه ولم یعذبه بالنار اصلا اور جو گناہ کفر و شرک سے چھوٹا ہو اور کرنے والے نے اُس سے مرنے دم تک توبہ نہ کی ہو اور وہ حالت ایمان و اسلام مین مرے تو وہ اللہ کے ارادے مین ہے چاہے اُسکو عذاب دے اور چاہے معاف کردے اور کبھی دوزخ مین نہ ڈالے اور بعض نسخون مین اصلا کی جگہ ابدا ہے اور اس سے یہ مطلب ہوگا کہ بسبب گناہ کے کچھ دن دوزخ مین رہے لیکن انجام کار آگ سے نکالا جائے اور جنت مین داخل کیا جائے ہمیشہ دوزخ مین پڑا رہے سورہ نسا مین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اس آیت مین مادون سے مراد ماسوا نہین بلکہ مراد دون ما سفل ہے یعنی جو کچھ شرک سے کمتر ہو حاصل یہ ہے کہ کوئی شرک پر مرجائے تو اللہ اُسے نہین بخشتا اور شرک سے کم گناہ کو اگرچہ کبیرہ ہی کیون نہو اور اُس سے توبہ بھی نکی ہو بخشدیتا ہے معتزلہ اس آیت کو تائب پر حمل کرتے ہین اور یہ اُن کی غلطی ہے اسلئے کہ توبہ سے تو کفر بھی بخشدیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ جو گناہ شرک سے کمتر ہے وہ بھی توبہ سے معاف ہوجاتا ہے پر مشیت حق مین غیر تائب کے ہے اہل توحید سے سو جبکہ صاحب کبیرہ یا صغیرہ بغیر توبہ کے مرجاتا ہے تو وہ اندیشہ مشیت مین پڑا ہوا ہے چاہے اللہ اُسکو اپنے فضل و رحمت سے بخشکر داخل بہشت کرے اور چاہے پہلے عذاب کرے پھر جنت مین لیجاے معتزلہ کہتے ہین کہ جب آدمی نے گناہان کبیرہ سے اجتناب کیا تو اُسکے سارے صغیرہ بالضرور معاف ہوجاتے ہین اسلئے کہ قرآن مین وارد ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیئاتکم سیئات سے مراد صغائر ہین کیونکہ اُنکو کبائر کا مقابل گردانا ہے اور اہل سنت اس آیت مین کبائر سے کفر مراد لیتے ہین اسلئے کہ وہ نافرمانی الٰہی اور معاصی کی فرد کامل ہے اور جمع کا لفظ جو استعمال ہوا ہے یعنی کبائر جو آیت مین آیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کفر کی بہت سی قسمین ہین جن مین سے ہر ایک قسم کفر کی ہر ایک قسم کا فرمخاطب کے ساتھ قائم ہے یعنی جسطرح کفر کی بہت سی قسمین ہین اسیطرح کفار کے بھی اقسام ہین مجوس کا کفر اور طرح کا ہے صابئین کا کفر اور قسم کا ہے

معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف

نصاری کا کفر علیحدہ ہے اور سیئات کا استعمال گناہ کبیرہ وصغیرہ دونون پر ہوتا ہے تو اس صورت مین آیت کے معنے یون ہونگے اگر تم کفر سے بچتے رہوگے تو ہم تم سے تمھارے گناہ اُتار دینگے اور یہ ارشاد الہی اُسکی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہے کچھ اُسپر ایسا کرنا واجب نہین ہے کہ جو کفر سے بچتا رہے اُسکے صغائر و کبائر دونون کو عفو کردے اور اللہ نے اس بات کے جتانے کے لیے کہ ہم مختار ہین ہم پر کوئی بات واجب نہین یہ فرمایا لمن یشاء پس جائز ہے کہ اپنے فضل و مہربانی سے کبیرہ کو بخشدے یا اپنے عدل کی وجہ سے صغیرہ پر عذاب دے پس آیت ان تجتنبوا کبائر معتزلہ پر رد ہے اور اُن کے مذہب کی مؤید تو کسی طرح ہو ہی نہین سکتی پھر معتزلہ نے مشیت کو دونون فعل یعنی غفران و عدم غفران سے متعلق بتایا ہے اور موصول اول کو غیر تائب پر حمل کیا ہے اور اس صورت مین آیت کے معنے یہ ہونگے کہ اللہ جس کو چاہے شرک نہین بخشتا ہے اگر اُس نے توبہ نہین کی ہے اور جس کو چاہے کمتر شرک سے بخشتا ہے اگر اُس نے توبہ کرلی ہے یہ بالکل غلطی ہے اسلیے کہ جب کفر توبہ سے مغفور ہوسکتا ہے جیسا کہ خدائے تعالے نے فرمایا ہے قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف تو کافرون کو کہدے کہ اگر باز آئین تو معاف ہوا انکو جو کچھ کہ گذرا تو جو گناہ کفر سے گھٹ کر ہے وہ بالاولے توبہ سے معاف ہوسکتا ہے اور سیاق آیت کا واسطے بیان تفرقے کے درمیان کفر اور باقی گناہون کے ہے کہ مغفرت کفر کی محال ہے اور مغفرت دوسرے تمام معاصی کی جائز ہے اور اگر جواز اُس کا تقدیر توبہ پر ٹھہرایا جائیگا تو کوئی فرق دونون کے درمیان ظاہر نہین ہوتا ہے حالانکہ دونون کی مغفرت پر بصورت توبہ کے اجماع ہے جو مقصود زجر و تہدید کفر و شرک سے تھا وہ اب حاصل نہوگا اور نہ مدعا حمل کا توبہ و ایمان پر ہاتھ آئیگا آخرکار یہی ماننا پڑیگا کہ کفر و شرک نہین بخشا جاتا مگر توبہ سے اور جو گناہ شرک سے کم ہی وہ مغفور ہے خواہ توبہ کی ہے یا نہین کی ہے لیکن یہ مغفرت ہر کسی کے لیے نہین ہوتی بلکہ اُسی کے لیے ہوتی ہے جس کا بخشنا اللہ کو منظور ہے اور جبکہ مقصود اس آیت سے تفرقہ بیان کرنا ہے درمیان کفر اور اُن گناہون کے جو کفر سے کم ہین تو یہ آیت خوارج پر بھی حجت ہوسکتی ہے

جن کا زعم یہ ہے کہ ہر گناہ شرک ہے اور جس سے گناہ وقوع مین آیا وہ ہمیشہ دوزخ مین پڑا رہیگا
اور یغفر ما دون ذلک مغفرت کے ساتھ توبہ کی قید جو نہین ہے تو اس سے کوئی حرج نہین
ہے کیونکہ اہل سنت اس بات پر مصر نہین ہین کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک کے
تمام معاصی بلا توبہ بالضرور بخشے جائینگے اور کوئی عذاب نہوگا کیونکہ اس صورت مین جس قدر آیات
وعید اور عذاب کے باب مین آئی ہین وہ بیکار ہو جائینگی پس اسی لیے اہل سنت نے یہ اختیار کیا ہے
کہ جتنے گناہ سوا شرک کے ہین اُن سب کی مغفرت اللہ کی مشیت مین ہے جسے چاہے بخشے
جسے چاہے نہ بخشے۔ آیت مین شرک سے مراد مطلق شرک ہے اکبر ہو یا اصغر تو سب کبائر اور صغائر
مادون ذلک کے نیچے داخل رہے اور کفر جو شرک اکبر ہے اور شرک اصغر ان یشرک بہ مین
داخل رہے اور قواعد عربیہ و اصول فقہ کے اعتبار سے بھی ثابت ہوتا ہے پس خیالی وغیرہ مین جو
ان یشرک بہ سے معنے ان یکفر بہ لکھے ہین تحقیق کے خلاف ہین کیونکہ لفظ شرک مطلق کفر کے لیے
موضوع نہین ہے اور شرط مجاز کی یہ ہے کہ حقیقت سے پھیرنے کے لیے قرینہ پایا جائے اور یہان
کوئی ایسا قرینہ موجود نہین کیونکہ شرک کے تو یہان معنے مراد ہو سکتے ہین اور وہ جو
خیالی مین دلیل لکھی ہے کہ کفر کو شرک کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا ہے کہ
عرب کا کفر شرک تھا تو اول تو مجاز ثابت کرنا چاہیے پیچھے تخصیص تعبیر کی وجہ بیان کرنا چاہیے اور
اگر یہ مراد ہے کہ عرب کا کفر شرک مین منحصر تھا تو یہ ممنوع ہے بعض انکار صانع کا کرتے تھے
وما یھلکنا الا الدھر انکار صانع کا ہے جیسا کہ مظہری مین بیان کیا ہے اور بعض نبی کا انکار کرتے
تھے شاعر اور ساحر مجنون کہتے تھے بعض بعثت کا انکار کرتے تھے اس مضمون کی آیتین بہت
ہین اور اگر مراد یہ ہے کہ کفر اُن کا شرک بھی تھا تو یہ خاص تعبیر کا موجب نہین ہو سکتا قرآن مجید
تو فصاحت و بلاغت مین اعجاز ہے اور عربی مبین بھلا ان یکفر بہ کہنے سے کیا مانع تھا کہ اپنی
مراد مین بکمال واضح ہوتا اور اپنے سب افراد کو شامل ہوتا پس معلوم ہوا کہ جہان کفر فرمایا ہے
وہان کفر اور جہان شرک فرمایا ہے وہان شرک مراد ہے۔ امام نے دو لفظ بیان فرما کر خصوصاً

صاف کردیا اور قیل وقال کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ معتزلہ نے اپنے مذہب کی تائید اُن
آیات واحادیث سے بھی کی ہے جن مین گناہگارون کی نسبت وعید مذکور ہے جواب اسکا
یہ ہے کہ اس قسم کی آیات واحادیث کا حکم عام نہین ہے تا کہ ہر عاصی کے حق مین جاری ہونا
اور اگر عام تسلیم کرلیا جائے تو بھی معتزلہ کا استدلال پورا نہین ہوسکتا اسلئے کہ وقوع عذاب پر
دلالت کرتی ہین نہ وجوب عذاب پر اس صورت مین ہر عاصی کو عذاب ہونا ضرور نہین ہے
علاوہ اسکے بہت سی نصوص عفو جرائم کے باب مین وارد ہین چنانچہ سورہ زمر مین ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ
اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ کہدے اے بندو جنھون
نے اپنی جانون پر زیادتی کی اللہ کی مہربانی سے ناامید ہو بے شک اللہ سب گناہ بخشتا ہے
اور معتزلہ کی جانب سے یون بھی دلیل بیان کی جاتی ہے کہ وعید کہتے ہین عذاب کی خبر دینے کو
پس جبکہ گناہگار کو عذاب نہ دیا جائے گا اور اُس کی بخشش ہوجائے گی تو شارع کی خبر مین کذب
لازم آئے گا اور یہ محال ہے جواب اس کا یہ ہے کہ ایسی خبرون سے عذاب کا وقوع ثابت ہوتا ہے
نہ وجوب اگر وجوب ثابت ہوتا تو گناہگار کو عذاب نہونے سے بے شک خبر مین کذب اور
وعدے مین تخلف لازم آتا تھا انس کی حدیث مرفوعًا ہے جس کسی سے اللہ نے کسی عمل پر ثواب کا
وعدہ کیا اللہ اُسکو وفا کرتا ہے اور جس کو کسی عمل پر عذاب دینے کا وعدہ کیا ہے اُس مین اللہ کو
اختیار ہے رواہ البزار وابو یعلےٰ معلوم ہوا کہ عذاب کا تخلف جائز ہے اور ثواب کا تخلف جائز
نہین صحابہ کی ایک جماعت سے کئی حدیثون مین آیا ہے کہ ہم مرتکب کبیرہ کے لیے دوزخ کی شہادت
دیتے تھے جب آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ
اُتری تب سے رک گئے بعض معتزلہ اس مقام مین کہتے ہین کہ اگرچہ اہل سنت وجماعت کے
مذہب مین نہایت ادب ہے اسلئے کہ اللہ کے لیے جمال وجلال اور عفو وانتقام اور لطف و
قہر کی دونون صفتین ثابت کرتے ہین اور کسی بندے کے حق مین ان مین سے کوئی صفت
واجب نہین کرتے اللہ کی مرضی پر رہتے تھے وہ جو کچھ چاہے گا کرے گا اور یہ بات مقرر نہین

کر دیتے ہے کہ فلان آدمی معافی کے قابل ہے اور فلان سزا دینے کے لائق ہے اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام کامون کو غرض سے مبرا جانتے ہین لیکن معتزلہ کے مذہب مین نہایت احتیاط ہے اسلیئے کہ باوجود امن واقعی کے ڈرانا اور خوف مین رکھنا بہتر ہے اس سے کہ خوف واقعی سے نڈر کر دیا جائے کیونکہ جس وقت گنہگار کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ مجھکو گناہ کی سزا نہ ملے گی تو وہ گناہ پر اور دلیر ہو گا بلکہ دوسرون کا بھی حوصلہ بڑھے گا اور اس بات سے خدائے تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت بالکل زائل ہو جائے گی جو اُس نے رسولون کے بھیجنے مین رکھی ہے کہ یہ بزرگوار گناہون سے بندونکو باز رکھیں اور نیکیون کی طرف مائل کرین لیکن یہ قول مخدوش ہے اسلیئے کہ جو احتیاط عمدہ ہے وہ اہل سنت وجماعت ہی کے مذہب مین ہے اسلیئے کہ یہ لوگ اس بات کا تعین نہین کرتے کہ عفو کے قابل کون ہے اور سزا کون پاوے گا دو صفتین بے تخصیص ثابت کرتے ہین پس ہر ایک کو خوف ضرور لگا رہے گا اور ایسی صورت مین گناہ پر جرأت کوئی کیسے کرے گا بلکہ وعدہ عذاب کے باب مین جس قدر نصوص وارد ہین اُن کی تہدید وتخویف پر لحاظ کرنے سے تو یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہر گناہ کی سزا ضرور دی جاوے گی اور عذاب ہو کر رہے گا اور عفو کی طرف تو گمان بھی نہین جاتا اور زجر وتخویف کے لیے اس قدر بھی کافی ہے بخلاف معتزلہ کے کہ اُن کے مذہب کی رو سے مرتکب صغیرہ کو امن اور مرتکب کبیرہ کو یاس پیدا ہو جاوے گی اور یہ ایسا ہے جیسے ایک طبیب بیمار کو علاج سے نا اُمید کر دے اسی سبب سے اُن کے مُردے استغفار اور صدقات سے کہ نجات کا بڑا وسیلہ ہے محروم رہتے ہین نا ایسی احتیاط جس سے عمدہ عمدہ نفع ہاتھ سے جاتے ہون بہت ہی مذموم ہے والریاء اذا وقع فی عمل من الاعمال فانه یبطل اجره اور ریا جس کام مین ہو اُسکے ثواب کو تباہ کر دیتا ہے ریا مشتق ہے رویت سے اور صراح مین لکھا ہے ریاء بالقصد اپنے تئین مخلوق کو نیک دکھانا اور عین العلم مین کہا ہے کہ ریا بذریعہ عبادت کے لوگون سے منزلت طلب کرنے کو کہتے ہین پس ریا عمل ظاہر سے مخصوص ہے اور جو کچھ عبادت کی قسم سے نہو اُس مین ریا نہین بولتے مثلاً کوئی خدم وحشم اور مال و دولت کی کثرت

دکھاے یا لوگون کو دکھانے کے لیے عمدہ آواز سے کچھ پڑھے یا گھوڑا دوڑاے یا نشانہ لگاے تو اس کو ریا نہ کہینگے بلکہ یہ تکبر اور افتخار کہلائے گا اور جس چیز سے جاہ و منزلت کی طلب ہو جیسے مشائخ مریدون کو رغبت دلانے اور اُنکو مائل کرنے اور اپنی اتباع کا شوق دلانے کے لیے کوئی کام کرین تو یہ بھی حقیقت مین ریا ہوگا اگرچہ بظاہر ریا معلوم ہو اور اسی لیے کہا ہے کہ ریاء الصدیقین خیر من اخلاص المریدین اور ریا کی چار قسمین ہین سب سے زیادہ بُری قسم وہ ہے جس مین قطعاً ثواب ور قصد مولا کا ارادہ نہو بلکہ صرف مخلوق کو دکھانے اور اُن مین منزلت پیدا کرنے کے لیے ہو مثلاً کوئی شخص لوگون مین ہو تو خوب نماز پڑھے اور تنہا ہو تو نہ پڑھے بلکہ اکثر بغیر طہارت کے لوگون مین نماز پڑھنے لگے ایسا شخص اللہ کے نہایت قہر و غضب مین ہے اور ایسا کام بالکل باطل ہے یہانتک کہ بعض نے کہا ہے کہ ایسی ریا کی نماز سے نمازی بری الذمہ نہین ہوتا اُسپر قضا واجب ہوتی ہے دوسری قسم وہ ہے جس مین ثواب کا ارادہ بھی ہو اور لوگون کو دکھانا بھی مقصود ہو مگر ریا کی جانب غالب ہو اور ثواب کا قصد ضعیف ہو اس حیثیت سے کہ وہ عمل جو سب کے سامنے کیا ہے اگر خلوت مین ہوتا تو محض ثواب کی غرض سے نہ کرتا پس یہ بھی پہلی قسم کے حکم مین ہے تیسری قسم یہ ہے کہ ریا اور ثواب دونون کا قصد برابر ہو اس طرح کہ جس کام مین نمود اور ثواب دونون باتین ہون اُنھین کے کرنے کی رغبت پیدا ہو اور جس کام مین دونون مین سے ایک نہو اُسکا قصد نہ کرے ظاہر یہ ہے کہ اس طرح کا جو کام اُس مین سود و زیان برابر ہون لیکن احادیث و آثار مین ایسے کام کی بھی مذمت آئی ہے اور نامقبول سمجھا گیا ہے اور اُس پر وعید وارد ہوئی ہے چوتھی قسم ریا کی وہ ہے جس مین ثواب کی نیت غالب ہو اور کام مین بمقابلے نمائش کے خوشنودی باری تعالیٰ کا زیادہ تر ارادہ ہو اس ریا مین نقصان ہے بطلان نہین یا ثواب و عذاب دونون موافق نیت کے برابر ہون اور ریا مین اسطرح بھی تفریق کیگئی ہے کہ اُسکا قصد کام کی ابتدا مین ہو یا درمیان مین عارض ہو یا کام کے بعد لاحق ہو جاے ان مین سے پہلی قسم بہت بری ہے دوسری قسم زیادہ بری نہین اور تیسری قسم بہت کم بری ہے ایسے ریا سے کام باطل نہین ہوتا اور جب ریا کا قصد و عزم مصمم ہو

وہ ریا بہت برا ہے اور جس کا فقط خطرہ ہو آگے اور کچھ نہو وہ ایسا برا نہیں محمود بن لبید سے احمد نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے ریا کو شرک اصغر بتایا ہے اور ابو سعید سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ریا کاری کی نماز فتنہ دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے اور شداد سے احمد نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے ریا کاری کی نماز و روزہ کو شرک قرار دیا ہے اور عمر بن خطاب کی روایت میں ہے کہ جناب سرور کائنات نے ادنی درجے کی ریا کو بھی شرک کہا ہے وکذا الف العجب اور یہی حال عجب کا ہے عجب عین مہملہ کے ضمہ اور جیم کے سکون سے خود بینی کو کہتے ہیں اصطلاح میں عجب یہ ہے کہ اپنے نفس کو اچھا سمجھے اور اپنے نفس کی صفات کو خوب جانے اور جب انکو ظاہر کرے اور انکے سبب سے لوگو نپر سبقت اور عظمت ڈھونڈھے اور حق فرمان برداری اور اس کے ماننے سے انکار کرے تو اسے تکبر اور استکبار کہینگے اور یہ عجب سے بڑھکر ہے عجب اور کبر اس وقت مین مذموم ہے جبکہ برخلاف واقع کے ہو اور جن صفات و کمالات کا دعوی کرتا ہو وہ اس مین موجود نہون اور بناوٹ سے اپنے کمالات جتاوے اور ایسے فضائل و کمالات کی وجہ سے عظمت و سبقت ڈھونڈھے جنسے اسکی ذات متصف ہو تو یہ مذموم نہین اسکے مقابل مین تواضع ہے یہ کبر و صغر مین متوسط ہے کبر یہ ہے کہ جو کچھ رکھتا ہو اس سے زیادہ کا دعوے کرے اور صغر یہ ہے کہ اپنے مرتبے سے بھی فروتنی کرے اور جس چیز کا استحقاق رکھتا ہے اسکو بھی ترک کرے اور تواضع یہ ہے کہ حد توسط و اعتدال پر قائم ہو۔ مشائخ صوفیہ نے جبکہ تکبر کی صفت نفس مین غالب دیکھی تو اسکے ازالے مین اتنا مبالغہ کیا کہ تواضع کی جگہ صغر کو اعتبار کر لیا تاکہ نفس مقام تواضع مین ٹھہرے لیکن تمام احوال مین کمال توسط اور اعتدال ہی ہے امام نے یہان صرف دو چیزون کو ذکر کیا ایک ریا دوسرے عجب اور اس سے زیادہ بیان نہین کیا تو یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دوسرے گناہ حسنات کو باطل نہین کرتے ہین بلکہ اللہ فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ تحقیق نیکیان گناہون کو دور کرتی ہین والآیات ثابتۃ للانبیاء اور انبیا کے لیے معجزات ثابت ہین منتہی کی شرح فقہ اکبر مین اسی طرح آیا ہے معجزہ ایک امر خلاف عادت یا خارق

تواضع و کبر و صغر

عادت اور برخلاف قانون قدرت ہے یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسباب پر مبنی ہو سرزد ہوتا ہے اور اس سے صدق دعوے نبوت کا اظہار مقصود ہوتا ہے بے شک غیر نبی کے واسطے نبوت کا ثابت ہونا بدون ظاہر ہونے معجزے کے ممکن نہین اور بعض کہتے ہین کہ معجزے کے معنے اپنے غیر مین عجز پیدا کرنے کے ہین اور انبیا کے صدق کی دلالتون اور رسولونکی نشانیون کو معجزہ اسلیئے کہتے ہین کہ امتی اس سے عاجز ہوتے ہین کہ انبیا کا مقابلہ اس معجزے کی مثل لاکر کرین اور بعض کہتے ہین کہ معجزہ ایسا خلاف عادت کام ہے جو مدعی رسالت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور تحدی کے ساتھ مقرون ہو اور تحدی یہ ہے کہ مدعی نبوت اپنے منکرون سے کہے اگر تمکو اس مین شک ہو تو تم بھی اسکی مثل لاؤ اور تحقیق یہ ہے کہ معجزے مین تحدی شرط نہین اسلئے معجزات حضرت رسالت پناہ سے ظاہر ہوتے تھے مگر تحدی اُس جگہہ نہ تھی لیکن یہ کہہ سکتے ہین کہ مراد یہ ہے کہ اُسکی شان سے تحدی ہو اور اس قید کی تقدیر پر مدعی رسالت کے ہاتھ سے وقوع کافی ہے پس کبھی یہ معجزہ مدعی نبوت سے ایک معمولی طور پر صادر ہوتا ہے اور کبھی اُسکے ساتھ نبوت کا دعوی بھی ہوتا ہے اور معجزے سے بہت سے فوائد ظاہر ہوتے ہین (۱) منکرونکو نبی کی تصدیق نصیب ہوجاتی ہے (۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہ کوئی خیر اور عام فائدے کی چیز ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام کا اپنی اُنگلیون سے پانی جاری کرکے ایک جم غفیر کو اُس پانی سے سیراب کرنا اور حضرت موسی کا بغیر پل کے بنی اسرائیل کو پار اُتار کر موذی سے نجات دینا (۳) معجزے سے مومنون کا یقین اور زیادہ مستحکم ہوجاتا ہے (۴) خدا اور اُسکے رسول کی عظمت لوگون پر ظاہر ہوجاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزے کو آیت کہتے ہین جسکے معنے علامت اور نشانی کے ہین سید احمد خان خواپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ آیت معجزے کے معنے مین نہین آتی یہ اُن کی غلط فہمی ہے آیت کا استعمال معجزے کے معنے مین قرآن مین شائع ہے اور ہم اُسکے اثبات کے لیے ایک آیت لکھتے ہین خداوند کریم حضرت عیسی کی طرف سے سورۂ آل عمران مین فرماتا ہے انی قد جئتکم بایۃ من ربکم انی اخلق

لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ وابری الاکمہ والابرص
واحیی الموتی باذن اللہ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم یعنی مین تمھارے
پاس تمھارے رب کی طرف سے معجزے کے ساتھ آیا ہون کہ تمھارے واسطے مین مٹی سے
جانور کی ہیئت بناتا ہون پھر اُس مین پھونکتا ہون مین تو وہ اُڑنے لگتا ہے اور مین اندھے
اور برص والے کو اچھا کرتا ہون اور مُردے کو زندہ کرتا ہون اور مین تمکو اُس چیز سے خبر دیتا ہون
جو تم گھر مین کھاتے ہو اور جو کچھ تم اُس مین ذخیرہ کرتے ہو (۵) کبھی اس سے منکرون کی تہدید اور
تعذیب مقصود ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت پکڑین پس گو اُنکے حق مین یہ معجزہ قہر آلہی ہے
مگر اورون کے لیے رحمت الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ انبیاؤن کی دعاؤن سے صورتون کا مسخ ہوجانا
یا ایک مٹھی کنکریون سے صدہا لوگون کی آنکھین بند ہوجانا اور یہان مطلب پر روشنی ڈالنے
کے لیے تین باتون کا بیان کرنا ضرور ہے (۱) خارق عادت جسپر معجزہ مبنی ہوتا ہے خاص
کسی ایک فن اور ایک چیز کے ساتھ خصوصیت نہین رکھتا بلکہ جو کام کہ اُسپر انسان اس حیثیت سے
کہ وہ انسان ہے قدرت نہ رکھتا ہو وہی خارق عادت ہے پس اگر کوئی شخص ایسی صنعت
یا حرفت یا کوئی آواز یا تحریر یا ان کے سوا کوئی اور چیز ظاہر کرے جس پر اُس کے سوا دوسرا آدمی
قدرت نہ رکھتا ہو وہی خارق عادت ہے کیونکہ کسی دلیل سے یہ بات ثابت نہین کہ معجزے کا
ظہور کسی خاص طریق اور خاص امر پر منحصر ہے اگر کسی خاص طریق سے خارق عادت کے صادر ہونیکو
معجزہ کہین نہ دوسرے طریق سے مثلا نصاری خاص اندھے کے بینا کرنے یا مُردے کو زندہ
کرنے کو معجزہ جانین اور دوسرے طریق سے خارق عادت کے ظہور کو معجزہ نہ سمجھین اور یہ شخص جو
خاص ایک ہی طریق سے خارق عادت کے صادر ہونے کو معجزہ سمجھتا ہے اور دوسرے طریق سے
صادر ہونے کو معجزہ نہیں مانتا اپنی اس تخصیص کے دعوے پر دلیل لائے اور دونون دلیلین برابر
ہون پس برابری کی صورت مین ترجیح محال ہے اور بدون ترجیح کے ان دونون دلیلون مین سے
ایک کو راجح اور فائق سمجھنا اور دوسری کو مرجوح کہنا خلاف عقل ہے پس دلیلون کے باطل ہونیکی

خارق عادت کسی خاص طریق مین منحصر نہین

صورت مین تخصیص باطل ہے اور مدعا یعنی تعمیم ثابت ہے اور بڑی دلیل تعمیم پر یہ ہے کہ ایسے مختلف اور جداگانہ طور سے انبیاء سے معجزون نے ظہور پایا ہے کہ عقل اُن کے خاص ہونے کو یقین کرتی ہے جبکہ سارے خارق عادات سے نبی ہونا مدعی نبوت کا سمجھا جاتا ہو تو تخصیص کی حاجت کیا ہے مثلاً مسیح عالم کے کہ مُردے کو زندہ کرنا اور اندھے کو بینا کرنا اور مبروص کو چنگا کرنا اور اسیطرح سے دوسرے معجزے جو حضرت مسیح سے صادر ہوئے ہین معجزے ہین اور دوسری قسم کے خارق عادات معجزے نہین تو لازم آتا ہے کہ عصا کو سانپ بنانا اور دوسرے معجزے کہ حضرت موسیٰ سے واقع ہوئے اور حضرت مسیح سے انکا ظہور نہین ہوا وہ معجزے نہون اس صورت مین موسیٰ علیہ السلام مسیحیون کے نزدیک نبی نہوسے حالانکہ مسیحی موسیٰ کی نبوت کے بھی قائل ہین پس اس تقریر سے معجزے کی تخصیص کسی خاص فن یا طریق کے ساتھ باطل ہوئی اور تعمیم ثابت ہوئی (۲) معجزے کو معجزہ جاننا دو وجہون سے متصور ہوتا ہے ایک تو اس جاننے والے کا ماہر فن اور عالم ہونا اُس صنعت و حرفت سے جس کی جنس سے وہ معجزہ گمان کیا جاتا ہو جیسے ساحر ہونا بہ نسبت اُن معجزات کے جو موسیٰ علیہ السلام سے صادر ہوئے یا طبیب ہونا بہ نسبت غالب معجزون حضرت مسیح کے یا راگ کے فن کا ماہر اور عالم ہونا بہ نسبت اس معجزے کے جو حضرت داؤد علیہ السلام سے صادر ہوا کہ کیونکہ معجزے کا دیکھنے والا جب تک عالم نہوگا تو وہ شخص قادر نہونا اس صنعت اور حرفت کے عالمون کا ایسے کام پر جو نبی سے صادر ہوا کیونکر سمجھے گا اور جب ایسا نہ سمجھے گا تو ایسے کار عجیب کو معجزہ کیونکر تصور کرے گا اور دوسری وجہ معجزہ پہچاننے کی یہ ہے کہ ایسے خلاف عادت عجیب کام کو جس فن کی جنس سے وہ صادر ہوا ہو اُس فن کے عالمون اور ماہرون کے اقرار کرنے اور باتفاق کہنے سے کہ یہ کام بے شک معجزہ ہے کسی صنعت و حرفت سے نہین معجزہ جان لین مثلاً جب کوئی شخص خود ساحر نہو اُس کو یہ جاننا ساحرون کے اس بات پر اتفاق کرنے سے کہ ایسا کام سحر کے فن سے ممکن نہین ہے حاصل ہوگا پس بالتحقیق عصا کا سانپ بن جانا معجزہ سمجھا جائے گا اور سحر نہ جانا جائیگا ساحرون کو تو اپنے عالم اور ماہر فن سحر ہونے کی وجہ سے اور غیر ساحرون کو ساحرون کے اقرار کرنے سے اس امر پر کہ یہ عجیب کام سحر سے نہین اُس کا معجزہ ہونا معلوم ہوگا اسلیئے کہ عقل

معجزے کو معجزہ جاننے کے طریق

اس بات کو تسلیم نہین کرتی کہ ایک گروہ کثیر ایک جھوٹی بات پر متفق ہو جاے اور جب ان دونون امرون مین سے ایک کو بھی نہ مانین تو سحر اور معجزے مین فرق کرنا ممکن نہوگا اسلیے کہ جو شخص سحر کے فن سے ناواقف ہوگا تو وہ اُس معجزے کو جو صورتون کے متبدل اور متغیر ہو جانے کی جنس سے ہوگا سحر سمجھے گا ایسے ہی علم طب کا نہ جاننے والا ہر ایسے معجزے کو جو تصرف فے الابدان کی جنس سے ہو گا جیسے مجذوم کا چنگا کرنا یا تپ کھونا یا مردے کا زندہ کرنا طب ہی سے ہونا گمان کرے گا پس اگر صاحب معجزہ آسمان کو زمین پر لے آئے یا زمین کو آسمان تک اُٹھا لے جائے تو اُس فن کے جاہل اور ناواقف سے یہ گمان ہرگز دور نہ ہوگا ہان اگر وہ شخص خود ساحر یا طبیب ہو تو بے مشقت اور بے تکلف جان لے گا کہ یہ کام جو مدعی رسالت نے کیا ہے معجزہ ہے سحر یا طب نہین اور اسی طرح جب اس قدر ساحر جن کے خطا پر متفق ہو جانے کا احتمال نہو متفق الکلمہ سب ایک ہی بات کہین اور اقرار کرین کہ یہ کام سحر اور طب سے نہین بلکہ معجزہ ہے تو اس صورت مین بھی ناواقفون کو اُس خارق عادت کے معجزہ ہونے کا علم حاصل ہو جاے گا پہلا طریق یعنی اس صنعت اور حرفت کے ماہر اور عالم کا خارق عادت کو معجزہ جاننا دوسرے طریق یعنی ماہران فن کے متفق الکلمہ کہدینے سے اقوے نہین بلکہ ان دونون طریقون مین سے ہر ایک کو ایک طرح کی قوت کی جہت حاصل ہے جو دوسرے طریق کو وہ جہت حاصل نہین اسلیے کہ اول دوسرے سے اس سبب سے قوی تر ہے کہ اُس مین بدون واسطہ غیر کے علم حاصل ہوتا ہے اور دوسرا پہلے سے اس وجہ سے قوی تر ہے کہ علم اُس مین ایک بڑی جماعت اور گروہ کثیر کے جن کا خطا پر متفق ہو جانا احتمال نہین رکھتا بالاتفاق کہنے اور اقرار کرنے سے حاصل ہوتا ہے پس غیر ساحرون اور غیر طبیبون کا حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی نبوت سے واقف ہونا دوسرے طریق سے ہوگا ساحرون اور طبیبون نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ عصا کا حضرت موسیٰ سے سانپ بن جانا اور برص والیکا حضرت عیسیٰ سے فی الفور چنگا ہو جانا سحر و طب نہین بلکہ معجزہ ہے اس لیے ہم نے دونون کی پیغمبری پر یقین کر لیا اگر ہمکو ایسا علم اجمالی نہوتا تو ہمکو اُن کے ساحر و طبیب ہونے کا احتمال ہوتا جیسے کہ اُن کے پیغمبر ہونے کا احتمال ہوتا

اور جبکہ دونون احتمال برابر ہوتے تو اُن کی پیغمبری اور رسالت ہمارے نزدیک یقینی اور جزمی
نہوتی ہم ان دونون احتمالون مین مذبذب رہتے کبھی خیال کرتے کہ سانپ بن جانا عصا کا حضرت
موسیٰ سے بسبب سحر کے ہے اور چنگا کرنا مسیح کا برص والے کو اور بینا کرنا اندھے کا طب سے ہے اور کبھی
خیال کرتے کہ شاید معجزہ ہے پس اگر اول ساحر لوگ حضرت موسیٰ سے ایسے ظاہر نشانون اور
معجزون کے دیکھنے کے بعد اُنپر ایمان نہ لاتے تو خداوند تعالیٰ کی حجت فرعون پر پوری نہوتی اور
وہ اُن کامون کے انکار کرنے سے جو حضرت موسیٰ لائے دنیا و آخرت مین عذاب کا مستحق نہوتا
کیونکہ اُسکی نظر مین سحر کا احتمال ہوتا لیکن جب اول ساحر موسیٰ پر ایمان لائے تو اُس وقت
اللہ تعالیٰ کی حجت فرعون پر پوری ہوئی اسلیے کہ اُن سب کا معجزے کے اقرار کرنے مین
خطا پر متفق ہوجانا محتمل نہ تھا اسلیے فرعون دونون جہان مین عذاب کا مستحق ہوا (۳) اللہ تعالیٰ
نے صنعت و حرفت کے جاننے پر معجزے کے علم اور تصدیق کو منحصر نہین رکھا ہے اور نہ ہر نبی پر
ہر فن والون کو جُدا جُدا معجزون کا دکھانا واجب ہوتا مثلاً لوہارون کو معجزہ لوہاری کا اور سُنارونکو
معجزہ سُناری کا اور موسیقی والون کو معجزہ موسیقی کا وغیرہ وغیرہ دکھانا پڑتا صنعتین اور حرفے بے
شمار ہین اس سبب سے اُن کا دکھانا دشوار بلکہ محال ہے اس صورت مین حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی نبوت ثابت نہوتی مگر ساحرون پر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بھی صرف طبیبونپر
ثابت ہوتی اور جبکہ موسیٰ علیہ السلام ساحرون اور غیر ساحرون کی طرف اور عیسیٰ علیہ السلام
طبیبون اور غیر طبیبون کی طرف مبعوث ہوے تھے تو اس صورت مین یا تو ایسے دشوار بلکہ محال
کام کرنے اُنکو واجب ہوتے یا نبوت اُن کی ناتمام رہتی اور جبکہ ہر ہنر اور صنعت اور حرفے کی جنس سے
جو دنیا مین ہین معجزے نہین دکھلائے تو یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات انبیاء کے ظاہر ہوجانے
مین اسی پر کفایت کی کہ جس سے اُس خارق عادت کے جو مدعی نبوت ظاہر کرے معجزہ ہونے مین
تصدیق ہوجاے برابر ہے کہ بدون واسطہ ہو یعنے اس فن کے ماہر کو خود معلوم ہوجاتا کہ یہ کام اُس
فن کا نہین بلکہ معجزہ ہے یا بالواسطہ ہو یعنی اُس فن کے عالمون کے اقرار کرنے اور متفق الکلمۃ

صنعت و حرفت کے جاننے پر معجزہ کا علم منحصر نہین

کہدیتے ہیں کہ یہ کام صنعت اور حرفت سے نہیں بے شک معجزہ ہے کس لیے کہ ان دونون طریقون مین بعثت انبیا سے جو کچھ مقصود ہے وہ حاصل ہوجاتا ہے یعنی دو باتین معلوم ہوجاتی ہین (الف) اس معجزے کا فاعل سچا نبی ہے جھوٹا دعوی کرنے والا نہین (ب) جو کام کہ مدعی نبوت نے کیا ہے معجزہ ہے حرفت اور صنعت نہین اور شک نہین کہ اغلب علم بالمعجزہ اسی دوسری قسم سے متعلق ہوتا ہے اور اغلب ہونا اس دوسرے طریق کا یعنی اس فن کے ماہرون کا بالاتفاق اقرار کرنا کہ یہ معجزہ ہے اس سبب سے ہوتا ہے کہ جب اُس نبی کا زمانہ گذرجاتا ہے اور اُس زمانے کے آدمیون مین سے جنھون نے بسبب مہارت اور اپنے علم کے اُس معجزے کا معجزہ ہونا جان لیا ہو جو کچھ باقی رہجاتے ہین تو پچھلون کو ان ہی اگلون سے یہ علم اور تصدیق حاصل ہوتی ہے بلکہ خود نبی کے زمانے مین بروقت ظہور معجزہ کے سارے آدمی جن کی طرف وہ نبی مبعوث ہوتا ہے مجلس معجزہ مین موجود نہین ہوتے بالضرور غیر حاضرین کو ان حاضرین کے بیان اور اقرار سے معجزون کی تصدیق حاصل ہوتی ہے جس سے اُس نبی پر ایمان لاتے ہین یہی وجہ ہے کہ ہدایت کا طریقہ اللہ تعالی کی طرف سے ہمیشہ ایسا ہی جاری رہا کہ ہر پیغمبر اور نبی اللہ کے زمانے مین جس علم اور عمل کی وجہ سے اُمت کو ضلالت ہوئی تھی وہی معجزہ اُس نبی کو خاصکر عطا ہوا جیسے حضرت موسیٰ کی قوم مین فن سحر کا زیادہ زور تھا تو اُنھین ابطال سحر کا معجزہ ملا اور حضرت عیسیٰ کی قوم مین فن طب کا چرچا تھا تو اُنھین شفاے امراض لاعلاج مثل برص حقیقی اور کور مادر زاد کا معجزہ عطا ہوا اور حضرت داؤد کی قوم مین موسیقی کا کمال تھا تو اُنھین ایسی خوش الحانی دی گئی کہ جس وقت زبور پڑھتے تھے تو وحوش اور طیور اور چارپاے اور درندے اُنکے پاس جمع ہوجاتے تھے اور ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہونچتا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم مین فصاحت وبلاغت پر بڑا فخر تھا تو اُن کا معجزہ فصاحت وبلاغت علاوہ اور معجزات کے ہوئی۔

سید احمد خان اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ معجزہ اثبات نبوت یا خدا کی طرف سے ہونے پر دلالت نہین کرتا کیونکہ اثبات نبوت کے لیے اول خدا کا وجود اور اُس کا متکلم ہونا ثابت کرنا چاہیے

پھر یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی طرف سے رسول و پیغمبر بھیجا کرتا ہے پھر یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جو شخص دعوی نبوت کرتا ہے وہ درحقیقت اس کا بھیجا ہوا ہے ہم پہلی دو باتون سے قطع نظر کرتے ہین کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید مین ایسے مقامات ہین اکثر اہل کتاب مخاطب ہین جو اُن دونون پہلی باتون کو مانتے تھے اور اسلیئے معجزات سے صرف تیسری بات کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے مگر وہ تیسری بات بھی معجزے سے ثابت نہین ہو سکتی خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب وقوع معجزہ کے منکر ہین اور ان کا جا بجا یہی دعوی ہے کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہین ہوتا ان دونون امرون کے ثبوت کے لیے کہ معجزہ اور خارق عادت واقع ہوتے ہین دوسرے معجزہ اثبات نبوت کی دلیل ہوتا ہے ہم دو باتین بیان کرتے ہین (۱) اس بات کی تحقیق کہ معجزہ ممکن بھی ہے یا نہین اس طرح پر ہے کہ کسی کام کا کرنا اُسکے فاعل کی قوت پر موقوف ہے پس جس قدر فاعل کی قوت ہوگی اُسی قدر فعل اُس سے قوی سرزد ہوگا یہ مقدمہ بدیہی ہے اس پر دلیل کی حاجت نہین اور اصل مبدء قوت کا اجسام اور جواہر مجردہ مین لطافت اور کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے یہی نکتہ ہے کہ خاک کی قوت سے پانی کی قوت اور پانی سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور آگ کی قوت اسکی لطافت کی وجہ سے سب سے زیادہ ہوتی ہے اسی لیے جنکے قوام بدن مین جونسا ہلکا جز زیادہ ہوتا ہے اُسکے موافق اُنکے افعال بہت قوی ہوتے ہین اور فرشتون کا مادہ اور بھی لطیف ہوتا ہے تو اُنکے افعال اُن سے بھی زیادہ قوی ہوتے ہین اور اسی طرح روح لطافت کی وجہ سے بشرطیکہ کثافت جسمانی اُسپر غالب نہو بڑے قوی اور نہایت عجیب و غریب کام کرتی ہے روحانی قوت کے آگے عالم عناصر و عالم اجسام علوی آفتاب و ماہتاب ستارے وغیرہ سب دست بستہ حاضر کھڑے رہتے ہین اُس روحانی قوت ہی کی وجہ سے چاند پھٹ جاتا ہے درخت بلانے سے چلے آتے ہین دو چار قطرے یا سیر آدھ سیر پانی اُس کے ہاتھ لگانے سے لشکر کو سیراب کر دیتا ہے حجر و شجر اُس سے کلام کرتے ہین اور اُسکے شوق مین روتے ہین وہ معدوم کو موجود اور موجود کو معدوم

معجزے کے امکان پر دلیل

کر دیتا ہے اور ظاہر بات کو پوشیدہ اور پوشیدہ کو ظاہر کر دیتا ہے اُس کی دعا قبول ہوجاتی ہے مسافت بعیدہ کو تھوڑے سے عرصے مین طے کر لیتا ہے اور جو باتین جس سے غائب ہون اُن سے آگاہ ہوجاتا ہے اور اُن کی خبر بیان کرتا ہے اور ایک وقت مین مختلف مقامون مین ظاہر ہوتا ہے اور مُردے کو زندہ اور زندہ کو مُردہ کرتا ہے اور کھانا پانی حاجت کے وقت بلا سبب بہم پہونچا دیتا ہے اور دریا پانی پر چلتا ہے اور ہوا مین اُڑتا ہے ایک عالم کے قلوب اُسکی طرف کھنچ آتے ہین اور ایسی چیزین کسی حکمت یا خواص اشیا سے نہین ہوسکتین چاند کا شق ہوجانا دریا کا کھڑا ہوجانا ایک دن کے بچے کا باتین کرنا مُردون کو زندہ کرنا پہاڑ کا سرک آجانا ایسی باتین نہین جو کسی حکمت یا خواص اشیا سے ہوسکین مگر اس روحانی قوت کے دو طور ہین ایک تو یہ عام طور کہ جس کو عادت کے موافق اور قانون قدرت کے مطابق کہتے ہین جیسا کہ پھرنا چلنا عمدہ عمدہ کلین بنانا طرح طرح کی صنعتین ایجاد کرنا جو عالم اسباب مین انسان سے واقع ہوتی ہین پس یہ طور تو کسی شرط تجرد وغیرہ پر موقوف نہین بلکہ بعض کام تو عالم کی جسمی کثافت ہی کی وجہ سے ظہور کرتے ہین کیونکہ جسم اُن کے لیئے شرط ہوتا ہے مگر در حقیقت یہ سب روح کے طفیل سے ہوتے ہین جب روح جسم سے تعلق اُٹھا لیتی ہے کہ جس کو عرف مین موت کہتے ہین تب کوئی کام نہین ہوتا دوسرا طور خاص ہے اور وہ یہ کہ روح کو جب کثافت جسمانی اور ظلمت ہیولانی سے نجات ہوتی ہے اور آثار تجرد اُسپر غالب آتے ہین تو اسکی قوت نہایت قوی ہوجاتی ہی پھر اُن سے وہ فعال سرزد ہوتے ہین کہ جو ظاہر اسباب و قانون قدرت کے برخلاف ہوتے ہین اور اس روحکی قوت اور تجرد کی دو صورت ہین ایک کم دوسرے زیادہ کم یہ کہ بسبب ریاضات و مجاہدات شدیدہ کے بدن کو نیم مردہ اور روحکو تازہ کیا جاتا ہے اسمین مومن کافر سب شریک ہین اُن سے بھی یہ خوارق عادات سرزد ہوجاتے ہین لیکن خوارق عادات نبی کیا اُس کے تبیع کے خوارق کی بھی برابر نہین ہوتے اور اُن کے مساوی یا مشابہ ہونے کا تو کیا ذکر البتہ ایسی مماثلت اور مشابہت ہوتی ہے کہ جیسے پیتل اور سونے مین یا چاندی اور قلعی مین یا بلور اور ہیرے مین زیادہ قوت روح کی یہ صورت ہے کہ روح ہمہ تن عالم قدس

اور ذات باری کی طرف متوجہ ہو جاوے اور پھر اُسپر وہان کے انوار ایسے ناقص ہون کہ جس طرح آئینے مین آفتاب کے انوار چمکتے ہین تب اُسکو مہدرکائنات خالق القوی رب العزت سے ایسی خاص مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح آگ کی صحبت سے لوہا سرخ ہو کر جلد بننے کے قابل ہو جاتا ہے اور پھول کی صحبت سے مٹی دماغ کو معطر کرنے کے لائق ہو جاتی ہے پھر تو عارف کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور اُسکی زبان خدا کی زبان اور اُس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے اور اسی مرتبے مین وحدت وجود کا راز کھلتا ہے اگرچہ خدا پاک اپنی ذات اور صفات مین جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے کوئی ممکن واجب نہین ہو سکتا لیکن عارف پر وجوب کا ایک ایسا پرتو پڑتا کہ اُسکے آثار اُس مین ظہور کرنے لگتے ہین تب اُس کا تصرف عالم مین ہونے مین لگتا ہے اور حقیقت مین وہ تاثیر و تصرف حق سبحانہ کی طرف سے اُس شخص مین ظاہر ہوتا ہے اور وہ درمیان مین نہین ہوتا حضرت ابراہیم نے آگ[ل] مین تصرف کیا اور حضرت موسیٰ[ع] نے پانی اور زمین مین تصرف کیا اور حضرت سلیمان[س] نے ہوا[ع] مین تصرف کیا اور حضرت داؤد[ف] نے معدن مین تصرف کیا۔ اور حضرت مریم[ع] نے نبات[ق] مین تصرف کیا اور حضرت عیسیٰ[ع] نے حیوان[ک] مین تصرف کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان[ل] مین تصرف کیا صاحب ہیاکل نے لکھا ہے کہ جب تو یہ دیکھتا ہے کہ گرم لوہا آگ سے ملنے کی وجہ سے اُس کے ساتھ مشابہ ہو جاتا ہے اور انگارا سا بن جاتا ہے اور جو فعل آگ کا ہے وہی یہ لوہا بھی کرتا ہے تو ایسے نفس سے متعجب نہونا چاہیئے جو نور الٰہی سے منور ہوا اور چمک گیا پھر مخلوق اُسکی اطاعت کرنے لگی انتہی یہ انسان کا کمال انتہائی ہے سو یہ مرتبہ انبیا کو اور اُن سے کچھ اُتر کر اُن کے متبعین اولیا کو نصیب ہوتا ہے

فلاسفہ کے دلائل خوارق عادات پر

فلاسفہ یونان بھی امور خارق عادات کے ظہور کے معترف ہین اُن کا بیان ہے کہ جب کسی آدمی کا بدن اُسکے نفس کا مطیع ہوتا ہے تو اُس کی اطاعت سے تمام عناصر کا ہیولے بھی اُسکے تصرف مین آجاتا ہے اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اُس سے کام لے سکتا ہے اور یہ بات کچھ بعید نہین ہے اس لیے کہ نفس انسانی بدن مین منطبع نہین ہے اور جو کچھ یہ نفس تصور کرتا ہے اُسی کے مطابق بدن مین اثر ظاہر ہوتا ہے چنانچہ خجالت اور خوف اور غصے کے وقت بدن فورًا سُرخ اور زرد اور گرم ہوجاتا ہے اور انسان دیوار پر چلنے سے گر پڑتا ہے کیونکہ اُسکو یہ خیال ہوتا ہے کہ مین اتنی بلند اور پتلی جگھہ پر چلون گا تو گرجاؤن گا حالانکہ زمین پر اس سے بھی کم عرض مین چل سکتا ہے بلکہ دوڑ لیتا ہے اور جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ نفس بدن مین منطبع نہین ہے اور اُسکے خیالات کے ساتھ بدن موثر ہوسکتا ہے تو یہ کسی طرح بعید نہین ہے کہ نفس نبی کو یہان تک قوت حاصل ہوجاے کہ ہیولاے عناصر عالم اُسکے ارادے اور خیالات کا تابع ہوجاے وہ جو کچھ چاہے اُس مین تصرف کرسکے یہان تک کہ اُسکے حکم سے آندھی اور زلزلہ آجاے آگ لگ جاے مخلوق ڈوب جاے ظالم اشخاص مرجائین اور بستیان تباہ ہوجائین بلکہ نبی کے علاوہ ایسے ایسے امور اکثر اُن لوگون سے بھی ظاہر ہوجاتے ہین جو بہت کچھ ریاضتین کرتے ہین

عقلاے یورپ

یورپ کے عقلا بھی اس بات پر خوب یقین رکھتے ہین بالخصوص عیسائیون کو تو اس مین کچھ چون وچرا ہی نہین کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے حواریون سے ایسے ایسے خوارق عادات سرزد ہونے کے قائل ہین اور اسی طرح یہود بھی انبیا سے معجزات کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے ہین

یہود و ہنود و حکماے فارس

بلکہ ہنود بھی اپنے اَوتارون اور ریشیون سے ایسے خوارق عادات بیان کرتے ہین اور حکماے فارس بھی اسکے مقر ہین اب اگر اس کا کوئی منکر نکلیگا تو غالبًا وہی کثافت جسمانی والا جسکی بڑی تحقیق انجن مین کوئلے جھونکنا اور دو چار مسائل فن طبعیات اور ریاضیات مین مہارت رکھنا بعض کلون کے کیل پرزے درست کرنا ہے ایسا شخص خدا کا بھی پورا قائل ہو تو کچھ تعجب نہین کیونکہ وہ باعتبار کمال انسانیت کے وحوش مین داخل ہے اور جو شخص اسلامیون مین اُسکے کل پرزونکی

معجزہ اثبات نبوت پر دلالت کرتا ہے

صنعت دیکھکر اُس کا مقلد بننے اور انکار کرنے لگے تو وہ اُس سے بھی بدتر ہے سید احمد خان جو نبونکو لوہار یا بڑھئی کے ملکے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہین شاید وہ انھین کل پرزہ سازون کو محقق بلکہ اور بھی جانتے ہین (۲) اس بات کی تحقیق کہ معجزہ اثبات نبوت پر دلالت کرتا ہے یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص بادشاہ کے سامنے علانیہ مجلس مین اہل دربار سے مخاطب ہوکر یون کہے کہ مین اس بادشاہ کی طرف سے ایلچی مقرر ہوا ہون اور پھر یہ بات بادشاہ سے مخاطب ہوکر یہ کہے کہ اگر یہ دعویٰ میرا سچ ہے تو اسکی تصدیق کے لیے تو کوئی نئی بات اپنی عادت کے خلاف ظاہر کر مثلاً تخت پر جس طرف ہمیشہ بیٹھنے کا معمول ہے اس وقت میرے کہنے سے وہان سے اُٹھکر دوسری طرف بیٹھ جاوے اس بادشاہ نے فوراً وہی کیا جو اُس نے کہا تو اس مین کچھ شک نہین کہ اُسوقت سب مخاطبین کو اُسکے ایلچی ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اگرچہ لوگون کے دلون مین احتمالات عقلی اسکے خلاف فرض ہو سکتے ہین مگر وہ اس یقین مین کبھی خلل انداز نہونگے یہ مثال جو ہم نے بیان کی ایک تمثیل ہے صورت تصدیق رسالت کی اسی طرح بعد ظہور معجزے کے رسالت کا یقین ہو جاتا ہے پس جس طرح بادشاہ کا فعل اپنی عادت کے خلاف ایلچی کی تصدیق کی نشانی ہے اسی طرح معجزہ رسالت کی نشانی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اژدہا کا عصا بن جانا اور جادوگرون کے سانپون کو نگل جانا اور اُنکے ہاتھ کا چمکدار ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا اور فرشتے کا حضرت مریمؑ پر آدمی کی صورت مین ظاہر ہونا اور اُن سے باتین کرنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہوتے ہی باتین کرنا اور پرند جانورون کی صورت بناکر پھر اُنکو زندہ کر دینا اور اندھون اور کوڑھیونکو چنگا کر دینا اور حضرت ابراہیمؑ کے واسطے آگ کا ٹھنڈا ہو جانا نہ جلانا یہ سارے امور معجزات اور خرق عادات ہین جو صریح آیات قرآن سے ثابت ہین علاوہ اسکے ہم کہتے ہین کہ تعجب یہ ہے کہ سید صاحب معجزات کو نبوت کی دلیل نہین سمجھتے اور قرآن اور توریت اور انجیل کی آیات کو خدا کی وحدانیت اور انبیا کی نبوت اور احکام شریعت پر دال سمجھتے ہین حالانکہ یہ اعتراض اُنکے معجزات کو نبوت کی دلیل ماننے مین وارد ہوتے ہین

لیکن آیات کو خدا کی وحدانیت اور انبیا کی نبوت اور احکام شریعت کی دلیل ماننے مین وارد ہوتے ہین اسلیئے کہ معجزہ تصدیق کرتا ہے اُس شخص کے دعوی کی جو معجزہ ظاہر کرتا ہے اور چونکہ معجزے کا ظاہر کرنے والا نبی ہوتا ہے اور اُس کا دعوی اظہار نبوت ہوتا ہے پس وہ دعوی ہی شامل ہے خدا کے موجود اور متکلم اور قادر اور مالک ہونے کو اور اس بات کو کہ وہ نبی بھیجا کرتا ہے اور معجزے کا ظاہر کرنے والا نبی ہے پس معجزے کا دلیل نبوت ہونا اس بات پر موقوف نہین کہ اُس سے پہلے یہ تینون امر ثابت کیے جائین لیکن کتب سماویہ کی آیتون کا امور مذکورہ پر دلیل ہونا البتہ اس امر پر موقوف ہے کہ اول خدا کا وجود اور اُس کا متکلم ہونا اور اُس مین اپنے ارادے سے کام کرنے کی قدرت ہونا اور اُس کا تمام بندون کا مالک ہونا ثابت کرنا چاہیئے پھر اس کا ثبوت چاہیئے کہ وہ پیغمبرون پر وحی بھیجا کرتا ہے پھر یہ ثابت ہونا چاہیئے کہ جو آیتین وہ پیش کرتا ہے خدا کی بھیجی ہوئی ہین اب اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلین کہ معجزے کا دلیل نبوت ہونا بھی ان تینون باتون پر موقوف ہے تب بھی جو جواب اُن کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا والکرامات للاولیاء حق اور کرامتین ولیون کی حق ہین اگر خارق عادت مقرون بالتحدی ہو یعنی اگر مجادلے اور معارضے اور مقابلے مین ظہور پکڑے تو وہ معجزہ ہے کہ مخالف کو اُسکی مثل کام کرنے پر عاجز کردیتا ہے اور اگر مقرون بالتحدی نہو وہ کرامت ہے ولی اُس شخص کو کہتے ہین جو اللہ تعالی کی ذات وصفات کا بقدر طاقت بشری عارف ہو اور ولی کی نشانی یہ ہے کہ زہد وتقوے اختیار کرے اور یاد حق مین ہمیشہ مشغول رہے خلاف طریقت وسنت کے کوئی کام نہ کرے اور لذات وشہوات مین منہمک نہ رہے اعتماد اُس کا خدائے کریم پر ہو ماسوائے اللہ سے بالکل قطع تعلق کیا ہو عشق ومحبت نے اُسکے ظاہر باطن مین بقدر تفاوت مراتب سرایت کیا ہو معتزلہ نے کرامت کا انکار کیا ہے اور استاد ابو اسحاق اشعری بھی معتزلہ کے موافق ہے اور ابوالحسین بصری معتزلی اور اُس کا شاگرد محمود خوارزمی کرامات اولیاء کے قائل ہین اور تمام اہل سنت کا اولیا سے کرامت کے جائز ہونے پر اتفاق ہے اور دلیل کرامت کے واقع ہونے پر قرآن اور احادیث اور تواتر اخبار ہے

صحابہ سے اور اُن سے کہ بعد اُن کے ہین اور یہ تواتر معنوی اس طرح کا ہے کہ اُسکے قدر مشترک مین وقت الطاف اور ترک عناد کے شبہہ اور انکار کی مجال نہین ہے معتزلہ کے شبہات حسب ذیل ہین

(۱) اولیا سے خرق عادت کے وقوع مین معجزے کے ساتھ اشتباہ ہوگا پھر اس صورت مین نبی اور غیر نبی مین تمیز کرنا مشکل ہوجائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کو نبوت کی علامت ودلیل بنایا ہے پس جب غیر نبی سے بھی یہ امر واقع ہونے لگے گا تو خرق عادت نبوت کی دلیل نہ رہے گی تو لازم ہے کہ خرق عادت غیر انبیا کو عطا نہو جواب کرامت مین معجزے کے ساتھ کچھ التباس نہین اسلیئے کہ معجزہ دعوے پیغمبری کے بعد ہوتا ہے اور ادعاے رسالت سے ولی فوراً کافر ہوجاتا ہے دوسرے خارق عادت کام جس سے ظہور مین آتا ہے تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ آدمی گناہون سے پاک اور بے لوث ہے پھر اگر خارق عادت کا ظہور مدعی رسالت کے ہاتھ پر ہو تو وہ معجزہ ہے اور اگر مدعی ولایت کے ہاتھ پر ہو تو کرامت ہے ولایت کی تصدیق کرے گا تیسرے معجزے کا معارضہ ممکن نہین اور کرامت کا معارضہ ممکن ہے چوتھے خرق عادت دلیل ہے صدق دعوے کی تو جب مدعی نبوت کے ہاتھ پر واقع ہوگا تو اُسکے نبی ہونے کی صداقت کرے گا اور اگر مدعی ولایت کے ہاتھ سے واقع ہوگا تو اُسکے ولی ہونے کی صداقت کرے گا پھر ولی کو خرق عادت حاصل ہونے مین نبوت کا کیا نقصان ہے یہ جواب اُن لوگون کی رائے کے مطابق ہین جن کے نزدیک ولی کو اپنی ولایت کا دعوی کرنا جائز ہے اور جن علما کی رائے یہ ہے کہ نبوت کے ساتھ دعوی نبوت کا شامل ہونا شروط ہے بخلاف ولایت کے کہ اُس کا دعوی جائز نہین اُن کے نزدیک معجزہ اور کرامت مین یہ فرق ہے کہ معجزہ دعوے نبوت کے بعد ہوتا ہے اور کرامت کے قبل ولایت کا دعوے نہین ہوتا اس وجہ سے کہ انبیا خلق کو کفر سے ایمان کی طرف دعوت کرنے کے لیے مامور ہین پس وہ معجزہ اسلیئے ظاہر کرتے ہین کہ ہمکو دعوے نبوت مین سچا جان کر ایمان لائین دعوے نبوت سے اُن کی غرض خلق کی رہبری ہوتی ہے نہ اپنی تعظیم و توقیر سو یہ دعوے صرف اس غرض سے کرتے ہین کہ لوگ ہم سے بھلائی کیجئے

اولیا سے خرق عادت کے شبہات

نبی اور ولی کے دعوے ولایت کا جواز یا عدم جواز

لئے جہالت اُنکی گمراہی اور ایمان سے محرومی کا باعث ہوگی پس اس مین بجز خلق پر اظہار شفقت اور
مہربانی کے ان کا ذاتی کوئی نفع نہین اور ولی کی ولایت سے اگر کوئی غافل رہے تو اُسپر کفر
عائد نہوگا اور نہ اُسکی واقفیت موجب ایمان ہے اور جب یہ بات ہے تو ولی کی غرض دعویٰ ولایت سے
یہی ہوگی کہ وہ اپنی تعظیم قائم کرے اور اپنا بڑا آدمی ہونا ظاہر کرے ورنہ جبکہ ولایت مفید خلق نہین تو
اُس کا دعوے کرنا کیا ضرور ہے اور جس چیز مین خواہش نفسانی کو دخل ہو اُس کا اظہار جائز نہین
خلاصہ یہ ہے کہ کرامت کا ظہور معجزے کے منافی نہین ہو سکتا کیونکہ اُسکے قبل دعوی ولایت نہین
ہوتا اور اسکے قبل نبوت کا دعوی شرط ہے (۲) بخاری و مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے
کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے مَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدٌ بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ
مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ مطلب اس کا یہ ہے کہ جتنا قرب الٰہی بندے کو ادائے فرائض سے
حاصل ہوتا ہے اتنا کسی دوسری چیز سے حاصل نہین ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ فرائض کے بعد جو کچھ
ریاضت اولیا کرتے ہین وہ سب نوافل مین داخل ہے جو فرائض سے کم ہے حالانکہ فرائض ادا کرکے
تقرب پانے والے کو تو کرامت حاصل ہوتی نہین جنھین نوافل کے ذریعہ سے قرب حاصل ہوگا اُنکو
کرامت کب حاصل ہوگی **جواب** یہ تو مسلم ہے کہ فرائض سے جو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے وہ
قرب نوافل سے اعلی ہے تو جو شخص صرف فرائض پر اقتصار کرکے قرب الٰہی حاصل کرتا ہے اُسکے
قرب کی بہ نسبت اُس شخص کا قرب اعلی و کامل ہوگا جو دونون کو ادا کرکے حاصل کرے اور بے شک
ولی جب ہی بنتا ہے جو فرائض و نوافل کی بجا آوری مین سرگرم ہو اور جس کو اللہ تعالےٰ کی جناب کے
ساتھ زیادہ تقرب ہوگا اُس کو ضرور کرامت حاصل ہوگی (۳) اللہ تعالی فرماتا ہے تَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ
إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ یعنی سواریان تمھارے بوجھ اون شہرون تک
اُٹھا لے چلتی ہین جن تک تم جان توڑ کر پہونچتے تو یہ کہنا کہ ولی مسافت دور و دراز کو ایک ذراسی
دیر مین طے کر لیتا ہے ناجائز ہے اسلیئے کہ آیت مذکور پر طعن لازم آتا ہے اور نیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے جب مکے سے مدینے کو ہجرت کی تو کئی دن مین اتنے رستے کو بڑے تعب کے ساتھ طے کیا

تو اس بات پر کیونکر یقین آسکتا ہے کہ ولی اپنے شہر سے ایک دن مین بلکہ آن واحد مین مقام حج
مین پہونچ جاتا ہے **جواب** یہ آیت خاص سفر متعارف کے باب مین آئی ہے اور کرامت
جو ہے وہ احوال نادرات مین سے ہے تو اس آیت کے عموم سے مستثنی ہوگی (۴۸) اگر کرامت
بعض اولیا کے ہاتھ سے ظہور مین آئے تو جائز ہے کہ کل اولیا کے ہاتھ سے بھی ظہور مین آئے اور
جبکہ کرامت کا ظہور کثرت کے ساتھ شیوع پاے گا تو خرق عادت نہ سمجھی جاے گی بلکہ موافق
عادت کے ہوجاے گی اور خرق عادت کا موافق عادت کے ہوجانا معجزہ اور کرامت کی شان
کے منافی ہے **جواب** اللہ تعالی کے مطیع اور ولی کم ہین جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَقَلِيلٌ
مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ یعنے میرے بندون مین شکر کرنے والے تھوڑے ہین اور جبکہ ایسے
لوگون کا وجود کم ہے تو اُن سے بہت کم اوقات مین خوارق عادات ظاہر ہونگے اور کمتر ظاہر
ہونے مین ایسے امور عادت کے موافق کیسے سمجھے جاسکتے ہین واما التی تکون لاعدائہ مثل
ابلیس وفرعون والدجال فما روی فی الاخبار انہ کان ویکون لھم فلا نسمیھا
آیات ولا کرامات ولکن نسمیھا قضاء حاجاتھم وذلک لان اللہ تعالی یقضی
حاجات اعدائہ استدراجا لھم وعقوبۃ لھم فیغترون بہ ویزدادون طغیانا
وکفرا وذلک کلہ جائز وممکن مگر وہ خوارق عادات جو اللہ کے دشمنون جیسے ابلیس و فرعون
و دجال کے ہین جیسا کہ حدیثون اور آثار مین آیا ہے کہ اُن سے صادر ہوے ہین اور ہونگے
ہم اُنکو معجزات اور کرامات نہین بولتے لیکن ہم اُنکو قضاے حاجات کہتے ہین اور یہ اسلیئے
کہ خدا اپنے دشمنون کی حاجات استدراج کے طور پر اُنکو آخرت مین عذاب دینے کے لیے
بر لاتا ہے پس وہ اس سے اپنے دل مین خوش ہوتے ہین اور زیادہ ظلم و کفر کرتے ہین اور یہ سب
جائز و ممکن ہے بعض نسخون مین طغیان کی جگہ عصیان کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ
گناہ و کفر مین بڑھتے ہین۔ یاد رکھو کہ تمام خوارق عادات دو طور پر ہوتے ہین (۱) وہ جو بدون
کسی ذاتی گناہ و اعمال مخصوصہ کی مزاولت کے ظہور مین آئین اور اسکی چھ قسمین ہین جو کچھ خرق عادت

نبی سے صادر ہوا اُسکو معجزہ کہتے ہین اور جو پہلے ظہور نبوت سے ظاہر ہوتے ہین اُنکو ارہاصات
بولتے ہین اور ارہاص کے معنی محکم کرنا مکان کا پتھر و مٹی سے سو تقریباً گویا کہ ارہاص مین امر
نبوت کا استحکام ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے جو خرق عادت قبل دعوے نبوت چالیس
برس کی عمر سے پہلے ظاہر ہوئی تھی جیسا کہ کسریٰ بادشاہ فارس کے ایوان کا گرجانا اور آتش کدہ
فارس کی آگ کا بجھ جانا اور حضرت کے سینہ کا شق کیا جانا اور دل کا دھویا جانا اور بادل کا حضرت
پر سایہ کرنا اور حجر و شجر کا آپ کو سلام کرنا کہ درحقیقت یہ کرامات ہین اُنکو ارہاصات کہتے ہین
معجزات نہین ہین لیکن عرف مین ان پر معجزات کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور جو کچھ عوام مسلمانون سے
ظاہر ہوا اُسکو معونت کہتے ہین اور جو کچھ اولیا سے صادر ہوا اُسکو کرامت کہتے ہین اور
یہ دونون چیزین اُنکے نبی کے واسطے معجزہ شمار کی جاتی ہین کیونکہ پیرو لوگون سے ایسے امور کا
ظاہر ہونا اُس نبی کی صداقت کے لیئے دلیل مین ہے اور دعوت نبوت کی قید سے یہ سب
قسمین نکل گئین یعنی ان قسمون کو معجزہ نہین کہتے کیونکہ معجزہ وہی خرق عادت ہے کہ دعوی نبوت
کے ساتھ ہو اور جو کچھ کہ کفار و فساق و شیاطین سے اُن کا غرور اور گمراہی زیادہ ہونے کے لیئے
خارق عادت اُنکی مرضی کے موافق ظاہر ہوا اُسکا استدراج کہتے ہین چنانچہ انس سے بخاری و مسلم نے
روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے بدن مین خون کی طرح دوڑتا ہے
اسی قبیل سے ہے شیطان کا ایک دم بھر مین ساری زمین پر پھر آنا اور ایک وقت مین سارے
مشرق و مغرب کے لوگون کو بہکانا اور عوارف المعارف مین لکھا ہے کہ جب فرعون دریاے
نیل کے کنارے چلتا تو جب کہ وہ چلتا تو نیل بھی بہنے لگتا اور جب کھڑا ہو جاتا تو اُسکا
پانی بھی کھڑا ہو جاتا اور شک نہین کہ یہ کرامت نہ تھی اگرچہ اُسکو اور اُسکی قوم کو یہی معلوم
ہوتا تھا کہ یہ محض قدرت اور عین اعجاز ہے بلکہ مکر الٰہی تھا اسلیے کہ اُن کا کفر راسخ ہوتا رہے
اور قبول ایمان سے محروم رہین اسی طرح دجال کا قیامت کے قریب مردے کو زندہ کرنا اور مینہ
برسانا اور جو کافر اور فاسق سے امر خارق عادت اُسکی مرضی کے خلاف ظاہر ہو اور جو دہ جائے

نبوت سے قبل آنحضرت کے خوارق

فرعون کے خوارق

اُسکے موافق ظاہر ہو تو اُسکو اہانت کہتے ہین جیساکہ مسیلمۂ کذاب سے کسی نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فلان شخص کی دُکھتی ہوئی آنکھ مین تھوکا تھا تو وہ اچھی ہوگئی اگر تو نبی ہے سو تو بھی ایسا کر اُس نے بھی تھوکا اُسکی صحیح آنکھ بھی اندھی ہوگئی اور مسیلمہ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ ہمارے پانی اور کھجورون کے باغ مین برکت ہو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی قوم کے لیے دعا کی ہے اور اُن کے کنوؤن کا پانی زیادہ ہوگیا ہے اُس نے پوچھا کہ محمد نے کیونکر دعا کی تھی عورت نے کہا کہ اُنھون نے ایک ڈول پانی کا منگایا اور اُسپر کوئی دعا پڑھی اور اُس پانی سے کلی کی اور پھر اُس ڈول مین ڈال دی اور ڈول کے پانی کو کنوئین مین ڈلوا دیا اُس کنوئین مین پانی زیادہ ہوگیا مسیلمہ نے بھی یون ہی کیا اور جس کنوئین مین وہ ڈلوایا اُس کا پانی تہ مین چلا گیا اور وہ کنوان خشک ہوگیا اور ایک آدمی نے اُس سے کہا کہ میرے بیٹے کے لیے دعا کر محمد بھی اپنے صحابہ کی اولاد کے لیے دعا برکت کی کرتے ہین اور اُس لڑکے کو اُسکے پاس لے گیا اُس نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہوگیا اور ایک لڑکے کو اُسکے پاس لیگئے اُس نے حلق مین اُنگلی ڈال کر تالو کو اُٹھایا وہ تُتلا ہوگیا اور ایک بار اُس نے ایک باغ مین وضو کیا اور اُسکے وضو کا پانی اُس باغ مین چھڑکا پھر کبھی اُس مین گھاس نہ جمی سہیلی نے روایت کی ہے کہ بنی حذیفہ کے ایک شاعر نے اُسکے مرثیے مین کہا ہے

؎ لھفی علیک ابا ثمامہ ۔ یعنے اے ثمامہ کے باپ مین تجھ پر مغموم ہوتا ہون ؎
لھفی علی رکنی یمامہ ۔ مین یمامہ کے دو ستون یعنی مسیلمہ اور اُسکی بیوی شجاع پر غم کھاتا ہون ؎ کم آیۃ لک فیہم ۔ تیری کتنی ایک نشانیان اُن مین ہین ؎
کالشمس تطلع من غمامہ ۔ مثل سورج کے کہ ابر سے نکلتا ہے سہیلی کہتے ہین کہ اُس شاعر نے جھوٹ کہا اسلیئے کہ اُسکی تمام نشانیان برعکس تھین ایک کنوئین مین اُس کا تھوک تبرک سمجھکر ڈالا اُس کا پانی میٹھا تھا کھاری ہوگیا اور ایک بار ایک آدمی نے اُس سے کہا کہ میرے دو لڑکے ہین اُنکے لیئے دعاے برکت کر اُس نے دعا کی جب وہ آدمی گھر گیا تو دیکھا کہ ایک لڑکے کا

مسیلمہ سے وہ خوارق عادات جو برعکس ظاہر ہوئے

تو کنوئیں مین گر پڑا تھا اور دوسرے کو بھیڑیا کھا گیا تھا اور ایک دودھ والی بکری پر ہاتھ پھیرا تو اس کا دودھ موقوف ہو گیا اور تھن خشک ہو گئے (۲) وہ خوارق عادت ہین جو اعمال مخصوصہ کی مزاولت اور اسباب خفی وجلی کی مباشرت سے ظہور مین آتے ہین اور یہ بھی چھ قسم پر ہین جن کی تفصیل یون ہے کہ جو امور عجیب وغریب اسباب خفیہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہین انکو سحر کہتے ہین اور جو بعض روحانیات کی مدد سے ظاہر ہوتے ہین اُن کا نام عزائم ہے اور جو قوائے سماوی یعنی ستارون کے ذریعہ سے ظاہر ہوتے ہین اُنکو دعوت الکواکب بولتے ہین اور جو قواے ارضی اور قواے سماوی کے ملانے سے پیدا ہوتے ہین اُنھین طلسمات کہتے ہین کیونکہ کائنات مین عجائبات ظہور مین آنے کے اسباب یہی قواے سماوی ہین مگر ان اسباب کی تاثیر کے لیے چند شرطین ہین کہ بسبب اُن شرائط کے قابل اُن عجائبات کے ظہور مین آنے کے لیے مستعد ہو جاتا ہے پس جو شخص قابل اور اسباب کے حالات سے واقف ہوتا ہے اور دونون پہ قدرت رکھتا ہے وہ جب ان اسباب اور شرائط کو ملاتا ہے تو عجیب وغریب حالات ظہور مین آتے ہین اور جو عناصر کے خواص سے واقع ہون اُنکو نیرنجات کہتے ہین اور جو ریاضت اور مشاقی اور کسی لاگ سے ایسی باتین ہو جائین تو اسکو حیل بولتے ہین مثلاً مسیلمہ نے ایک شیشے مین جس کا مُنھ تنگ تھا انڈا داخل کر دیا اور دعوی کیا کہ یہ میرا معجزہ ہے مگر یہ دعوے اُس کا باطل تھا اسلیے کہ اُس نے جس ترکیب سے انڈیکو داخل کیا تھا وہ یہ ہے نوشادر کو سرکۂ انگوری مین تر کر کے انڈے کو اُس مین ایک رات دن بھگونے سے ایسا نرم ہو جاتا ہے کہ جتنا چاہین پتلا کر سکین پھر شیشے مین ڈال کر اوپر سے سرد پانی ڈالنے سے سخت ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ ستہ راج مین تعلیم کو داخل نہین سحر تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور سحر کی حقیقت مین اختلاف ہے بعض کہتے ہین کہ صرف تخیل اور ایہام ہے کچھ حقیقت نہین رکھتا یعنی مسحور مین جو کچھ فعل وحال حاصل ہوتا ہے وہ صرف وہم وخیال اور بے حقیقت محض ہے ابو جعفر استرآبادی شافعی اور ابوبکر رازی حنفی اور دوسرے علما کی بھی

ناسے ہے اور نووی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اُسکی حقیقت ہے جمہور علما اسی پر ہین او قرآن
اور احادیث مشہورہ اسی پر دلالت کرتے ہین شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ محل نزاع یہ ہے کہ آیا سحر سے
شے کی ماہیت وحقیقت مین انقلاب آجاتا ہے یا نہین جو کوئی کہتا ہے کہ محض خیالی بات ہے وہ اُسکا منکر ہے اور
جو لوگ اُسکی حقیقت کے قائل ہین اُنمین باہم یہ اختلاف ہے کہ آیا مراد فقط تاثیر ہے جیسا کہ مزاج مین تغیر آجائے اُس
صورتمین ایک قسم کا مرض ہو جاتا ہے یا شے کی حقیقت بدلجاتی ہے جیسا کہ جماد حیوان یا حیوان جماد ہو جائے جمہور قول اول پر ہین اور
یہ جو بعض کہتے ہین کہ سحر کی کچھ اصل وحقیقت نہین یہ اُن کا مکابرہ ہے قرآن وحدیث سے برابر اُسکا
ثبوت پایا جاتا ہے وکان اللہ تعالیٰ خالقا قبل ان یخلق ورازقا قبل ان یرزق اور
علامہ ابن ہمام اس فقرے کو مسایرہ مین یون نقل فرماتے ہین کان تعالیٰ خالقا قبل
ان یخلق ورازقا قبل ان یرزق یعنی اللہ تعالیٰ مین خالقیت کی صفت مخلوق کے
پیدا کرنے سے پہلے تھی اور رازقیت کی صفت مرزوق کے پیدا کرنے سے قبل تھی اسی طرح
وہ ازل مین رب تھا اور مربوب موجود نہ تھے جیسے آدمی مین سخاوت کی صفت ہے اگرچہ
کوئی لینے والا نہو اور یہ محدثات کی صفات مین سے ہے کہ اُنکو مباشرت فعل سے پیشتر فاعل
نہین کہتے ہین یہ مطالب اوپر آچکے ہین شاید امام نے اسلیئے مکرر بیان کیا کہ لوگ اس بات کو
بخوبی سمجھ لین کہ یہ معتقد صحیح ہے زرکشی نے کہا ہے کہ خدا پر خالق اور رازق کا اطلاق خلق اور
رزق کے پیدا کرنے سے قبل بطور حقیقت کے ہے کیونکہ اگر ہم ان صفات کو حادث اور
مجازی مانینگے تو ان کی نفی بھی جائز ہوگی حالانکہ یہ کہنا کہ خدا ازل مین خالق یا رازق نہ تھا
نہایت بُرا ہے واللہ تعالیٰ یری فی الاخرۃ اور اللہ تعالیٰ آخرت مین دکھائی دیگا
یہ مسئلہ معرکہ آرا ہے اہل سنت کے ساتھ تمام اہل اسلام کو اس معاملے مین اختلاف ہے اگرچہ
مجسمہ اور کرامیہ کے مذہب کے مطابق رویت الٰہی جائز ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کیلیے جسمیت ثابت
کرتے ہین بخلاف اہل سنت کے اور کلام اس مین ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ نہ وہ جسم ہو اور نہ جزو جسم
کیا اُسکا دیکھنا جائز ہے اور جو چیز نہ رنگین ہو نہ روشن ہو کیا اُسکا دیکھنا ممکن ہے سو یہ مسئلہ

ایسا ہے کہ تمام اہل اسلام اس مین اہل سنت کے خلاف ہین اور جواز رویت مین حق تعالی کے
دیداری مین اور بصر سے دو قول ہین اُستاد ابوالقاسم قشیری صاحب رسالہ فرماتے ہین کہ قول
صحیح عدم جواز ہے اور دوسرا قول جواز اور امکان سے خبر دیتا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام نے جب
رویت الٰہی کا سوال کیا اور اُن کی قوم نے دیدار الٰہی چاہا تو اُنھون نے اُنکو منع نہ کیا اور یہ نہ کہا کہ
واللہ تعالیٰ کی رویت ممتنع ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت دنیا مین بھی
ممکن ہے اور اللہ نے جو حضرت موسیٰؑ کے جواب مین کہا تھا لن ترانی تو مجھکو ہرگز نہ دیکھے گا
یہ نفی کا خطاب جریان عادت الٰہی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ رویت الٰہی ممکن نہین پس
موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت کرنا ہمارے لیے اس بات کی حجت ہے کہ دنیا مین رویت
الٰہی جائز ہے اسلیئے کہ انبیا ہم حق بات کو بخوبی جانتے ہین اگر رویت الٰہی محال ہوتی تو حضرت موسیٰؑ
کی مسئلہ دینی سے غفلت ثابت ہوتی اور ایسی غفلت حضرات انبیا سے محال ہے
اور اگر حضرت موسیٰؑ رویت الٰہی کو محال جانکر سوال کرتے تو سفاہت لازم آتی اور سفاہت سے
انبیا منزہ ہین اور اسی وجہ سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات مین
اختلاف کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج مین اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہین عائشہ صدیقہؓ اور
ایک جماعت صحابہ اور سلف سے نفی کی جانب ہین اور بعض صحابہ کو اس قول کے ساتھ
اختلاف ہے اور یہ رویت کے قائل ہین چنانچہ ابن عمر اور ابن عباس اور انس اور کعب احبار کا
یہی قول ہے اور حسن بصری اور زہری اور معمر بھی رویت کے قائل ہین اور اشعری
کا بھی یہی قول ہے اور اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جب کوئی صحابی ایک قول
بیان کرے اور دوسرا صحابی اس قول کی مخالفت کرے تو وہ قول حجت نہین ہوتا اور مسلم نے
ابوذر سے روایت کی ہے کہ انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رویت پروردگار کا
حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا نورٌ انّٰی اراہ یعنی وہ نور ہے مین اُسے کیونکر دیکھون
یہ حدیث معارض دوسری حدیث کے ساتھ جس مین واقع ہے رأیتُ نوراً یعنے

دنیا مین رویت الٰہی

آنحضرت کے شب معراج اللہ کو دیکھنے مین صحابہ مین اختلاف ہے

مین نے نور کو دیکھا اور امام احمدؒ سے بھی اثبات رویت منقول ہے اور جب امام موصوف سے
کہا گیا کہ ہم کسی چیز سے حضرت عائشہ کے قول کو دفع کرین تو جواب دیا کہ پیغمبر علیہ السلام کے
قول سے کہ فرمایا ہے رایت ربی یعنی مین نے اپنے رب کو دیکھا عائشہ کا قول دفع ہو سکتا ہے کیونکہ پیغمبر کا قول اُنکے
قول سے زیادہ وثوق کے قابل ہے شیخ محی الدین نووی نے کہا ہے کہ اکثر علما کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ
آنحضرت صلعم نے پروردگار کو سر کی آنکھون سے دیکھا اور کہا ہے کہ اثبات اُس کا پیغمبر خدا سے سوا
سُننے کے نہین ہو سکتا اور حضرت عائشہؓ نے اُس کے انکار مین حدیث سے تمسک نہین کیا اور
کچھ سُنکر حضرت سے روایت نہین کیا بلکہ وہ اُن کا استنباط و اجتہاد دو آیتون سے ہے اُن مین سے
ایک یہ ہے ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب یعنی کسی آدمی کی
طاقت نہین کہ اللہ سے باتین کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردے کے پیچھے سے دوسرے یہ کہ
لا تدرکہ الابصار یعنے نظرین اُسکا ادراک نہین کر سکتین جواب اسکا یہ ہے کہ پہلی آیت
مین اس بات کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ کسی سے رویت کی حالت مین کلام نہین کرتا اور اس سے
لازم نہین آتا کہ کوئی اللہ کو بغیر کلام کے نہ دیکھ سکے اور دوسری آیت مین تاویل اس طرح ہو سکتی
ہے کہ ادراک اس طرح سے دیکھنے کو کہتے ہین کہ تمام چیز معلوم ہو جائے کوئی جانب باقی نہ رہے
پس اس طرح کے دیکھنے کی نفی سے مطلق دیکھنے کی نفی نہین سمجھی جاتی رویت کی دو قسمین ہین ایک
احاطے کے ساتھ دوسری بغیر احاطے کے آیت مذکور مین پہلی قسم کی نفی ہے جیسے تمام علم کا احاطہ نہ ہونے
سے عدم علم لازم نہین آتا اور بعض نے یون کہا ہے کہ ادراک رویت سے خاص ہے پس ادراک کی نفی سے
رویت کی نفی لازم نہین آتی کیونکہ ادراک حقیقت کے جان لینے کو کہتے ہین اور وہی منفی ہے اور
یہ ہو سکتا ہے کہ کسی شے کی رویت حاصل ہو اور اُسکی حقیقت پر اطلاع نہ ہو سکے جیسا کہ چاند کو
دیکھتے ہین اور اُسکی حقیقت وکنہ کا ادراک نہین کرتے مصباح الہدایت مین لکھا ہے کہ اللہ کی
رویت ممکن ہے اور ادراک متعذر اور بعضون نے اس مسئلے مین کہ آنحضرت صلعم نے اللہ کو دیکھا
تھا یا نہین توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی جانب مین دلیل واضح نہین اور جمہور اثبات کی جانب ہین

... مین فرق - ادراک کیا ہے

اور اجماع محدثین اور فقہا اور متکلمین اور مشائخ طریقت کا اسپر ہے کہ اولیا کو رویت مذکورہ حاصل
نہین ہے صاحب تعرف کا قول ہے کہ ہم کسی کو مشائخ سے ایسا نہین جانتے کہ اُس نے اس کا
دعوی کیا ہو اور کسی سے اس کی صحت پہونچی ہو مگر جہلا جنکو کوئی جانتا نہین وہ اُس کا دعوی کرتے
ہین کہ ہمنے حق تعالے کو بیداری مین اور بصر سے دیکھا ہے اور مشائخ کو اسکے مدعی کی تکذیب و
تضلیل پر اتفاق ہے [illegible] جب اللہ تعالے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے پس وہ ان جواہر سے
جو خاص جوہر اور اعراض کے دریافت کے واسطے مخصوص ہین ہرگز محسوس نہین ہو سکتا ہے
بلکہ بعض جواہر لطیفہ بھی لطافت کے سبب سے آنکھ سے نظر نہین آتے ہین جیسا کہ ہوا لطافت کے
سبب دکھلائی نہین دیتی ہے حالانکہ اُسکے موجود ہونے مین کسی کو بھی شک نہین ہے پس اس
طرح ممکن ہے کہ وہ لطیف جو سب سے ہے جوہر ہی نہین ہے سب حواس سے محسوس نہو سکے
اور بدون چشم باطن کے دنیا مین نظر نہ آسکے ویراہ المومنون وہم فی الجنۃ باعین رؤسہم
اور اسکو مسلمان جنت مین سر کی آنکھون سے دیکھین گے دلائل سمعی رویت الٰہی کے بارے
مین بہت سی ہین قرآن مین آیا ہے وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ کئی منہ تازے
ہین اُس دن اپنے رب کی طرف دیکھتے بغوی نے شرح السنۃ مین لکھا ہے کہ کسی نے مالک بن انس
سے الی ربہا ناظرۃ کی تفسیر دریافت کرکے کہا کہ بعض فرقے جیسے معتزلہ وغیرہ کہتے ہین کہ
آیت مذکور مین ثواب پروردگار کی طرف دیکھنا مقصود ہے نہ اُسکی ذات کی طرف مالک نے
جواب دیا وہ جھوٹے ہین اُنکی عقل کہان گئی کہ اتنی غفلت مین مبتلا ہین اور خدائے تعالی کے
اس قول پر غور نہین کرتے جو کفار کی شان مین ہے کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون یعنی
تحقیق کفار پروردگار کے دیکھنے سے منع کیے جائینگے اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے
کہ مومن غیر محجوب ہونگے بلکہ قیامت کے دن اللہ تعالی کی طرف اپنی آنکھون سے دیکھینگے
اگر مسلمان اپنے پروردگار کو اُس دن نہ دیکھتے تو کفار کو دیدار حق سے محجوب ہونیکی عار نہ دلائی
جاتی کیونکہ عار دلانا اُسی حالت مین صحیح ہے کہ مسلمان نعمت دیدار سے محظوظ و مخصوص ہون اور

یہ محروم و مخذول رہین اور اگر مومن بھی محجوب ہون تو پھر کافرون کو سرزنش کیون ہو جریر بن عبداللہ
سے صحیح بخاری و مسلم مین مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انکم ستروں ربکم
یوم القیامۃ کما ترون ہذا القمر لیلۃ البدر یعنے تم اپنے رب کو قیامت کے دن
اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو چودھوین شب مین دیکھتے ہو اور ابن عمر سے
احمد و ترمذی نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے اہل بہشت کے حق مین فرمایا کہ اللہ کے
نزدیک اُن مین سے بہت مکرم ہو گا جو اُسکے منھ کو صبح و شام دیکھے گا سلف کا اجماع اسپر
ہو گیا ہے کہ یہ نصوص اور مثل اسکے اپنے ظاہر ہی پر محمول ہین چنانچہ سورہ یونس کی اس
آیت کی تفسیر مین للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ یعنی جنھون نے بھلائی کی ہے اُنکے
لیے بھلائی ہے اور بڑھتی خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الزیادۃ الرویۃ یہ
حدیث حضرت علی اور حسن اور محمد باقر رضی اللہ عنہم سے مرفوعًا و موقوفًا مروی ہے اور صہیب
مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا جس وقت بہشتی بہشت مین داخل ہو نگے
اللہ تعالیٰ اُن سے فرماوے گا تم کچھ زیادہ چاہتے ہو کہ مین تم کو دون بہشتی جواب دینگے کیا تو نے
ہمکو دوزخ کی آگ سے نجات دیکر بہشت مین داخل نہین فرمایا ہے پس اس سے کیا زیادہ ہو
حضرت نے فرمایا کہ اسوقت دیکھنے والون کی آنکھون سے پردہ اُٹھا دیا جائیگا پس وہ اللہ
کے منھ کی طرف دیکھینگے بہشتیون کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہو گی پھر حضرت نے
یہ آیت پڑھی للذین احسنوا الحسنیٰ و زیادۃ اخبار صحیح اور صریح آخرت مین دیدار الٰہی کے
ثبوت پر بہت ہین اور درجہ تواتر کو پہونچ گئی ہین بلا تشبیہ یعنی اللہ کا دیدار بغیر تشبیہ کے ہو گا کیونکہ
کوئی شئے کسی وصف مین اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہین ہے پس اُسکی رویت کسی شئے کی
مشابہت کے مطابق نہو گی بخلاف مشبہ کے کہ یہ لوگ کہتے ہین کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے
ساتھ مشابہ ہے اسی لیے جناب باری کی تمثیل محدثات کے ساتھ دیتے ہین اور اہل سنت کے
نزدیک اللہ کسی شئے کے مشابہ نہین تو اُس کا دیدار بھی بغیر تشبیہ کے ہو گا و لا کیفیۃ اور

اُس کا دیدار کسی کیفیت کے ساتھ ہوگا کیونکہ وہ کسی کیفیت سے متصف نہیں مطلب یہ ہے
اللہ کوئی رنگ نہیں رکھتا ہے اسلیئے وہ کسی رنگ مین مرئی نہوگا کیونکہ رنگ اجسام کے
صفات مین سے ہے اور اللہ تعالے جسمیت سے منزہ ہے اور جو چیز نہ جسم ہو نہ جسمانی
اس کا صفات جسم مین مرئی ہونا محال ہے (ولا کمیۃ) اور نہ اللہ کا دیدار کسی کمیت کے ساتھ
ہوگا کیونکہ اللہ تعالی کمیت سے منزہ ہے اسلیئے کہ خدا کے واسطے نہ نہایت ہے اور نہ طرف
ہے اور نہ وہ محصور ہو سکتا ہے اور جب یہ بات نہیں تو وہ کسی شکل وصورت پر مرئی نہوگا
(ولا یکون بینہ وبین خلقہ مسافۃ) اور نہ رویت کے وقت خدائے تعالی اور اُسکی مخلوق
یعنی دیکھنے والے کے درمیان کوئی مسافت ہوگی مسافت لغت مین دوری کو کہتے ہین اور
یہان مراد جہت اور مکان اور مقابلہ ہے یہ تمام رد ہے معتزلہ کا جنکے نزدیک رویت الٰہی محال
ہے اور کہتے ہین کہ رویت کےلیے شرائط درکار ہین سلامتی حاسے کی اور مرئی کا جسم دار و
کثیف ورنگین ہونا اور رائے ومرئی کے درمیان مسافت متوسط کا ثابت ہونا اسطرح کہ نہ نہایت
دور ہو اور نہ بہت نزدیک اور دونون کا متقابل ہونا اور دونون کے درمیان حجاب کا نہونا
اور کسی مکان اور جہت مین ہونا اہل سنت کہتے ہین کہ یہ چیزین شرائط عادی ہین اسلیئے
ان کا ہر جگہ ہونا ضرور نہیں درحقیقت سوائے وجود رائی ومرئی کے اور کوئی شرط نہیں ہے اگر یہ شرطین
رویت کےلیے لازم ہون تو چاہیئے کہ اللہ تعالی کے ممکنات کو دیکھنے سے بھی انکار کرین اسلیئے
کہ حق تعالی حاسے سے منزہ ہے اور نہ اللہ تعالی اور بندے کے درمیان مسافت متوسطہ
ہے اللہ تعالی اجسام کثیفہ واجسام لطیفہ وارواح سب کا بصیر ہے اور جبکہ اللہ تعالی کا بدون
بعض شرائط مذکورہ کے ممکن کو دیکھنا ثابت ہوا تو رویت بندے کی خالق کو بھی دوسرے شرائط
کے منتفی ہونے پر جائز ہو سکتی ہے اور معتزلہ نے جس قدر شرطین بیان کی ہین یہ اجسام متلون
یا اعراض اجسام کے لیے ہین نہ اُس چیز کے واسطے جو مادے سے بالکل مجرد ہے پس قیاس
شاہد کا غائب پر درست نہیں وہان ان شرائط کا ہونا کیا ضرور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے

حسن العقیدہ مین جو کچھ اس مسئلہ خاص کی بابت لکھا ہے وہ نہایت محققانہ کلام ہے آپ فرماتے ہین کہ اللہ تعالیٰ کو مومنین قیامت مین دو طریقون کے ساتھ دیکھ سکتے ہین ایک ان دونون مین سے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ مومنون پر منکشف ہو جاوے اور یہ انکشاف اُس تصدیق سے بھی اچھا ہو جو عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی پس گویا یہ انکشاف ہی نظر کے ساتھ دیکھنا ہے مگر یہ بات ہے کہ ایسا دیکھنا بغیر برابری اور مقابلے اور جہت اور رنگ اور شکل کے ہوگا اور اس طریقے کو معتزلہ وغیرہ نے بیان کیا ہے اور یہ طریقہ سچا ہے اور سوا اسکے نہین کہ اُنھون نے رویت کو اس معنے کے ساتھ تاویل کرتے ہین یا اس معنے مین رویت کو منحصر کرنے مین خطا کی ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنون کے لیے بہت سی صورتین قبول کرے جیسا کہ احادیث مین مذکور ہے پس مومنین اللہ تعالیٰ کو اپنی نظرون سے شکل اور رنگ اور مواجہہ مین دیکھین گے جیسا کہ یہ واقعہ خواب مین پیش آتا ہے اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے رایت ربی عز وجل فی احسن صورۃ یعنے مین نے اپنے پروردگار کو نہایت اچھی صورت مین دیکھا جیسا کہ دارمی نے عبد الرحمن بن عائش سے مرسلاً روایت کی ہے پس مومن آخرت مین اللہ کو ایسا بالمشافہہ دیکھینگے کہ دنیا مین اُس طرح خواب مین نہین دیکھتے ہم یہی دو طریقے جانتے ہین اور ان دونون پر ہمکو یقین ہے اگر اللہ اور اسکے رسول نے ان طریقون کے سوا کوئی اور طریقہ ارادہ کیا ہو تو ہم اُسپر بھی ایمان لاتے ہین اگرچہ ہم خاص اس مراد سے واقف نہین بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ جو بزرگون سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بے کیف و بلا مقابلہ و مواجہہ ہوگا مخالف احادیث صحیحہ کے جن مین صورتون کا دیکھنا فرمایا ہے نہین کیونکہ حشر کے میدان مین دیدار الٰہی صورت کے ساتھ ہوگا اور بہشت مین داخل ہونے کے بعد بے صورت کے یا یہ کہ بعض اوقات مین کیفیت اور مقابلے کے ساتھ اور بعض وقت مین بلا کیفیت اور بغیر مقابلے کے ابن ماجشون نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو قیامت کے روز جو صور مختلفہ مین دیکھینگے اُسکے یہ معنی نہین ہین کہ فی الحقیقۃ خداوند صور مختلفہ مین صورت پذیر ہوگا بلکہ فقط آدمیونکی

معتزلہ کی دلیل رویت الٰہی کی نفی پر۔ پہلا جواب

رویت کے اعتبار سے صور مختلفہ مین دیکھا جاتا آیا ہے معتزلہ کی ایک دلیل رویت الٰہی کی نفی پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ اپنی مدح کے لیئے فرمایا ہے تو مدح جب ہی ثابت ہو سکتی ہے کہ کوئی اُسکو نہ دیکھ سکے اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فی ذاتہ ممتنع الرویۃ ہوتا تو اُسکی مدح نفی کے ساتھ درست نہوتی کیا تم نہین دیکھتے کہ معدوم کی رویت صحیح نہین اور خیال کرو کہ جو چیزین رویت کی صلاحیت نہین رکھتین جیسے علم اور قدرت اور ارادہ اور بو اور مزہ تو انکی مدح بھی رویت کے ساتھ نہین کی جاتی اور نہ اُنکی عدم رویت کے بیان کرنے سے کوئی انکی مدح نکلتی ہے کیونکہ نفی اُسی وقت مدح کا فائدہ دیتی ہے کہ کسی صفات مدح مین سے کسی صفت ثابت کی نفی کی جاے پس ثابت ہوا کہ یہ قول تمدح کے لیئے ہے اور اس سے مدح کا فائدہ جب ہی پیدا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جائز الرویۃ ہو اور پھر نظرون پر حجاب پیدا کردے کہ اُسے نہ دیکھ سکین اگر کوئی کہے کہ پتھر کو نہ کبھی نیند آتی ہے نہ اونگھتا ہے تو اس سے اُس کی مدح پیدا نہوگی کیونکہ وہ سونے اور اونگھنے کے قابل ہی نہین مگر باری تعالیٰ کے حق مین یہ مدح ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ تمام معلومات کا عالم ہے کسی وقت اُس مین تبدل و زوال نہین ہوتا نتیجہ جواب کا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا جائز الرویۃ و صحیح الرویۃ ہونا ثابت ہے اور جب یہ ثابت ہوا تو مومنین کے لیئے اُس کا دیدار قیامت مین ہونا بھی صحیح ہے اسلیئے کہ رویت الٰہی کے بارے مین اہل اسلام مین دو قسم کے لوگ ہین (۱) اہل سنت تو کہتے ہین کہ اللہ تعالیٰ جائز الرویۃ ہے اور مومنین اُسکو قیامت کے دن دیکھین گے (۲) مخالفین اہلسنت کہتے ہین کہ نہ وہ جائز الرویۃ ہے اور نہ مومنین اُسکو دیکھ سکتے ہین اور اس بات کا کوئی قائل نہین کہ وہ جائز الرویۃ تو ہے مگر مومنین اُسکو قیامت مین نہ دیکھین گے۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب مان لینے کے بعد کہ اللہ تعالےٰ کو کوئی نگاہ نہین دیکھ سکتی یہ ہے کہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی اور ایسا حس پیدا کردے جس کے ذریعہ سے مومن اُسے دیکھین اور وہ دیدار الٰہی کے لیے قوت باصرہ کا قائم مقام ہو اور چونکہ وہ قوت بصر کا قائم مقام ہوگا اسلیے اُسکو بصر کے ساتھ

تعبیر کرتے ہین جیسا کہ ضرار بن عمر کوفی نے کہا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا
دیدار قیامت کو چھٹے حس کے ذریعہ سے ہوگا اور اس نظر سے نہین دکھائی دے گا یہ آیت
صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالے کو بصر کے ساتھ نہ دیکھ سکین گے مگر اس سے
یہ لازم نہین آتا کہ کسی اور طرح بھی نہ دیکھ سکین اس صورت مین معتزلہ کو عدم رویت الٰہی پر اس

تیسرا جواب

آیت کے ساتھ دلیل لانے مین کوئی فائدہ نہین تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت
نہین ہوتا کہ عموماً آدمی اُسکو نہین دیکھین گے اسلیے کہ عام کی نفی کرنا اور ہے اور نفی کا عام ہونا اور
ہے بلکہ دلیل ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ لا تدرکہ الابصار صرف عموم کی نفی کا فائدہ دیتا
ہے اور عموم کی نفی کرنے سے خصوص ثابت ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ ابصار جمع کا صیغہ ہے اور
الف لام اُس پر استغراق کے لیے ہے یعنی تمام ابصار اُسکو نہین دیکھ سکتین تو اس سے یہ لازم آیا
کہ بعض ابصار اسکو دیکھ سکتی ہین جیسے کہتے ہین کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تمام آدمی ایمان نہین لائے

چوتھا جواب

تو اس سے یہ نکلتا ہے کہ بعض آدمی اُن پر ایمان لائے ہین چوتھا جواب یہ ہے کہ جمع کا صیغہ جسطرح
استغراق کا فائدہ بخشتا ہے اسی طرح معہود سابق پر دلالت کرتا ہے اس صورت مین لا تدرکہ
الابصار سے یہ مراد ہوگی کہ جو نظرین دنیا مین ہین وہ اللہ کو ادراک نہین کرسکینگی اور اہلسنت
کی بھی یہی راے ہے کہ یہ نظرین اور یہ آنکھین جب تک اپنی انھین صفات پر جو اُن مین موجود ہین باقی
رہینگی تو البتہ اللہ تعالیٰ کو ادراک نہ کرسکینگی اور جس وقت اُنکی صفات اور احوال بدل جائینگے

معتزلہ کی دوسری دلیل

تو وہ اللہ تعالیٰ کا ادراک کرینگی پس معتزلہ کا یہ کہنا صحیح نہین کہ قیامت مین اللہ تعالیٰ کو نہین
دیکھا جائیگا دوسری دلیل معتزلہ کی اللہ تعالیٰ کے نا ممکن الرویۃ ہونے پر وہ آیات ہین جن مین
اُس نے اپنی رویت سے استکبار اور استعظام ظاہر کیا ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے سوال رویت کے
جواب مین کہا لن ترانی یعنی تو مجھکو ہرگز نہ دیکھے گا اسی قبیل سے یہ بات بھی ہے کہ جب بنی اسرائیل نے
حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم اُس وقت تک تیرا یقین نہ کرینگے جبتک اللہ تعالیٰ کو علانیہ نہ دیکھ لین تو اللہ تعالیٰ
نے اُنکی یہ خواہش پوری نہ کی اگر اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن اور صحیح ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتا۔ سید احمد خان چونکہ

اس مسئلے مین معتزلہ کے متبع ہین اسلیئے اُنھون نے رویت الٰہی کو محال قرار دیا ہے ہم جو جواب سید صاحب کو دینگے اُس سے معتزلہ کا استدلال بھی ٹوٹ جائے گا سید صاحب کہتے ہین کہ انسان کے دلمین کسی چیز کے دیکھنے کی خواہش تین طرح پیدا ہوتی ہے یا اُسکا حال اور اوصاف سننے سے یا دل مین کسی خاص قسم کا ذوق وشوق پیدا ہو جانے سے یا اُسکا حال کہنے والے کی بات پر یقین نہ کرنے سے موسیٰ کو بھی خدا کے دیکھنے کا شوق ہوا مگر وہ شوق دوسری قسم کا تھا جس کے غلبے مین انسان کی عقل پر پردہ پڑجاتا ہے اور ہونے اور نہ ہونے کی بات کہہ اُٹھتا ہے بنی اسرائیل نے بھی خدا کا دیکھنا چاہا مگر یہ سوال اُنکا تیسری قسم کا تھا موسیٰ کی اس بات پر کہ خدائے پروردگار عالم موجود ہے اور اُس نے موسیٰؑ کو اپنا پیغمبر کیا ہے یقین نہین لاتے تھے اور اس بنا پر اُنھون نے کہا تھا کہ ہمین خدا کو دکھا دے جب تک ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لینگے تجھپر ایمان نہ لائینگے حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب سے جس مین انسان کو ذہول ہو جاتا ہے بھول گئے کہ خدا ان آنکھون سے دکھائی نہین دے سکتا اور بنی اسرائیلؑ نے اپنی حماقت سے یہ چاہا کہ علانیہ ہم خدا کو دیکھ لین اور یہ نہ سمجھے کہ نہ خدا اپنے تئین دکھا سکتا ہے اور نہ کوئی خدا کو دیکھ سکتا ہے یہ تمام واقعات موسیٰ و بنی اسرائیل پر طور سینا کے مقام مین گذرے تھے وہان ایک پہاڑون کا سلسلہ ہے کچھ شبہہ نہین ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ کے زمانے مین وہ کوہ آتش فشان تھا جب بنی اسرائیلؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھنا چاہتے ہین تو وہ بجز اُسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمے کے اور کچھ اُنکو نہین دکھا سکتے تھے پس وہ اُنکو اس پہاڑ کے قریب لیگئے جس کی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور و شور کی آواز اور پتھرون کے اُڑنیکے خوف سے وہ بیہوش ہو گئے یا مُردے کی مانند ہو گئے خدائے تعالےٰ اُن تمام کامونکو جو اُسکے قانون قدرت سے ہوتے ہین خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے جنکے منسوب کرنے کا بلا شبہہ وہ مستحق ہے اسی طرح ان واقعات عجیبہ کو بھی اُس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے انتہی یہ قول سید صاحب کا درست نہین اسلیئے کہ جس کام کا محال اور غیر ممکن ہونا یقیناً معلوم ہو اُسکی طلب مین ایسا دیوانہ ہو جانا اور اُس کا اشتیاق ایسا غالب آنا کہ جس مین عقل درست نہ رہے

سید صاحب کی تقریر عدم رویت الٰہی کے ثبوت مین

(جواب)

محض بے وقوف اور نادان آدمی کا کام ہے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام رسول اولوالعزم کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ یقیناً جانتے تھے کہ خدا کا دیکھنا محال ہے ممکن نہیں اور پھر اُسکے شوق مین اُنکی عقل پر پردہ پڑ گیا ایک مرتبہ کی اُنکی طرف نسبت کرنا ہے حالانکہ انبیا سے ایسے افعال کا صادر ہونا محال ہے بلکہ حضرت موسیٰ کے اسی قضیے سے رویت کا امکان بخوبی ثابت ہوتا ہے اسلیئے کہ جب حضرت موسیٰ کی قوم نے خدا کا دیدار طلب کیا تو حضرت موسیٰ نے اُنکو منع نہ کیا حالانکہ اگر نہو سکنے کی بات ہوتی تو حضرت موسیٰ منع کر دیتے جیسے کہ اُنکے دوسرے سوال کے جواب مین منع کر دیا یعنی جب اُس قوم نے یہ کہا کہ اجعل لنا الٰہا کما لهم الٰهة یعنی ہمارے لیے بھی معبود بنا دے جیسے کہ اور ون کے لیے معبود ہین تو اُسکے جواب مین حضرت موسیٰ نے فرمایا انکم قوم تجہلون یعنی تم نادان لوگ ہو اور پھر حضرت موسیٰ نے خدا سے رویت کا سوال کیا اور خدا نے موسیٰ کے جواب مین یہ نہ کہا کہ یہ امر ہو سکنے کا نہین بلکہ یہ کہا کہ تو دیکھ نہ سکیگا بلکہ پھر اُسکو ایک ہو سکنے کی بات پر موقوف کیا اور کہا تو اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہر جاے تو تو مجھکو دیکھ سکے گا اور پہاڑ کا ٹھہر جانا ایک ہو سکنے کی بات تھی یعنی اگر خدا چاہتا تو پہاڑ ٹھہر جاتا اسی طرح خدا کا دیکھ سکنا بھی ہو سکنے کی بات تھی یعنی اگر خدا کو منظور ہوتا تو حضرت موسیٰ خدا کو دیکھ لیتے اور دنیا مین جتنے آتش فشان پہاڑ تھے سب کی تحقیقات ہو چکی ہے کسی نے آج تک کوہ طور کو آتش فشان نہین کہا نہ صرف سید صاحب کے خیال سے وہ آتش فشان نہین ہو سکتا اور پہاڑ مین اپنی تجلی پیدا کر دینا خدا کی قدرت سے خارج نہین اور نہ حضرت موسیٰ اُن لوگون کو اپنی طرف سے آتش فشان پہاڑ دکھانے گئے تھے بلکہ خدا کے وعدے کے بموجب گئے تھے علاوہ اسکے حضرت موسیٰ نے اُنکے سوال کو رد نہین کیا تھا اور اُسکا ٹالنا نہین چاہا تھا بلکہ اُنکی آرزو پوری کرنے کا قصد کیا اسی واسطے خدا سے دیدار دکھانے کا سوال کیا پھر آتش فشان پہاڑ دکھانے کی کیا ضرورت تھی اور نیز عظیم الشان کرشمے خدا کی قدرت کے وہ بہت سے دیکھ چکے تھے دریا کا اُن کے عبور کے لیے پھٹ جانا اور فرعون کا مع تمام لشکر کے اُنھین غرق ہو جانا آتش فشان پہاڑ کے کرشمون سے بہت بڑھکر تھا پھر اُس کے دکھانے کی کیا ضرورت تھی قطع نظر اس کے ہم کہتے ہین کہ آتش فشان پہاڑ کا کرشمہ حضرت موسےٰ نے یا یہ کہکر دکھایا ہو گا کہ یہ

خدا ہی تو یہ شرک تھا حضرت موسیٰ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے تھے یا یہ کہکر دکھایا ہوگا کہ یہ خدا کی قدرت کا رشمہ ہی تو اس سے آنکا سوال پورا ہونا تھا اسکے علاوہ وہ پہاڑ آنکے ملک سے بہت ہی قریب تھا اسکا حال آنکو پہلے سے بخوبی معلوم ہوگا پھر اسکے دیکھنے مین آنکو نئی بات کیا حاصل ہوتی اور نیز آتش فشان پہاڑ سے ایسے ڈرجانے کی کیا وجہ تھی کہ بیہوشی تک نوبت پہونچی بالفرض اگر کچھ ہیبت معلوم ہوئی تھی تو وہان سے بھاگ آنا ممکن تھا پھر حضرت موسیٰ تو خود اس کے دکھانے کو لے گئے تو آنکو ضرور پہلے سے اسکا حال بخوبی معلوم تھا وہ کیون بیہوش ہو گئے و لا یمان واضح ہو کہ ایمان مشتق ہے امن سے اور امن کے معنے بیخوف ہونا ہے اور وجہ تسمیہ تقریر ذیل سے ظاہر ہے جب کسی کو کسی چیز کی خبر دی جاتی ہے اور یہ آدمی اس چیز کی حالت اصلی سے واقف نہین ہوتا تو اسوقت متردد ہوتا ہے اس بات مین کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط اسیطرح جب کسی آدمی کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے ہین یا کسی کام کے کرنے سے منع کرتے ہین اور یہ اسکی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے تو اسکو تردد ہوتا ہے اس مین کہ یہ امر و نہی حق ہین یا باطل اور جب حقیقت شے اسکو بالکل معلوم ہوجاتی ہے کہ صحیح ہے یا غلط اور حق ہے یا باطل تو اُسکے دل مین اعتقاد اور یقین کا مرتبہ پیدا ہوتا ہے اور اس وجہ سے تردد سے بیخوف ہوجاتا ہے اور اسی وجہ سے اُن چیزون کی تصدیق و اقرار کو بھی جنکو انبیا اللہ تعالےٰ کے پاس سے لاے ہین ایمان کہتے ہین کہ یہ تصدیق و اقرار انسان کے نفس کو عذاب سے نہین کر دیتے ہین لغت مین ایمان کے معنے اعتقاد کرنے اور امین کرنے اور امان دینے کے ہین اور عرف شرع مین اس لفظ کے معنی وہ ہین جو امام کہتے ہین ھو الاقرار والتصدیق یعنی ایمان اقرار اور تصدیق ہے اقرار زبان سے ہوتا ہے اور تصدیق دل سے اور تصدیق سے مراد یہی نہین ہے کہ صدق کی نسبت خبر کی طرف یا مخبر کی طرف دل مین واقع ہوجائے بلکہ اس نسبت کے ساتھ اذعان اور قبول بھی شرط ہے اس صورت مین تصدیق عبارت ہوئی حالت اذعانی سے جو اُس نسبت کے ساتھ نہین

وجہ تسمیہ ایمان

ہوتی ہے جو درمیان صدق اور خبر کے یا صدق اور مخبر کے موجود ہے۔ علمائے حنفیہ سے
اقرار کے جزو ایمان ہونے نہونے کے باب مین دو طرح کے اقوال منقول ہین (۱) ایمان
صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار زبانی نہ اُس کا جز ہے نہ مطلقاً شرط ہے بلکہ اجرائے
احکام کے لیے دنیا مین شرط ہے اور تصدیق کا ظاہر کرنے والا ہے کیونکہ اگر کوئی شخص تصدیق
قلبی رکھتا ہو اور وہ اقرار زبان سے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مومن ہے مگر دنیا
مین اُسپر ایمان کے احکام جاری نہونگے اور اگر دل سے تصدیق نہو صرف زبانی اقرار
کرے جیسے منافق کرتے ہین تو اُس کو شرعاً مومن کہین گے مگر ایسا شخص اللہ کے
نزدیک مومن نہین ہو سکتا پس معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے جو دل سے
تعلق رکھتی ہے اور زبان سے اقرار کرنا ایمان مین داخل نہین بلکہ اجرائے احکام اسلام کی شرط ہے
تاکہ اُس شخص کو مومن شمار کرین اور مومن اُسکے عیادت کو آئین اُسکے جنازے کی نماز
پڑھین اُسکی لاش کو مسلمانون کے مقبرے مین دفن ہونے دین (۲) ایمان مین اقرار بھی
داخل ہے اور اُسکا جز ہے اور یہ لوگ اُن نصوص سے استدلال کرتے ہین جن سے بظاہر
یہ سمجھا جاتا ہے کہ کلمۂ شہادت ایمان سے ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ ایمان کی بنیاد پانچ چیزون پر رکھی گئی ہے اُن مین سے ایک گواہی دینا اس بات کی
ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہین اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُسکے رسول ہین جیسا کہ
جیسا کہ حدیث متفق علیہ مین بن عمر سے آیا ہے اور ظاہر ہے کہ گواہی زبان سے دیجاتی ہے اور آنحضرت
نے فرمایا ہے امرت ان اقاتل الناس حتے یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال
لا الہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ رواہ البخاری ومسلم عن ابی
ھریرۃ یعنے مین مامور ہون کہ لوگون سے لڑون یہان تک کہ وہ اس بات کی
گواہی دین کہ کوئی معبود نہین مگر اللہ پھر جس نے لا الہ الا اللہ کہا تو
اُس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان بچائی اور بخاری ومسلم نے

اقرار جزو ایمان نہین بلکہ شرط اجرائے احکام ہے

ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ہے الایمان بضع وسبعون شعبۃ اعلاھا قول لا الہ الا اللہ یعنی ایمان کچھ اوپر ستر شاخین ہین افضل ان مین سے لا الہ الا اللہ کا کہنا ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ تصدیق اور اقرار کا نام ایمان ہے اور شمس الائمہ سرخسی اور فخر الاسلام بزدوی کا بھی یہی عقیدہ ہے اور بعض اشاعرہ نے بھی اسکو اختیار کیا ہے مگر سالمی نے تمہید مین امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ اگر موحد سے اقرار ظاہر نہو یا اُسکے اقرار کی کیفیت معلوم نہو یا تقیہ کی وجہ سے اُس نے اپنے کفر کا اعلان کیا ہو تو عند اللہ مومن ہے اور عند الناس کافر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف کے نزدیک بھی اصل ایمان اور رکن ایمان تصدیق ہی ہے اور یہی باعث نجات ہے اور اور اقرار احکام مسلمانی کے اجرا کے واسطے شرط ہے اور باوجودیکہ قدرت اقرار کی رکھتا ہو مگر خدا کے نزدیک اقرار شرط نہین حالانکہ اس رسالے مین امام صاحب نے صاف کہدیا ہے الایمان ھو الاقرار والتصدیق اور ابن ہمام نے امام صاحب کی وصیت نقل کی ہے اُس مین تو بالتصریح یہ بات موجود ہے کہ ایمان اقرار زبانی اور تصدیق قلبی کا نام ہے نہ تنہا اقرار ایمان ہو سکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو منافقین بھی مومنین شمار ہوتے اور نہ فقط تصدیق یعنی اگر محض تصدیق ہی ایمان ہوتی تو اہل کتاب بھی مومنین قرار پاتے یہ وصیت کا ترجمہ ہے غرضکہ ایمان مین اصل تصدیق اور اقرار دونون ہین پھر تنہا اقرار احکام دنیا کے اجرا کے واسطے تصدیق کا قائم مقام ہوگیا اسی کی وجہ سے صحابہ اور علماے ابرار مسلمان منافق کے ساتھ جسکا نفاق اُنپر کھلنے نہ پایا تھا اہل اسلام کا سا برتاو کرتے تھے اور شارع نے اقرار ہی پر اکتفا کیا ہے موافق و منافق ابرار اور فجار مین کچھ فرق نہین رکھا ہے اور شیخ ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی شاگرد شیخ ابوالحسن اشعری اور استاد ابواسحاق اسفراینی اور علامہ تفتازانی اور صاحب مواقف اور جمہور اشاعرہ کہتے ہین کہ صرف تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے اور اقرار شرط ہے ظاہر کے لیے ایمان مین اسکو دخل نہین ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن احمد بن محمود نسفی حنفی کی

وغیرہ بعض علماے ماتریدی نے بھی اس رلے مین اشاعرہ کی موافقت کی ہے خصوصًا شیخ ابومنصور ماتریدی کا یہی مذہب ہے مگر مذہب مشہور عامہ حنفیہ کا یہ ہے کہ تصدیق اور اقرار دونون ایمان کے جزو ہین لیکن اقرار اسکا ایسا جزو ہے جس مین عرضیت اور تبعیت کی بھی کچھ نہ کچھ آمیزش ہے پس حالت اختیاری مین جزویت کا پہلو معتبر ہوتا ہے اسی لیے اگر اقرار کی قدرت ہو تو تارک اقرار اسکے نزدیک مومن نہوگا اور حالت اضطراری مین عرضیت و تبعیت کے پہلو پر لحاظ کیا جاتا ہے چنانچہ اگر موحد زبانی اقرار پر قادر نہو تو وہ مومن ہے۔

اقرار ایمان کا جز کیونکر ساقط ہوسکتا ہے

سوال شے کا رکن ساقط ہونے سے وہ شے ساقط ہوجاے گی پس رکن ایمان کیسے ساقط ہوسکتا ہے کیونکہ رکن اُسے کہتے ہین جسکے ساتھ شے قائم ہو اور تصدیق اور اقرار دونون ایمان کے رکن ہین **جواب** تصدیق رکن اصلی ہے اور اقرار رکن زائد ہے بعض علماے محققین حنفیہ پر تشنیع کی ہے کہ رکن بھی کہنا اور زائد بھی کہنا غیر معقول ہے کیونکہ رکن کے معنی یہ ہین کہ شے مین داخل ہو اور زائد وہ ہوتا ہے جو شے مین داخل نہو بلکہ اُس سے خارج ہو اس اعتراض سے مخلصی کی شکل یہ ہے کہ زائد سے مراد یہ نہین ہے کہ شے سے خارج ہو اس حیثیت سے کہ اس کے انتفا سے شے منتفی نہو سکے بلکہ زائد سے یہ مراد ہے کہ اس کے انتفا سے شے کا حکم منتفی نہ ہوجاوے پس رکن زائد وہ جزو ہوتا ہے کہ جب وہ منتفی ہوجاتا ہے تو مرکب کا حکم بحسب اعتبار شارع کے باقی رہتا ہے جو جزو ایسا ہوتا ہے کہ مرکب کا حکم اُسکے انتفا سے منتفی نہین ہوتا تو وہ اس جزو کے مشابہ ہوتا ہے جو مرکب سے خارج ہو پس اس اعتبار سے اُسکو رکن زائد کہتے ہین یہان سے تم کو معلوم ہوگیا کہ اقرار رکن زائد اس لیے سمجھا گیا ہے کہ شارع نے مرکب کے وجود مین اسکو اعتبار کرلیا ہے اگر کسی ضرورت سے معدوم ہوجاوے تو شارع نے اُسکے نہونے کو معاف کردیا ہے اور اُسکی عدم موجودگی کی حالت مین مرکب موجود سمجھا جاتا ہے پس اگر موحد سے اقرار ظاہر نہو یا اُسکے اقرار کی کیفیت معلوم نہو یا تقیہ کی وجہ سے اس نے اپنے کفر کا اعلان کیا ہو تو وہ معاف ہے اور ایمان اسکا معدوم نہین ہوتا

کبھی رکن زائد کی توجیہ یون کی جاتی ہے کہ بعض شرائط اور امور خارجیہ کو شئے مین اتنا زیادہ تعلق اور اعتبار حاصل ہوتا ہے کہ بمنزلہ جزو کے سمجھے جاتے ہین اس لیے مجازاً رکن کہنے لگتے ہین حاصل یہ ہے کہ لفظ رکن یا لفظ زائد مجاز ہے بعض علما نے لکھا ہے کیا اگر اقرار کو اجراے احکام کی شرط مانا جاے تو اقرار ایسے اعلان کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ مسلمان اور اُن کا سلطان اور مذہبی حاکم اس سے واقف ہو جاے اور اگر اقرار کو ایمان کا رکن قرار دیا جائے تو اس صورت مین اعلان کی ضرورت نہین صرف ایکبار زبان سے ادا کرلینا کافی ہے اقرار کا غیر پر ظاہر ہونا ضرور نہین اور حق یہ ہے کہ شرعیات پر عمل درآمد کرنا اس اعلان کا قائم مقام ہے خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ حقیقت ایمان کی یہی ہے کہ دل مین تصدیق رکھے یعنی اس چیز کا اعتقاد و یقین کرے جو بالیقین معلوم ہے کہ یہ چیز دین محمدی سے ہے اس لیے کہ ایمان کو جا بجا دل کا کام کہا ہے چنانچہ سورہ نحل مین ہے قلبہ مطمئن بالایمان یعنی اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے اور ایک جگہ ہے کتب فی قلوبھم الایمان یعنی ان کے دلون مین اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اسی طرح سورہ حجرات مین ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ابھی ایمان تمھارے دلون مین نہین داخل ہوا اور بعض آیات مین جو مذکور ہے کہ اللہ تعالے نے اُنکے دلون پر مہر کردی یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دل ہی محل ایمان ہے چنانچہ سورہ بقرہ مین ان لوگون کے حال مین وارد ہے جن کی موت کفر پر اللہ تعالے نے اپنے علم قدیم سے جانی تھی جیسے عتبہ و شیبہ و ابوجہل و ولید بن مغیرہ ان الذین کفروا سواء علیھم اانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ختم اللہ علی قلوبھم جنھون نے کفر کیا برابر ہے کہ تو اُنکو ڈرائے یا نڈرائے وہ نمانینگے اللہ نے اُنکے دلون پر مہر کردی ہے پس تصدیق کسی حالت مین ساقط نہین ہو سکتی اور اقرار عذر سے ساقط ہو جاتا ہے مثل بہرے گونگے کے یا کوئی مجبور کرے کلمۂ شہادت کے نہ کہنے پر اور تصدیق دلی ساقط نہین ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ

کرامیہ غلطی پر ہین جو یہ کہتے ہین کہ ایمان کی حقیقت صرف اقرار زبانی ہے اور یہ حجت اُن کی کہ آنحضرت اور تمام صحابہ اور تابعین ایسے لوگون کو کہ زبانی کلمہ شہادت ادا کرتے تھے مسلمان جانتے تھے تصدیق قلبی کے درپے نہین ہوتے تھے نادرست ہے اس لیے کہ اگرچہ آنحضرت اور صحابہ ایسے شخص کو مسلمان کہتے تھے مگر یہ بھی تو ہے کہ جس منافق کا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا تو اُسکو کافر جانتے تھے اور اوسکے کلمہ شہادت پڑھنے پر مطلق لحاظ نہین کرتے تھے اگر ایمان کے لئے اقرار زبانی کافی سمجھا جاتا اور تصدیق قلبی اور ایمان حقیقی مطلوب نہ ہوتا تو خدائے تعالے ایسا نہ فرماتا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا تو کہدے کہ تم ایمان نہین لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام لاسے یعنی بظاہر فرمان برداری اور اطاعت کرکے صلح مین داخل ہو گئے۔

یاد رکھو کہ جمہور معتزلہ اور خوارج کہتے ہین کہ عمل بھی ایمان کا جزو رکن ہے عمل فعل اعضا کا نام ہے مثلاً نماز مگر معتزلہ مین سے عبدالجبار اور علاف کے نزدیک ایمان مین جملہ طاعات داخل ہین فرض ہون یا نفل اور ابو علی جبائی اور اوسکے فرزند ابو ہاشم اور بصرے کے اکثر معتزلہ نے کہا ہے کہ ایمان مین صرف طاعات مفروضہ داخل ہین اور نفل اس سے خارج ہین اور تمام محدثین شافعیہ مالکیہ وحنبلیہ کا مذہب یہ ہے کہ حقیقت ایمان کی تصدیق دل سے اور اقرار زبان سے اور بجا لانا شرایع کا ہاتھ پاؤن سے مگر ان کے اور معتزلہ و خوارج کے مذہب مین بڑا فرق ہے معتزلہ کے نزدیک تارک طاعات مومن نہین رہتا اس لیے کہ ان کے نزدیک اعمال ماہیت ایمان کا جز ہین گو کہ معتزلہ تارک طاعات کو کافر نہین بتاتے مگر مومن نہین جانتے اور خوارج تارک طاعات کو کافر سمجھتے ہین اور محدثین اسکے تارک کو دائرہ ایمان سے خارج نہین جانتے کیونکہ ان کے نزدیک عمل ایمان کامل کی شرط ہے مگر بعض آدمیون نے جو دیکھا کہ بظاہر محدثین ایمان تصدیق اور اقرار اور عمل کو بتاتے ہین اور احادیث سے اسکا ثبوت دیتے ہین تو یہ خیال کیا کہ ان کا مذہب جمہور اہل سنت کے خلاف ہے اور فرقہ معتزلہ اور خوارج کے موافق ہے حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے کسی طرح محدثین کے نزدیک عمل اصل ایمان کی حقیقت مین داخل نہین

بلکہ ایمان کامل کی شرط ہے اور صاحب تصدیق واقرار بوجہ ایمان کے اگرچہ مومن ہے لیکن ناقص الایمان ہے اور ایسے شخص کو مومن فاسق کہتے ہین جمہور اہل سنت یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نزدیک اعمال حقیقت ایمان کا نہ جزہین نہ رکن ہین اور نہ شرط ہین ایمان دوسری چیز ہے اور عمل دوسری چیز اس صورت ہین عمل کے ترک سے آدمی نہ دائرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کافر ہوتا ہے امام اعظم نے وصیت مین فرمایا ہے کہ عمل غیر ایمان ہے اور ایمان غیر عمل اسپر دلیل یہ ہے کہ بیشتر اوقات آدمی سے عمل اُٹھ جاتا ہے اس وقت یہ کہنا جائز نہین کہ اس سے ایمان اُٹھ گیا اگر عمل ایمان کا جز ہوتا تو عمل کے ارتفاع سے ایمان اُٹھ جاتا دیکھو حائضہ کی نسبت یہ کہتے ہین کہ اُس سے نماز اُٹھ گئی مگر یہ نہین کہتے کہ ایمان اُٹھ گیا یا یہ نہین کہتے کہ اللہ تعالے نے اُسے ترک ایمان کا حکم دیا شارع نے حائضہ کو حکم دیا ہے کہ روزے کو چھوڑدے پھر قضا کرے یہان یہ کہنا جائز نہین کہ وہ ایمان چھوڑدے پھر قضا کرے اگر ایمان وعمل مترادف ہوتے تو حائضہ کی نسبت یہ کہنا جائز ہوتا کہ اُس سے اللہ تعالیٰ نے ایمان اُٹھا لیا یا اُسکو ترک ایمان کا حکم دیا فقیر پر زکوۃ نہین اور یہ کہنا جائز نہین کہ فقیر پر ایمان نہین۔ یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کو اپنے ایمان پر جزم ہے اور کہتے ہین انا مومن ان شاء اللہ اسلیے کہ کمال ایمان مین کہ مراد عمل سے ہے شبہہ ہے کہ ہے یا نہین اور نفس ایمان مین کہ صرف تصدیق واقرار ہے کسی طرح کا شبہہ نہین اور محدثین اپنے ایمان پر بھروسا نہین کرتے اور کہتے ہین انا مومن ان شاء اللہ اور بعض احادیث سے جو اعمال کا ایمان مین داخل ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ ضعیف یا ماؤّل ہین چنانچہ ابن ماجہ اور ابن مردویہ اور طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان مین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الایمان معرفۃ بالقلب واقرار باللسان وعمل بالارکان یعنے ایمان پہچاننا (خدا و رسول کا) ہے دل سے اور اقرار کرنا ہے زبان سے اور عمل کرنا ہے اعضا کے ساتھ مگر یہ حدیث ضعیف ہے اسلیے کہ اسکی مین

حنفیہ کے نزدیک اعمال اور ایمان غیر غیر ہین

ایمان کے ساتھ انشاء اللہ

وہ احادیث جن سے اعمال کا ایمان مین داخل ہونا پایا جاتا ہے

عبد السلام ابو الصلت شیعی ہے اور ابن جوزی نے اُسکی ثقاہت مین کلام کیا ہے اور یہ جو بیہقی نے شعب الایمان مین انس سے روایت کی ہے کہ کم خطبہ فرمایا ہمکو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مگر فرمایا کہ اُس شخص کے لیئے ایمان نہین جو امین نہین اور اُس شخص کے لیئے دین نہین جو اپنے وعدے کا پابند نہین ہے یہ باتین آپنے بسبیل تاکید فرمائی تھین آپنے ایمان مین امانت اور وعدے کو داخل نہین کیا تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ یہ افعال شان مومن سے بعید ہین گویا یہ مذموم طریقے ایمان کے منافی ہین ایمان بھی ہو اور یہ بھی وہان موجود ہون یہ بات ممکن نہین اسی قبیل سے ہے وہ حدیث بھی جسکو ابو ہریرہؓ سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور خلاصہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ زانی زنا کے وقت مومن نہین رہتا اور نہ چور چوری کے وقت مومن رہتا ہے اور نہ شراب پینے والا شراب پینے کے وقت مومن رہتا ہے اور نہ لوٹیرا لوٹنے کے وقت مومن رہتا ہے اور نہ خائن خیانت کرنے کے وقت مومن رہتا ہے کیونکہ علاوہ ثبوت تاکید کے بعض ایسی بھی حدیثین آئی ہین جن سے قطعاً ثابت ہے کہ مرتکب زنا وغیرہ ایمان سے خارج نہین ہوتا جیسا کہ ابو ذرؓ سے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ کسی نے زنا و چوری کی ہو مگر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کہنا اُسکو جنت مین داخل کرے گا اور شارحین احادیث نے کہا ہے کہ ایسی احادیث مین ایمان سے ایمان کامل مراد ہے کہ جو مومن ایسے ایسے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے وہ پورا مومن نہین رہتا نہ یہ کہ دائرہ ایمان سے خارج ہوتا ہے اور یہ جو بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کچھ اوپر ستر شاخین ہین افضل اُن مین سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کہنا ہے اور کمتر اُن مین سے دور کرنا ایذا کی چیزون کا راہ سے ہے مراد اس سے یہ ہے کہ ایمان کے شعبے ستر ہین اسلیئے کہ ایذا کی چیز کا راہ سے دور کرنا اصل ایمان مین داخل نہین ہے تاکہ اُن کا نہ کرنے والا دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاے اور بعض کہتے ہین کہ یہ چیزین ایمان کی علامات و ثمرات ہین خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اعمال کسی طرح ایمان مین داخل نہین

اور بڑی دلیل اس پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو عمل صالح کے ساتھ ذکر کیا ہے چنانچہ سورۂ کہف کی اس آیت میں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کیے ہیں اُن کے لیے فردوس کے باغ میں مہمانیاں ہیں اور معاصی کے ساتھ بھی چنانچہ اس آیت میں وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا اگر دو فرقے مسلمانوں کے آپس میں لڑ پڑیں اور دوسری جگہ ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم نہیں ملایا اور سورۂ انفال میں ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں پہلی آیت میں ایمان کو قتال کے ساتھ اور دوسری میں ظلم کے ساتھ جمع کیا ہے اور تیسری میں عدم ہجرت کے ساتھ حالانکہ شے اپنی ضد یا اپنے جز کی ضد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہے **سوال** اسکی کیا وجہ ہے کہ امام اعظمؒ نے اور اعضا کے کاموں کو تو ایمان کا جز نہیں مانا اور زبان کے عمل کو جو اقرار ہے ایمان کا جز مانتے ہیں حالانکہ زبان بھی ایک عضو ہے **جواب** انسان جسم اور روح سے مرکب ہے پس اسکی صفت تمام نہیں ہو سکتی جب تک اُسکو کلام کے ذریعے سے باطن سے ظاہر کی طرف نہ لائے کیونکہ کلام ہی باطن پر زیادہ دلالت کرنیوالا ہے اور دوسرے اعضا کے افعال کا یہ حال نہیں اسلیئے اُن کے افعال کو ایمان میں داخل نہیں مانتے اور اقرار کو داخل مانتے ہیں **فائدہ** اطفال مومنین کا ایمان حکمی ہے اسلیئے کہ اُن کے لیے نہ تصدیق کی ضرورت ہے اور نہ اقرار کی اور نہ کسی اور بات کی و ایمان اھل السماء والارض لا یزید ولا ینقص اور ایمان ملائکہ اور انس وجن کا نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے اہل حدیث اور امام مالک و امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری اور اوزاعی اور ابن جریج اور معمر وغیرہ جنکے نزدیک ایمان میں اعمال داخل ہیں کہتے ہیں کہ ایمان کم زیادہ باعتبار اعمال کے ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ تصدیق میں عمل کو داخل نہیں رکھتے ہیں

اعمال کسی طرح ایمان کا جز نہیں

وہ کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی زیادتی نہیں ہوتی اسلیے کہ اگر تصدیق نہیں تو مومن نہیں ہے اور تصدیق عبارت ہے
علم الیقین سے اسمین زیادتی کی گنجائش نہیں ہے اگر زیادتی و نقصان قبول کرے تو شک ہو نہ تصدیق و یقین
اور نصوص میں جو زیادتی ایمان وارد ہے وہ مجاز ہے زیادتی سے اوصاف کثرت اعمال مراد ہے اور یہ جو صحیح بخاری
لیکن کتاب الایمان کے اول میں لکھا ہے الایمان قول و عمل یزید و ینقص یعنی ایمان قول و عمل ہے بڑھتا بھی ہے
گھٹتا بھی ہے مجد الدین فیروز آبادی سفر السعادت میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث نبی نہیں اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی
یہی لکھا ہے کہ یہ قول نبی نہیں سلف نے ایسا فرمایا تھا مگر بعض شراح حدیث اسکو حدیث نبی بتاتے ہیں اور سیوطی نے بھی شرح صحیح بخاری
میں کہا ہے کہ یہ لفظ حدیث ہے کہ دیلمی نے مسند الفردوس میں ابو ہریرہ رضی کے ذریعہ سے روایت کیا ہے اور سند صحیح کے ساتھ بخاری سے
منقول ہے کہ کہتے تھے کہ میں ملکوں پھرا اور ہزار سے زیادہ علماء سے ملاقات کی مگر کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ایمان قول و عمل یزید
و ینقص میں شک رکھتا ہو اور بہت سے صحابہ و تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور فضیل بن عیاض اور وکیع نے
اسے اہل سنت و جماعت سے بیان کیا ہے کذا فی فتح الباری کتاب تعریف الشریعت میں مذکور ہے
الایمان قول و عمل یزید و ینقص فعلیکم بالکتاب و السنۃ یعنی ایمان اقرار زبانی اور اعمال اعضا کا نام ہے
اور یہ بڑھتا اور گھٹتا ہے پس لازم پکڑو تم کلام اللہ و حدیث کو اور ایک روایت میں صرف اسی قدر ہے
الایمان یزید و ینقص اور اس حدیث کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے اور جوزقانی نے اس حدیث کو
شواہد کے ساتھ اپنی سند سے بیان کر کے کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے اور ابو داؤد نے سکوت کیا ہے اور یہ
بات علمائے حدیث میں مقرر ہو چکی ہے کہ جس حدیث پر ابو داؤد سکوت کرے وہ قابل حجت ہے اور اس تقریر پر
امام کیطرف سے وہی جواب ہے کہ یہاں زیادتی سے اوصاف کثرت اعمال مراد ہے حقیقت ایمان کی کمی
بیشی مراد نہیں اور ابو الشیخ نے ابو ہریرہ رضی سے جو مرفوعاً روایت کی ہے الایمان یزید و ینقص یہ بقول ابن عدی
صاحب کامل غلط ہے کیونکہ اسکے سلسلہ روایت میں محمد بن احمد بن حرب الحمی داخل ہے جو بڑا جھوٹا آدمی ہے
اور ابو ہریرہ رضی و ابن عباس سے موقوفاً مروی ہے الایمان یزید و ینقص اور ابو درداء سے موقوفاً اس طرح
روایت ہے الایمان یزداد و ینقص اور یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ نے ذکر کی ہیں مگر دونوں ضعیف ہیں چنانچہ
محققین اہل حدیث نے اس کی تصریح کر دی ہے کسی میں ایسا راوی ہے جو جھوٹا ہے اور کسی کے راوی کی تضعیف

ایمان میں زیادتی و نقصان پیدا ہو سکتا ہے

کی ہے اسی طرح وہ احادیث بھی موضوع ہیں جنمیں آیا ہے کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے چنانچہ ابن حبان
کی احادیث میں وارد ہے کہ جو یہ کہے ایمان میں زیادتی اور نقصان پیدا ہوتے ہیں وہ کافر ہوجائے اگر اس نے
توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اسکی گردن ماردینا چاہیئے اور وہ اللہ کا دشمن ہے نہ اسکی نماز صحیح ہے نہ زکوۃ نہ روزہ نہ
حج نہ دین وغیرہ وغیرہ انتہی یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اسکی اسناد میں محمد بن قاسم طالکانی موجود ہے
جو حدیثیں بنایا کرتا تھا اسیطرح یہ جو فقیہ ابو اللیث نے آیت فزادتہم ایمانا کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ
ابو ہریرۃ سے مرفوعا روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے محمد بن فضل اور ابو القاسم شاباری نے کہا انھون نے
حدیث بیان کی ہم سے فارس پسر مردویہ نے کہا انھون نے حدیث بیان کی ہم سے محمد بن فضل بن عابد نے کہا
انھون نے حدیث بیان کی ہم سے یحیی پسر عیسی نے کہا انھون نے حدیث بیان کی ہم سے ابو مطیع نے حماد بن سلمہ سے
انھون نے ابو المہزم سے انھون نے ابو ہریرہؓ سے کہ کہتے تھے کہ بنی ثقیف کے وکیل آنحضرتؐ کے پاس آئے
اور عرض کیا گیا ایمان بڑھتا گھٹتا ہے آپنے فرمایا نہ بلکہ ایمان کمل ہے دلمیں اُسکی زیادتی اور نقصان کفر ہے
انتہی صحیح نہیں چنانچہ شارح عقیدہ طحاوی اپنے استاد عماد الدین بن کثیر کی زبانی نقل کرتا ہے کہ اس حدیث میں
ابو لیث بعد سے ابو مطیع تک جتنے راوی ہیں اُنکی سند مجہول ہے کتب تواریخ مشہورہ میں اُنکا کہین سے پتہ نہیں
چلتا انمین سے ابو المہزم بقول شعبہ ایسا لالچی اور نامقید آدمی تھا کہ اگر دو پیسے پاتا تو ستر حدیثیں جھوٹی بنا لیتا اور
شعبہ کہتے ہیں کہ مین نے سو حدیثیں اُسکی ایسی دیکھی ہیں جو بالکل صحیح نہیں ہیں سراسر موضوع ہیں اور ساجی کہتے ہیں
کہ اسکی حدیثیں منکر ہیں اُنکو سنن میں حجت نہ بنانا چاہیئے خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اور کتاب تنزیہ
الشریعت میں کتاب موضوعات ابن جوزی سے اس حدیث کو بایں الفاظ ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ثقیف کے
وکیل نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا ایمان میں زیادتی وکمی ہوتی ہے تو آپنے فرمایا اُسکی زیادتی کفر ہے اور
نقصان شرک ہے اور نیز ابن عدی کی کتاب کامل سے نقل کیا ہے الایمان لایزید ولا ینقص اور کہا ہے کہ یہ حدیث
موضوع ہے اسکی اسناد میں احمد بن عبد اللہ جو یباری ایک ایسا آدمی موجود ہے کہ بڑا جھوٹا ہے دجال سے کم نہیں
بہت سی حدیثیں اس نے اپنی طرف سے وضع کی ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہ تمام اقوال حضرت سے سند کو نہیں پہونچتے
حضرت نے زیادتی اور نقصان ایمان کے باب میں کچھ نہیں فرمایا اس باب میں جو کچھ مروی ہے وہ تمام اقوال صحابہ و تابعین کے ہیں

وہ احادیث بھی موضوع ہیں جن میں آیا ہے کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے

اور بخاری کی مراد بھی یہ نہین ہے کہ الایمان قول وعمل یزید وینقص یہ کلام آنحضرت کی حدیث مین سے ہے اور جس قدر حدیثین اس باب مین حضرت کی طرف منسوب کرتے ہین علمانے اُن کی تغلیط وتضعیف کی ہے زیادتی ونقصان باعتبار عمل ظاہر کے ہوتے ہین جس کا رجوع کمال اور عدم کمال کی طرف ہے اور نزاع جو ہے وہ باعتبار تصدیق کی ہے اور تصدیق نہ زائد ہوتی ہے نہ ناقص اور بعض کہتے ہین کہ ایمان نفس تصدیق کے اعتبار سے نہ زیادتی کو قبول کرتا ہے نہ نقصان کو البتہ باعتبار یقین کے زائد اور ناقص ہوتا ہے جیسا کہ بعد علم کے خبر متواتر سے رویت عینی زیادتی یقین کی موجب ہوتی ہے اسیلیے حضرت ابراہیم نے رویت بصری نسبت زندہ کرنے مردون کے طلب کی اور اُسکو زیادتی اطمینان قلب سے تعبیر کیا اور اہل یقین کے مراتب کا تفاوت کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کرام سے ثابت ہے قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم بڑھے اُن کا ایمان اپنے ایمان کے ساتھ واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا یعنی جب پڑھیے اُنپر اُس کا کلام اُنکا ایمان زیادہ ہوجاے اور جس شخص نے درویشون کی صحبت پائی ہے اور خدمت کی ہے اُس پر بالبداہت ظاہر ہے کہ ہر چند پہلے بھی اس سے ایمانیات کا یقین تھا لیکن بعد فیض صحبت ان بزرگون کے اُس کے یقین نے اور ہی رنگ پیدا کیا اور دلیل عقلی سے بھی تزاید ثابت ہے صواعق محرقہ مین حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا قول منقول ہے وکشف الغطاء ما ازددت یقینا یہان لفظ لو سے جو معنے دقیق مستفاد ہوتے ہین وہ یہ ہین کہ یہ کلمہ شرط و جزا پر آتا ہے اور اس بات کا فائدہ بخشتا ہے کہ اگر پہلی بات نہین ہے تو دوسری بھی نہین ہے اور کشف غطا یعنی پردے کا کھلنا امکان سے خارج ہے یعنی ظاہر ہونا خاص ذات حق سبحانہ کا ارباب تحقیق کے نزدیک امر تسلیمی ہے البتہ پردہ صفات مین ظاہر ہونا مانا گیا ہے اس صورت مین جس حقیقت کا ہمیشہ پردہ حجاب مین مستتر رہنا لازم ہوا کشف غطا امکان سے خارج ہوا پس عدم زیادتی یقین بھی لازم نہ آئی اور نفی کی نفی سے ثبوت حاصل ہوتا ہے تو لامحالہ یقین ہمیشہ تزاید مین ثابت ہوا۔

محل نزاع کی تنقیح

ملا علی قاری نے اس متن کی شرح مین لکھا ہے کہ محل نزاع اس باب مین یہ ہے کہ ایمان زیادتی اور نقصان قبول نہین کرتا اور زیادتی و نقصان سے مراد یہ ہے کہ اسکی کمیت مین اختلاف نہین آتا ہی اور ایمان کے قوت اور ضعف قبول کرنے مین اختلاف نہین ہے اور قوت و ضعف سے مراد اختلاف کیفیت ہے اس مین سب کا اتفاق ہے کہ کیفیت ایمان قوی بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی حنفیہ کو بھی اس کا انکار نہین ہے مگر بعض کہتے ہین کہ ملا علی کے اس قول کی صحت کتب حنفیہ سے نہین ہوتی انھون نے کہین اس کی تصریح نہین کی ہے اور یہ ہو بھی نہین سکتا اسلیئے کہ جب کیفیت مین اختلاف آیا تو کمیت مین بھی بالضرور اختلاف آجاے گا اسلیئے کہ کمیت اور کیفیت دونون مرتبۂ ذات کو عارض ہوتی ہین حالانکہ گفتگو اس مین ہے کہ نفس ذات ایمان مین کمی زیادتی اور ضعف و شدت واقع ہوتی ہین یا نہین مؤلف کہتا ہے کہ مطلب ملا علی قاری کا شاید یہ ہوگا کہ حنفیہ جو کہتے ہین کہ ایمان مین زیادتی اور نقصان نہین پیدا ہوتے ہین اس سے مراد یہ ہے کہ ذات تصدیق زیادتی اور نقصان کو قبول نہین کرسکتی اسلیئے کہ یقین کا مرتبہ ایک ہی ہے اور یہ ایک ایسی حالت ہے جس مین کسی طرح شک و شبہہ پیدا نہین ہو سکتا تفاوت جو واقع ہوتا ہے وہ ایمان یعنی تصدیق کی جلا اور خفا اور ظہور احکام و آثار مین پیدا ہوتا ہے کہ بوجہ عارض کے ہے اور ذات سے خارج ہے پس اس صورت مین نزاع لفظی ثابت ہوتا ہے اور تحقیق مقام بھی یہی ہے واطومنون مستوون فی الایمان والتوحید متفاضلون فی الاعمال اور تمام مسلمان اصل ایمان اور نفس وحدانیت مین برابر ہین عمل کرنے مین کم و بیش ہین اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالح ایمان کا جز نہین ہین اسلیئے کہ اعمال بڑھتے بھی ہین گھٹتے بھی ہین مثلاً بعض آدمی پانچون وقت کی نماز پڑھتے ہین اور بعض آدمی بعض وقت کی نہین پڑھتے پھر اس دوسرے کی نماز بھی صحیح ہوتی ہے باطل نہین ہوتی اسی طرح بعض آدمی رمضان کے سارے مہینے کے روزے رکھتے ہین اور بعض آدمی کچھ دنون کے رکھتے ہین اور کچھ دنون کے نہین رکھتے اور اس دوسرے کے روزے صحیح ہوتے ہین باطل نہین ہوتے اسی طرح تمام اعمال کو قیاس کرلینا چاہیے

اور ایمان کا یہ حال نہین اسلیئے کہ اگر بعض ایمانیات پر ایمان لایا جاے اور بعض پر نہ لایا جاے تو ایمان صحیح نہوگا بلکہ باطل ہوگا تصدیق اور اعمال یہ دونون دو چیز ہین ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہین پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل و تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے جو خدا نے قرآئین یہ اطلاقات کیئے ہین کیا کوئی اُس شخص کو جو خدا کے اور رسول خدا کے پہچاننے مین گمراہ ہو اُس شخص کی برابر قرار دے گا جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جو کہ رسول کریم نے ایمان کی تفسیر اس طرح کی ہے ان تومن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ یعنی ایمان یہ ہے کہ تو یقین لائے دل سے اللہ پر اور اُس کے ملائکہ پر اور اُس کی کتابون پر اور اُس کے پیغمبرون پر اور آخرت کے دن پر اور ایمان لائے تقدیر کی بھلائی اور برائی پر جیسا کہ عمر بن خطاب سے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال ایمان مین داخل نہین ہین جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان رکھتا ہو اور اعمال صالحہ نہ رکھتا ہو اور گناہان کبیرہ کرتا ہو تو آخرکار جنت مین داخل ہوگا اسلیے امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ الایمان لایزید و لا ینقص یعنی نفس ایمان کہ اقرار باللسان اور اعتقاد جازم ہے اُس مین کمی بیشی متصور نہین ہے اسلیئے کہ اگر اعتقاد مین کسی قسم کا شک و ریب ہے تو ایمان نہین اور اگر ریب و شک نہین بلکہ یقین ہے تو ایمان ہے یہ حصر نفی و اثبات مین دائرہ ہے پس ایمان مین زیادتی اور نقصان کی گنجائش نہین لیکن چونکہ اکثر حدیثون اور قرآن کی آیتون سے ایمان کی کمی بیشی مفہوم ہوتی ہے اسلیئے امام شافعی اور اکثر محدثین کی رائے ہے کہ ایمان کم و بیش ہوتا ہے اور تحقیق مقام یہ ہے کہ جیسا کہ ہر چیز کے لیے تین وجود ہوتے ہین وجود عینی وجود ذہنی وجود لفظی اسی طرح ایمان کے لیے بھی یہ تینون وجود ہین اور قاعدہ مقرری ہے کہ ہر چیز کی اصل وجود عینی ہوتا ہے اور باقی وجود اسی وجود کے تابع اور فروع مین سے ہوتے ہین پس **وجود عینی** ایمان کا ایک نور ہے جو دل مین پیدا ہوتا ہے بوجہ دفع ہونے حجاب کے جو بندے کے اور حق تعالےٰ کے درمیان مین ہوتا ہے اور یہی نور ہے کہ جسکے سبب کو

ق مقام

ن کا وجود عینی

سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ذکر کیا ہے اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور اللہ اُن لوگون کا دوست ہے جو ایمان لائے اُن کو اندھیرون سے اُجالے مین نکالتا ہے اور یہ نور تمام انوار محسوسہ کی طرح قوت وضعف اور شدت وانتقاص کے قابل ہے چنانچہ اذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وغیرہ ایسی بہت سی ایات مین اُس کی طرف اشارہ ہے اور اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت حجاب اُٹھ جاتا ہے تو وہ نور زیادہ ہو جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑ لیتا ہے یہانتک کہ اپنے اوج کمال تک پہونچ جاتا ہے اور وہ نور منبسط ہو کر تمام قوی واعضا کو گھیر لیتا ہے پس دل انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق اشیا پر مطلع ہوتا ہے اور غیب کی خبرین اسکی قوت مدرکہ پر روشن ہوتی ہین اور ہر ایک کو اُسکی اصلی حالت پر پہچانتا ہے اور جن چیزون کی انبیا علیہ السلام نے خبر دی اُنکا صدق اجمالا وتفصیلا وجدانی ہو جاتا ہے جسقدر نور اور انشراح صدر بڑھتا ہے اسیقدر اوامر الٰہی کی بجا آوری اور ممنوعات شرعی سے بچنے کے لیے دل قائم ہوتا ہے اور اس وقت مین انوار اخلاق فاضلہ وملکات حمیدہ اور اعمال صالحہ متبرکہ نور معرفت سے ملکر ایک عجیب روشنی طبیعت شہویہ وبہیمیہ مین پیدا کر کے ظلمت کو دور کر دیتے ہین چنانچہ اسی معنی کی طرف سورۂ حدید کی اس آیت مین اشارہ ہے تری المؤمنین والمؤمنات یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم تو ایمان والے مردون اور عورتون کو دیکھے گا کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دہنی طرف دوڑتا ہوگا اور ایمان کا وجود ذہنی دو مرتبے رکھتا ہے (۱) اُن معارف اور امور غیبی کا ملاحظہ اجمالی کرنا جنپر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ دلالت کرتا ہے اور اُن کا ظہور وانکشاف کلی طور پر ہوا ہے اور اس ملاحظے کو تصدیق اجمالی کہتے ہین (۲) امور غیبی مین سے ہر ایک شے کا تفصیلی طور پر علیحدہ علیحدہ ملاحظہ کرنا اور جو ربط کہ اُن مین موجود ہے اُسکو بھی لحاظ کرنا اور اس ملاحظے کا نام تصدیق تفصیلی ہے ایمان کے وجود لفظی کو شارح کی اصطلاح مین شہادتین کہتے ہین اور ظاہر ہے کہ ہر چیز کا وجود لفظی بدون موجود ہونے اُس چیز کے کچھ بھی مفید نہین ہوتا اگر ایسا ہوتا تو پیاسے کو پانی کا نام لینا ہی

ایمان کا وجود ذہنی

ایمان کا وجود لفظی

سیراب کر سکتا اور بھوکے کو روٹی کا نام لینا تسلی بخش ہو سکتا مگر چونکہ ما فی الضمیر کا تعبیر اور بیان کرنا بغیر کلام کے عالم بشری مین ممکن نہ تھا مجبوراً کلمہ شہادت کو آدمی کے مومن کہنے مین بڑا دخل دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مین لوگون سے لڑنے کے لیے حکم کیا گیا ہون یہانتک کہ لا الہ الا اللہ کہین پھر جس نے لا الہ الا اللہ کہا مجھ سے اپنا مال اور جان بچائی اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ اس تحقیق سے کیفیت زیادتی وکمی اور قوت وضعف ایمان کی اچھی طرح ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ جو حدیث صحیح مین آیا ہے لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن یعنی زنا کرنے والا زنا نہین کرتا جس وقت کہ زنا کرتا ہے اور وہ مومن ہے اور یہ جو حدیث مین آیا ہے کہ حیا ایمان سے ہے جیسا کہ احمد اور ترمذی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور یہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص ایمان نہین لاتا جس کی بدیون سے ہمسایہ امن مین نہین ہوتا جیسا کہ بخاری ومسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے یہ باتین کمال ایمان پر اپنے وجود عینی مین محمول ہین اور جن لوگون نے زیادتی ونقصان کی نفی کی ہے اُن کی مراد ایمان سے وجود ذہنی کا پہلا مرتبہ ہے پس نزاع اور خلاف نہ رہا اور بظاہر کچھ خلاف اور نزاع بھی معلوم ہوتا ہے تو وہ نزاع لفظی سا ہے اسلیے کہ فقط اقرار زبانی اور تصدیق قلبی فریقین کے نزدیک مومن کو خلود فی النار سے دور کر دیتا ہے مومن بے عمل بھی کبھی نہ کبھی جہنم سے نکلکر بہشت مین جائے گا یہ نہو گا کہ وہ ہمیشہ دوزخ مین رہے گا جس طرح کہ بے ایمان مخلد فی النار ہونگے اور ایمان مین نورانیت کی زیادتی اور درجات مین ترقی کے لیے بالاتفاق ہمراہ ایمان کے عمل صالح بھی ضرور ہے ثمرات مرتبت کا حصول اوامر الٰہی کی بجا آوری اور مناہی سے اجتناب پر موقوف ہے اس صورت مین نزاع لفظی ثابت ہوا والاسلام ھو التسلیم والانقیاد لاوامر اللہ تعالیٰ فمن طریق اللغۃ فرق بین الایمان والاسلام ولکن لا یکون ایمان بلا اسلام ولا اسلام بلا ایمان فھما کالظھر مع البطن اسلام سے کہتے ہین کہ اللہ کے احکام کا باطن مین مان لینا اور ظاہر مین بجا لانا پس لغت کی رو سے ایمان اور اسلام کے معنون مین

(ن) زیادتی وکمی وقوت وضعف ایمان

فرق ہے لیکن شرع مین ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے نہین ہوتا پس وہ دونون کو یا پشت اور شکم ہین مطلب یہ ہے کہ اسلام شرع مین احکام الٰہی کی فرمان برداری کو کہتے ہین پس باعتبار لغت کے ایمان اور اسلام مین فرق ہے مگر شرع مین کوئی فرق نہین ہے کیونکہ شرع مین ایمان بدون اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے نامعتبر ہے جو تعلق پشت کو شکم کے ساتھ ہے وہی ایمان کو اسلام کے ساتھ ہے ملا علی قاری اس متن کی شرح مین کہتے ہین کہ دیکھو اگر ایمان بغیر اسلام کے معتبر ہوتا تو اہل کتاب ورابو طالب اور ابلیس قطعاً مؤمن ہوتے کیونکہ یہ دین محمدی کی حقیقت کو بخوبی جانتے تھے چونکہ اسلام نہ لائے اسیلئے اُن کا ایمان معتبر نہ ہوا مگر یہ قول ملا علی قاری کا نہایت نادرست ہے اسیلئے کہ ان مین انقیاد باطنی ہوتا تو ایمان لان کا متحقق ہوجاتا اور عند اللہ ضرور مؤمن ہوتے گو عند الناس اُن کا ایمان ثابت نہوتا دوسرے یہ بھی تو ہے کہ صرف حق جان لینا ہی ایمان نہین ہے قبول کرنا اور یقین لانا بھی ایمان کےلیے ضرور ہے کفایہ مین مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ امر ونہی وغیرہ کی خبر دی ہے اُس کی تصدیق کا نام ایمان ہے اور اسلام اُس کی الوہیت کے تسلیم کرلینے اور فرمان برداری سے پیش آنے کو کہتے ہین اور تسلیم جب ہی متحقق ہوگی کہ اُسکے امر ونہی کو مان لے پس ایمان اسلام سے حکما جُدا نہین ہوسکتا لہذا مغایرت ان مین نہوگی اور تبصرہ کی عبارت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف ہین یعنی دونون ایک اعتبار سے ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہین مگر بیان اس طرح کیا ہے کہ دونون مین تلازم نکلتا ہے اور ابن ہمام بھی تلازم کے قائل ہین جس کا مطلب یہ ہے کہ شرع مین یہ صحیح نہین ہے کہ کسی کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ مؤمن ہے اور حال یہ ہے کہ مسلمان نہو یا یہ کہا جاے کہ وہ مسلمان ہے اور حقیقت مین وہ مؤمن نہو اور ہم نے بھی اسلام وایمان کی وحدت سے یہی مراد لی ہے یعنی اسلام اور ایمان مین تلازم ہے جب ایک کسی پر صادق آئے گا تو دوسرا بھی بالضرور صادق آئے گا اور امام کے ظاہر کلام سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام کے ایک ہونے سے یہ مراد ہے کہ ایک

دوسرے سے جدا نہین ہوسکتا نہ یہ کہ دونون کا مفہوم ایک ہے اور اصطلاح مین جس چیز کا نام ایمان ہے وہ عین اسلام ہے شیعہ ایمان اور اسلام مین غیریت ثابت کرتے ہین اور اپنی جالون کو مومن کہتے ہین اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہین اور فرق اس مین یون کرتے ہین کہ مومن وہ ہے جو شرائع کو اُس کے حقائق اور تاویل کے ساتھ جانتا ہو اور مسلمان وہ ہے جو شرائع کو بغیر علم تاویل و تفسیر کے جانے اور معتزلہ کی راے یہ ہے کہ ایمان باطن سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام ظاہر سے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق مسلم ہے نہ مومن جو لوگ تغائر ثابت کرتے ہین اُن کے دلائل مین سے ایک دلیل یہ آیت ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم یعنی اعراب کہتے ہین ہم ایمان لائے تو کہدے کہ تم ایمان نہین لائے لیکن کہو ہم مسلمان ہوے اور تمھارے دلون مین ایمان داخل نہین ہوا ایمان دل سے سچ ماننا ہے اور اسلام صلح مین داخل ہونا اور مومنون کی لڑائی اور مقابلے سے نکلنا ہے اظہار شہادتین کے ذریعہ سے چنانچہ اس مطلب پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے وان تطیعوا اللہ ورسولہ لا یلتکم من اعمالکم شیئا یعنی اگر اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلوگے تو اللہ تمھارے کامون مین سے کچھ کاٹ نہ لے گا پس اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور چیز ہے اور ایمان اور چیز ہے اسلیے کہ اس مین اعراب کا اسلام ثابت کیا گیا ہے اور ایمان کی اُن سے نفی کی گئی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو اسلام شرع مین معتبر ہے وہ یہ ہے کہ اطاعت ظاہری کے ساتھ اطاعت باطنی بھی ہو اور ایسا اسلام بدون ایمان کے پایا جانا ممکن نہین اور ایسا ہی اسلام دوزخ مین ہمیشہ رہنے سے نجات بخشتا ہے اور اعراب کی نسبت جو اسلام ثابت کیا گیا ہے وہ صرف انقیاد ظاہری ہے جس مین انقیاد باطنی کا نام بھی نہین جس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی زبان سے تو کلمہ شہادت ادا کرے اور دل مین اُسکی تصدیق نہ کرے اور یہ آیت کرامیہ کے مذہب کو رد کرتی ہے جو یہ کہتے ہین کہ ایمان دل سے نہین ہوتا بلکہ زبان ہی سے

ہوتا ہے اور دوسری دلیل حدیث جبرئیل علیہ السلام کی ہے جو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
سے مرفوعاً صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی
دے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اُس کے رسول ہیں
اور تو نماز پڑھے اور زکوۃ دے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اللہ کے گھر کا حج کرے
اگر اُس تک رستہ پائے خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام بجالانا ان پانچوں رکنوں کا ہے اور یہ
اعمال ظاہر میں سے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسلام اعضا کے فعل کا نام ہے اور ایمان نام ہے
اعتقاد باطن کا یعنی ایمان لانا دل کا عمل ہے قلب کا فعل ہے جواب اس کا یہ ہے کہ تمام
چیزیں جو حدیث میں مذکور ہوئیں وہ اسلام کے ثمرات و علامات ہیں اور دلیل اُس پر یہ ہے
کہ نصوص میں آیا ہے کہ اسلام مدار ہے نجات کا دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے اور اعمال مذکورہ
مدار نجات نہیں ہیں پس ان کا تارک ہمیشہ دوزخ کی آگ میں نہ جلے گا اور جو شخص اسلام سے
منحرف ہو جائے گا وہ قطعاً ہمیشہ کے واسطے جہنم میں ڈالا جائے گا تو اس تقریر سے ثابت ہوا
کہ اسلام اعمال ظاہری کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بھی مثل ایمان کے تصدیق دلی ہے اور بے شک
خلاف اسلام سے کفر ثابت ہوتا ہے مگر ترک عمل صالح سے کفر لازم نہیں آتا جب تک
اسلام باقی رہے اور یہ کہ ترک بعض اعمال صالحہ پر حکم تکفیر کا نصوص میں آیا ہے یہ بطور تہدید و تخویف
کے ہے اور جس طرح حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اسلام کے ثمرات و علامات کو رسول
علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اسی طرح اور حدیث میں ایمان کے ثمرات و علامات کو
بھی ذکر کیا ہے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت کے پاس قبیلہ
عبد القیس کے وکیل آئے آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانے سے کیا مراد
ہے انھوں نے عرض کی کہ اللہ اور اُس کا رسول ہی اسکو خوب جانتے ہیں آپ نے فرمایا
کہ اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم اُس کے رسول ہیں اور پڑھنا نماز کا اور دینا زکوۃ کا اور رکھنے روزے رمضان کے

اسلام کے ثمرات

ایمان کے ثمرات

اور مال غنیمت مین سے خمس نکالنا ایمان سے معلوم ہوا کہ جو ثمرات وعلامات اسلام کے ہین وہی ایمان کے بھی ہین اور یہ بھی دونون کے اتحاد کی ایک قوی دلیل ہے سوال تم تو کہتے ہو کہ اسلام اعمال ظاہری یعنی فعل اعضا کا نام نہین ہے حالانکہ قرآن مین وارد ہے ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی دین جو ہے اللہ کے یہان یہی اسلام ہے اور دین کی تعریف مین فرمایا ہے ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکوۃ وذلک دین القیمۃ یعنی قائم رکھین نماز اور دین زکوۃ اور یہ ہے دین مضبوط لوگون کا اور امام ابو حنیفہ نے بھی اس متن مین آگے چلکر بھی فرمایا ہے کہ دین مین تمام شرائع داخل ہین تو نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ اسلام اعمال ظاہر اور شرائع کا نام ہے جواب تحقیق مقام یہ ہے کہ اسلام کو شرع مین کئی طریق پر استعمال کیا ہے مگر اصلی معنے اُسکے انقیاد یعنے فرمان برداری کرنے کے ہین پس جس صورت کے ساتھ اُسکو استعمال کیا ہو وہان اصلی معنے کا ضرور لحاظ ہوگا اور نتیجہ اُس کا آخرکار تصدیق قلبی پر آکر ٹھہرے گا جو ایمان کی حقیقت ہے کیونکہ جو شخص احکام الٰہی کی فرمان برداری کرتا ہے اُسکو تصدیق بلاشبہ حاصل ہوتی ہے والدین اسم واقع علی الایمان والاسلام والشرائع کلہا اور دین ایک نام ہے جس کا اطلاق ایمان اور اسلام اور تمام شرائع پر ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ لفظ دین جب بولا جاتا ہے تو مراد اُس سے تصدیق اور اقرار اور انبیا کے احکام کا قبول کرنا ہوتا ہے کیونکہ اللہ کا دین آسمان اور زمین پر ایک ہی ہے البتہ انبیا کی شرائع ضرورت وقت کی مناسبت سے مختلف ہوگئی ہین اسی واسطے عامہ شافعیہ اور اکثر حنفیہ اور متکلمین کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ تمام انبیاے سابقین کی شرائع ہمارے لیے لازم ہین کیونکہ ہر ایک نبی ماقبل کی شریعت نبی مابعد کے دین مین قیامت تک باقی ہے مگر اگلی شریعت مین سے جس بات کا منسوخ ہوجانا دلیل سے ثابت ہوجاے وہ البتہ باقی نہین اور اکثر متکلمین اور کچھ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت اُسکی وفات کے بعد یا دوسرے نبی کے آنے کے بعد باقی نہین رہتی البتہ اصول دین مین انبیاے ماسبق کی پیروی ضرور ہوتی ہے اور بعض کی

شرائع انبیاء سابقین کی تحقیق

راے یہ ہے کہ انبیاے ماسبق کی شرائع کے جو کچھ احکام باقی ہین وہ اب نبی آخر الزمان کی شریعت کے احکام سمجھے جاتے ہین کیونکہ یہ انبیا سے سابق کی شرائع کے وارث ہین اور نسخ کی حکمت یہ ہے کہ احکام مصلحت کے تابع ہوا کرتے ہین اور جس طرح وقت اور شخص بدلتے رہتے ہین اسی طرح مصلحتین بھی بدلتی رہتی ہین اور اس کی مثال بعینہٖ طبیب کی ہے کہ ہر وقت مین اعتدال مزاج کی فکر رکھتا ہے جس طرح اشخاص اور وقت مختلف ہوتے ہین طبیب کے احکام مین بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے پس جو کچھ وہ جوان کو دیتا ہے بڈھے کو نہین دیتا اور جیٹھ بیساکھ مین شب کو میدان مین سونے کی اجازت دیتا ہے اسلیے کہ وہ جانتا ہے کہ اُس وقت مین میدان مین اعتدال کی حالت ہوتی ہے اور کنوار کاتک مین کہتا ہے کہ سائے کے تلے سونا چاہیے کیونکہ میدان مین شبنم گرتی ہے اور وہ حالت اعتدال کی باقی نہین رہتی

نسخ کی حکمت

مذہب کی نسبت کسی نبی کی طرف نہین کی جاتی اسلیے کہ مذہب اصطلاح مین ایک ایسے رستے کو کہتے ہین جو پیغمبر کے بعض اُمتیو نپر شریعت کے سمجھنے مین ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ اپنی عقل وقیاس سے چند قاعدے مقرر کر لیتے ہین جن کے موافق مسائل شرعی اپنے ماخذ سے مستنبط کیے جاتے ہین اسلیے صواب وخطا کا احتمال رکھتا ہے اور نبی خطا سے معصوم ہے -

مذہب

ہان انبیا سے اجتہاد مین خطا واقع ہو جانا ممکن ہے کہ وہ اپنی عقل کے زور سے شرع کے قواعد سے ایک حکم نکالتے ہین اور وہ حکم خطا ہو جاتا ہے اور اکثر اہلسنت کی یہی راے ہے گو عموماً شیعہ اور بعض اہل سنت اس راے کے مخالف ہین مگر حق یہ ہے کہ انبیا کے اجتہاد مین بھی خطا جائز ہے اور دلیل اسپر حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کا قصہ ہے جو قرآن مین مذکور ہے کہ ایک شخص کی بکریون نے دوسرے شخص کے کھیت کا نقصان کر دیا تھا حضرت داؤدؑ نے نقصان کے عوض مین تمام بکریان کھیت والے کو دلادین اور یہ فیصلہ اُن کا درست نہ تھا پھر حضرت سلیمانؑ نے یہ تجویز کیا کہ کھیت والے کو بکریان سونپ دی جائین کہ وہ اُن کے دودھ اور بچون سے نفع لے اور بکریون والا اُسکے کھیت کو پانی دیکر پرورش کرے جب حالت اول کو پہونچے تو مدعی کا کھیت دیکر اُس سے اپنی بکریان لیلے حضرت داؤدؑ نے

انبیا سے خطاءِ اجتہادی کا صدور

حکم اول کو منسوخ کر کے موافق تجویز سلیمانی حکم کیا متخاصمین خوش ہو گئے دوسری دلیل اسپر یہ ہے
کہ آنحضرت نے اسیران جنگ بدر سے فدیہ لیکر اُن کو چھوڑ دیا اور یہ اجتہاد آپ کا خطا ہوا مگر حکم
اجتہاد ناقص باور رُسا نہین ہوتا اگر انبیا کے اجتہاد مین خطا نہوتی تو اُس حادثے کے متعلق وحی
نازل نہوتی تھی اور اگر خطا واقع ہو جاتی تھی تو اللہ وحی بھیجکر اس خطا پر مطلع کر دیتا تھا بخلاف مجتہدین اُمت کے
کہ جب اُن سے اجتہاد مین خطا ہو جاتی ہے تو اُنکی خطا روز قیامت تک باقی رہتی ہے نعرف اللہ تعالی حق معرفتہ
کما وصف نفسہ فی کتابہ بجمیع صفاتہ ہم اللہ تعالی کو پہچانتے ہین جیسا کہ اسکو پہچاننا چاہیئے جسطرح اُس نے
اپنی کتاب مین ذات کو اپنی تمام صفتون کیساتھ بیان کیا ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی معرفت کے لیے ایمان
اجمالی یعنی اللہ تعالی کے وجود اور وحدت اور پیغمبر کی پیغمبری اور اللہ اور رسول کے وعدے قیامت اور بہشت
اور دوزخ کے باب مین اور جو چیز کہ اُس پر اعتقاد ضرور ہے سب کا علم اجمالی کافی ہے سبکی
دلیل قرآن وحدیث سے جاننا ضرور نہین اور جب اس قدر حاصل ہو جاے تو مومن کو یہ کہنے کا
حق حاصل ہے کہ اللہ تعالی کو جس قدر پہچاننا چاہیئے مین اُس قدر اُسکو پہچانتا ہون اور وہ جو مشہور
ہے ما عرفناک حق معرفتک یعنی تجھکو ہم ایسا نہین پہچانتے جیسا کہ تجھکو پہچاننا چاہیئے تو یہ قول
مبنی ہے اس بات پر کہ ذات الٰہی کا ادراک اور اُس کی کنہ صفات کا احاطہ مخلوقات کی قدرت
سے باہر ہے کیونکہ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ جسم ہے نہ اُس کے اجزاے ذہنی ہین جیسے جنس و فصل
نہ اجزاے خارجی ہین جیسے متکلمین کے نزدیک اجزاے لا یتجزے یا حکما کی اصطلاح مین ہیولے
وصورت نہ اجزاے تحلیلی ہین جیسے خاک و باد و آتش و آب نہ اجزاے بالفعل ہین جیسے ناک کان
ہاتھ پانون وغیرہ نہ اُس کی کوئی حد ہے نہ شکل ہے نہ صورت ہے کیونکہ یہ سب خواص اجسام سے
ہین جو اُن مین کمیت اور کیفیت اور ابتدا اور انتہا کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین اور اللہ تعالے
نہ جسم ہے نہ جسمانی نہ روح نہ روحانی پس احمد بن حائط نے جو ان اللہ خلق ادم علی صورتہ
کے یہ معنے کیے ہین کہ اللہ تعالے نے آدم کو اپنی ذات کی صورت پر پیدا کیا ہے یہ بالکل غلط ہے
اول تو اس حدیث کی سند مین بعض وجوہ سے ضعف ہے دوسرے صورتہ مین جو ضمیر ہے وہ آدم ہی کی

ایمان اجمالی

ان اللہ خلق آدم علی صورتہ کی تحقیق

طرف پھرتی ہے تیسرے صورت کو خدا کی طرف تھوڑے سے تعلق کے سبب سے اظہار کمال اختصاص کے لیے مضاف کر دیا ہے مراد یہان پر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جتنی صورتین ایجاد کی ہین اُن سب مین آدم کو اعلےٰ درجے کی صورت عطا کی ہے جس طرح کہ قرآن مین فرمایا ہے ونفخت فیہ من روحی یعنی آدم مین مین نے اپنی روح پھونکی یعنی اُس کی روح کو اپنی صفات کا نمونہ کہ علم وحکمت ہین عطا فرمایا ذہبی نے میزان مین اس حدیث کی تصحیح کر کے لکھا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ آدم کی صورت کو اپنی صفات کا نمونہ بخشا کہ اُسی وجہ سے مراتب سلوک کو طے کرتا ہے اور پست درجے سے بلند درجے کی طرف ترقی کرتا ہے ولیس یقدر احد ان یعبد اللہ حق عبادتہ کما ھو اھل لہ اور کسی کی یہ قدرت نہین کہ اللہ تعالیٰ کی اُس قدر عبادت کا حق ادا کر سکے جتنے کا وہ مستحق ہے کیونکہ عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کی جاے اور اُس کی عظمت وشان کی کوئی انتہا نہین پس بندے مین یہ قدرت نہین کہ جس عظمت وجلال کے وہ لائق ہے اُسکو ادا کر سکے در حقیقت وہ ثواب دیتا ہے بقدر اُس ثواب کے عبادت کر سکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہین ماعبدناک حق عبادتک یعنی ہم نے تیری اتنی عبادت نہین کی جیسا تیسری عبادت کا حق ہے انبیا علیہم لسلام گو گناہون سے معصوم ہین مگر طاعت وعبادت کی کمی سے کوئی خالی نہین جو عبادت کا حق ہے وہ کسی سے ادا نہین ہوسکا پس بندہ کسی حالت مین ایسے درجے کو نہین پہونچ سکتا کہ اُس کی عبادت کی ذمہ داری سے بری ہوسکے آیت ذیل دلالت کرتی ہے کہ ہر شخص موت تک تکلیف عبادت کے ساتھ مکلف رہتا ہے واعبد ربک حتے یاتیک الیقین یعنی اپنے رب کی عبادت موت کے آنے تک کرتا رہ اور سب مفسرین متفق ہین کہ یقین سے مراد یہان پر موت ہے محبت الٰہی اور صفاے قلب ور ایمان مین انبیا علیہم السلام کامل ہین اور اُن سے بھی مرتے وقت تک عبادات ساقط نہین ہوئین خاص آنحضرت پر تہجد فرض تھی مغیرہ سے شیخین نے روایت کی ہے کہ شب بیداری کرتے ہوے آنحضرت کے پاے مبارک ورم کر آئے تھے اور ترمذی نے سعید بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ انبیا محنت ومصیبت مین زیادہ گرفتار ہوتے ہین پھر

وہ جو انبیاؑ کے مشابہ ہو پھر وہ جو اُس کے مشابہ ہو آدمی اپنے دین کے موافق مبتلا کیا جاتا ہے اگر
اپنے دین مین پکا ہوتا ہے تو اُس کی مصیبت زیادہ ہوتی ہے اور اگر اُس کے دین مین کچا پن ہوتا ہے
تو اُس پر مصیبت ہلکی اور کم کی جاتی ہے اور مصیبت کی وجہ سے مغفرت ہو جاتی ہے یہانتک
کہ زمین پر چلتا ہے اور اُس کے لیے کوئی گناہ نہین ہوتا اور بخاری و مسلم نے عبد اللہ بن عمرؓ سے
روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ نمازون مین بہتر نماز اور روزون مین بہتر روزہ اللہ کے
نزدیک حضرت داودؑ کا تھا کہ وہ آدھی رات تک سوتے اور پھر تہائی رات تک نماز پڑھتے
اور پھر رات کے چھٹے حصے مین سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے
اور یہ جو بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ سالک جب مقام معرفت تک پہونچ جاتا ہے تو اُس سے
تکلیف عبادت دور ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عارف سے عبادت الٰہی اُسوقت
بلا دقت اور کلفت کے صادر ہوتی ہے اور اُس عبادت کی مشقت اور بوجھ اُس سے ساقط
ہو جاتا ہے نہایت طیب خاطر سے انجام دیتا ہے جیسا کہ قرآن مین ہے واستعینوا بالصبر
والصلوٰۃ یعنی قوت پکڑو محنت سہارنے سے اور نماز سے اُن کامون پر جو مشکل ہین وانہا
لکبیرۃ اور تحقیق وہ نماز کہ حضور دل اور تمام شرائط ظاہر و باطن کے ساتھ ہو البتہ مشکل اور بھاری
ہے ہر کسی سے نہین ہوتی الا علی الخاشعین مگر اُن آدمیون سے جن کے دل پگھلے ہوے
اور رجوع الی اللہ کے ساتھ عادی ہو گئے ہین اور انکا نفس توجہ الی اللہ سے تسکین قبول کرتا ہی کیونکہ ایسے
لوگون کے حق مین نماز قرۃ العین (آنکھ کی ٹھنڈک) ہی پس سالک کے مقام معرفت مین پہونچ جانے کے بعد عبادت
عادت ہو جاتی ہے بلا تکلف اُسکو ادا کرتا ہے اور اُسکو عبادت مین مزہ آتا ہے اور دل مین
کشادگی پیدا ہوتی ہے ولکنہ یعبد ہ بامر ہ کما امرہ بکتابہ و سنۃ رسولہ لیکن بندہ
اللہ کے حکم سے عبادت کرتا ہے جیسا کہ اللہ نے اُسکو اپنی کتاب اور سنت رسول کے ذریعہ سے
حکم دیا ہے کتاب کا لفظ عرف شرع مین کتاب اللہ پر بولا جاتا ہے جو مصاحف مین موجود ہے پس علم
کلام اور اصول فقہ مین کتاب سے مراد قرآن ہے اور یہ دوسرا نام زیادہ مشہور ہے اور سنت

سنت میں طریقے اور عادت کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں سنت کا استعمال دو طور پر ہوتا ہے (۱) عبادات میں سنت دین کے اُس طریقے کا نام ہے جس پر جناب سرور کائنات اور ان کے صحابہ چلتے تھے اور یہاں یہ معنی مقصود نہیں (۲) ادلۂ شرع میں سنت اسے کہتے ہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زبان مبارک سے جو فرمایا یا خود کیا یا جو اُن کے سامنے ہوا اور وہ اپنے اُسکو درست رکھا اسی طرح صحابہ نے جو کچھ زبان سے کہا یا خود کیا یا مقرر رکھا اور یہاں یہی معنی مقصود ہیں۔ امام کی غرض یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی بجاآوری سے عبادت کرتے ہیں ورنہ ہم اس لائق نہیں کہ اُس کی عبادت کا پورا پورا حق ادا کر سکیں یہی وجہ ہے کہ حضرت نے فرمایا لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک یعنی میں تیری ثنا اور تعریف کو گھیر نہیں سکتا تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی ذات کی خود تعریف کی ہے جیسا کہ مسلم میں علی مرتضیٰؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے اور حضرت ہر عبادت کے بعد استغفار کیا کرتے تھے جس میں یہ اشارہ تھا کہ آدمی کیسا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو مگر وہ اللہ کی پوری پوری عبادت ادا نہیں کر سکتا ویستوی المومنون کلھم فی المعرفۃ والیقین و التوکل والمحبۃ والرضاء والخوف والرجاء اور سب مسلمان معرفت اور یقین اور توکل اور محبت اور رضا اور خوف اور رجا میں برابر ہیں معرفت سے مراد اللہ کا علم ہے اسماء و صفات کے ساتھ اور یقین وہ علم ہے جس میں جانب خلاف کا احتمال نہ ہو اور مراد اس سے تصدیق ہے اور معرفت اور یقین میں بڑا فرق ہے اسلیئے کہ یقین دل کا قصد ہے اور اسمیں کسب اور تحصیل شرط ہے اور معرفت کبھی بلا کسب بھی حاصل ہو جاتی ہے مثلاً کسی شخص کی نگاہ بلا ارادہ کسی چیز پر جا پڑے تو اُسے اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ یہ جسم دیوار ہے یا دیوار نہیں پتھر ہے یا پتھر بھی نہیں درخت ہے وغیرہ وغیرہ پس اگر کوئی مُصدِّق تصدیق کو اپنے اختیار سے مخبر کی طرف منسوب کر دے تو اس کا نام تصدیق ہو گا اور اگر یہ بات خود بخود اُس کے دل میں آجائے کہ یہ مخبر صادق ہے اور ارادے و اختیار کو کام میں نہ لایا ہو تو یہ معرفت ہو گی نہ یقین

معرفت و یقین میں فرق

پھر جو یقین ذکر و نظر سے حاصل ہو اُسکو علم الیقین کہتے ہین اور جو مشاہدے سے حاصل ہو اُس کا نام عین الیقین ہے اور جو دونون طرح حاصل ہو وہ حق الیقین ہے اور توکل سے مراد اللہ پر بھروسا کرنا ہے اور محبت سے مراد اللہ اور اُس کے رسول کی محبت ہے اور رضا سے مراد تقدیر کی بھلائی کو پسند کرنا ہے اور خوف سے مراد اللہ کے عذاب و غضب سے ڈرنا ہے اور رجا لغت مین اُمید کو کہتے ہین اور اصطلاح مین دل کے تعلق کو کہتے ہین جو محبوب کے زمانہ آئندہ مین حاصل ہونے کے ساتھ ہو مطلب یہ ہے کہ جو چیز دل کو پسند ہے اُس کے زمانہ آئندہ مین حاصل ہونیکی اُمید رجا ہے خوف اور اُمید دونون لازم و ملزوم ہین اگر رجا کے ساتھ خوف نہو تو اسکو امن کہتے ہین اور خوف کے ساتھ رجا نہو تو اسکو یاس کہتے ہین اور امن و یاس دونون کفر ہین کیونکہ امن مین بالکل خوف جاتا رہتا ہے اور بندہ یقین کر لیتا ہے کہ اللہ تعالےٰ میرے گناہون سے مواخذہ نکرے گا بخش ہی دیگا اور اس مین انکار آیات وعید کا اور استحلال معاصی کا لازم آتا ہے اور یاس مین اس بات پر یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ میرے گناہ نہ بخشے گا سورۂ یوسف مین ہے لا ییأس من روح اللہ الا القوم الکافرون یعنی اللہ کے فیض سے محروم نہین ہوتے مگر کافر خلاصہ یہ ہے کہ عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے نا اُمید ہونا دونون کفر کی باتین ہین

علم الیقین عین الیقین حق الیقین

امن و یاس کفر ہین

و الایمان فی ذلک یعنے سارے مسلمان اس اعتقاد مین برابر ہین کہ تمام مسلمان برابر ہین معرفت یقین توکل محبت رضا خوف اور رجا مین مگر اشعری سے منقول ہے کہ ملائکہ اور انبیا اور عشرۂ مبشرہ علی الاطلاق بے خوف ہین اسلیے کہ عذاب الٰہی سے اُن کا مامون ہونا امر محقق بلکہ واجب ہے اور شیعہ اور قدریہ کہتے ہین کہ انبیا بھی عذاب الٰہی سے بے خوف نہین ہو سکتے جب تک وہ مکلف ہین امن مین ہون یانہون ابن حجر مکی نے ایک طول طویل فتوے لکھا ہے کہ انبیا اور ملائکہ عشرۂ مبشرہ کا بے خوف ہونا حق تعالی کے عذاب سے غلط ہے پھر ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو نفی عذاب کی خبر دی ہے وہ اُس چیز کے ساتھ مشروط ہو جس کا علم ہمکو نہین اور بعض نسخون مین صرف ایمان کا

ملائکہ اور انبیا اور عشرۂ مبشرہ عذاب سے بے خوف نہین

لفظ ہے فی ذلک اُس کے بعد نہین اور ایمان کا عطف رجا پر ہے یعنی جس طرح سارے مسلمان معرفت ویقین وغیرہ مین برابر ہین اسی طرح ایمان مین بھی برابر ہین مسلمانون مین باعتبار معرفت ویقین وتوکل ومحبت ورضا وخوف ورجا وایمان کے کسی طرح فرق نہین ویتفاوتون فی مادون الایمان وفی ذلک کلہ اور تمام مسلمان تصدیق اور اقرار کے سوا دوسری چیزون مین برابر نہین ہین مثلاً جو شخص اطمینان اور حضور دل اور تمام آداب کی رعایت کے ساتھ فرائض اور نوافل ادا کرتا ہے تو وہ بدرجہا اُس شخص سے بہتر ہے جو اس طرح ادا نہین کرتا اور اُن تمام چیزون مین بھی باہم تفاوت رکھتے ہین مثلاً کسی مین کم توکل ہے کسی مین زائد اور کوئی زیادہ محبت رکھتا ہے اور کوئی کم لیکن اصل ایمان مین سب برابر ہین اور اُسی تفاوت کی بناپر عند اللہ مؤمنین کے مراتب مین بھی تفاوت ہوتا ہے ان مین سے ایک قسم سابقین اور مقربین ہین اور دوسری قسم اصحاب الیمین اور مقتصدین اور اصحاب المیمنہ ہین اور سابقین مقربین بھی دو فرقے ہین فرقۂ اول کو عبارت شرع مین مجتبیٰ اور دوسرے فرقے کو منیب کہتے ہین چنانچہ اس آیت مین اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب یعنی اللہ چُن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرے ان نامون کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اہل سلوک کی اصطلاح مین ان دونون فرقون کو محبین اور محبوبین کہتے ہین اور مجذوبین اور سالکین جانتے ہین پس محبین وہ آدمی ہین کہ اول مجاہدہ اور انابت اختیار کرتے ہین بعد اسکے معرفت کا راستہ اُن پر کھولا جاتا ہے اور محبوبین وہ آدمی ہین کہ اول اُنکو مقبول کرکے معرفت حاصل کرادی بعد اس کے اُن کے دل مین مجاہدے اور انابت کا شوق پڑا ان دونون فرقونکو اہل اللہ کہتے ہین اور اصحاب الیمین کی تین قسمین ہین ایک فرقہ اہل فضل وثواب کا ہے کہ ایمان اور عمل صالح اللہ کے فضل اور ثواب کی اُمید پر بجا لاتا ہے اور فوجد واما عملوا حاضرا ولکل درجات مما عملوا اُن کے حال کا بیان ہے معنے اس کے یہ ہین کہ جو کیا ہے سامنے پاوینگے اور ہر شخص کے لیے اُسکے اعمال کے سبب سے جدا جدا درجے ہین اور ایک فرقہ اہل عفو کا ہے

اہل اللہ یعنی سابقین

اہل فضل وثواب قسمین

جن کے حال کو اس طرح بیان کیا ہے خلطوا عملاً صالحاً واخر سیئاً عسی اللہ ان یتوب
علیھم یعنی انھون نے عمل نیک و عمل بد کو ملا دیا امید ہے کہ اللہ ان کو معاف کرے اور
ایک جماعت ان مین سے ایسی ہے کہ بقدر اپنے گناہون کے معذب ہونگے یہانتک کہ
انبیا اور علما اور شہدا اور ملائکہ کی شفاعت سے نجات پاوینگے اور ان کو اہل عدل اور اہل
عقاب کہا کرتے ہین یہ اُن کے حال کا بیان ہے والذین ظلموا من ھؤلاء سیصیبھم
سیئات ما کسبوا یعنے ان مین سے جو گناہگار ہین اُن پر برائیان پڑینگی جو انھون نے
کمائی ہین اور منھم ظالم لنفسہ یعنی اُن مین سے بعض اپنی جانون کے لیے ظلم کرنے والے
ہین یہ بھی اُن کا عنوان ہے اور یہ تینون فرقے اہل آخرت کہلاتے ہین واللہ تعالے
متفضل علی عبادہ وعادل اور اللہ اپنے بندون پر فضل والا اور عادل ہے اہل سنت کا
مذہب یہ ہے کہ اللہ اپنے افعال مین عادل ہے یعنی اپنی مِلک و مُلک مین متصرف ہے
جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے عدل کہتے ہین وضع الشئ فی
موضعہ کو یعنی اپنی ملک مین تصرف کرنا اپنی مشیت وعلم کے مقتضی پر ظلم اسکے خلاف کو
کہتے ہین پھر اللہ تعالے اسے حکم مین جور اور تصرف مین ظلم نہین پایا جاتا معتزلہ کا یہ مسلک ہے
کہ عدل وہ چیز ہے جس کی عقل بلحاظ حکمت کے مقتضی ہو یعنی صواب اور مصلحت کے
طور پر صادر کرنا وقد یعطی من الثواب اضعاف ما یستوجبہ العبد تفضلا منہ
یعنی اللہ تعالیٰ کبھی اپنے فضل سے بندے کے حق سے اُسکو زیادہ دیتا ہے چنانچہ سورۂ
انعام مین ہے من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یعنی جو کوئی ایک نیکی لایا اُس کو اُس کے
دس گنا ہے اور حدیث قدسی مین مسلم نے ابوذر سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا وازید جو شخص ایک نیکی لائے گا اس کے لیے دس گنا
ثواب ہوتا ہے اور زیادہ بھی دیتا ہون لیکن یہ عطا ہر کسی کے واسطے نہین ہوتی ہے بلکہ
اُسی کے واسطے ہوتی ہے جسکو اللہ چاہے اور اس بات کے جتانے کے لیے کہ ہم برائی فضل و

احادیث موجبات

احسان ایسا کرتے ہین ہم پر ایسا کرنا واجب نہین فرمایا واللہ یضاعف لمن یشاء اس قید سے
یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ مختار ہے اُس پر کوئی بات واجب نہین ہے **سوال** احادیث موجبات
آئی ہین چنانچہ ابوسعید خدری کی روایت مین آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
جس نے کہا رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا وجبت لہ الجنۃ
رواہ ابوداؤد یعنی مین نے اللہ کا رب ہونا اور اسلام کا دین ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
رسول ہونا مانا اور دل سے مین اس پر راضی ہون اُس کے لیئے جنت واجب ہوگئی اور
جابرؓ نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے کہا کہ اے رسول خدا موجبات کیا ہین فرمایا جو
مرا بے شرک کے اُس کے لیے جنت واجب ہوئی اور جو شرک کی حالت مین مرا اُس کے لیئے
دوزخ واجب ہوئی رواہ عبد بن حمید دوسرا لفظ اس حدیث کا جابر سے یہ ہے کہ نہین ہے
کوئی نفس جو مرے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہین کرتا تھا مگر اُس کے لیے مغفرت
واجب ہوتی ہے رواہ ابن ابی حاتم ابن عباس کی حدیث مرفوعا یون ہے اللہ فرماتا ہے جس نے
جانا کہ مین گناہون پر قدرت والا ہون مین اُس کو بخش دیتا ہون کچھ پروا نہین کرتا جبتک
کہ اُس نے کسی شے کو میرا شریک نہین ٹھہرایا ہے شرک جہنم کو واجب کر دیتا ہے سارے
اعمال ضائع ہوجاتے ہین کتنے ہی صالح کیون نہون توحید جنت کو واجب کر دیتی ہے
کتنا ہی قاصر العمل کیون نہو یہ مضمون مفہوم بلکہ منطوق ہے حدیث جابر کا مرفوعا ثنتان موجبتان الی
قولہ من مات یشرک باللہ شیئا دخل النار ومن مات لا یشرک باللہ شیئا
دخل الجنۃ اخرجہ مسلم پیغمبر خدا نے معاذ سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندون پر
کیا ہے کہا اللہ و رسول جانتے ہین فرمایا اس کا حق بندون پر یہ ہے کہ اُس کی عبادت کرین
کسی شے کو اُس کا شریک نکرین بندون کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو کوئی اُس کے ساتھ کسی کو
شریک نکرے اللہ اسکو عذاب نکرے **جواب** یہ وجوب ازراہ فضل اور وعدے اُسکے
کے ہے نہ یہ کہ خواہ مخواہ اور مجبوراً اُس پر ایسے شخص کے لیئے جنت دینا واجب ہے کیونکہ

جو کچھ وہ دیتا ہے اُس کا فضل واحسان ہے ہمارا اُس پر کچھ استحقاق نہین ہے اگر وہ اضعاف
کی جگہ برابر بھی ثواب نہ دے تو اُس پر قباحت لازم نہین آتی کیونکہ ساری مخلوقات اُس کی
ذات پاک اور قدرت وافعال کی مملوک ہے اور مملوک کا مالک پر کیا استحقاق ہوتا ہے کہ
اُس کے حق مین بہتری اور فضل ومہربانی مالک پر واجب ہووے اُسکو اختیار ہے اپنے
مملوک کے ساتھ جیسا چاہے برتاؤ کرے اور حق سے زیادہ دینے اور لطف ومہربانی کرنے سے
اُس کی صفت عطا ولطف کا رُتبہ بڑھ نہین سکتا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی رحیمی اور کریمی سے
بندون کو ثواب اُن کے حق سے زیادہ دیتا ہے لیکن یہ اُس پر ضرور نہین کہ خواہ مخواہ اسکو کرے
وہ اپنے فعل مین مجبور نہین اُس پر کچھ واجب نہین وقد یعاقب علے الذنب عدلا منہ
اور کبھی گناہ پر عذاب دیتا ہے اپنے انصاف سے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اور یہ ظلم نہین ہے
کیونکہ ظلم وہ تصرف ہے جو غیر کی ملک مین بغیر اُس کے اذن کے ہو اور بندہ خالص اللہ کا مملوک ہے
مرجیہ اور جہمیہ کے نزدیک صغیرہ پر عذاب جائز نہین اور دلائل عقلی ونقلی دونون دلالت کرتی ہین
کہ اُس پر اللہ تعالے کا عذاب کرنا جائز ہے مسلم نے ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی سے روایت کی ہے
کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ایک عورت کو اس وجہ سے عذاب دیا گیا کہ اُس نے بلی کو باندھ رکھا تھا
نہ تو اپنے پاس سے کھلاتی تھی اور نہ کھانے کے لیے چھوڑتی تھی یہان تک کہ وہ بھوک کے
مارے مر گئی یہ صغیرہ گناہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ صغیرہ پر عذاب کرنا جائز ہے اور بعض معتزلہ کی
رائے یہ ہے کہ جب بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے تو اُس کے لیے عذاب ہونا جائز نہین
بلکہ وہ واجب العفو ہے اگرچہ عقل یہ چاہتی ہے کہ معصیت کی حیثیت سے اسپر بھی عذاب ہو
لیکن دلائل سمعیہ پر خیال کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجتنب کبیرہ کو صغائر کی سزا واقع نہو گی
چنانچہ سورۂ نسا مین مذکور ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم اگر تم کبائر
سے بچے رہو گے تو ہم تم سے تمھارے سیئات دور کر دینگے سیئات سے مراد صغائر ہین غرضکہ
منشا ان معتزلہ کی یہ ہے کہ اس قسم کے دلائل سمعیہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتنب کبائر

کے لیے صغائر سے عذاب کا امتناع وقوعی ہے نہ ذاتی اور نہ واقعی اور نہ عقلی اس صورت مین حکمت ارسال رسل کا خلاف بھی لازم نہین آتا اور نہ دعوت کا اصلی مقصود (یعنی ادائے طاعات و ترک منہیات) فوت ہوتا ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اس آیت مین کبیرہ سے مراد کفر ہے اس واسطے کہ جہان کبیرہ مطلقاً استعمال پاتا ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کی قید نہین ہوتی تو وہان کفر ہی مقصود ہوتا ہے کیونکہ افراد گناہون مین یہ فرد کامل ہے اور نہ تحقیق مقام یہ ہے کہ محض اجتناب کبائر ہی صغائر کا کفارہ نہین ہے بلکہ اُس کے ساتھ اُن احکام شرعی کی رعایت بھی ضرور ہے جنکی نسبت سنت مین یہ وارد ہے کہ یہ گناہون کا کفارہ ہین اور ظاہر ہے کہ احادیث ہی سے قرآن کی تفسیر ہوتی ہے اور چونکہ وہ احکام ظاہر ہین اور رسول کی زبانی بندون کو پہونچ چکے ہین اسلیئے اللہ تعالے نے اپنے کلام مین ترک فرما دیا اور وہ احکام مثلاً یہ ہین نماز اور جمعہ اور رمضان اور حج وغیرہ اور اجتناب کبائر مستلزم ہے واسطے تکفیر ان حسنات کے سیئات کو اسلیئے کہ جو کوئی نماز کو ترک کرے گا تو وہ مجتنب کبیرہ نہ سمجھا جاوے اور یہی حال روزے اور وضو وغیرہ کا ہے پس اس صورت مین کلام الٰہی مین جو کفارے کی نسبت اجتناب کبائر کی طرف ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سبب ہے اُس کا اور اس کی وجہ سے وہ حاصل ہو جاتا ہے وقد یعفو فضلا منہ اور کبھی اپنے فضل سے گناہ کو بخشدیتا ہے خواہ کبیرہ ہو یا صغیرہ اور اُس سے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو کسی کی مغفرت محال نہین اللہ چاہتا ہے تو بغیر توبہ کے بھی اپنی مہربانی سے بخشدیتا ہے اور یہ جو عبد اللہ بن عمر سے نسائی اور دارمی نے روایت کی ہے کہ بہشت مین تین شخص داخل نہونگے ایک دینے کے بعد احسان جتانے والا دوسرا ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا تیسرا شراب پینے والا تو اس سے مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ بغیر توبہ مر جائین تو فائزین یعنی نجات پائے ہوؤن کے ساتھ داخل نہونگے یا بغیر عذاب کے داخل نہونگے لیکن اگر اللہ چاہے گا تو بغیر عذاب کے بھی داخل کرے گا بموجب اس وعدے اپنے کے ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء حجۃ اللہ البالغہ مین مذکور ہے کہ اللہ تعالے کے

افعال یا تو عادت کے مطابق ہوتے ہین یا عادت کے خلاف پس اختلاف جہت کے بعد اختلاف نہین ہے اسلیئے کہ فاسق کے گناہ بلا توبہ بطریق خرق عادت کے اللہ تعالیٰ معاف فرماتا ہے نہ موافق عادت کے جس طرح کہتے ہین کہ سنکھیا کا کھانے والا مرجاتا ہے اور یہ بھی کہتے ہین کہ سنکھیا کا کھانے والا نہین مرتا ہے یہ دونون قضیے اگرچہ باہم متناقض ہین لیکن بسبب اختلاف جہت کے صادق ہین انتہی لیکن یہ قول معتزلہ کی طرف سے درست نہین اسلیئے کہ اُن کے نزدیک مرتکب کبیرہ کی مغفرت بالذات محال ہے اور اُس پر عذاب ہونا واجب ہے وشفاعة الانبیاء علیہم السلام حق وشفاعة نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم للمومنین المذنبین ولاھل الکبائر منہم حق اور انبیا کی شفاعت قیامت مین حق ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی شفاعت گناہ گار مسلمانون اور گناہ کبیرہ کرنے والون کے واسطے حق ہے۔ شفاعت مشتق ہے شفع سے اور اصل مین معنی اس کے ایک چیز دوسری چیز سے ملنا ہے اور شفاعت مین بھی شفیع کا مجرم کے ساتھ گناہون کی معافی کی درخواست کے لیے درگاہ رب العزت سے ملنا ہے اور شفاعتون کی تمام قسمین محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے لیے ثابت ہین بعض قسمین اُنھین سے مخصوص ہونگی اور بعض مین اور بھی شریک ہونگے اور اول جو شفاعت کا دروازہ کھولے گا وہ آنحضرت ہی ہونگے پس حقیقت مین تمام شفاعتین حضرت ہی کی طرف رجوع کرینگی اور وہی صاحب شفاعات علی الاطلاق ہین۔ عذاب سے نجات اور خلاصی کے لیئے اور واسطے رفع درجات اور زیادتی مراتب کے لیے انبیا اولیا علما شہدا اتقیا اور صلحا کی طرف سے شفاعت کا واقع ہونا ثابت ہے گو امام نے سوائے انبیا کے اورون کی شفاعت کا ذکر نہین کیا ہے۔ اور سلف صالح اور اُن کے بعد اہل سنت کا اسپر اجماع ہے اور معتزلہ حق غیر صاحب الکبیرہ مین شفاعت جائز بتاتے ہین اور اہل سنت کہتے ہین کہ مرتکب کبیرہ بخشا جائے گا البتہ کافر کی شفاعت نہوگی اور معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ شفاعت زیادتی ثواب کے واسطے ہوگی نہ عذاب سے نجات پانے کے لیے اہل سنت کے دلائل اُنکے

اہل سنت کے دلائل شفاعت

معتزلہ

مذہب پر مفصلہ ذیل ہین (۱) اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ مین حضرت عیسیٰ کی زبانی اُن کی اُمت کے باب مین بیان فرماتا ہے وان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم یعنی تو اگر اُنکو عذاب کرے تو وہ بندے تیرے ہین اور اگر اُنکو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا وجہ استدلال یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ شفاعت کرنا اتنی حالتون سے خالی نہین کہ یا تو کفار کے حق مین ہے یا مسلم مطیع کے حق مین یا مسلم صاحب صغیرہ یا مسلم مرتکب کبیرہ کے حق مین توبہ کے بعد یا مسلم صاحب کبیرہ کے حق مین توبہ کے قبل پہلی صورت تو باطل ہے اسلیئے کہ یہ کہنا کہ اگر تو اُنکو معاف کرے تو تو زبردست حکمت والا ہے کفار کی شان مین نہین ہوسکتا اور دوسری اور تیسری اور چوتھی قسم بھی باطل ہے اسلیئے کہ ایسے لوگون کو عذاب دینا معتزلہ کے نزدیک محال عقلی ہے اس صورت مین یہ کہنا کہ تو اگر اُنکو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہین ان تینون قسم کے مسلمانون کے حق مین لائق نہوگا اب یہان کہ شفاعت حضرت عیسیٰ کی مسلم صاحب کبیرہ کے حق مین قبل التوبہ ہے اور جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی شفاعت مرتکب کے حق مین قبل التوبہ ثابت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس کا کوئی قائل نہین ہے کہ ایسے مرتکب کبیرہ کی عیسیٰ نے تو شفاعت کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہین کرینگے (۲) سورۂ مریم مین ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمان عھدا جس دن ہم پرہیزگارون کو رحمان کے پاس مہمان جمع کرینگے اور ہم گناہگارون کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانکین گے سفارش کا اختیار نہین پائینگے مگر جس نے رحمن سے عہد لیا ہے مراد یہ ہے کہ وہ مجرمین جنکو دوزخ کیطرف پیاسے ہانکین گے غیر کی سفارش کا اپنے حق مین اختیار نہین رکھتے مگر جس مجرم کے سلئے اللہ نے عہد کیا ہے اسی کی سفارش ہوگی وراس آیت سے ثابت ہے کہ مرتکب کبیرہ کی شفاعت ہوگی کیونکہ وہ ایسے مجرمین مین داخل ہے جنھون نے سفارش کا عہد لیلیا ہے اور اسکے عہد لینے کی یہ صورت ہے کہ وہ توحید کا قائل ہے اسلام رکھتا ہے (۳) سورۂ انبیا مین اللہ تعالیٰ

ملائکہ کی شان مین فرماتا ہے لا یشفعون الا لمن ارتضی وہ سفارش نہین کرتے مگر اُس کی
جس سے اللہ راضی ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتکب کبیرہ سے راضی ہے کیونکہ مومن و
موحد ہے اور جبکہ اللہ اُس سے راضی ہے تو فرشتے بھی اُس کی سفارش کرینگے اور جس کی
فرشتے سفارش کرینگے اُس کی انبیا بھی سفارش کرینگے کیونکہ تفریق کا کوئی قائل نہین ہے (۴)
اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو سمجھاتا ہے واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات یعنی معافی مانگ اپنے
گناہ کے واسطے اور ایماندار مردون اور عورتون کے گناہ کے لیئے اور اس سے ثابت ہے کہ اللہ آنحضرتؐ
کی استغفار و شفاعت مرتکب کبیرہ کے حق مین قبول کرے گا اور اُنکو بخشے گا اگر ایسا نہو تو آنحضرتؐ
کی ایذا و تحقیر لازم آتی ہے کہ اُنکو دعا کے واسطے حکم دیا اور پھر اُن کی دعا کو رد کیا اور یہ اللہ تعالیٰ
اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعید ہے (۵) سورۂ نسا مین ولو انهم اذ ظلموا انفسهم
جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما اُن لوگون نے
جس وقت اپنا برا کیا تھا اگر تیرے پاس آتے پھر اللہ سے بخشواتے اور رسول اُنکو بخشواتا تو اللہ کو
معاف کرنے والا پاتے اس آیت مین توبہ کا ذکر نہین ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ رسول جب
گناہگار ظالمون کے لیئے معافی چاہتا ہے اُن کی بخشش ہو جاتی ہے اور یہ اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ رسول کی شفاعت اہل کبیرہ کے حق مین دنیا مین مقبول ہے تو عاقبت مین
بھی مقبول ہوگی اسلیئے کہ کسی نے دنیا و آخرت کی دعا کی قبولیت کے باب مین فرق نہین کیا ہے
(۶) احادیث مین بھی آیا ہے کہ صاحب کبیرہ کی شفاعت کی جائیگی چنانچہ ترمذی اور
ابوداؤد اور ابن ماجہ نے انس اور جابر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا ہے شفاعتی لاهل الكبائر من امتی میری شفاعت میری اُمت کے گناہ کبیرہ
کرنے والون کے لیے ثابت ہے ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کی ایک
دعا ہے کہ قبول کی جاتی ہے ہر نبی نے اپنی دعا کی جلدی کی اور مین نے اپنی دعا کو اپنی اُمت کی
شفاعت کے لیے چھپا رکھا ہے اور اُسکو قیامت پر موقوف رکھا ہے پس وہ پہونچنے والی ہے اگر

اللہ نے چاہا میری اُمت مین سے اُس شخص کو کہ جو با ایمان مرے گا اور ظاہر ہے کہ صاحب کبیرہ بھی اُن لوگون مین سے ہے جو اللہ کا شریک نہین قرار دیتے پس اُسکو بھی حضرت کی شفاعت ضرور حاصل ہوگی اسکو مسلم اور مالک اور بخاری اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ایک طول طویل حدیث مین بخاری و مسلم نے انس سے روایت کیا ہے کہ مسلمان اپنی شفاعت کے لیے باری باری آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر شفاعت کرنیکی استدعا کرینگے اور سب اس کار بزرگ کے اختیار کرنے سے معذرت کر دینگے آخر کار سب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حاضر ہونگے اور وہ مقام محمود مین شفاعت کا اذن طلب کرینگے اور تین بار وہ گنہگارونکی شفاعت کرینگے تیسری بار کی شفاعت کسی کو بھی دوزخ مین باقی نہ چھوڑے گی سوا اس شخص کے جس کی نسبت قرآن نے ہمیشہ دوزخ مین پڑے رہنے کی تصریح کر دی ہے اور یہ جو انس کی دوسری روایت مین آیا ہے کہ خدائے تعالےٰ آنحضرت سے چوتھی بار مین فرمائیگا جس نے صرف لا الہ الا اللہ کہا اور اس سے زیادہ کوئی نیکی نہین رکھتا وہ تمھاری حد شفاعت سے خارج ہے بلکہ مین اُسکو دوزخ سے خود نکالونگا یہ حکم امم سابقہ کے حق مین ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خاص اپنی اُمت کے حق مین یہ فرمایا ہے کہ میری شفاعت کا بڑا مستحق قیامت کے دن وہ آدمی ہوگا جس نے تہ دل سے لا الہ الا اللہ کہا یہ ایسی بشارت ہے کہ اگر جان نثار کر دین تب بھی شکر گذاری کا حق نہ ادا ہو سکے معتزلہ نے احادیث شفاعت پر بہت سے اعتراض کیے ہین اور اپنے مذہب کے موافق اُن کی تاویلین کی ہین کہتے ہین کہ یہ خبر لمبی بہت ہے اس کا اُن الفاظ کے ساتھ جو خاص رسول کی زبان سے نکلے ہون یاد رکھنا ممکن نہین ہین بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے اپنے الفاظ مین بیان کیا ہے اور اس صورت مین قابل سند نہین دوسرے ایک ہی واقعہ کی خبر ہے اور راویون نے مختلف طور پہ بیان کیا ہے کہین کمی ہے کہین بیشی ہے اور تیسرے یہ ایک بڑے معرکے کی خبر ہے اگر صحیح ہوتی تو متواتر ہوتی چونکہ ہر ایک حدیث خبر واحد ہے جو ظنیت کا فائدہ دیتی ہے اور مسائل اعتقادی قطعی مین ظنی باتون سے

معتزلہ کے اعتراض احادیث شفاعت پر

عمل کرنا ناجائز ہے جواب معتزلہ کے شبہات کا یہ ہے کہ اگرچہ شفاعت کی حدیثین خبر واحد کے ساتھ مروی ہین مگر شفاعت کے معاملے مین بہت سی حدیثین آئی ہین اور سب مین قدر مشترک ایک ہی چیز ہے یعنی نکلنا اہل عذاب کا دوزخ سے بسبب شفاعت کے پس ان سب حدیثون کا مضمون ملکر حد تواتر کو پہونچتا ہے اور اس صورت مین قابل حجت ہے - اب معتزلہ کے دلائل انکار شفاعت پر مرتکب کبیرہ کے لیے سنو اور اُن کے جوابون پر خیال کرو (۱) اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ مین فرماتا ہے یاایھا الذین امنوا انفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولاخلة ولا شفاعة یعنی اے ایمان والو ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرو اُس دن کے آنے سے پہلے جس مین نہ خرید و فروخت ہے اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مطلقا شفاعت نہوگی **جواب** اگرچہ اس کلام سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بالکل شفاعت واقع نہوگی مگر جبکہ سنت سے دلیلین اُس کے وقوع پر موجود ہین تو اس حکم عام کی تخصیص ضرور ہے اور مجبوراً یہ کہنا پڑگیا کہ یہ حکم کفار کے لیئے خاص ہے (۲) اللہ کہتا ہے ولا یشفعون الا لمن ارتضی یعنے فرشتے کسی کی شفاعت نہین کرتے مگر اُس کی جس سے اللہ راضی ہو اور ظاہر ہے کہ اللہ فاسق سے راضی نہین اور جبکہ ملائکہ سفارش نہ کرینگے تو انبیا علیہ السلام بھی شفاعت نہ کرینگے اسلیئے کہ کوئی فرق کا قائل نہین ہے **جواب** مرتکب کبیرہ سے بے شک اللہ تعالے راضی ہے اسلیئے کہ وہ مومن ہے توحید کا قائل ہے گناہ کرنے سے اُس کی توحید اور اسلام مین تنزلزل نہین آتا (۳) سورہ مائدہ مین مجرمین کی نسبت فرمایا ہے فما تنفعھم شفاعة الشافعین کام نہ آئیگی اُنکو شفاعت شفاعت کرنے والون کی پس اگر مرتکب کبیرہ کی شفاعت کیجائیگی اور وہ عذاب دفع کرنے مین اثر کرے گی تو اس سے لازم آئے گا کہ تحقیق شفاعت اُنکے کام آئی اور اُنکو نفع دیا اور یہ آیت کے مخالف ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت اُنکے حق مین نہوگی **جواب** یہ حکم خاص کفار کے حق مین ہے یعنی کافرون کی کوئی شفاعت نہ کرے گا اور اگر کرے گا تو قبول نہوگی جبکہ کفار کو اس حکم کے ساتھ خاص کیا تو واجب یہ ہوا کہ مسلمانون کا حکم

جواب شبہ - معتزلہ کے دلائل عدم شفاعت پر اور اُن کے جواب

اسکے برخلاف ہو کیونکہ مسئلہ دلیل خطاب اسی کا مقتضی ہے (۴) من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ کون ایسا ہے جو اُسکے پاس سفارش کریگا مگر اُسکے اذن سے اس سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کبیرہ کے لیے شفاعت کرنیکا جب اذن دیگا تب شفیع شفاعت کریگا مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اذن دیگا اسلیے کہ اس کے جاننے کی اتنی صورتین ہین یا عقل کے ذریعہ سے معلوم ہو کہ اللہ اذن اہل کبیرہ کی شفاعت کے لیے دیگا یا نقل سے یہ بات معلوم ہو سو یہ بات عقل کی تو رسائی اسمین بالکل نہین اور نقل کے دو طور ہین ایک تواتر دوسرا احاد سو احاد سے بھی یہ بات بخوبی معلوم نہین ہو سکتی اسلیئے کہ خبر آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہے اور یہ مسئلہ اعتقادی ہے اسمین دلائل ظنیہ سے استدلال جائز نہین پس جو حدیث مین آیا ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی اس خبر سے بوجہ ظنی ہونیکے یقین اس امر کا حاصل ہونا محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل کبیرہ کے لیے شفاعت کرنیکا اذن بخشیگا اور اس بارے مین نقل کا تواتر ثابت نہین اسلیئے کہ اگر ایسا ہوتا تو جمہور مسلمین اس سے واقف ہوتے اور کوئی ایسی شفاعت سے انکار نہ کرتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مرتکب کبیرہ کی شفاعت کیلیئے اللہ کا اذن دینا تحقق نہین **جواب** معتزلہ کا یہ کہنا کہ ایسی کوئی چیز نہین پائی گئی جس سے یہ حال معلوم ہو جاتا کہ اللہ شفاعت کیلیئے اذن دیگا ممنوع ہے اور جسقدر دلائل اہل سنت بیان کرتے ہین ان سے ظاہر ہے کہ شفاعت کے لیئے ضرور اذن ہوگا (۵) سورۂ بقرہ مین ہے واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منھا عدل ولا تنفعھا شفاعۃ اُس دن سے بچو جس دن کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے اور نہ اُس کی طرف سے فدیہ قبول ہو اور نہ شفاعت نفع دے اور اسی صورت مین یون بھی فرمایا ہے ولا یقبل منھا شفاعۃ **جواب** یہ آیت بنی اسرائیل کے حق مین ہے جو بوجہ منسوب ہونے کے نفس یعقوب کے ساتھ نسبت صوری ہین اور نفس موسے و ہارون کے ساتھ نسبت معنوی ہین یہ سمجھتے تھے کہ عذاب نہوگا اور ہمارے گناہون کی شفاعت عقبیٰ مین یہ بزرگ کرینگے اسی زعم پر خدا اور آیات اور رسولون سے کفر اور انحراف اور تکبر کرتے تھے پس اس سے غیر بنی اسرائیل کی شفاعت مقبول نہونا لازم نہین آتا اور نہ اس سے عام زبانون مین شفاعت قبول ہونے کی نفی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اس مین ایک خاص وقت کا ذکر ہے (دوسرا جواب یہ ہے

کر بہت سی آیات و احادیث وقوع شفاعت پر دلالت کرتی ہین پس اس آیت کی تخصیص ہونا چاہیئے اہل سنت کافر کے لیے تخصیص کرتے ہین اور کہتے ہین کہ معنی اس آیت کے یہ ہین کہ شفاعت بے حکم آلہی اُس روز مقبول نہوگی اسلیئے کہ بہت سی آیات مین نفی شفاعت کو اس قید سے مقید کیا ہے (۶) حدیث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب کبیرہ کے حق مین شفاعت واقع ہوگی بخاری و مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے مال غنیمت مین خیانت کرنے کے ضمن مین فرمایا تھا کہ مین تم مین سے کسی کو قیامت کے دن ایسا نہ پاؤن کہ گردن پر اونٹ لدا ہوا آواز کرتا ہوا اور وہ شخص کہتا ہو کہ یا رسول اللہ میری فریادرسی کرو اور مین جواب دون کہ مین تیرے لیئے کسی چیز کا مالک نہین ہون تحقیق مین نے تجھکو شریعت پہونچادی تھی اس سے اچھی طرح ظاہر ہے کہ جب رسولؐ ایک ایسے شخص کا عذاب دفع نہین کرسکتے تو اُس کے لیے شفاعت مین سے کب حصہ ہوگا اور بخاری نے ایک حدیث ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تین شخصون سے قیامت کے دن جھگڑا کرے گا ایک قسم کے ساتھ وعدہ کرکے توڑ ڈالنے والے سے دوسرے آزاد کو بیچنے والے سے تیسرے مزدور کی مزدوری نہ دینے والے سے **جواب** ایسی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہین کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض آدمیون کی شفاعت نکرینگے یہ نہین ثابت ہوتا کہ وہ کسی مرتکب کبیرہ کی کبھی شفاعت نہ کرینگے اور اس بات مین تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بیان کردیا ہے کہ کوئی شفاعت کرنے والا اُس کے اذن کے بغیر شفاعت نہ کرے گا سو شاید رسول کو بعض مقامون اور بعض وقتون مین شفاعت کرنے کی اجازت نہوگی پس وہ ایسے مقام اور ایسے وقت مین شفاعت نہ کرینگے پھر دوسرے موقع پر دوسرے وقت مین رسول کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دیدے گا پھر وہ شفاعت کرین گے۔

حقیقت شفاعت

اگر ہم حقیقت شفاعت پر نظر غور سے خیال کرین تو اہل سنت کے مذہب کی حقیقت

آفتاب سے زیادہ روشن معلوم ہوا سیلئے کہ شفاعت کی حقیقت یہ ہے کہ نفس کاملہ انسانی کمال انبساط پیدا کر کے اپنے متبعین کے نفوس ناطقہ کو اپنے آپ مین سمیٹ لے اور اُن کے نقصانات اُس کے کمال کے ساتھ مکمل ہو کر ظہور کرین پس اس شفاعت کا مدار دو چیز پر ہے اول نفس کاملہ کے کمال کا انبساط جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی محض عنایت و فضل سے اُس کو بوجہ اُس کے عمل اور کوشش و رسعی اور تلاش و محنت کے اُسکو حاصل ہوگا کیونکہ عمل اور کوشش کا منتہی یہ ہے کہ انتہا کمال حاصل ہو جاے کہ وہ کمال اپنے تابعین کا احاطہ اس طرح کرے کہ اُن کے نقصانات چھپ جائین اور رنگ کمال مین ظاہر ہون اور اس ربط و احاطۂ وہبی و عنایتی کو شرع مین حکم سے تعبیر کیا ہے دوسرے اُس کامل کے تابعین کے نفس ناطقہ کا ایمان اور دولت عقائد سے مشرف ہونا ضرور ہے اور اس بات کو شرع مین اس عبارت کے ساتھ تعبیر کیا ہے کہ کافر و منافق کے واسطے شفاعت نہین ہے کیونکہ وہ ایمان اور دولت عقائد سے بے بہرہ ہین اور ان کے حصول کے بغیر شفاعت محال ہے اور وہ جو محققین فلاسفہ نے تحقیق معنے شفاعت مین کہا ہے ہمارے اس قول کے مؤید ہے اُن کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عام الفیض ہے قصور جس قدر ہے وہ قابل کی جانب سے ہے اور جائز ہے کہ کسی شخص کو اُس سے فیض حاصل کرنے کی بلا واسطہ صلاحیت نہو اور دوسرے قابلون کے توسط سے قبول کر سکے پس جس کے ذریعہ سے فیض ا لے گا وہ قابل فیض حاصل کرنے والے اور ذات باری کے درمیان متوسط ہوگا چنانچہ آفتاب روشن نہین کرتا مگر اپنے مقابل کی چیز کو پس اس فیض مین آفتاب کا مقابلہ شرط ہے اور جو چیزین کہ بلا واسطہ آفتاب کا نور حاصل نہین کر سکتین جیسے مکان کی چھت وہ اُس کے فیض سے محروم ہین لیکن جب ایک طشت صاف پانی بھر کر آفتاب کے سامنے رکھا جاے تو آفتاب کی شعاعین پانی مین منعکس ہو کر اُس چھت پر جو ر پڑینگی اور اُسکو روشن کردینگی پس ارواح انبیا بھی آب مصفے کی طرح نعمت الٰہی کے پہونچانے مین واسطہ ہین جس طرح وہ پانی نور آفتاب کو چھت تک پہونچا دیتا ہے اسی طرح یہ

فلاسفہ کا قول شفاعت کے باب مین

ارواح رحمت آلہی کو عوام مومنین تک پہونچاتی ہین ہان استعداد قبول نور کی شرط ہے یہانتک
کہ اگر چھت مین نور آفتاب قبول کرنے کی صلاحیت نہو تو وہ کسی طرح پانی کے توسط سے بھی منور
نہو سکے گی جیسے کافر کی استعداد جاتی رہتی ہے کہ وہ انبیا کے ذریعہ سے فیض آلہی حاصل کرے
اسیلئے شفاعت سے بے نصیب مطلق ہوگیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگرچہ چھت مقابلہ آفتاب سے
محروم ہے لیکن آب صاف کا مقابلہ اُسے حاصل ہے اور اسی وجہ سے روشن اور نورانی ہوجاتی ہے
اور جو شخص کہ انبیا پر ایمان نہ لایا وہ اُس چھت کی شکل ہے جسے پانی سے بھی مقابلہ میسر نہین بس
اُسکو روشنی کی اُمید آب صاف کے وسیلے سے بے سود اور لغو محض ہے و وزن الاعمال
بالمیزان یوم القیامۃ حق اور تلنا اعمال کا ترازو وزن مین قیامت کے دن حق ہے
اللہ تعالی سورۂ اعراف مین فرماتا ہے والوزن یومئذن الحق فمن ثقلت موازینہ فاولئک
ھم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسھم یعنی وزن اُسدن
حق ہے پس جن کے وزن بھاری ہوئے تو وہ بھلائی حاصل ہونے والے ہین اور جن کے وزن
ہلکے ہوے تو اُنھون نے اپنی جانون کو ہار دیا۔ معتزلہ کہتے ہین کہ یہ بات محال ہے کیونکہ اعمال
اعراض ہین جو باقی نہین رہتے اُنکا اعادہ ممکن نہین اور اگر ممکن بھی ہو پھر بھی تل سکتا نا ممکن ہے اس لیے کہ ہلکا
بھاری ہونا جواہر کی شان سے ہے اور نیز تولنا کسی شے کا اُس کی مقدار کے معلوم کرنیکے لیے
ہوتا ہے اور خدائے تعالی کو ان سب کا حال معلوم ہے پھر تولنے کا کیا فائدہ ہوگا بلکہ فعل عبث
اور ایک طرح کا عیب ہے اور اللہ تعالی دونون سے منزہ ہے پس قرآن مین وزن سے
مراد یہ ہے کہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا خلاصہ یہ ہے کہ اُن کی تقریر سے چار اعتراض نکلتے ہین
(۱) عرض معدوم ہوجاتا ہے (۲) اعادہ معدوم کا محال ہے (۳) اعمال ایسی چیز نہین جن کا
جسم ہو تو نہ اُن مین ثقل ہوگا نہ خفت اور وزن ہونے کے لیے یہ چیزین شرط ہین (۴) جبکہ
اللہ تعالے کو علم ہے تو وزن کرنیکی کیا حاجت ہے۔ جواب پہلے تین اعتراضون کا یہ ہے کہ
اعمال کا وزن نہین ہوگا بلکہ اعمال نامون کے کاغذون کا وزن ہوکر اُن کی کمیت معلوم ہوجائیگی

جیساکہ حدیث بطاقہ مین وارد ہے جو ترمذی اور حاکم اور احمد اور ابن ماجہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے اور حاکم نے اُس کی تصحیح کی ہے اور بعض کہتے ہین کہ اعمال کہ اعراض ہین اُنکو جواہر کی صورت دیجائیگی اس طرح کہ نیکیان نورانی جسم کردی جائینگی اور بدیان ظلمانی جسم بنادی جائینگی اور سالمی نے تمہید مین جو کہا ہے کہ بندہ اپنے اعمال کے ساتھ تولا جائیگا اس سے معتزلہ کا اعتراض دفع نہین ہوسکتا اگر بندے کے اعمال کی جرمیت تسلیم کربھی لی جاے اور یہ مان لیا جائے کہ وہ بندے کے ساتھ اس طرح ملا ہوا ہے جیسے مٹی اُس کے بدن کے قوام مین داخل ہے تو بھی یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ بندہ ترازو کے ایک پلڑے مین بیٹھ سکتا ہے جس کے ساتھ دونون قسم کے اعمال موجود ہونگے دوسرا پلڑا خالی رہے گا تو گناہون اور نیکیون کا مقابلہ کیسے ہوسکے گا اور کمی بیشی کیسے معلوم ہوگی اور چوتھے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے افعال کسی غرض کے پابند نہین ہین تو پھر کیونکر عبث لازم آسکتا ہے اور عبث وہان لازم آتا ہے جہان غرض فوت ہوجاے اور اگر یہ مان بھی لیا جاے کہ اللہ تعالے کے کامون مین بھی غرض ملحوظ ہوتی ہے تو بھی یہ کہہ سکتے ہین کہ اعمال کے وزن کرنے مین بھی کوئی حکمت ہوگی جس کی اطلاع ہمکو نہین ہوسکی اور کیا یہ نہین کہہ سکتے ہین کہ اللہ تعالی کا اعمال کو وزن کرانا اپنی واقفیت کے واسطے نہوگا بلکہ بندون پر حجت تمام کرنے کو وزن کرائے جائینگے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ مجھ پر ظلم ہوا میری نیکیان زیادہ تھین گناہ کم تھے پھر کیون ثواب سے محروم رہا پس مومن کو لازم ہے کہ ایمان تو ترازو کے ہونے اور اعمال کے تلنے پر لائے مگر دریافت حقیقت اور ادراک کیفیت کی جانب متوجہ نہو کہ کہان قائم ہوگی اور اعمال کیونکر وزن کیے جائینگے یا اعمال نامے وزن کیے جائینگے تو اُن مین اوراق کی کمی بیشی اور لمبے چوڑے اور ہلکے بھاری اور خط کے خفی وجلی ہونے کی اور سیاہی کی جسمیت اور عبارت کے طول وقصر کی کیا کیفیت وحالت ہے ان سب باتون کی تفتیش سے خاموش رہے

سوال کافر جبکہ رحمت سے بے نصیب ہے تو اُس کے اعمال نامونکے وزن کرنے کی حاجت ہی کیا ہے **جواب** اس وجہ سے کفار کے اعمال تولے جائینگے کہ حس کا وزن کو

سالمی کی غلطی

کافرون کے اعمالنامون کے وزن ہونیکی وجہ

گمان ہوگا کہ ہم نے جو اعمال حسنہ کیئے ہین ان کی وجہ سے عذاب سے نجات حاصل ہو جائیگی جس طرح اکثر مسلمان اس قسم کے اعمال کی وجہ سے نجات پائینگے مگر جب کفار کے ایسے اعمال ایک پلے مین رکھے جائینگے اور کفر دوسرے پلے مین رکھا جائے گا تو وہ سب عمدہ اعمال نابود ہو جائینگے یا کفار کے اعمال اس وجہ سے وزن کرائے جائینگے کہ اُن کے کفر کا تفاوت معلوم ہو جاے اور کفر کی کمی بیشی کے اعتبار سے اُن کے عذاب مین کمی بیشی ہوگی مثلاً جو کافر منکر صانع ہے وہ کفر مین اُس کافر سے بڑھا ہوا ہے جو اثبات صانع کرتا ہے اگرچہ یہ اثبات اُس کا برسبیل کفر ہی ہو اور جو کافر بت پرست ہے وہ اُس کی برابر نہین ہے جو معتقد توحید ہے لیکن منکر رسول ہے اور احادیث مین وارد ہے کہ دوزخ کے ہر طبقے مین ایک خاص گروہ رہے گا اگرچہ قرآن مین مبہم وارد ہے ان جہنم لموعدہم اجمعین لہا سبعۃ ابواب لکل باب منہم جزء مقسوم یعنی دوزخ پر اُن سب کا وعدہ ہے اُسکے سات دروازے ہین ہر دروازے کے لیے اُن مین سے ایک فرقہ بٹ رہا ہے اسی طرح مومن اپنے اپنے ایمان مین تفاوت ہین ان کے اعمال بھی اسی واسطے وزن ہونگے کہ مقدار یقین کے مقابلے مین مقدار ثواب عطا ہو اور یہ جو سورۂ کہف مین وارد ہے اولئک الذین کفروا بایات ربہم ولقائہ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا جنھون نے کفر کیا اپنے رب کی نشانیون اور اُس کے ملنے سے اُن کے اعمال مٹ گئے ہم اُن کے لیے قیامت کے دن وزن قائم نہ کرینگے سو یہ آیت اُن کفار کے حق مین ہے جو آخرت کو نہین مانتے تھے اسلیئے اُسکے واسطے کوئی عمل نہ کیا ذرا بھی نیکی کی راہ نہ چلے عمر بھر گناہون سے کام رکھا پھر ایک پلہ کیا تولا جائے مگر تحقیق یہ ہے کہ یہان وزن سے مراد قدر و مرتبہ و اعتبار ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگون کا قیامت کے دن کچھ اعتبار و وقر نہوگا ورنہ عمل ہر ایک بندے کا مومن ہو یا کافر وزن ہوگا۔ مگر قرطبی اور غزالی یہ کہتے ہین کہ تمام آدمیون کے اعمال وزن نہونگے ستر ہزار آدمی بلاحساب جنت مین داخل کیئے جائینگے نہ اُن کے اعمال تولے جائینگے نہ نیکی بدی کے

تمام آدمیون کے اعمال وزن نہونگے

صحیفے اُن کے ہاتھون مین دیے جائینگے ملا علی قاری اس متن کی شرح مین لکھتے ہین کہ یہ بات صحیح نہین مگر یہ خلاف ملا علی کا غلط ہے اور قول غزالی و قرطبی صحیح ہے چنانچہ شاہد اسکی کئی حدیثین ایسی موجود ہین جو اپنے مطلب مین متواتر ہین ابن عباس رض سے مرفوعاً بخاری و مسلم و ترمذی و احمد و نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا ستر ہزار آدمی اس اُمت کے بلا حساب و کتاب بہشت مین جائینگے اور اُن کی تعریف یون کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہین جو منتر نہین کرتے داغ نہین دیتے فال بد نہین لیتے اپنے رب پر بھروسا کیتے ہین دوسری حدیث مین ابو ہریرہ رض سے مرفوعاً احمد و بیہقی کے نزدیک یون آیا ہے کہ اُن ستر ہزار مین سے ہر ایک ہزار کے ہمراہ ستر ہزار اور بھی ہونگے صحیحین مین ابو ہریرہ رض سے مرفوعاً آیا ہے کہ اُن کے مُنہ ایسے چمکین گے جیسے چودھوین رات کا چاند پس ملا علی سے بڑا تعجب ہے جو وہ قرطبی اور غزالی کے قول کو تقسیم قرآن کے مخالف سمجھتے ہین اس واسطے کہ اس قسم کی حدیث سے تو کلام الٰہی کا نسخ تک جائز ہے اور قرآن پر زیادتی اور اُس کے اجمال کا بیان تو بدرجۂ اولیٰ اس قسم کی حدیث سے ہو سکتا ہے اور یہ بات بہت مسلم ہے علاوہ اس کے علمانے کہا ہے کہ قرآن کی آیت ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ علی العموم ہر ایک انسان کے اعمال نیک و بد واسطے ثواب و عذاب اور جزا و سزا کے نہین تولے جائینگے۔ یعرف المجرمون بسیماھم فیوخذ بالنواصی والاقدام گنہگار اپنے چہرے سے پہچانے جائینگے پھر پیشانی کے بالون اور قدمون سے پکڑے جائینگے القصاص فیما بین الخصوم بالحسنات یوم القیامۃ حق فان لم یکن لھم الحسنات فطرح السیئات علیھم جائز و حق اور بدلا جھگڑنے والے لوگون مین نیکیون کے ساتھ قیامت مین حق ہے پھر اگر اُن کی نیکیان نہونگی تو بُرائیان اُن پر پڑنا جائز اور حق ہے اور قصاص سے بدلا عمل کرنا ہے شخص کے ساتھ جس طرح کہ اُس نے کیا ہے چنانچہ مار ڈالنا مار ڈالنے کے بدلے اور زخمی کرنا عوض مین زخمی کرنے کے اور مارنا عوض مین مارنے کے جس نے کسی سے کچھ کہا اور اُس کو رنج دیا اگرچہ چیونٹی اور مکھی ہو بدلا اُس کا اُس سے لینگے اگرچہ مکلف نہو جیسے حیوانات اور اطفال اور تمام حیوانات کو اسی لیے اُٹھائینگے جیسے سینگون والی بکری نے بے سینگون والی کو

مارا ہوگا قصاص کل سے لینگے حدیث مین آیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس پر حق العبد ہو بخشوائے پہلے اس سے کہ اُس کے پاس درم و دینار نہ رہے کہ قیامت کے دن اگر نیکیون والا ہے تو بندے کے حق کے بدلے مین اُس کی نیکیان دلائی جائینگی اور اگر اُس کے پاس نیکیان نہین ہین تو حق والے کی برائیان اُس کے سر پر ڈالی جائینگی پھر دوزخ مین ڈالا جائیگا وحوض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حق اور حوض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے مکلف پر حوض کا علم اور اُسکی تصدیق واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حوض کیساتھ مخصوص کیا ہے اور اُسکی صفات احادیث صحیحہ مشہورہ مین ثابت ہوئی ہین چنانچہ حوض کی احادیث کو کچھ اوپر تیس صحابیون نے بیان کیاہے اور ان سب احادیث سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے تحدید مسافت حوض کا ذکر بہت جگہہ احادیث مین آیا ہے چنانچہ ابن عمر سے بخاری و مسلم مین حوض کی مسافت ایک ماہ کی راہ روایت کی ہے اور مسلم کی ایک روایت مین ابوہریرہ سے آیا ہے کہ جتنی مسافت ایلہ اور عدن مین ہے وہ حوض اُس سے بھی زیادہ بڑا ہے ایلہ ملک شام مین دریائے عدن کے کنارے ہے اور احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے ثوبان سے روایت کی ہے کہ وہ حوض اتنا بڑا ہے جتنا فاصلہ عدن اور عمان مین ہے عمان ملک شام مین ہے اور بخاری و مسلم کی ایک روایت ابن عمر سے یون ہے کہ اُس حوض کی مسافت جرباء اور اذرح کے فاصلے کی برابر ہے یہ دو شہر شام مین ہین اور اُن مین تین دن کا فاصلہ ہے اور دارقطنی کی روایت یون ہے کہ وہ حوض اتنا بڑا ہوگا جتنا فاصلہ مدینہ اور جرباء اور اذرح مین ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہر مسافت مین برابر ہونگے یا قریب المسافت ہونگے اور اگر متفاوت ہون تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ مقصود ان بیانات سے بُعد مسافت کا بطور تخمینہ کے جتلانا ہے حضرت ؐ نے ہر کسی سے اُس کی سمجھ کے موافق تمثیلاً و تقریباً حوض کی مسافت بیان کردی اور تعیین اور تحدید حقیقی کا بیان فرمانا آپ کو منظور نہ تھا قرطبی کہتے ہین کہ آنحضرت کے لیئے دو حوض ہونگے ایک تو موقف مین ہوگا میزان و صراط سے پہلے اور دوسرا جنت مین اور دونون کا نام کوثر ہوگا پس لوگ نبی قبرون سے پیاسے نکلین گے اور اُس حوض پر جو موقف

تحدید مسافت حوض

مین ہے آئینگے بعض کہتے ہین کہ حوض پر ورود صراط پر گذرنے سے قبل ہوگا اور بعض کی رائے
ہے کہ حساب سے پیشتر مگر حق یہ ہے کہ اشخاص کے اختلاف اعمال کی حیثیت سے حوض پر
ورود بھی ہوگا چنانچہ جنکو عذاب دیا جائےگا وہ دوزخ سے نکلکر اُسپر جائینگے اور بعض ایسے
ہونگے کہ وہ قبرون سے اُٹھتے ہی حوض پر وارد ہونگے تفاوت مراتب کے اعتبار سے حوض پر لوگ
جمع ہونگے اور اس مین سے سونے چاندی کے آبخورون کے ذریعہ سے ایسا پانی پیوینگے جو دودھ
سے بڑھکر سفید اور مکھن سے زیادہ نرم اور مشک سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے بڑھکر
شیرین اور برف سے زیادہ سرد ہوگا اور ایک بار پی لینے کے بعد پھر کبھی پیاس نہ لگیگی قرآنمین
جو آیا ہے انا اعطیناک الکوثر یعنی اے محمد ہم نے تجھکو کوثر عطا کی بعض کے نزدیک اس کوثر
سے یہی حوض مراد ہے اور ابن عباس رضؓ کے نزدیک مراد اس سے خیر کثیر ہے اور ابوبکر بن عباس رضؓ نے
کہا ہے کہ کوثر سے مراد کثرت ہے اور حسن بصری رحؒ نے قرآن مراد رکھا ہے اور عکرمہ نے نبوت
اور مغیرہ نے اسلام اور حسین بن فضیل کے نزدیک آسانی قرآن و تخفیف شرائع مراد ہے
اور بعض نے شفاعت اور بعض نے معجزات سمجھا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے آنحضرت کی
مقصود ہین قرآن سو کر عظیم اور اعدا پر نصرت اور بعض کہتے ہین علمائے اُمت اور بعض کے
نزدیک علم اور بعض کے نزدیک حسن خلق اور بعض کے نزدیک اولاد طیبہ مراد ہے اور حق
یہ ہے کہ کوثر سے مراد نہر ہے جو جنت مین موجود ہے چنانچہ بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اثنائے سیر بہشت مین مین نے
ایک نہر دیکھی جس کے ہر طرف دُر مجوف کے گنبد تھے اور اُس کی مٹی مشک خالص تھی مین نے
جبرئیل عؑ سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے کہا یہ کوثر ہے اللہ نے تمھین عنایت کی ہے اس سے
معلوم ہے کہ کوثر جنت مین نہر ہے حوض نہین ہے والصراط حق اور صراط حق ہے یہ جملہ اگرچہ
متداول متون مین موجود نہین مگر ملا علی قاری نے اپنی شرح مین نقل کیا ہے مگر بے موقع نقل ہوا ہے
اسلیئے کہ جنت و دوزخ کے بیان کے ضمن مین داخل ہوگیا ہے اول بھی جنت کا ذکر ہے

اور نیچے بھی اور یہ اسلوب فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے ملا علی خود اس کو پسند نہین کرتے اور اس کا موقع جنت و دوزخ کے ذکر سے پہلے مناسبت جانتے ہین مگر انھون نے ایک دوسری شرح کی اتباع سے مجبوراً ایسا کیا ہے اور یہ جملہ ملحق معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے ضروری ہونے مین شبہہ نہین اسلیئے مین نے اسکو وہان لکھا جہان لکھنا چاہیئے تھا اور صراط ایک پل ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے بڑھکر تیز ہوگا ابوہریرہ رض سے بخاری و مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ص نے فرمایا کہ وہ پل دوزخ کی پشت پر قائم کیا جائے گا پس مین اور میری امت پہلے اس پر گذرینگے اور انبیا کھڑے ہونگے اور کہتے ہونگے یا رب سلم سلم اے اللہ بچا بچا دوزخ کے آس پاس آنکڑے ہونگے ان سے آدمیون کو بسبب اعمال ان کے کھینچ لینگے پس بعض ہلاک ہوجائینگے اور بعض کے اعضا زخمی اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجائینگے پھر آگ مین پڑنے سے نجات پائینگے کافر ہلاک ہوگا اور نجات نہین پائیگا اور فاسق ٹکڑے ٹکڑے ہوکر نجات پائیگا اور مسلم نے ابوہریرہ رض سے ایک حدیث مین روایت کیا ہے کہ بعض ان آنکڑون سے زخمی ہوکر نجات پائینگے اور بعض ہاتھ پاؤن باندھکر دوزخ مین ڈالدیئے جائینگے جہمیہ پل صراط کے منکر ہین اور معتزلہ مین سے ابوالہذیل اور بشر بن معتمر پل صراط کے جواز کے قائل ہین مگر اسکے وقوع کے منکر ہین اور اکثر معتزلہ بالکل منکر ہین جواز کے بھی قائل نہین اور جبائی کے اقوال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارہ مین متردد ہے کیونکہ ثابت بھی کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے منکرین کہتے ہین کہ جبکہ وہ بال سے زیادہ باریک ہے تو اسپر سے مخلوق کیسے گذر سکیگی اور اگر گذر بھی سکی تو بڑی مشقت کیساتھ جو مسلمانون کے واسطے سراسر موجب عذاب کا ہے حالانکہ قیامت کیدن مین اُنپر عذاب نہونا چاہیئے جواب اسکا یہ ہے کہ خدا قادر و توانا ہے اس کے نزدیک مسلمانون کو اس پل سے آسانی کیساتھ عبور کرا دینا کوئی بڑی بات نہین ہے چنانچہ ترمذی اور دارمی نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا جو افضل و اعلیٰ ہین بجلی کی طرح گذرینگے پھر مثل ہوا کے اور بعض مثل اسپ تیز رو کے بعض شتر سوار کی طرح بعض دوڑان بعض آہستہ اس پل کو طے کرینگے

جہمیہ و معتزلہ

انتہی اور تفاوت بقدر کمی بیشی اعمال حسنہ کے ہر شخص کے گذرنے مین ہوگا جتنے نیک اعمال زیادہ
ہین اتنا ہی طے کرنا پل کا آسان ہے بعض یہ بھی نہ جانینگے کہ پل تھا یا نہ تھا اور مسلم کی روایت مین
ابو ہریرہؓ و حذیفہ سے آیا ہے کہ بعض پرندون کی طرح بھی گذرینگے اور ایک شخص ایسا آویگا کہ جو چوتڑون
کے بل بچون کی طرح گھسٹتا ہوا پل پہ چلیگا رسالمی نے لکھا ہے کہ ترتیب کے باب مین کوئی
نص وارد نہین مگر یہ قول نادرست ہے اسلیئے کہ ترمذی نے ایک حدیث انس سے مرفوعاً
روایت کی ہے جس سے ثابت ہے کہ حضرتؐ نے انس سے فرمایا کہ قیامت کیدن تو مجھکو
اول پل صراط کے پاس تلاش کیجو اگر وہان نہ ملون تو میزان کے پاس اور وہان بھی نہ ملون تو حوض
کے قریب ڈھونڈھیو کہ مین ان جگھون کو نہین چھوڑنے کا والجنۃ والنار مخلوقتان الیوم اور
بہشت و دوزخ پیدا ہو چکی ہین اور اب موجود ہین آدمؑ و حوّا کا قصہ اس پر دلیل قاطع ہے سید احمد خان
اپنی تفسیر مین لکھتے ہین کہ قرآن مین خدائے تعالیٰ نے جنت و نار یا دوزخ و بہشت کا ذکر کیا ہے اور
جنت و نار کی نسبت لفظ اُعِدَّت جس کے معنے تیار یا آمادہ کے ہین چار جگھ قرآن مجید مین آیا ہے
اول تو سورۂ بقرہ مین دوزخ کی نسبت ہے فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت
للکافرین یعنی ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہین تیار ہے کافرون کیواسطے
پھر سورۂ آل عمران مین ہے واتقوا النار التی اعدت للکافرین اور اسی سورت مین جنت کی
نسبت دوسری جگھ ہے اعدت للمتقین اور پھر سورۂ حدید مین ہے اعدت للذین امنوا
باللہ ورسلہ اور اس لفظ پر علماء اسلام نے استدلال کرکے یہ عقیدہ قائم کیا ہے الجنۃ
والنار مخلوقتان یعنی بہشت و دوزخ دونون پیدا ہو چکی ہین یعنی بالفعل موجود ہین مگر غور کرنے
سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتون سے یا اعدت کے لفظ سے یہ نتیجہ نہین نکلتا تمام قرآن کی طرز بیان کی
طرح پر ہے کہ آیندہ کی باتون کا جو یقینی ہونے والی ہین ماضی کے صیغون سے بیان کیا جاتا ہے
جو اُن کے قطعی ہونے پر دلالت کرتے ہین اسی طرح ان آیتون مین جو باتین ہونے والی
ہین اُن کو بطور ہو چکنے کے یعنے ماضی کے صیغے سے بیان کیا ہے مثلاً

(سید احمد خان)

پہلی آیت مین فرمایا ہے بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہین اور جو ہے کافرون کے لیے آدمیون پر ایندھن کا اطلاق اُس وقت ہو سکتا ہے جب آگ بھڑکانے کے لیئے آگ مین ڈالے جائینگے اور اُن علماے اسلام کے نزدیک اگر یہ ہوگا تو قیامت مین حساب کتاب کے بعد ہوگا پس اُس وقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جس کا ایندھن آدمی ہوان ممکن ہے کہ کہا جائے کہ ایسا ہوگا پھر اگر ہوگا تو بالفعل ایسا ہونا قائم نرہا جواب اس کا یہ ہے کہ اعدت للکافرین اور اعدت للمتقین کے جو الفاظ صفت نار و جنت مین وارد ہین اُنکے حقیقی معنے اور متبادر معنی یہی ہین کہ وہ تیار ہو چکین اور یہ معنی کہ تیار ہونے والی ہین معنی مجازی ہین اور اگرچہ ماضی کے صیغون کا ان مجازی معنی مین بھی کسی قرینے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مگر معنی حقیقی مین استعمال اُنکا غالب و اکثر ہے اور یہان کوئی قرینہ مانع اختیار معنی حقیقی متبادر کا اور مرجح معنی مجازی کا موجود نہین پس بلا وجہ ترک معنی حقیقی محض سفسطہ ہے اور آدمی اور پتھرون کا ایندھن زمانہ آیندہ مین بننا منافی جنت و نار کے بالفعل موجود ہونیکے نہین اور جس آیت مین کہ اس صفت آیندہ کا ذکر ہے وہ غیر ہے اُن آیات سے جن سے استدلال اُنکے وجود بالفعل پر کیا جاتا ہے اور یہ دونون بالکل جدا ہین پس بصورت عدم تعارض ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہین ہو سکتا غایت یہ ہے کہ ایک صفت ایسی بیان کی گئی جو آئندہ ہونے والی ہے اور اس سے اصل جنت و نار کے وجود بالفعل کی نفی نہین ہو سکتی یہ سارا بیان اُس تقدیر پر ہے کہ استدلال صرف الفاظ قرآن سے مختص ہو حالانکہ احادیث صحیحہ نے احتمال معنی مجازی کو جو سید صاحب نے اختیار کیئے ہین بالکل دفع کر دیا ہے قصہ معراج کی جو حدیثین صحاح مین مذکور ہین اُن مین یہ امر بھی مصرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کو خود ملاحظہ فرمایا اور اُس مین داخل ہوئے پھر اُس کے موجود ہو جانے مین کیا تردد باقی رہگیا چنانچہ صحیحین مین ابوذر کے واسطے سے ایک طویل حدیث قصۂ معراج کی مذکور ہے اُس مین یہ فقرہ بھی ہے قال ثم ادخلت الجنۃ یعنی کہا پھر مین جنت مین داخل کیا گیا اور جابر کی حدیث مین بھی جو صحیح مسلم مین مذکور ہے حضرت کے جنت مین داخل ہونے کا بیان ہے اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جب

اللہ تعالےٰ نے بہشت کو پیدا کیا تو جبرئیل ؑ سے کہا کہ جا اور بہشت کو دیکھ تو کہ مین نے کیا اچھی پیدا کی ہے
اور اسی حدیث مین یہ بھی ہے کہ جبرئیل ؑ جب آ سے دیکھ چکے تو اللہ تعالیٰ نے اُنھین دوزخ کے
دیکھنے کے واسطے بھی حکم دیا اور ابوہریرہ ؓ سے بخاری و مسلم نے دوزخ و جنت کا آپس مین حجت
و شکایت کرنا اپنے حال سے اور اللہ تعالیٰ کا جواب دینا کہ یہ مقتضا مشیت اور اختیار میرے
کا ہے کہ ایک کو محل اور مظہر لطف و رحمت کا کیا اور دوسرے کو محل و مکان قہر و غضب کا روایت
کیا ہے اور یہ تمام احادیث دلیل ہین اسپر کہ بہشت اور دوزخ قیامت مین پیدا نہونگی بلکہ وہ مخلوق
اور موجود ہین اور بخاری نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ جب براہیم پسر آنحضرت ﷺ کے
کہ ماریہ قبطیہ سے تھے وفات پائی تو حضرت نے فرمایا کہ اُس کے لیے بہشت مین دودھ
پلانے والی ہے یعنی اُسکو بہشت مین داخل کیا اور دودھ پلانے والی اُس کے لیے مقرر ہوئی
اور انھون نے مدت شیر خوارگی مین وفات پائی تھی اور اس مین دلیل ظاہر ہے اسپر کہ صاحب
کمال انتقال کے بعد جنت مین فوراً داخل ہوتے ہین اور نیز دلیل ہے اسپر کہ جنت پیدا ہو چکی ہے
اور موجود ہے الغرض اس قسم کی احادیث سب ملکر حد تواتر کو پہونچ گئی ہین یہ مذہب دراصل
معتزلہ کا ہے کہ دوزخ و جنت اب موجود نہین بلکہ قیامت کو موجود ہونگی سید صاحب نے
اُسی کی پیروی کی ہے معتزلہ اپنے مذہب کی تائید مین کہتے ہین کہ اللہ تعالیٰ جنت کی نسبت
یون فرماتا ہے تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض
ولا فسادا یعنی اس آخرت کے گھر کو ان لوگون کے لیے بنائینگے جو دنیا مین نہ اپنا علو
چاہتے تھے نہ فساد تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ جنت کو دنیا کے اختتام کے
بعد پیدا کرے گا دوسرے جنت اگر بالفعل موجود ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق
کل شئے ہالک الا وجہہ سوائے ذات باری کے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے جنت کو ہلاک
ہونا لازم آئے حالانکہ بالاتفاق ثابت ہو کہ جنت کی کوئی چیز فنا نہوگی کما قال اللہ تعالیٰ اُکلھا دائم
یعنی جنت کے کھانے ہمیشہ رہنے والے ہین پس جنت مخلوق ہوگی تو اُسکے کھانو نکی ہلاکت

جز ۱۰

بھی واجب ہوگی کیونکہ کھانے اشیاء مین داخل ہین جنکی ہلاکت کے لیے حکم ہے پس ماکولات جنت کو دوام نہوا اور یہ دوسری آیت کی رد سے باطل ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ جنت فی الحال موجود نہین ہے اور یہی حال دوزخ کا ہے جواب بجعل حال اور استقبال دونون معنے مین مستعمل ہے پس ہم تسلیم نہین کرتے کہ وہ استقبال کے لیے آیا ہے کہ جس بناپر تم اپنا مدعا ثابت کرتے ہو دوسرے اگر بجعل کو صرف استقبال ہی کے لیے تسلیم بھی کر لیا جاے تو بجعل کے معنی نملکہا کے ہین نہ نخلق کے پس آیت کے معنی یہ ہین کہ اس دار آخرت کا مالک اُن لوگون کو کرین گے جو دنیا مین فساد اور علو نہین چاہتے تیسرے اگر یہ بھی تسلیم کیا جاے کہ جعل خلق کے معنی مین ہے تو اس آیت کا اُس آیت سے معارضہ ہوگا جس مین اعدت کا لفظ مذکور ہے اور حضرت آدم کا قصہ کہ جنت مین رہتے تھے پھر وہان سے نکالے گئے اور عالم برزخ کی آیات اور تمام احادیث بلا معارضہ باقی رہین گی پس ہم اُن سے استدلال کرین گے اور بہ سبب معارضے کے نہ اعدت مسلم ہوگا نہ بجعل کیونکہ اذا تعارضا تساقطا مشہور ہے اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ جنت کے کھانون کے دوام سے یہ مراد نہین ہے کہ وہی کھانا بعینہ ہمیشہ رہے گا کیونکہ ایک ہی کھانا ہمیشہ باقی رہنا بعید ہے اس لیے کہ جب کھا لیا جاتا ہے تو قطعاً فنا ہو جاتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اُنکی نوع قطع نہوگی جب ایک پھل کھا چکے فوراً دوسرا موجود ہو جائے گا سو یہ اسکے منافی نہین کہ ایک لحظہ بھر اس قول کے صادق آنیکے لیے ہلاک ہو جائین علاوہ اسکے ہلاک اسکو نہین چاہتا کہ وہ شئے فنا ہو جاے بلکہ قابل نفع نرہے اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے تو کل شئے ہالک کے یہ معنی ہین کہ ہر شئے ممکن ہے پس اگر اسکی ذات پر لحاظ کیجئے تو خود اُسکی ذات کے لیے وجود واجب نہین ہے اگر موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کے وجود سے ہے اور وجود امکانی وجود واجبی کے مقابلے مین بمنزلہ عدم کے ہے یا ایسا ہو کہ جنت و دوزخ بھی آن واحد کے لیے فنا ہو جائینگی اور یہ فنا اس طرح کی ہوگی کہ اُنکے اجزا متفرق ہو جائینگے معدوم نہونگے اور پھر وہی اجزا جمع ہو کر جنت و دوزخ تیار ہو جائینگی اور اطلاق ہلاکت کے لیے اس قدر

بھی کافی ہے اور اس صورت مین دونون کی ذاتین قائم رہینگی صرف صورت ہلاکت لازم آئیگی اور معتزلہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مین فرماتا ہے جنۃ عرضہا السموات والارض یعنی چوڑائی بہشت کی آسمان اور زمین ہین پس جنت و دوزخ کا موجود ہونا ممکن نہین مگر بعد فنائے آسمان و زمین کے اس لیے کہ تداخل اجسام ممتنع ہے اور امتناع تداخل سے مراد وہ خاصیت ہے جس سے اجسام کچھ نہ کچھ جگہ گھیرتے ہین پس جس مقام پر کہ ایک جسم ہے وہان ممکن نہین ہے کہ دوسرا ہو سکے بدون دفع کرنے جسم اول کے اپنی جگہ سے کیونکہ دو اجسام ایک ہی جگہ ایک ہی زمانے مین نہین رہ سکتے جواب اسکا یہ ہے کہ اس قول کے یہ معنی ہین جنت عرضہا کعرض السموات والارض یعنی چوڑائی بہشت کی مثل چوڑائی آسمان اور زمین کے ہے اور یہ تمثیل بندون کے سمجھانے کو کہ اُنکے ذہنون اور فکرون مین خوب آجاوے دی ہے کیونکہ یہ زمین و آسمان سے زیادہ کسی چیز کو بڑا نہین جانتے اسی لیے تشبیہ اسی طور پر دی گئی معتزلہ کی یہ تین دلیلین تو قرآن سے تھین اب اُنکے دلائل عقلی بھی سُننا چاہیے دوزخ و جنت کے موجود ہونیکی تین صورتین ہو سکتی ہین (۱) عالم افلاک مین ہونگی (۲) یا عالم عناصر مین (۳) یا کسی اور عالم مین اور یہ تینون صورتین غلط اور محال ہین اول اس وجہ سے کہ خرق و التیام افلاک محال ہے پس جس چیز مین کون و فساد ہوتا رہتا ہے وہ افلاک مین مخلوط نہین ہو سکتی اور جواب اس کا یہ ہے کہ خرق و التیام فلاسفہ یونان کے نزدیک محال ہے علمائے سنت و جماعت کا مذہب یہ نہین ہے اور امتناع خرق کا مسئلہ جن اصول پر مبنی ہے اون اصول کو مضبوط دلائل کے ساتھ ہمارے علمانے بگاڑ دیا ہے کہ جن کا جواب شافی آجتک نہو سکا اور دوسری صورت مین تناسخ ثابت ہوتا ہے اسلیے کہ نفوس کا ایکبار ابدان عنصری سے مفارقت کرکے دوبارہ دوسرے ابدان عنصری کیساتھ تعلق لازم آتا ہے اور جواب اسکا یہ ہے کہ تناسخ اُس صورت مین لازم آتا ہے جبکہ یہ کہتے ہون کہ نفوس کا اعادہ دوسرے اجسام عنصری مین ہوگا اور تیسری صورت اسلیے ممتنع ہے کہ فلک جسم بسیط ہے اور شکل اس کی کروی ہے اور جبکہ اور عالم ہوگا تو وہ بھی کروی ہوگا تو لامحالہ دونون مین خلا ہے گا خواہ یہ دونون کرے

معتزلہ کی دلائل عقلی کے جوابات

آپس مین ملے ہوے ہون یا الگ الگ ہون اور خلا محال ہے اسکا جواب بعد تسلیم امتناع خلا یہ ہے کہ کیا ضرور ہے کہ دونون کرون کے درمیان مین خلو رہے جائز ہے کہ کوئی چیز ایسی ہو کہ وہ اسکو پر کرسکے اور یہ بھی ہم کہتے ہین کہ دونون عالم بطور تدویر کے کسی کرہ عظیم کے ثخن یعنی دل مین ہون جسکا ثخن دونون کے قطرون کے مساوی ہو یا اُنسے بڑھکر ہو بلکہ جائز ہے کہ اس کرہ عظیم مین ایسے ایسے ہزار عالم ہون جو محدد الجہات یا فلک الافلاک سے بدرجہا زیادہ ہون جسطرح اس محدد مین افلاک وعناصر ہین اسی طرح انمین سے ہر ایک مین بھی ہون اور اس مین کوئی تعجب نہین ہے اس لیئے کہ حکماے یونان کہتے ہین کہ تدویر مثل مریخ جس مین افلاک ثلثہ اور عناصر اربعہ موجود ہین آفتاب سے تین حصہ زیادہ ہے اور حکما کے پاس کوئی ایسی دلیل نہین ہے کہ جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ تدویر مریخ کے اندر عناصر اور مرکبات جو ہین وہ اس قسم کے جو اس کے کرہ ارض پر موجود مین نہین ہین اور بعد تسلیم امتناع خلا اس لیے کہا کہ خلا حکماے یونان کے نزدیک محال ہے متکلمین جائز بتاتے ہین اسی لیے انھون نے اسکا نام بعد رکھا ہے اور حکما کہتے ہین کہ وہ عدم محض ہے اور مراد خلا سے ایسا مکان ہے جس مین کوئی جسم موجود نہو یعنی خالی ہو ولا تفنیان ابدا یعنی جنت ودوزخ کبھی فنا نہونگی اور بعض نسخون مین لکھا ہے ولا تموت الحور العین ابدا ولا یفنی عقاب اللہ تعالیٰ ولا ثوابہ سرمدا اور بعض مین یون ہے ولا یفنے ثواب اللہ ولا عقابہ سرمدا یعنی نہ کبھی خوبصورت آنکھون والی حورین فنا ہونگی اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ کا عذاب وثواب فنا ہوگا مطلب یہ ہے کہ عذاب دوزخیون سے اور ثواب بہشتیون سے حساب وکتاب کے بعد موقوف نہوگا جہمیہ جو جبریہ ہین کہتے ہین کہ جنت ودوزخ جنتی اور دوزخیون کے اُن مین داخل ہونے کے بعد فنا ہوجاینگی اور سواے ذات باری کے کچھ باقی نہ رہیگا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اُنکی نسبت خدا نے قرآن مین خالدین فیہا ابدا فرمایا ہے اور صحیح بخاری ومسلم مین ابن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جبکہ بہشتی بہشت مین اور دوزخی دوزخ مین داخل ہوجائینگے تو موت کے ذبح کردیے جانے کے بعد پکارنے والا پکاریگا کہ اے اہل جنت ودوزخ اس کے بعد کبھی موت نہین ہے پس وہ جو مشہور ہے کہ اس قول کے صادق آنے کے لیے ایک لحظہ بھر کو بھی فنا کے وقت

فنا ہو جائینگی اور وہ قول یہ ہے کل شئی ھالك الا وجھہ سو اس طرح کے ہمیشہ رہنے کے مخالف نہین
جسکا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے شبہہ قرآن مین بھی اور احادیث مین بھی آیا ہے کہ جنت مین چاندی سونے
کے اسباب یا مکانات یا موتی کا خیمہ ہوگا علی ہذا القیاس پس اگر یہ عقل کے نزدیک محال نہین کہ اللہ تعالےٰ
ساٹھ میل کا ایک موتی کا خیمہ پیدا کر دے یا اور نعمتین جسکا اہل اسلام ذکر کرتے ہین وہان پیدا کر دے
کیونکہ اسکی قدرت سے یہ باہر نہین ہے لیکن یہ تو عقل کے نزدیک ہرگز مسلم نہین کہ سونا چاندی وغیرہ
معدنیات یا عناصر کی چیزین ہمیشہ رہین اور ابدالآباد تک قیام پذیر ہون جواب یہ بخوبی ثابت
ہو چکا ہے کہ یہ دنیا بالکل معدوم ہو جاوے گی اور یہ زمین کسی اور زمین سے بدل جائے گی پس سونا
وغیرہ معدنیات بھی نہ رہینگے پس جہان شارع نے سونے یا چاندی یا موتی وغیرہ کی چیزین جنت کیلئے
بیان فرمائے ہین سو وہ ان معدنیات کی قسم سے نہین ہین اور سمجھانا منظور تھا اس عالم کے لوگون کو پس
جنت مین جو چیزین یہان کے سونے یا چاندی یا موتی کے مشابہ کسی وصف مین تھین اُنکے سمجھانے کیلئے
اُنکو سونے یا چاندی یا موتی سے تعبیر کیا ہے ورنہ وہان کے موتیونکے آگے یہان کے موتیونکی کیا حقیقت
ہے اور وہان کے سونے چاندی کے آگے اس سونے چاندی کی کیا قدر ہے اور اسی امر خفی کے
لیے شارع نے کہا ہے لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی اللہ نے اپنے
نیک بندون کے لیے وہ چیز تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کان نے سنی ہے اور نہ کسی
انسان کے دل مین اسکا خیال گذرا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے ابوہریرہ کی سند پر روایت کی ہے
واللہ تعالیٰ یھدی من یشاء فضلا منہ ویضل من یشاء عدلا منہ اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے
اپنے فضل سے ہدایت کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے اپنے عدل سے گمراہ کرتا ہے چنانچہ سورۂ نحل مین ہے
لو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء ویھدی من یشاء یعنی اگر اللہ چاہتا تو تم سب
کو ایک ہی امت کرتا لیکن جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ ہدایت
راہ راست دکھلانے اور ظاہر کرنے اور آگاہ کرنیکو کہتے ہین اسی سے ہے اہتدا جس کے معنی راہ راست
پانا ہے علماکو ہدایت کے معنے مین اختلاف ہے بعض کہتے ہین کہ حقیقت ہدایت کی فقط مطلب کیطرف

راہ دکھلانا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے ہمراہ مطلب کی طرف پہونچانا ضرور ہے اور تحقیق مقام یہ ہے کہ ہدایت کا استعمال فاعل کے فعل مین ہوتا ہے اگرچہ اسکا اثر مفعول مین ظاہر نہو اور تاثیر فاعل کے معنے مین بھی جو منفعل مین پائی جاتی ہے استعمال کرتے ہین اور دونون معنی حقیقی ہین اور دونون معنی کے اعتبار سے خدا کی صفت ہے اور قرآن کی بھی جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل مین ہے ان هذا القران يهدى للتى هے اقوم یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور پیغمبر کی بھی صفت ہے چنانچہ سورۂ رعد مین ہے انما انت منذر ولكل قوم هاد سوا اسکے نہین کہ تو ڈر سنانے والا ہے اور ہر قوم کے لیئے ہدایت کرنے والا مگر اہتدا کا پیدا کرنا ہدایت کے حقیقی معنی نہین اور یہ خاص اللہ کا فعل ہے اور نبی یا قرآن یا مرشد کی صفت ہدایت کے ساتھ مجازاً ہوتی ہے کیونکہ یہ تینون ہدایت یعنی صراط مستقیم تک پہونچ جانے کے سبب واقع ہوتے ہین اسی طرح ضلالت کو بھی مجازاً شیطان یا بتون وغیرہ کی طرف منسوب کردیا ہے شیطان اور بت اور بدآدمی چونکہ ضلالت یعنی گمراہی تک پہونچ جانے اور بہکانے کا سبب واقع ہوتے ہین اس لیے ضلالت کو انکی صفت قرار دیتے ہین جس طرح کوئی شخص ڈوب جائے یا شیر اسے پھاڑ ڈالے تو مجازاً اسکی موت پانی اور شیر کی طرف منسوب کردیتے ہین اور حقیقت مین موت اسکی اللہ تعالی کا فعل ہے اسی نے پانی اور شیر کو اسکی موت کا سبب بنایا ہے اگر ہدایت اور ضلالت کی نسبت سوا خدا کے اور کی طرف مجازاً نہوتی تو حضرت نے جو اپنے چچا کے واسطے سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ کہے اور اسنے قبول نہین کیا سعی آپکی بیکار نہ جاتی چنانچہ سورۂ قصص مین اللہ تعالی فرماتا ہے انك لا تهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشاء تحقیق تو جسکو چاہے اسکو ہدایت نہین کرسکتا لیکن اللہ جسکو چاہے ہدایت کرے یہ خاص ابوطالب کے حق مین آئی ہے اور سورۂ بقر مین ہے ليس عليك هدٰهم ولكن الله يهدى من يشاء تیرا ذمہ نہین انکو ہدایت کرنا لیکن اللہ جسکو چاہے ہدایت کرے اسی طرح سورۂ رعد مین ضلالت کے باب مین فرمایا ہے ومن يضلل الله فماله من هاد یعنی جسکو اللہ گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت کرنیوالا نہین معلوم ہوا کہ ہدایت وضلالت خاص

اللہ کے ہاتھ مین ہے یہ قدرت اسی کو ہے کہ جسے چاہے ہدایت کرے جسے چاہے گمراہ کرے کوئی
کسی کو ہدایت یا ضلالت نہین کرسکتا ہدایت و توفیق اگر حضرت کے ہاتھ مین ہوتی تو ابوطالب
ہی کو ہدایت ہوتی عذاب نار سے اسکو بچادیتے حالانکہ مرتے دم ابوطالب نے یہی کہا تھا کہ
مین مذہب عبد المطلب پر ہون اُسکو ایمان نصیب نہوا حضرت کو بڑی کوشش ابوطالب کے
ہدایت و اسلام پر اُسکی حیات مین اور وقت ممات کے تھی یہ بلت آپکو میسر نہ آئی اور نہ اسکی قدرت
حاصل ہوئی اور معتزلہ کہتے ہین کہ ہدایت کے معنی حق کیطرف بلانا اور ضلالت کے معنی باطل کیطرف بلانا ہین
اور وجہ اسکی یہ بیان کرتے ہین کہ بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے پس ہدایت و ضلالت کو انسان بطریق مباشرت
کے پیدا کرتا ہے اور راہ راست پانا یا گمراہ ہوجانا اس مباشرت سے بطریق تولید کے پیدا ہوتا ہے
اور تولید کے معنی یہ ہین کہ فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہوجائے خدائے تعالے کے
پیدا کرنے کو ان مین دخل نہین ہے اور نہ اللہ تعالی کی مشیت کو ان سے تعلق ہوسکتا ہے اور
یہ رائے معتزلہ کی کئی وجہ سے باطل ہے اول گمراہی اور ہدایت مین تمام انسان مختلف طور پر ہوتے
ہین کہ کوئی گمراہ ہوتا ہے کوئی راہ راست پر ہوتا ہے حالانکہ دعوت کل امت کے لیے بلا اختلاف
عام ہے تو معلوم ہوا کہ اگر ہدایت اور ضلالت کے معنے حق و باطل کی طرف بلانا ہوتے تو سارے
انسانون کا ایک حال ہوتا جس طرح رسولون اور اُن کے تابعین کے ذریعہ سے اُنکو ایک
سی دعوت اسلام پہونچتی ہے **سوال** دعوت عام نہین خاص ہے اس لیے کہ بہت
سے آدمی پہاڑون کی کھوؤن اور غارون اور دور دراز ملکون مین ایسے موجود ہین کہ
اُن تک دعوت اسلام نہین پہونچتی ہے **جواب** دعوت اسلام بلا واسطہ نہین ہے بلکہ رسول
اس کے لیے مامور ہوئے ہین کہ عام طور پر جہان تک اُن سے یا اُن کے متبعین سے ہوسکتا ہے
پیغام الٰہی کو پہونچاتے ہین اگر بعض آدمیون تک بعض وجوہ سے نہ پہونچ سکے تو اس سے عمومیت
دعوت مین نقصان نہین آسکتا **دوم** اس لیے کہ اللہ پاک سورۂ فاتحہ مین مومنین کو تعلیم فرماتا ہے
کہ یون کہو اھدنا الصراط المستقیم ہمکو سیدھی راہ کی ہدایت کر اور جب ہدایت سیدھی راہ کیطرف

بلانے کے معنی ہوتا تو یہ تو اُنکو حاصل ہو چکی تھی پھر کیون اللہ تعالیٰ مومنین سے فرماتا کہ تم اُس کے
حصول کے لیے مجھ سے التجا کرو کیونکہ حاصل کی طلب عبث ہے ہان کبھی ہدایت کو مجازاً راہ راست
کی طرف بلانے اور دلالت کرنے کے معنے مین استعمال کر لیتے ہین چنانچہ اس آیت مین یہی صورت ہی
واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا العمى على الهدى یعنی ثمود کو ہم نے راہ راست پانے
کے لیے دلالت کی پس اُنھون نے گمراہی کو ہدایت پر اختیار کیا یہان ہدایت کے معنے اہتدا
کا پیدا کرنا لین تو یہ اعتراض وارد ہو کہ اہتدا کا ترتب ہدایت پر کیون نہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ
مالک ہے اسکی ہدایت پر اہتدا کا ترتب واجب ہے سو اعتراض سے بچنے کے لیے علما نے
کہا ہے کہ ہدایت مجازاً کبھی اہتدا کی طرف دعوت اور دلالت کے معنے مین بھی مستعمل ہے اور جواب اس شبہ
کا یون بھی ممکن ہے کہ فهدیناهم مین ہدایت سے مراد اسباب کا مہیا کرنا اور ہدایت کے معنی بیان کرنا
طریق حق وصواب کا بھی معتزلہ سے منقول ہین مگر یہ نادرست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مین آنحضرت
کو مخاطب کرکے ابوطالب کے باب مین فرماتا ہے انك لا تهدی من احببت اور بیہقی نے شعب الایمان
مین عبداللہ بن عبید سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا اللهم اهد قومی لے اللہ میری قوم کو
ہدایت کر حالانکہ آپنے ابوطالب سے اور اپنی قوم سے بہت کچھ راہ حق بیان کی تھی پس اگر ہدایت کے یہ معنے ہوتے
تو اللہ تعالیٰ آپسے ہدایت کی نفی نفرماتا اور نہ آپ قوم کے لیے خدا سے ہدایت کا التماس کرتے کیونکہ خواہش
اسی چیز کی کی جاتی ہے جو حاصل نہو حالانکہ آپ سب سے ہمیشہ راہ صواب بیان کرتے رہے واضلاله
خذلان وتفسير الخذلان ان لا يوفق العبد على ما يرضاه عنه وهو عدل منه وكذا عقوبة المخذول
على المعصية اور گمراہ کرنا اللہ کا خذلان ہے اور خذلان کے معنے اللہ کا بندے کو اس چیز کی توفیق نہ دینا
ہے جس سے اللہ راضی ہے یعنی ایمان اور احسان جو اللہ کی رضامندی کا سبب ہے اُسکے بندے کو
توفیق نہ دینے کا نام خذلان ہے اور یہ اسکا عدل ہے اور اسیطرح مخذول کو گناہ کے عوض مین عذاب دینا بھی
عدل ہے ظلم نہین ہے اسلیے کہ اللہ تعالیٰ مخذول کو گناہ کی سزا دینے مین ظالم نہین ہے کیونکہ ظلم غیر کے مال مین تصرف
کرنیکو کہتے ہین اور اللہ اپنے ملک مین تصرف کرتا ہے نہ غیر کی امام صاحب نے اضلال کی تعریف خذلان کیساتھ کی

اضلال یعنی خذلان توفیق کا عکس

اور خذلان کی تفسیر میں کہا کہ اللہ کا بندے کو اُس چیز کی توفیق نہ دینا ہے جس سے وہ راضی ہے پس ہدایت کے معنے یہاں توفیق کے ہیں اور توفیق سعادت وخیر کے اسباب کا مہیا کرنا ہے اور بقول عباوت کے دروازے کو کھولنا اور گناہ کے دروازے کو بند کرنا ہے جو چیز بندے کے حق میں اچھی ہے وہ اللہ پر واجب نہیں ہے اسلیئے اللہ پر واجب نہیں کہ وہ بندے کو کار خیر کی توفیق دے مگر معتزلہ کے نزدیک یہ اللہ پر وجب ہے ورنہ بخل لازم آتا ہے کیونکہ جب اُس کے اختیار میں توفیق دینا ہے اور اسکے واسطے کوئی مانع بھی نہیں ہے تو پھر اس کا ترک کرنا بخل کیونکر نہوگا اور یہ عیب ہے جس سے ذات باری منزہ ہے مگر یہ قول باطل ہے کیونکہ الوہیت کے منافی ہے حق تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں ہے اسلیئے کہ اگر اُس پر کوئی چیز واجب ہوتی تو ضرور ہے کہ وہ واجب کے ترک کرنے سے عذاب و مذمت کا مستحق ہوتا حالانکہ کوئی اُسپر حاکم نہیں ہے کہ اُسکو واجب کے ترک کرنے پر مواخذہ کرے ابن ہمام کہتے ہیں کہ ہمارا دین یہ ہے یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ولا یسئل عما یفعل یعنی جو کچھ وہ کرے اُس سے اُس کی پرسش نہو ولا نقول ان الشیطان یسلب الایمان من العبد المؤمن قہرا وجبرا ولکن نقول العبد یدع الایمان فحینئذ یسلب منہ الشیطان اور ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ شیطان مسلمان بندے سے زبردستی ایمان چھین لیجاتا ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ ایمان چھوڑ دیتا ہے پھر اُس سے شیطان لے اُڑتا ہے کیونکہ شیطان کو کوئی اختیار نہیں چنانچہ اللہ اُس کی طرف خطاب کرکے فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یعنی میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلتا مگر اول بندے اپنے اختیار و اقتدار سے ایمان چھوڑ دیتے ہیں خواہ اس میں شیطان کے اغوا کو بھی مداخلت ہو یا خود اپنی ہوا و ہوس سے ایسا کریں پھر اُن کا ایمان شیطان اُڑا لیتا ہے شیطان کی غرض سلب ایمان سے یہ ہے کہ بندے کو سزا ملے پس اگر وہ جبر و قہر سے اُن کا ایمان سلب کرتا تو بندہ سزا کا مستوجب نہوتا کیونکہ وہ اس میں مجبور ہوتا اور مجبور معذب نہوتا اس لیے شیطان جبراً ایمان سلب نہیں کرتا وسوال منکر و نکیر فی القبر حق

اور منکر و نکیر کا سوال قبر مین حق ہے اور اس آیت مین یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و الاخرۃ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والونکو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی اور آخرت مین مضبوط کرتا ہے اسی سوال منکر و نکیر کیطرف اشارہ ہے سامی مؤلف تمہید کا قول ہے کہ جہمیہ اور معتزلہ اور بخاریہ سوال منکر و نکیر کے منکر ہین اسلیئے کہ اگر بدون روح کے محض جسم سے سوال ہوگا تو اس سے کوئی مطلب نہین نکلتا کیونکہ خالی جسم حکم جماد کا رکھتا ہے اور اگر روح کا اس مین اعادہ کر کے سوال ہوگا تو جب سوال ہو چکے گا روح جسم سے جدا ہو جائیگی اس سے موت دوبارہ لازم آتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ میت کے بعض یا تمام اجزا مین ایک ایسی حیات پیدا کر دے کہ اس کی وجہ سے اس سے سوال ہو سکے اور یہ ضرور نہین کہ اس کے بدن مین روح لائے منکر و نکیر دو فرشتے ہین نہایت عظیم و مہیب سیاہ رنگ آنکھین اُن کی کبود اور بجلی کی مانند روشن ہوتی ہین وہ قبر مین اگر مردے سے خدا اور رسول سے اور اس کے دین سے سوال کرتے ہین من ربک و من نبیک و ما دینک یعنی کون ہے پروردگار تیرا اور کون ہے نبی تیرا اور کیا ہے دین تیرا اگر بندہ صالح اور نیک بخت ہے اور خاتمہ اس کا بخیر ہوا ہے تو جواب دیتا ہے پروردگار میرا اللہ ہے اور پیغمبر میرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرا دین اسلام ہے تو مثل عروس خواب ناز مین استراحت کرتا ہے اور قبر اس کی ایک چمن چمنہاے جنت سے ہوتی ہے اور اگر وہ بندہ بدبخت اور بدکار عذاب کا سزاوار ہے اور یہ جواب نہ دیا بلکہ اور کچھ کہہ اُٹھا تو محنت اور عذاب دیکھتا ہے اور قبر اس کے حق مین ایک غار غاروں دوزخ سے ہو جاتی ہے اور سوال کرنا منکر و نکیر کا ہر مردے سے ہوگا اگرچہ کوئی پانی مین ڈوب گیا ہو یا آگ مین جل گیا ہو یا کسی جانور نے اسے کھا لیا ہو صاحب خلاصہ اور مؤلف فتاوے بزازیہ نے لکھا ہے کہ مسئول ہونا بعد دفن میت کے بلکہ بعد غیبوبت مردم کے ثابت ہوتا ہے اور اگر میت کو بہ نیت نقل مکان غیر رکھین تو مسئول ہو انتہی انبیا علیہم السلام مسئول نہین ہین اگر ہون تو توحید اور احوال اُمت کے کہ اُمت کو کس حال پر چھوڑ آئے ہو اور سوال اطفال مومنین مین بھی اختلاف ہے اکثر اس طرف گئے ہین کہ مسئول ہین لاکن سوال کے بعد انکو جواب خود تلقین کر دینگے یا حق تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوگا

شبہ فرقہ جہمیہ معتزلہ

میت کو بہ نیت نقل مکان رکھنا

انبیاء سے سوال

جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھولے مین ہوا تھا اور مشرکین کے بچون سے سوال ہونے مین تعارض ہونے کے سبب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے توقف کیا ہے ابن عبدالبر کا قول ہے کہ جس کا کفر ظاہر ہے اُس سے سوال نہو گا بلکہ بلا سوال عذاب ہونے لگے گا مگر منافقین سے البتہ سوال کیا جائیگا بعض شارحین سے منقول ہے کہ احادیث عذاب قبر باستثناے شہید کے اور اُس شخص کے جو اللہ کی راہ مین کافرون کے مقابلے مین لگا رہتا ہو اور اُس شخص کے کہ جمعہ یا شب جمعہ کو مرا ہو اور باستثناے اس شخص کے کہ ہر شب سورۂ مُلک پڑھتا ہو اور وہ کہ استسقا و اسہال سے مرا ہو وارد ہین اور حدیث جمعہ کو ضعیف لکھا ہے ترمذی اور ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے کہ مسلول ہونا قبر مین خصائص اس اُمت کے سے ہے ۔

روایت صحیح اور مشہور تو یہی ہے کہ جو فرشتے سوال پر مامور ہین وہ دو ہین ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہین اور قرطبی کا قول ہے کہ دونون فرشتے عظیم الجثہ ہونے کے سبب سے تمام دنیا کے مُردون سے سوال کر لیتے ہین اور قدرت الٰہی ایک مُردے کو دوسرے مُردے کے جواب سُننے سے باز رکھتی ہے مگر حلیمی نے یہ دعویٰ بلا دلیل کیا ہے کہ فرشتون کی ایک جماعت اس کام پر مامور ہے اور ہر مُردے کے پاس دو فرشتے اُس جماعت مین سے بھیجے جاتے ہین اور شاید ابن یونس شافعی کا یہ قول کہ مسلمانون سے جو فرشتے سوال کرتے ہین اُنکا نام بشر و بشیر ہے اسی پر مبنی ہو کہ جماعت مین سب فرشتے یکسان نہین ہونگے کیونکہ سب آدمی بھی یکسان نہین ہین کوئی کافر ہے کوئی مسلمان اس صورت مین کافرون سے سوال کرنے والے فرشتے اور ہونا چاہیئے اور مسلمانون سے اور اسی بنا پر اُنھون نے بشر اور بشیر دو نام منکر اور نکیر کے مقابلے مین تجویز کر لیے ہون اور ابو علی جبائی وغیرہ بعض معتزلہ بھی ان فرشتون کا منکر و نکیر نام رکھنا ناپسند کرتے ہین لیکن اس قسم کے قیاسات امور دینیہ مین جاری نہین ہو سکتے البتہ اس مضمون کی روایت صحت کو پہونچ جائے تو کیا کہنا ہان بعض مسلمانون کی خوابون سے اس بارے مین نیکون اور بدون مین تفرقہ پایا جاتا ہے واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق

اور پھر لوٹنا روح کا طرف بندے کے قبر مین حق ہے بعض نسخون مین لفظ عبد کی جگہ جسد واقع ہے اور یہ حدیث کے مناسب ہے چنانچہ احمد و ابوداؤد نے برا ابن عازب سے ایک حدیث عذاب قبر کے حال مین روایت کی ہے جس کا لفظ یہ ہے یعاد روحه فی جسده لوگون نے اس مین اختلاف کیا ہے کہ مرنے کے بعد روح بدن مین پھر آتی ہے یا نہین بعض کہتے ہین کہ آتی ہے اور بعض کہتے ہین نہین آتی اور بعض کہتے ہین کہ روح کو جسم کے مقابل رکھتے ہین اور بدن زندہ ہوجاتا ہے اگر کوئی کہے کہ ہم تو دیکھتے ہین کہ بدن مین مطلق حس و حرکت نہین ہوتی تو جواب اس کا یہ ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا و آخرت مین واسطہ ہے قبر سے مراد یہان مدفن نہین ہے تاکہ یہ کیفیت شامل ہو اُن لوگون کی نسبت بھی جو دریا مین ڈوب گئے ہین یا آگ مین جلکر مر گئے ہین یا کسی جانور نے اُنکو کھا لیا ہے اور روح بے جسد کے نہین رہ سکتی جب بدن عنصری سے جدا ہوتی ہے تو اُسے ایک جسد مثالی عالم برزخ مین مل جاتا ہے جیسے بدن مکتسب کہا کرتے ہین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ومن وراءهم برزخ الی یوم یبعثون یعنی اُن کے پیچھے پردہ ہے جس دن تک اُٹھائے جائین عبد الرحمن نے اپنے باپ کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے ان ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنة رواه احمد یعنی مومنون کی روحین سبز جانورون کے قالب مین بہشت کے درختون پر رہینگی ابو جعفر طوسی نے تہذیب الاحکام مین یونس بن ظبیان سے نقل کیا ہے کہ ایک بار مین حضرت امام حسین ؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُنھون نے پوچھا لوگ ارواح مومنین کے بارے مین کیا کہتے ہین مین نے جواب دیا کہ سب پرندون کے پوٹون مین ہونگی قندیلون مین عرش کے تلے فرمایا کہ سبحان اللہ آدمی بزرگ ہے اس سے کہ اُس کی روح پرند کے پوٹے مین رہے اُس کی روح کو ویسا ہی قالب ملتا ہے جو قالب دنیا مین اُس کے لیے ہے کھاتا ہے پیتا ہے شیخ محی الدین نے فتوحات کے باب ۳۲۱ مین کہا ہے کہ وہ برزخ کہ روح بعد مفارقت بدن کے وہان منتقل ہوتی ہے اُس برزخ سے جدا ہے جو درمیان عالم ارواح و عالم اجسام کے ہے

قبر سے مراد مدفن نہین برزخ ہے - مرنے کے بعد روح کو جسد مثالی ملتا ہے

برزخ دو ہین

اور اول کو غیب مجالی کہتے ہین اور دوسرے کو غیب مکانی اور ایسے لوگ کہ غیب امکانی کا
مشاہدہ کرین اور حوادث آیندہ سے واقف ہون بہت ہین بخلاف غیب مجالی کے کہ مکاشف
احوال ہونے کا بہت کم حاصل ہوتا ہے وَضُغطَۃُ القبرِ حق اور قبر کی تنگی وفشار حق ہے
احمد اور ابوداؤد نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے کافر کی حق مین فرمایا یضیق
علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه یعنی اُس کی قبر کو یہانتک تنگ کردیا جاتا ہے
کہ اُس کی ایک طرف کی پسلیان دوسری طرف کی پسلیون مین گھُس جاتی ہین اور جابر رضہ سے
سعد بن معاذ احمد نے روایت کی ہے کہ جب سعد بن معاذ دفن ہو چکے تو رسول خدا نے اُن کی قبر پر سبحان اللہ
پڑھا ہم لوگون نے بھی دیر تک یہی پڑھا پھر آنحضرت نے اللہ اکبر کہا ہم لوگون نے بھی یہی کہا
آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو جواب مین ارشاد فرمایا کہ مین نے اس وجہ سے
سبحان اللہ پڑھا اور اللہ اکبر کہا کہ اس بندۂ صالح پر قبر تنگ ہوئی تھی یہانتک کہ ہماری تسبیح و
تکبیر سے اللہ تعالیٰ نے کھولدی پس اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا ضغطہ کفار اور مسلمان گناہگارون
ہی کو نہوگا بلکہ کوئی مومن کامل بھی اس سے نجات نہین پاتا اگر اس سے نجات کسی کی ہوتی تو
اول سعد بن معاذ کو ہوتی جن کی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ عرش سعد بن معاذ کی وفات سے
ہلنے لگا جیسا کہ بخاری و مسلم نے جابر سے روایت کی ہے اور یہ ہلنا عرش کا اسی خوشی مین تھا
کہ روح اُن کی عرش پر آئی اور ضغطۂ قبر تکلیف کا موجب نہوتا تو آنحضرت کشائش کے لیے اسطرح
سبحان اللہ اور اللہ اکبر نہ کہتے وعذابه حق کائن للکفار کلهم اجمعین ولبعض عصاة
المسلمین اور قبر کا عذاب حق ہے تمام کافرون اور بعض گناہگار مسلمانون کو ہونے والا ہے
اس عذاب کے باب مین اللہ تعالے سورۂ نوح مین فرماتا ہے اغرقوا فادخلوا نارا ڈبائے
گئے پھر بیٹھلائے گئے آگ مین ایضا النار یعرضون علیها غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة
ادخلوا آل فرعون اشد العذاب یعنی کفار آل فرعون صبح و شام آگ مین جلائے
جاتے ہین اور قیامت کے دن انکو بہت سخت عذاب مین پہنچائینگے اور جو آل فرعون کے

حق مین عذاب ثابت ہوا تو غیر کے حق مین بھی ثابت ہے کیونکہ فرق کا کوئی قائل نہین ہے
اور اللہ تعالی سورۂ مومن مین کفار کی زبانی کہتا ہے ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین
فاعترفنا بذنوبنا اے رب ہمارے تو ہمکو موت دیکھا دو بار اور زندگی دیکھا دو بار اب ہم قائل
ہوے اپنے گناہون کے اپنی جانون کے لیے دو موتین بیان کین تو ایک موت کو دنیا مین جو
ہوتی ہے وہ ظاہر ہے سو ضرور ہے کہ اور حیات ہوگی جس کے بعد موت حاصل ہوگی اور وہ
حیات قبر کی ہے کہ بعد اُس کے جو موت ہوتی ہے وہ موت ثانی ہے پس معلوم ہوا کہ عذاب
ثواب قبر بھی صحیح ہے طبرانی اور ترمذی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من
حفر النیران یعنی قبر ایک چمن ہے چمنہاے جنت سے یا ایک غار ہے غارون دوزخ سے
عراقی کہتا ہے کہ اس حدیث کے سلسلہ روایت مین عبداللہ بن ولید بھی ہے اور یہ شخص
ضعیف ہے اسلیئے یہ حدیث قابل وثوق نہین انتہی مگر حق یہ ہے کہ عبداللہ کی ثقاہت
مین کلام نہین ہے اور یہی وجہ ہے جو ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور حاکم نے
مستدرک مین ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے استنزھوا من البول
فان عامة عذاب القبر منه یعنی پیشاب سے پاکیزہ رہو اسلیئے کہ تحقیق بیشتر عذاب قبر کا
کپڑون کی ناپاکی کی وجہ سے ہوگا حاکم کہتے ہین کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی شرائط پر صحیح
ہے اور بخاری و مسلم نے بی بی عائشہ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودن اُن کے پاس آئی
اور اُس نے عذاب قبر کا ذکر کیا پھر اُس عورت نے بی بی صاحبہ سے کہا کہ اللہ تمکو عذاب قبر سے
پناہ مین رکھے بی بی صاحبہ نے پیغمبر صاحب سے عذاب قبر کا حال دریافت کیا آپنے فرمایا
ہان عذاب قبر کا حق ہے بی بی صاحبہ کہتی ہین کہ مین نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس
استفسار کے بعد نہین دیکھا کہ آپنے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے اللہ سے پناہ نہ مانگی ہو
اور مسلم نے دعاے صبح و شام کے بیان مین روایت کی ہے کہ حضرت کہا کرتے تھے کہ رب

اعوذ بلک من عذاب فی النار وعذاب فی القبر اور ابوداود اور نسائی نے عمر رضی اللہ
سے روایت کی ہے کہ حضرت پانچ چیزون سے پناہ مانگا کرتے تھے اُن مین سے ایک
عذاب قبر بھی ہے اگر کوئی کہے ہم تو دیکھتے ہین کہ بدن مین مطلق حس و حرکت نہین ہوتی اور کوئی
آثار عذاب کے اُس پر پائے نہین جاتے اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب اور تکلیف ہونے
کے لیے حرکت بدن مین ہونا ضرور نہین ہے اور لازم نہین ہے کہ اوپر والے لوگون کو بھی اُس
کیفیت سے جو مردے پر طاری ہے آگاہی ہو اور دکھائی دے جیسے حالت خواب مین
تکلیف یا راحت انسان کو معلوم ہوتی ہے اور دیکھنے والون کو کچھ نہین معلوم ہوتا کہ اس پر
کیا کیفیت گذر رہی ہے بلکہ سب جانتے ہین کہ وہ سو رہا ہے ضرار ابن عمرو اور بشر مریسی وغیرہ
معتزلہ اور بعض علمائے شیعہ عذاب قبر کے منکر ہین وہ کہتے ہین مردہ جماد ہے عذاب قبر کا ادراک
نہین کر سکتا جواب اس کا یون دیا ہے کہ جائز ہے کہ حق تعالی میت کے بعض یا تمام اجزا مین
ایک ایسی حیات پیدا کر دے کہ اُس کے سبب سے وہ ادراک عذاب و راحت کر سکے اور یہ
ضرور نہین کہ اُسکے بدن مین روح لائے تاکہ مردہ حرکت یا اضطراب کرے اور اُسکے عذاب و راحت کا اثر معلوم
ہو یہانتک کہ جو لوگ دریا مین ڈوب گئے ہین یا کسی جانور نے اُنکو کھا لیا ہے یا جلائے گئے ہین وہ
بھی عذاب و راحت پائے ہین گو ہم کو اس حال سے آگاہی نہو لیکن یہ جواب امام کے ظاہر قول اور احادیث
کے مناسب نہین کیونکہ امام نے صاف کہا ہے کہ روح بدن مین لائی جاتی ہے اور احادیث سے بھی
بھی ثابت ہوتا ہے اور صالحی معتزلی اور ابن جریر طبری اور بعض علمائے کرامیہ جو یہ اعتقاد کرتے
ہین کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی یہ عقل کے خلاف ہے اسی طرح بعض متکلمین سے
جو کہا ہے کہ آلام میت کے جسد مین جمع ہوتے رہینگے اور اُسکو اُنکا احساس مطلق نہوگا حشر کے
بعد ان سب کو میت احساس کرے گی یہ بھی غیر معقول ہے اور انبیا علیہم السلام کے حق مین
صحیح یہ ہے کہ جیسے اُنکو دوزخ سے نجات ہے اسی طرح اُن کو عذاب قبر سے بھی نجات ہے
اور میت مومن کی تعجیل عذاب قبر مین خالی حکمت سے نہین وہ حکمت پاک کرنا معاصی

سے ہے کہ قیامت کو جملہ گناہوں سے پاک اُٹھیں اور جس کے گناہ زیادہ ہیں کہ وہ اس قدر تعذیب سے پاک نہیں ہو سکتا تو حشر کے بعد جہنم کی آگ میں تزکیہ کیواسطے ڈالا جاتا ہے جس طرح کہ جیکیٹ کو آگ سے دور کرتے ہیں اسی طرح اُس کے نقصانات کو دور کرتے ہیں پس جس کا جس قدر نقصان ہے اُسی قدر تکلیف دیکر اُس کا تزکیہ کیا جاتا ہے بعض کو قبر ہی میں صفائی ہو جاتی ہے بعض کو کہ جن کا نفس کدورت سے زیادہ ملوث ہے نار جہنم سے صفائی ہوگی پھر جب تزکیہ ہو چکے گا تو جنت میں داخل ہوگا یا اللہ تعالے اپنی رحمت خاصہ سے بعض کو نبی علیہ السلام کی شفاعت سے صاف کر دے گا لیکن جو بالکل جیکیٹ ہو گیا ہے اُسکو جیکیٹ سے صفائی نہیں ہوتی اسی وجہ سے کفار و مشرکین ہمیشہ جلتے رہینگے قرآن میں ایک جملہ اس بارے میں کیا ہی اعجاز رکھتا ہے قد افلح من زکیھا وقد خاب من دسیھا فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور خسارے میں رہا جس نے آلودہ کیا۔

عذاب و ثواب روحانی ہونے کی مثال

امام غزالی وغیرہ بعض علما نے عذاب قبر کو عذاب روحانی قرار دیا ہے اور اُس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص باغ میں رہتا ہو جس میں قسم قسم کے گل بوٹے ہوں نہروں میں پانی جاری ہو اور ایک عمدہ تخت پر سو رہا ہو اور خواب میں دیکھتا ہو کہ مجھے آگ کے تنور میں ڈالدیا ہے یا آگ میں ڈالتے ہیں اور اس سبب سے بہت گھبرا رہے حالانکہ جو کچھ یہ شخص خواب میں دیکھ رہا ہے ان باتوں کا باغ میں نام بھی نہیں یہ کرشمے روح کے ہیں کہ ایسے معاملے کو خواب میں مشاہدہ کرتا ہے اور یہ سارا ہول و ناخوشی اُس پر طاری ہے اور راحت قبر کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص نہایت تنگ و تاریک مکان میں زمین پر سو رہا ہو اور خواب میں دیکھے کہ میں ایک باغ میں موجود ہوں جس میں عمدہ عمدہ میووں کے درخت ہیں اور پھلوار لگی ہے روشیں آراستہ ہیں جا بجا نہریں پانی جاری ہے نہایت تکلف کے کھانے خوانوں میں چنے ہوئے رکھے ہیں پری پیکر میں خدمت گذاری کو حاضر ہیں اور عین حالت لذت میں ناگاہ بیدار ہو جائے تو خیال کرے گا کہ جو کچھ ابھی میں دیکھ رہا تھا اُن میں سے ایک چیز بھی یہاں موجود نہیں وہی کلبۂ احزان اور کنج تنہائی ہے اور میں ہوں یہ جو کچھ

دیکھا ہے اُس کی روح نے دیکھا ہے اُسی نے ان سب چیزون کے مزے اُٹھائے ہین - اور
روحانی عذاب ثواب وائے کہتے ہین انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے ہر ایک نیک یا بد کام
کرنے کے بعد اُس کا رنگ انسان کی روح پر جمتا ہے چنانچہ اس حدیث مین کہ جب انسان بدی
کرتا ہے تو ایک نقطہ اُس کے دل پر ہو جاتا ہے پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ سے
ترمذی نے استخراج کیا ہے اسی طرف اشارہ ہے اور عالم برزخ مین وہ اپنی مناسب کسی صورت
مین متشکل ہو جاتا ہے چنانچہ اس حدیث مین اسی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے
تو اُسکو خدا اس طرح پالتا ہے کہ جیسے کوئی گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے پھر قیامت مین پہاڑ کی مانند
بنا کے لائیگا جیسا کہ بخاری نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اور اسی طرف اشارہ ہے یہ جو حدیث
مین آیا ہے کہ مال غیر مزکے قیامت مین سانپ بنکر کہے گا انا کنزک انا مالک کما فی صحیح
البخاری عن ابی هريرة اور قیامت تک اور بعد اُس کے جو کچھ صورتین بنا کے وہ عمل ظاہر ہوگا وہ
سب باتین اس عمل مین بالقوۃ اس وقت موجود ہوتی ہین جس طرح کہ درخت کے تخم مین پھول پھل
پتے شاخین تمام بالقوۃ موجود ہوتی ہین اور آناً فاناً وہ سب ظاہر ہوتی ہین جس طرح کہ درخت کے
وہ حالات کے اُس تخم سے برآمد ہوتے ہین خیالی نہین اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتون مین
ظاہر ہونا بھی خیالی باتین نہین پس جب انسان لباس جسمانی اُتار رہا ہے تو اُس کے اعمال اچھی
یا بری صورتون مین اگر دکھلائی دیتے ہین اگر اُس کے اعمال اچھے ہین تو وہ حظیرۂ قدس و عالم قدس کے
طبقۂ ادنیٰ مین جسکو علیین کہتے ہین اور برزخ ہے اس طرح کھچکر جاتا ہے جیسا کہ لوہا مقناطیس کیطرف
کھچتا ہے پس وہان اُسکو ملائکہ مقربین و ارواح طیبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اُس کے
اعمال و اوراد اکات و اخلاص کو نہایت عمدہ صورتون مین اُسکو دکھایا جاتا ہے جنت کی ہوائین
اور خوشبوئین اُسکو آتی ہین اور اُس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اُس کے لیے متشکل ہو جاتی
ہین اور حشر تک اس طبقے مین رہتا ہے بعد خراب ہونے اس عالم کے یعنی قیامت کے بعد کہ جب
کمالات تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے تو عالم قدس کے اعلےٰ طبقے مین جس کو جنت کہتے ہین جاتا ہے

اور وہان ہمیشہ رہے گا اور ہر قسم کی لذات حاصل کرے گا اور جو بدبخت ہے اور اعمال اُس کے
بُرے ہین تو اُس کے اعمال منکر و نکیر کی نہایت بری شکل مین اُسکو عذاب کرتے ہین اسکا بخل
اور شہوات اور دیگر اخلاق رذیلہ سانپ بچھو کی صورت مین ظاہر ہو کر اسکو ڈستے ہین اُسپر
گُزر پڑتے ہین اور طبقہ ظلمانی مین جس کو سجین کہتے ہین اسکو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہان
اپنی ناز یبا باتون سے نہایت رنج اُٹھاتا رہتا ہی اور بعد حشر کے جہنم کی آگ مین ڈالا جاتا ہے اور اسی
سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہین یہ بیان موافق حکماے یونان کے ہے جن کا قول یہ ہے کہ
جو لوگ کمالات علمیہ و عملیہ حاصل کر چکے ہین وہ مرنے کے بعد عالم قدس مین جاتے ہین اور
جنکو کدورات جسمانی یعنی جہالت و بد اخلاقی سے صفائی نہ تھی تو وہ وہان عذاب پاتے ہین
اور افسوس و غم کھاتے ہین اور اسکو وہ روحانی دوزخ کہتے ہین اور جسمانی دوزخ سے اس کو سخت
مبتلا کتے ہین اور کتاب الملل و النحل کی جلد دوم مین لکھا ہے کہ بعض اہل اہوا کہتے ہین کہ رفارمر لوگ
جو آخرت کے احوال جنت اور حور و قصور اور نہر میوجات بیان کرتے ہین محض عوام کی طبیعتون کو رجوع
کرنے کی باتین ہین اور اسی طرح دوزخ اور اُس کے عذاب طوق وغیرہ بھی لوگون کے ڈرانے کے لیئے
بیان کرتے ہین کہ ان سے ڈر کر اُن امور مصلحت پر کہ جنکو اُنھون نے واجب و فرض بتایا ہے
چلین اور جن نامناسب چیزون سے کہ مصلحت وقت جان کر منع کیا اور حرام و مکروہ کہا بچین ورنہ
عالم آخرت مین جو کہ علوی عالم ہے صور جسمانی اور اشکال جرمانی کہان انتہی مگر قرآن و احادیث
مین جس قدر جنت و دوزخ اور ثواب و عذاب قبر کا ذکر ہے اُس کے سیاق سے یہ معلوم نہین ہوتا
کہ ان تمام تصریحات سے وہ مراد نہین جو ظاہر الفاظ سے سمجھ مین آتا ہے اور یہ تمام چیزین بطور
تمثیل کے یا رغبت دلانے اور ڈرانے کو مذکور ہوئی ہین اور نہ کوئی محال عقلی ان چیزون کے
وقوع پر قائم ہے وکل شیئ ذکرہ العلماء بالفارسیۃ من صفات اللہ تعالیٰ عز اسمہ فجائز
القول بہ سوی الید بالفارسیۃ ویجوز ان یقال بروی خدا بلا تشبیہ ولا کیفیۃ
اور اللہ تعالےٰ کی جو جو صفات عالمون نے فارسی زبان مین بیان کی ہین اُن کا استعمال کرنا جائز ہے

متشابہات کی تاویل اجمالی و تفصیلی

جائز ہے سوائے لفظ ید کے کہ اسکو فارسی مین ترجمہ کر کے اللہ کے لیے ثابت کرنا درست نہین اور بروے خدا کہنا بھی بغیر تشبیہ وکیفیت کے جائز ہے اگرچہ خاص فارسی زبان کا ذکر کیا ہے مگر مراد اس سے ہر وہ زبان ہے جو عربی سے غیر ہے فارسی ہو یا اور کوئی اگر فارسی کی جگہ لفظ عجمی آتا تو بہتر تھا کیونکہ وہ عربی کے سوا ہر زبان کو شامل ہوتا غیر عرب کو عجم بولتے ہین اللہ تعالے کے جن جن اسما وصفات کو علما نے مختلف زبانون کے لغات مین بیان کیا ہے وہ اطلاقات درست ہین اور دوسرون کو بھی اُن کا استعمال کرنا جائز ہے اور الفاظ متشابہ کو دوسری زبانون مین ترجمہ کر کے استعمال کرنا بھی جائز ہے البتہ لفظ ید کا ترجمہ کرنا مناسب نہین اس لفظ کو اُسی طرح استعمال کرنا چاہیئے جس طرح کتاب وسنت مین وارد ہے چنانچہ اکثر سلف اس لفظ کی تاویل بھی نہین کرتے تھے اور دوسرے الفاظ کی تاویل کرتے تھے چنانچہ استوا سے استیلا اور وجہ سے ذات اور اصبع سے تصرف مراد رکھتے تھے مگر ید سے قدرت مراد نہین لیتے تھے یہی اشعری کا مذہب تھا اور بعض ید کیطرح دوسرے الفاظ کی بھی تاویل نہین کرتے تھے سبکی تاویل اللہ عزوجل کیطرف تفویض کر دیتے تھے اور یہ اعتقاد کرتے تھے کہ جو کچھ ان سے مراد ہے وہ حق ہے اور ان کی کیفیت کے دریافت کرنے کے درپے نہین ہوتے تھے اور اس صورت کا نام تاویل اجمالی ہے اور پہلی صورت کا نام تاویل تفصیلی سارا عصر صحابہ کا تاویل اجمالی کی حالت پر گذرا یہانتک کہ اکثر متکلمین متاخرین نے تاویل تفصیلی کی راہ اختیار کی مذہب صحابہ وغیر صحابہ ائمہ وغیر ائمہ حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا یہ ہے کہ صفات متشابہات مجہول الکیفیات ہین اور اپنے معانی ظاہری پر محمول ہین اور اس مین تشبیہ بھی لازم نہین آتی بخلاف مشبہ کے کہ وہ ان صفات کے ساتھ استدلال کر کے جناب باری کی تمثیل محدثات کے ساتھ دیتے ہین جس سے اللہ تعالی کی تشبیہ مخلوقات کے ساتھ لازم آتی ہے اور یہ گناہ عظیم ہے حشویہ کا بھی ان مین شمار ہے اور کعبی نے بعض حشویہ سے حکایت کی ہے کہ اُن کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالے کا دیدار دنیا مین ہونا جائز ہے اور اشعری نے محمد بن عیسی سے حکایت کی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مضر اور کہمش اور محمد ہجیمی کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کے

مذہب بعض فرق اور ان کے عقائد

دوستون کو اُس کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کرنا اور اللہ کو چھونا جائز ہے اور اللہ کے دوستان صادق
دنیا و آخرت مین اُس سے گلے ملتے ہین اور داوٗد جوار بی سے حکایت کی ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ
مجھے اللہ کی داڑھی اور شرمگاہ کے سوال سے تو معاف رکھو کیونکہ خبر مین یہ دو چیزین ثابت
نہین باقی اور سب چیزون سے سوال کرو تاہم یہ لوگ اتنا کہتے تھے کہ اللہ کے یہ اعضا مخلوق کے
اعضا سے مشابہ نہین شہرستانی نے ملل و نحل مین کہا ہے کہ مالک بن انس اور امام احمد بن حنبل اور
داوٗد ظاہری نے باوجودیکہ متشابہات کو اُن کے معانی ظاہری پر حمل کیا اور تاویل کی طرف
متوجہ نہوے لیکن کہا کہ ہمکو یقین ہے کہ اللہ کسی چیز کے مشابہ نہین ہے اور نہ کوئی چیز مخلوق مین
سے اُس کے مشابہ ہوسکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام نام توقیفی ہین یعنی اُن کا اطلاق اُس
ذات پاک پر شارع کے اذن پر موقوف ہے حق تعالیٰ کے اسماے حسنیٰ جس قدر کہ قرآن اور احادیث
مین وارد ہین جائز ہے کہ ان کے سوا اور بھی اسماے صفات ہون کہ ہمکو اُن کا علم نہین اجمالاً یہی کہہ
سکتے ہین کہ جملہ کمالات اور صفات کے ساتھ اللہ موصوف ہے حدیث مین رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہے کہ اے اللہ مین تجھ سے ہر اس اسم کے وسیلے سے سوال کرتا ہون جو تیرے لیے
ہے جس سے کہ تو نے اپنی ذات کو موسوم کیا یا تو نے اپنی کتاب مین اُسکو نازل کیا یا اُسکو تو نے
اپنی مخلوق مین سے کسی کو سکھایا یا تو نے پردہ غیب مین اُسکو اپنے نزدیک اختیار کیا رواہ رزین
عن ابن مسعود لیکن ہمکو اطلاق کسی اسم یا صفت کا حق تعالیٰ پر جو شرع مین وارد نہین جائز نہین معتزلہ اور کرامیہ کا بھی
یہی مذہب ہے اور علما نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ جناب باری کو اُس نام کے ساتھ پکارنا
کفر ہے جس کے ساتھ اُس نے اپنی ذات کو مسمّے نہین کیا یا اُس مین ربوبیت کے معنے نہین
پائے جاتے یا خبر اُس کے باب مین وارد نہین ہوئی ہے اور اگر اُس نام مین ربوبیت و اُلوہیت
کے معنی پائے جاتے ہین تو حق جل و علی کو اُس نام سے پکارنا درست ہے جیسا کہ فارسی
لفظ خدا جو مرکب ہے خود اور آ سے چونکہ اللہ پاک اپنے ظہور مین دوسرے کا محتاج نہین اسلیے
اُسکو خدا کہتے ہین جو واجب الوجود کے معنے مین ہے سراج اللغات مین علامہ دوانی اور امام

فخرالدین رازی سے اسی طرح نقل کیا ہے اور اسی قبیل سے ہندی مین پرمیشر ہے لیکن صرف کرنا اُن الفاظ کا کہ مشترک ہین یعنی انسان پر بھی ان کا اطلاق کیا جاتا ہے مثل حاکم اور عادل اور رشید وغیرہ ان الفاظ کے اطلاق کا جواز واجب الوجود پر بسبب ورود خبر کے ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ سوائے زبان عربی کے ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو مشترک الاطلاق ہین جناب باری پر روا نہین کیونکہ خبر اس کے ساتھ ناطق نہین ہوئی ولیس قرب الله تعالی ولا بعدہ من طریق طول المسافة وقصرها ولکن علی معنی الکرامة والهوان والمطیع قریب منه بلاکیف والعاصی بعید منه بلاکیف والقرب والبعد والاقبال یقع علی المناجی وکذلک جوارہ فی الجنة والوقوف بین یدیه بلاکیف اور بندے کا اللہ سے نزدیک اور دور ہونا درازی اور کمی مسافت کی راہ سے نہین لیکن بزرگی اور اہانت کی راہ سے ہے اور بندہ فرمان بردار بوجہ کرامت کے اس سے نزدیک ہے اور اس نزدیکی کی کیفیت معلوم نہین اور گنہگار بوجہ اہانت کے اس سے دور ہے جس کی کیفیت معلوم نہین اور اللہ کا نزدیک ہونا اور دور ہونا اور متوجہ ہونا مناجات کرنے والے پر واقع ہوتا ہے اسی طرح جنت مین اُس کا پڑوس حاصل ہونا اور اُس کے سامنے کھڑا ہونا بھی ایسی باتین ہین جنکی کیفیت معلوم نہین کیونکہ یہ متشابہات ہین اور اس مین تجسم لازم نہین آتا اگر قرب و بعد کے ساتھ یہ قید نہ لگائی جائے تو اللہ کا حیز اور مکان مین ہونا لازم آئے اور مکان یا حیز خاص جواہر یا اجسام کے واسطے ہوتا ہے پس وہ اللہ تعالی جو جوہر اور جسم ہونے سے پاک ہے مکان اور حیز سے بھی پاک ہے دیکھو جب کسی کو غم یا خوشی لاحق ہوتی ہے تو اُسکو اپنے غم یا خوشی کے موجود ہونے مین کسی طرح کا شک نہین ہوتا ہے لیکن غم یا خوشی نہ جسم ہے نہ جوہر ہے اسلئے کہ ان کے لیے اُس کے بدن مین کوئی جگھ مقرر نہین وہ یہ نہین کہہ سکتا کہ میرے سر مین یا سینے مین یا پیٹ مین یا ران مین غم یا خوشی ہے گو مجازاً دل کو قرار دے لیکن حقیقت مین کوئی جگھ اُس کی خاص نہین کہ غم یا خوشی وہان ہو اور اگر ہر عضو کو چیر کر دیکھین تو نہین ملے اسی طرح اللہ نہ جوہر ہے نہ جسم ہے

غرض ہے سو وہ بھی مکان کا محتاج نہین ہیں اُس کے لیئے بھی کوئی جگہ مقرر نہین کہ وہان رہتا ہو اور اس اعتبار سے کہہ سکین کہ فلان نیک بندے سے اتنا قریب ہے اور فلان سے اتنا دور ہے اور قرب بندے کا حق سے اور معیت اُسکی جو نصوص سے ثابت ہوتی ہے مراد اس سے قرب او معیت رتبہ یا محبت کی حیثیت سے ہے قرب و معیت مکانی مقصود نہین اور یہ قرب و معیت دو قسم کی ہے ایک عام کہ جمیع مخلوقات سے متعلق ہے جس پر یہ قول اللہ تعالیٰ کا سورۂ ق مین دلالت کرتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم اُس سے نزدیک ہین شاہ رگ سے زیادہ اور سورۂ حدید مین ہے ہو معکم اینما کنتم یعنی وہ تمھارے ساتھ ہے جہان کہین تم ہو اور ایک خاص ہے خواص مخلوقات سے جس پر یہ قول اللہ تعالے کا سورۂ عنکبوت مین دلالت کرتا ہے ان اللہ لمع المحسنین یعنی بے شک اللہ نیکی کرنے والون کے ساتھ ہے اور سورۂ کُوِّرت مین ہے عند ذی العرش مکین یعنی تخت کے پاس درجہ پایا اور حدیث قدسی مین وارد ہے میرا بندہ میری طرف نزدیک ہوتا رہتا ہے بذریعۂ نوافل کے یہان تک کہ مین اُسکو دوست رکھتا ہون اور دوسری حدیث قدسی مین آیا ہے جس نے مجھ سے ایک بالشت نزدیکی ڈھونڈھی تو مین اُس سے ایک گز نزدیک ہوتا ہون اور جس نے مجھ سے ایک گز نزدیکی ڈھونڈھی مین اُس سے مقدار پھیلائے دونون ہاتھون کے نزدیک ہوتا ہون حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ تھوڑی سی رجوع کرتا ہے تو وہان سے توجہ اور التفات اور رحمت اُس سے زیادہ ہوتی ہے اس قرب ثانی کے درجات غیر متناہی متفاوت ہین بخلاف قرب یعنی اول کے یہ دونون قرب اشتراک لفظی تو رکھتے ہین مگر معنی مین اختلاف ہے توجیہ اس کلام کی یون ہے کہ احاطہ حق سبحانہ کا اور معیت اُس کی اشیا کے ساتھ دو طرح پر ہے ایک ذاتی دوسرے صفاتی اور معیت ذاتی بھی دو قسم ہے اول معیت ذات با جمیع ذرات موجودات بے کم و کیف بر سبیل عموم کما قال اللہ تعالیٰ واللہ بکل شئ محیط یعنی اللہ ہر چیز پر محیط ہے دوم معیت ذاتی مختص بخواص مقربان کما قال اللہ تعالیٰ ان اللہ لمع المحسنین اور اعلموا ان اللہ مع المتقین

اسی قبیل سے ہے لاتحزن ان اللہ معنا یعنی تو غمگین مت ہو اللہ ہم دونون کے ساتھ ہے اور معیت صفاتی معیت ہے بحسب علم وقدرت اور تمام صفات الوہیت کے کما قال اللہ تعالےٰ ان اللہ علی کل شئ قدیر اور ان اللہ قد احاط بکل شئ علما یہان سے ثابت ہوا کہ حق تعالےٰ کا حلول کرنا اپنے غیر مین اور متحد ہونا اپنے غیر کے ساتھ بھی محال ہے اور شیعہ کے بعض فرقے ایسے ہین کہ حلول کے حضرت علی مین اور غیر علی مین ائمہ اہل بیت سے قائل ہین اور ابن مطہر حلی کتاب نہج الحق مین دعوے کرتے ہین کہ صوفیہ اہل سنت وجماعت بھی اپنے غیر مین حلول کے قائل ہین اور اتحاد بالغیر کے بھی قائل ہین اور یہ غلطی ابن مطہر کو وحدت وجود کے مسئلے کی وجہ سے حضرات صوفیہ کے مدعا پر اطلاع نہ پانے کے سبب سے پیدا ہوئی ہے حالانکہ وہ حلولیت کی بالکل تکذیب کرتے ہین توحید واتحاد جس کے صوفیہ وجودیہ قائل ہین معنی اُس کے یہ ہین کہ خارج مین حق تعالیٰ موجود ہے نہ غیر ہے اور تمام ممکنات کے وجود کی نفی کرتے ہین البتہ وجود ممکنات کے مرتبۂ وہم مین قائل ہین قال الشیخ الاکبر الاعیان ما شمت رائحة الوجود یعنی اعیان ثابتہ نے وجود کی بو نہین سونگھی ہے اور ممکن کا وجود کہ عدم کے بعد مرتبہ وہم مین صورت پذیر ہوا ہے اس سے اللہ کی وحدت وجود حقیقی مین تغیر راہ نہین پا سکتا کیونکہ حقیقت مین غیر حق موجود نہین اور اس امر سے حلول اور اتحاد حق تعالےٰ کا غیر مین ثابت نہین ہوتا اور فنا اور بقا اور اضمحلال ذات وصفات صوفی کا حق تعالیٰ مین کہ صوفیہ اُس کے قائل ہین یہ تمام مراتب علم مین کہتے ہین نہ خارج مین اُن کا قول ہے ؎ تا بندہ زخود فانی مطلق نہ شود ٭ توحید بہ نزد او محقق نہ شود ٭ توحید حلول نیست نابودن تست ٭ ورنہ بگزاف آدمی حق نہ شود ٭ اور امر تحقیقی یہ ہے کہ ریاضات ومجاہدات اور صحبت شیخ کامل سے بلکہ محض بفضل الٰہی صوفی ایسی حالت کو پہونچ جاتا ہے کہ اُسکو آگاہی دائمی حق سے اور نسیان وجود اور توابع وجود اپنے سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے ہی وقت اس حدیث نبوی کا مصداق صحیح ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ سے میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے یہانتک کہ مین اُس سے محبت کرنے لگتا ہون پس

اللہ کا حلول وا... بالغیر محال ح

صوفیہ وجودیہ کا قول

پس جبکہ مین اُس سے محبت کرتا ہون تو مین اُسکی شنوائی بن جاتا ہون جس سے وہ سنتا ہے اور اُسکی بینائی ہوجاتا ہون جس سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ ہوجاتا ہون جس سے وہ حملہ کرتا ہے اور اسکا پیر بن جاتا ہون جس سے وہ چلتا ہے یہ حدیث مجازپر محمول ہے جیسے سورۂ ص مین اللہ نے فرمایا ہے خلقت بیدی یعنی مین نے اپنے دونون ہاتھون سے اُسکو بنایا اور اسی صورت مین ہے نفخت فیہ من روحی یعنی مین نے اس مین اپنی روح پھونکی والقرآن منزل علی رسول اللہ وھو فی المصاحف مکتوب وآیات القرآن کلھا مستویۃ فی الفضیلۃ والعظمۃ الا ان لبعضھا فضیلۃ الذکر وفضیلۃ المذکور مثل آیۃ الکرسی لان المذکور فیہا جلال اللہ وعظمتہ وصفاتہ فاجتمعت فیہا فضیلتان فضیلۃ الذکر وفضیلۃ المذکور ولبعضھا فضیلۃ الذکر فحسب مثل قصۃ الکفار ولیس للمذکور فیھا فضل وھم الکفار ملا علی کی شرح مین اس عبارت کے بعض الفاظ مین تقدیم وتاخیر بھی ہے مگر ہم نے متن کو دوسری شروح سے اسطرح پر صحت کو پہونچایا ہے ترجمہ عبارت متن کا یہ ہے کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اور مصحفون مین لکھا ہے اور قرآن کی سب آیتین کلام کے معنے مین فضیلت لفظی اور عظمت معنوی مین برابر ہین مگر ان مین باہم فرق اس قدر ہے کہ بعض کو فضیلت لفظی ومعنوی دونون حاصل ہین جیسے آیت کرسی اس لیے کہ اس مین اللہ کے جلال اور عظمت اور صفات کا ذکر ہے پس اس مین دو قسم کی فضیلتین جمع ہین ایک فضیلت لفظی اور دوسری فضیلت معنوی اور بعض کو فقط فضیلت لفظی حاصل ہے جیسے کافرون کے قصے کہ باعتبار کلام الٰہی ہونے کے تو اُنکو فضیلت حاصل ہے مگر معنوی فضیلت ان مین نہین کیونکہ جن لوگون کا انمین مذکور ہے وہ فضیلت سے معرا ہین یاد رکھو کہ قرآن کی تلاوت تمام عبادتون سے افضل ہے خصوصاً جبکہ نماز مین ہو ہر حرف کے عوض دس نیکیان لکھی جاتی ہین اور نماز مین پڑھنے سے اور اُسکے پڑھنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دل مین روشنی آتی ہے اور قرآن قیامت مین شفاعت کرے گا اور حبل متین بھی قرآن ہے قرآن کے پڑھنے سے مقصد اعلی یہ ہے کہ دین وآخرت کی باتین یاد آئین اور بسبب کثرت تلاوت کے احکام الٰہی یاد اور مستحضر ہوجائین تاکہ اُسپر عمل کیا جاوے اور اس سے عبرت پکڑی جاوے

صرف زبان سے الفاظ قرآن ادا کرلین اور دل غفلت مین رہے جو کوئی قرآن پڑھے اور
پر عمل نہ کرے تو قرآن اسکا دشمن ہوتا ہے اور اس پر لعنت کرتا ہے اور حضرت کے تمام معجزون سے
معجزہ قرآن ہی ہے یہان تک کہ فصحا اور بلغا اُسکے معارضے سے عاجز ہوگئے اور اُس کی
ٹی سی سورت کی مثل بھی نہ بنا سکے شب و روز اُنکو عار دلاکر کہا جاتا تھا کہ اگر قرآن کو تم کلام
نہین جانتے بلکہ بشر کا کلام کہتے ہو سو تم بھی تو بشر ہو ایک چھوٹی سی سورت کی مثل تم بنا لاؤ
انچہ قرآن مین اس مضمون کو کئی طرح پر بیان کیا ہے کہین کہا ہے فاتوا بسورۃ من مثلہ
ین کہا ہے ام یقولون افتراہ قل فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات سو کبھی کسی سے
نہ ہو سکا اور قرآن مین اعجاز کے بہت سے وجوہ ہین یہان تک کہ علمانے ساٹھ ہزار معجزے
ن مین شمار کیے ہین لیکن بلاغت و فصاحت کی وجہ غالب ہے لہٰذا سب کا اسپر
اتفاق ہے کہ قرآن عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان مین نازل ہوا ہے جس کا مثل بنانا طاقت
بشری سے باہر ہے اُس وقت کے تمام عرب العربا اُس کی فصاحت و بلاغت کے آگے
عاجز آگئے مقابلہ حروف سے مقابلہ سیوف اُن کے نزدیک آسان تھا۔ حالانکہ وہ لوگ
فصاحت و بلاغت مین آنحضرت سے کسی طرح کم نہ تھے کیونکہ جہان کے آپ رہنے والے تھے
وہین کے وہ بھی پھر ایک نہین بلکہ مجتمع ہوکر بھی اُسکی مثل نہ بنا سکے اور ایک چھوٹی سورت
کا جواب بھی نہ لاسکے باوجودیکہ اُنکو عار دلاکر کہا جاتا تھا فاتوا بسورۃ من مثلہ ان کنتم
صادقین یعنی قرآن کے کسی ٹکڑے کے مانند تم بھی بنا لاؤ اگر تم سچے ہو سید احمد خان لکھتے ہین
یہ بات کہ قرآن کی مثل کوئی نہین کہہ سکا یا کہہ سکتا اُسکے من اللہ ہونے کی دلیل نہین ہوسکتی
صت سے کلام انسانون کے دنیا مین ایسے موجود ہین کہ اُنکی مثل فصاحت و بلاغت مین آجتک
وسرا کلام نہین ہوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہین ہوتے نہ ان آیتون مین ایسا کوئی اشارہ ہے جس سے فصاحت
و بلاغت مین معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُس سے معارضہ چاہا گیا ہے
یہ قول سید صاحب کا نہایت عجیب ہے دنیا مین کوئی ایسا کلام کسی انسان کا نہین ملتا جسکی مثل آجتک

نہین ہوا علاوہ اِسکے ہم کہتے ہین کہ اگر کسی کے کلام کا جواب اِسوجہ سے نہوا کہ اتفاقاً کسی نے اُسکی مثل لکھنے کا قصد نہیں کیا تو یہ بات اس کلام کے من اللہ ہونیکی دلیل نہین ایسے لوگونکے مقابلہ مین جو تمام مخلوقات سے فصاحت بلاغت مین کامل تھے ایک ایسے کلام طویل کا بقصد معارضہ پیش کرنا جس کا مجموعہ ایک بہت بڑی کتاب ہے اور پھر اُن لوگون کا باوجود کثرت زمان مہلت اور جوش تعصب و مخالفت کے جو مقتضی قصد معارضہ ہوتا ہے اُسکی ایک آیت کے معارضے سے بھی عاجز آنا بیشک اس بات کی دلیل ہے کہ اس قسم کا کلام مخلوق سے نہین ہو سکتا اب من اللہ ہونے مین کیا شک باقی رہا بلکہ انھین فصیح و بلیغ لوگون مین سے جس نے تعصب کو چھوڑ کر انصاف کیا اُس نے اس کلام کے سنتے ہی اُس بات کا یقین کر لیا کہ یہ کلام بیشک من اللہ ہے عرب مین فصاحت کلام کی قدر قبل الہجرت کی صدیون سے بہت کچھ کی جاتی تھی اور میلون اور مجمعون مین جمع ہو کر ہر ایک شخص اپنے کلام کو سناتا تھا اور جس کا کلام بہتر اور مقبول عوام ہوتا اسکی بہت کچھ عزت کی جاتی تھی قبل الہجرت کے آخری صدیون مین یہ رواج ہو گیا تھا کہ جو قصیدہ یا اشعار مرغوب تر ہوتے تھے وہ دیوار کعبہ پر علی قدر مراتب پست و بلند لگائے جاتے تھے زمانۂ سعادت نبوت تک سات قصیدے اس طرح پر آویزان ہو چکے تھے جنکو معلقات سبعہ کہتے ہین ان مین امرء القیس کا قصیدہ سب سے بالاتر تھا جبکہ آیت شریف قیل یا ارض ابلعی مائک ویا سماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعداً للقوم الظالمین نازل ہوئی تو اسوقت امرء القیس تو مر چکا تھا مگر اسکی بہن زندہ تھی اُس نے اس کو سنکر کہا کہ اب کسی کو کلام کرنے کی گنجائش نہین رہی اور میرے بھائی کے قصیدے کا بھی افتخار جاتا رہا یہ کہکر اُس نے کعبے کی دیوار پر سے وہ قصیدہ نوچ لیا جب سب سے اونچا قصیدہ نرہا تو اور بھی بے حلم ہو گئے اور اُتار دیے گئے غرضکہ تاریخ و سیر نبوی کے ملاحظے اور اسپر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعت اسلام بین العرب مین فصاحت اور بلاغت قرآن کو بہت کچھ دخل تھا اور اس حالت مین جب اسلام محض بے یار و مددگار تھا تو قرآن پاک کے اس اعجاز نے

مسلمانونکی تعداد مین ترقی دینے اور اُنکی بیخ و بنیاد کے مضبوط کرنے مین لاثانی کرشمہ دکھایا سید صاحب کے علاوہ اسلام مین اور بھی ایسے آدمی گذرے ہین کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت وغیرہ مین قدح کرتے ہین اور کئی طرح سے شبہے قائم کرتے ہین (۱) بعض صحابی جو قرآن کے بعض حصے مین اختلاف تھا چنانچہ ابن مسعود کہتے تھے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین قرآن مین سے نہین باوجودیکہ یہ مشہور سورتون مین سے ہین اور جس وقت صحابہ قرآن کو جمع کرتے تھے اور اُس وقت کوئی شخص ایک دو آیات لاکر دیتا کہ یہ بھی قرآن مین سے ہین تم اُس مین لکھ لو اور وہ مشاہیر اور ثقہ لوگون مین سے نہوتا تو اُسکی بات کا اعتبار نہین کرتے تھے جب تک وہ حلف نہ کرتا یا اپنے دعوے پر گواہ نہ لاتا پس اگر قرآن فصاحت و بلاغت مین حد اعجاز کو پہونچ جاتا تو ضرور ہے کہ عبارت قرآن اور عبارات سے ممتاز ہوتی اور صحابہ کو کبھی شک نہوتا کہ یہ حصہ قرآن مین کا ہے یا نہین **جواب** تمام قرآن خبر متواتر کیساتھ منقول ہے اور بعض صحابہ کا اختلاف بعض سورتون کی نسبت خبر آحاد کے ساتھ مروی ہے اور خبر متواتر قابل یقین و قطعی ہوتی ہے بخلاف خبر آحاد کے کہ وہ ظنی ہے پھر کیسے خبر متواتر کے سامنے خبر آحاد پر وثوق و اعتبار کیا جاے اور صحابہ جو قرآن کے جمع کرتے وقت کسی سے ایک دو آیت کے لینے مین تامل کرتے تھے سو وہ اختلاف اس وجہ سے نہوتا کہ اُنکو یہ معلوم نہوتا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے یا نہین بلکہ اس بات کی تحقیقات کے واسطے یہ کد و کاوش ہوتی تھی کہ یہ کونسی سورت کا ٹکڑا ہے اور اسے کہان لکھین نفس قرآن مین شروع سے کسی کو اختلاف نہ تھا وہ آنحضرت سے سب کو متواتر طریقون سے پہونچتا رہا ہے۔ (۲) ہر صنعت و حرفت کے واسطے ایک کمال کا مرتبہ ہوتا ہے جس سے بعض آدمی بعض سے اُس فن مین فوقیت حاصل کرتا ہے جسکا نظیر نہین ملتا اور اس کمال کی کوئی حد معین نہین ہے مگر یہ بات اعجاز نہین کہلاتی اس لیے کہہ سکتے ہین کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے معاصرین سے فصیح تھے اور ایسا کلام اُنھون نے ظاہر کیا جس کے جواب سے سب لوگ عاجز آگئے

مخالفین کی طرف سے قرآن کی فصاحت و بلاغت پر اعتراض

تو یہ وجہ اعجاز قرآن کی نہین ہوسکتی اور نہ من عند اللہ ثابت ہوسکتا ہے اس لیے کہ جب
محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایک فن مین کمال کے سبب صاحب اعجاز سمجھے جائین تو کیا وجہ کہ اور
لوگون کے کمالات معجز قرار نہ پائین اور جب اُن کے کمالات اعجاز نہین تو یہ کلام جو محمد صلی اللہ
علیہ وسلم نے پیش کیا ہے یہ بھی معجز نہو گا جواب جس قوم مین جس بات کا چرچا زیادہ ہوتا ہے
وہی اُس عصر کے نبی کو خدا ے تعالیٰ کی طرف سے معجزہ دیا جاتا ہے کہ وہ اُس مین اُن سب پر
غالب آجاتا ہے اور وہ لوگ بوجہ اسکے کہ رات دن اُس کام کے کرنے مین مشغول رہتے ہین
اور اُسکے حسن و قبح سے بخوبی ماہر ہوتے ہین سمجھ سکتے ہین کہ اس حد تک عادت کے موافق
ہے اور اس سے آگے طاقت انسانی سے خارج ہے اور خارق عادت ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام
کے زمانہ مین سحر کا زور تھا تو اُنھین نبوت کی تصدیق کے لیے وہ معجزہ دیا کہ تمام ساحر اُنکے
سامنے مات ہوگئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے مین طب کا زیادہ چرچا تھا تو اُنھین مُردے
کو زندہ کر دینے اور اندھے کو بینا کرنے کا معجزہ عطا ہوا کہ جو اطبا کی دسترس سے خارج تھا اور وہ
اسکو من عند اللہ جانتے تھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مین فصاحت و بلاغت کا
زیادہ چرچا تھا اور اس وقت لوگ اس پر فخر کرتے تھے اس لیے آپ کو فصاحت و بلاغت
کا معجزہ ملا کہ تمام فصحا و بلغا اُسکے مقابلے کو محال سمجھتے تھے اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت
پر نظر کرکے قرآن کو امر خارق عادت کہتے تھے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم باواز بلند آخر
دم تک کفار سے یہی کہتے رہے کہ اگر کسی کو قرآن مین شک ہو وہ اُسکی ایک سورت کے
برابر تو بنا لائے اور جس سے چاہے اس مین مدد لے پھر کسی سے بھی آج تک یہ نہو سکا حالانکہ
وہ لوگ رات دن شعر و سخن مین مصروف رہتے تھے اور آپکے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے اور
آپ دعوے کرکے اُنکو عار بھی دلاتے تھے اور خاص دعوے کے وقت اُسکے مقابلہ کرنے کو
ہر ایک شخص کے جی مین آگ بھڑکا کرتی تھی (۳) قرآن مین آیا ہے ما علمناہ الشعر
ما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین ہم نے اُسکو شعر کہنا نہین سکھایا اور یہ اُس کے

لایق نہین نہین ہے وہ مگر ایک نصیحت اور کتاب روشن حالانکہ کلام اللہ کی بعض آیتین اشعار کی بحرون مین موزون ہین چنانچہ بحر سریع مین سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے قال فما خطبک یا سامری بروزن مفتعلن مفتعلن فاعلن اور بحر متقارب مین سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے واملی لھم ان کیدی متین بروزن فعولن فعولن فعولن فعول اور بحر ہزج مین سورۂ یوسف کی یہ آیت ہے تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن اور ایسی اور بھی آیات قرآن مین ہین جواب شعر اصطلاح مین ایسے کلام کو کہتے ہین کہ اوزان مقرری مین سے کسی وزن پر ہو اور کہنے والے نے اُسکی موزونی کا قصد کیا ہو پس یہ آیات شعر نہین ہین اس لیے کہ وہ شعر کے ارادے سے موزون نہین کیے گئے ہین لیکن یہ امر حق تعالیٰ کی طرف نسبت نہین کر سکتے کہ آیات کے موزون ہونے پر اس جناب مقدس کو اطلاع نہ ہو اس صورت مین لازم آیا کہ وہ آیتین موزونی کے ساتھ شکلم کے قصد سے حاصل ہوئی ہین پس اون پر شعر کی تعریف صادق آئی اور حالانکہ شعر نہین ہین پس بہتر یہ ہے کہ قصد کو موزونی کے ساتھ متعلق کرنا چاہیے یعنی اگر کہنے والا شعر کے ارادے سے موزون کرے تو شعر ہے ورنہ نثر ہے اس صورت مین آیتون پر سے شعر کا اطلاق اُٹھ گیا کس لیے کہ حق تعالیٰ نے آیتون کو شعر کے ارادے پر نہین فرمایا چونکہ شعر مین اکثر مبالغہ اور کذب ہوتا ہے اور کلام الٰہی ان امور کے شائبے سے پاک ہے اس وجہ سے بوجہ ادب کے اوپر اطلاق شعر کا منع ہے گو کہ تعریف شعر کی اونپر صادق آتی ہے اور باعتبار اصطلاح کے شعر ہے اور اس مین کچھ قباحت نہین کیونکہ مبالغے اور کذب کو نفس شعر کے متحقق ہونے مین کچھ دخل نہین کیونکہ اگر کوئی کلام موزون مقفے کہے اور اس مین کچھ مبالغہ نہو بلکہ سب باتین راست اور سچ ہون وہ شعر ہے ۔ مبالغے کا اور کذب کا شعر مین استعمال کرنا بسبب اسکے ہے کہ طبائع کو ایسی چیزون کی رغبت بہت ہوتی ہے اور حق یہ ہے کہ ایسی آیتون کو شعر نہ کہنا چاہیے اور شعر ہو بھی نہین سکتین بلکہ نثر مرجز ہین جو اوزان مقرری مین سے کسی وزن پر ہوتی ہے

ماحصل وہ آیتین اشعار کے اوزان کی طرح کی

اور قافیہ نہین رکھتی (۴) قرآن مین تکرار لفظی و معنوی بہت ہے تکرار لفظی جیسے سورۂ رحمان
مین فبای الاء ربکما تکذبان تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر برابر آیا ہے اور تکرار معنوی یہ ہے
کہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ وغیرہ کے قصے مکرر واقع ہوے ہین اور تکرار فصاحت وبلاغت
کے منافی ہے جواب ہر جگہ تکرار لفظی بے فائدہ نہین ہوتی بلکہ کہین تقریر و اثبات
مطلب کے لیے ہوتی ہے کہین تحقیق معنے مین مبالغہ منظور رہوتا ہے کہین یہ جتانا منظور ہوتا ہے
کہ ایک معنے کو مختلف اور رنگ برنگ عبارتون مین نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ حسن و
خوبی کے ساتھ ادا کرنے کی قدرت ہے قرآن مین جہان کہین تکرار لفظی ہے وہ ایسے ہی
فوائد کی غرض سے ہے اور تکرار معنوی کی یہ وجہ ہے کہ قرآن کوئی تاریخی کتاب نہ تھی
اس لیے مستقل طور پر کسی کا حال ایک جگہ ذکر نہین ہوا بلکہ جیسا موقع ہوا پند و وعظ کے
طور پر اگلے لوگون کے کچھ حالات مجمل طرح سے بیان کردیے اسی وجہ سے ایک شخص کے
قصے کو حسب وقت بلا ترتیب وتقدیم وتاخیر کئی بار ٹکڑے کرکے بیان کرنے کی ضرورت پڑی
(۵) قرآن مین جھوٹ بھی ہے اس لیے کہ اگر قرآن سچا ہے تو پھر لارطب ولا یابس الا فی
کتاب مبین یعنی ہر ایک خشک وتر سب کچھ قرآن مین ہے خواہ ما فرطنا فی الکتاب
من شیء یعنی کوئی شے ایسی نہین جو قرآن سے چھوٹ گئی ہو اس کے کیا معنے ہین دیکھو مسائل
اصول طبعیات وریاضیات وطب کا کہین نام بھی نہین اور لاکھون امور ترقیات صناعت
اور تجارت کے قرآن سے چھوٹ گئے ہین اگر قرآن سے کوئی چیز نہ چھوٹتی تو کسی آیت سے
یہ جدید صنائع یورپ کے بھی جو آجکل موجب ترقی معاش ہین جیسے ریل گاڑی دخانی جہاز
تار برقی جواب قریب زمانے مین بنائے گئے ہین ضرور اس مین مذکور ہوتین اور جب
مذکور نہین ہین اور نہ اُن کی طرف اشارہ ہوا ہے تو لازم یہ آتا ہے کہ قرآن مین جھوٹ ہے
جواب اس شبہ کا کئی طور سے ہے ایک یہ کہ کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور ظاہر
ہے کہ لوح محفوظ مین سب کچھ موجود ہے اُس سے کوئی چیز نہین چھوٹی دوسرے کتاب

لارطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

اگرچہ قرآن کے معنے مین ہے مگر مراد اس سے یہ ہے کہ کتاب سے کوئی چیز دینی نہین چھوٹی
سب معاملات دینی کے اصول اس مین موجود ہین تیسرے دنیا اور دین دونون کے سب
کامون کا براہ فطرت یہی طریقہ جاری ہے کہ رفتہ رفتہ ان مین ترقی ہوا کرتی ہے دفعۃً واحدۃً
کسی صناع کو یہ قوت نہین ہے کہ اعلیٰ درجے کی صناعی پر قائم ہو اور نہ کسی معلم واستاد کو یہ مناسب
ہے کہ تعلیم اعلیٰ کو آغاز تعلیم سے شروع کر دے۔ ابتدا اصول کی تعلیم اور تفہیم سے کی جاتی ہے
اُسکے بعد فروع اور نتائج کی تعلیم بھی ہوتی ہے اور کبھی سیکھنے والے کو ایسی لیاقت پر پہونچا دیا
جاتا ہے کہ ہزارون فروع اور جزئیات اسی تعلیم کامل کی بدولت ہمیشہ ایجاد کرتا رہتا ہے
وکذلک الاسماء والصفات کلہا مستویۃ فی الفضیلۃ والعظمۃ لا تفاوت بینہما
اور نسیم الریاض مین فضیلت وعظمت کی جگہ فضل وعظم نقل کیا ہے اور معنے اس قول کے
یہ ہین اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور صفتین فضیلت لفظی اور عظمت معنوی مین برابر
ہین اُن دونون مین کسی قسم کا تفاوت نہین سب کا اطلاق اسکی ذات وصفات پر ہوتا ہے
تساوی سے مراد یہی ہے کہ جب ان کو مسمے اور موصوف اسما وصفات کی طرف مضاف
کیا جاتا ہے تو پھر ان مین باہم کوئی تفاوت نہین رہتا اس لیے کہ مسمے تمام اسما کا اور موصوف
تمام صفات کے ساتھ ایک ہی ذات ہے اور وہ اللہ پاک ہے اور یون تو اسما وصفات کے
حقائق مین تفاوت ہے اس لیے کہ بعض ان مین سے بعض کو شامل ومحیط ہے کیونکہ بعض کو بعض
پر رتبے اور ظہور کی وجہ سے تقدم ہے جیسے الوہیت اکثر صفات کو شامل ومحیط ہے اور علما نے
اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ نفس معانی اور حقائق کے اعتبار سے تفاوت رکھتے ہین جیسے
علم بہ نسبت قدرت کے عام ہے اور قدرت بہ نسبت ارادے کے عام ہے قدرت کو ضدین
کے ساتھ یکسان تعلق ہے ارادہ قدرت کو خاص ایک شے کے ایک وقت معین مین واقع
کرنے کی تخصیص بخشتا ہے کیونکہ قدرت کو سب اشیا اور سب اوقات کے ساتھ مساوی نسبت
ہے پھر ایک شے کو ایک وقت خاص مین ظاہر کرنے اور دوسری چیز کو اور دوسرے وقت کو

چھوڑ دینے کی تخصیص ارادے سے حاصل ہوتی ہے اور علم قدرت سے بھی عام ہے کہ یہ تمام مفہومات کو خواہ ممکن ہون یا واجب یا ممتنع حاوی ہے بخلاف قدرت کے کہ اُسکو صرف ممکنات سے خصوصیت ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ کی صفتون مین ترتیب نہین کہ ایک دوسری سے پہلے پیدا ہوئی ہو جیسے بندون مین پہلے زندگی آئی پیچھے علم اور پھر قدرت آئی اللہ تعالی اس سے پاک ہے کیونکہ جو ایسی بات ہوتی تو بعض صفتین اللہ تعالی کی حادث ہوتین اور جب تک یہ صفتین نہوتین تو ناقص رہتا حق تعالے کی ذات قدیم پاک ہے عیب ونقصان سے اور سب کا فضیلت وعظمت مین برابر ہونا اس بات کے منافی نہین کہ بعض

اسم اعظم

ان مین سے بعض سے اعظم ہو جیسے اسم اعظم تمام نامون سے افضل ہے امام غزالی کہتے ہین کہ اسم اعظم اللہ ہے سب نامون سے بہتر کہ سوائے خدا کے کسی پر حقیقۃً یا مجازاً اطلاق نہین کیا جاتا اور یہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس مین سب صفتین جمع ہین شیخ محی الدین نے فتوحات کے باب ۵۳ مین بیان کیا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اسم اعظم لفظ اللہ ہے تو مین جواب دونگا کہ مین اسے نہین سمجھتا ہون اس لیے کہ اسم اعظم اپنی خاصیت سے اثر کرتا ہے اور لفظ اللہ مین کوئی ایسی خاصیت نہین بلکہ وہ اس وقت اثر کرتا ہے کہ جب اس کے بولنے والے کی صفت بن جاسے یعنی بولنے والا اُس مین فنا ہو جائے شیخ کے نزدیک اسم اعظم حی القیوم ہے اور بعض کے نزدیک اسم اعظم ہو ہے اور بعض کے نزدیک اسم اعظم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور بعض نے مالک الملک کو اسم اعظم جانا ہے اور بعض نے کلمہ توحید کو اور بعض نے اللہ الذی لا الہ الا ہو رب العرش العظیم کو اور بعض نے الم کو اسم اعظم کہا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ عدم تفاوت اسما وصفات کے درمیان اسی قدر ہے کہ جب اس ذات پاک کی طرف اُنکی نسبت کی جاتی ہے تو انمین کوئی تفاوت نہین اسوقت سب برابر ہین

دربیان اسلام والدین کا کفر وایمان

ووالدا رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ والہ وسلم ماتا علے الکفر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ حالت کفر پر مرے ہین بحث اسلام آباے کرام

صلی اللہ علیہ وسلم معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جس کے لیے نہایت تفصیل درکار ہے یہ وہ مسئلہ ہے
کہ جب سخاوی نے اس مین خلاف کیا تو جلال الدین سیوطی نے اس مبحث مین چھ رسالے
لکھے علامہ سیوطی نے دوران فلکی علی ابن الکر کی مین سخاوی کے تعقب مین لکھا ہے
والثانی انہ تکلم فی حق والدی المصطفی بما لا یحل لمسلم ذکرہ ولا یسوغ
ان یجزم علیہ فکرہ فوجب علی ان اقوم علیہ بالانکار وان استعمل فی تنزیہ
ھذا المقام الشریف الاقلام والافکار فالفت فی ذلک ست مولفات شحنتہا
بالفوائد وھی فی الحقیقۃ ابکار ومن ذا الذی یستطیع علی قیامی فی ذلک اویلقی
نفسہ فی ھذہ المہالک من انکر ذلک اکاد اقول بکفرہ واستغرق العمر فی
ھجرہ قدما کے نزدیک ابوین شریفین اور بہت سے آبائے کرام کا ثابت نہین کیونکہ
انکو ظاہر احادیث صحیحہ مشہورہ سے رواج شرک وکفر کا ارباب زمانہ جاہلیت مین عموماً
یا خصوصاً معلوم ہوا اسلیے اُنھون نے ایسا حکم کیا اور اسی پر امام کا یہ قول بھی مبنی ہے مگر علمائے
متاخرین اسکے خلاف ہین وہ اسلام ابوین شریفین بلکہ جملہ آبائے کرام کے قائل ہین پس امام
کے اس قول پر تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ قدما کا یہ مذہب نہ تھا متاخرین کو حق سبحانہ نے یہ علم
مکشوف فرمایا ہے علاوہ برین اگر امام کے قول مین ہوتا ماتا کافرین تو گنجائش تعجب کی تھی
حالانکہ ماتا علی الکفر واقع ہوا ہے اور اُس مین اور اِس مین بڑا فرق ہے ابن حجر اپنے
فتاوے مین کہتے ہین وعلی التسلیم ان الامام قال ذلک فمعناہ انہما ماتا علی
زمن الکفر وھذا لا یقتضی اتصافہما بہ یعنی بر تقدیر اسکے کہ امام نے خود ایسا فرمایا
ہو تو اسکے معنے یہ ہین کہ وفات والدین شریفین کی زمانہ کفر مین قبل اسلام کے واقع ہوئی
اور یہ اس بات کو نہین چاہتا کہ وہ کفر سے متصف تھے بلکہ اگر ماتا کافرین بھی واقع ہوتا تو
بھی نص قطعی عدم نجات مین نہوتا آخر بہت محققین متاخرین قائلین نجات یہی فرماتے ہین کہ
ماتا کافرین ثم نجاھما اللہ تعالیٰ عن النار وذلک لشرف خصوصیۃ النبی

صلے اللہ علیہ وسلم یعنی کفر کی حالت مین مرے تھے پھر اللہ نے بوجہ شرف خصوصیت
جناب سرور کائنات کے اُنکو عذاب سے نجات دی اور بعض یہ کہتے ہین ان اللہ تعالیٰ
احیاھما وامنا بہ کما ورد بہ الحدیث لینالا فضیلۃ الصحبۃ یعنی اللہ نے اُن کو
زندہ کرکے ایمان نصیب کیا یہان تک کہ فضیلت صحبت خیر البشر کو پہونچ گئے اور یہ سب
بحث بر تقدیر ثبوت اس فقرے کے ہے جیسا کہ بعض نسخ فقہ اکبر مین واقع ہے اور اسی کو
ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے حالانکہ فقہ اکبر کے بہت سے نسخون مین یہ فقرہ مندرج
نہین کہ اس سبب سے بعض علماے کرام اس فقرے کو الحاقی ٹھہراتے ہین اور نظیر اُس کی
یہ ہے کہ بعض نسخون مین بحث استوا مین ایک عبارت پائی جاتی ہے چنانچہ ابن تیمیہ
حنبلی حمویہ مین اور حافظ ذہبی کتاب مسئلہ علو مین اور ابن قیم نونیہ مین استوا کی عبارت
فقہ اکبر سے روایت کرتے ہین اور ان لوگون نے جس قدر عبارات اس بحث مین فقہ اکبر
سے نقل کی ہین آپس مین مختلف ہین اور فقہ اکبر کے اکثر اور اشہر نسخون مین نہین پائی جاتی
ہین معلوم ہوتا ہے کہ بعض نسخون مین استوا کی عبارت بڑھا دی ہے جس سے ان اکابر علما نے
نقل کیا ہے مگر نسخۂ قدیم معتمد مین وہ عبارت نہ پائی گئی اور اس نسخے سے جو نقلین ہوئین
وہ بھی زیادتی سے محفوظ رہین اور یہی ملا علی قاری کے نزدیک بھی معتمد تھا چنانچہ اُنھون نے
بحث استوا کی عبارت اپنی شرح مین نقل نہین کی نواب صدیق حسن خان مرحوم رسالہ
انتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح مین مسئلہ استوا کی عبارت کی نسبت لکھتے ہین کہ یہ
عبارت جو امام کی طرف منسوب ہے بعض نسخ فقہ اکبر مین نہین ہے بعض مین پائی جاتی ہے
مولوی صاحب تائید تحقیق مین اپنا خیال یون ظاہر کرتے ہین کہ حافظ ابن قیم و مولوی نذیر نے
اسے امام کی طرف منسوب کیا ہے شاید نسخہ فقہ اکبر سے ایسے شخص نے نکالدیا ہے جسکا یہ عقیدہ
نہین ہے مولوی وکیل احمد صاحب کہتے ہین کہ ابن قیم نے اس باب مین اپنے استاد ابن تیمیہ
کی پیروی کی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عرشی نے یہ عبارت بڑھادی ہو بس اسی طرح ممکن ہے

استوا اور الحاق

کہ کسی ایسے شخص نے جو والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کے خلاف ہو نسخہ فقہ اکبر مین یہ عبارت بڑھادی ہو جس سے متاخرین کو اپنے مذہب منصور کے موافق اس بحث کے طے کرنے اور امام کو اس اینچ سے نکالنے کی زحمت اُٹھانی پڑی چنانچہ علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیے مین لکھاہے وما فی الفقہ الاکبر من ان والدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام ویدل علیہ ان النسخ المعتمدۃ لیس فیھا شیٔ من ذالک یعنی فقہ اکبر مین جو یہ ہے کہ والدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفر پر مرے ہین یہ امام پر افترا ہے اسپر دلیل یہ ہے کہ یہ عبارت ایسے نسخون مین نہین ہے جن پر اعتماد ہے اس فقرے کو متاخرین نے یہان تک بُرا جانا ہے کہ امام کی طرف اس کے منسوب کرنے کے بھی روادار نہین اور ابن حجر مکی نے یہان تک لکھدیا ہے کہ جس نسخے مین یہ عبارت ہے وہ امام کا نہین بلکہ وہ نسخہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے اور طحطاوی ابوین شریفین کے کفر پر مرنے کے قول مین بے ادبی خیال کرتے ہین اور کئی دلائل سے اُنھون نے ایمان والدین شریفین کو ثابت کیا ہے وہ کہتے ہین کہ یہ ضرور ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ ابوین شریفین کفر سے محفوظ تھے اور یہ تمام باتین یہ خلاف قدماے حنفیہ وغیرہ کے ہین علامہ سید محمد عبدالرسول برزنجی شافعی ثم المدنی نے بھی متاخرین کے طور پر مسئلہ اسلام ابوین شریفین مین دفع ایراد قول فقہ اکبر کیواسطے چند تاویلات رسالہ سداد الدین وسداد الدین فی اثبات النجات والدرجات للوالدین مین پیش کی ہین ان مین سے ایک یہ بھی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب مین کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جو یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ اُنھون نے فقہ اکبر مین یون کہا ہے کہ والدین سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کفر پر مرے ہین یہ مردود ہے اس لیے کہ جو نسخے فقہ اکبر کے ایسے ہین جن پر اعتماد ہے ان مین یہ نہین ہے اور جس نسخے مین یہ لکھا ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی تصنیف نہین انتہی اور علامہ آفندی شہیر بہ داغستانی رسالہ اثبات النجات والایمان لوالدے سید الاکوان مین فقہ اکبر کی

عبارت ووالدا رسول الله الخ لکھ کر تحریر فرماتے ہین کہ اس کتاب کی نسبت امام اعظم کیطرف
ثابت نہین ہے چنانچہ بعض علمانے لکھا ہے کہ امام کے زمانے مین تصانیف کا رواج نہ تھا
ایک بات یہ بھی ہے کہ رسالہ فقہ اکبر مین صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے گئے ہین کہ جو
اہم مہمات سے خیال کیے جاتے ہین اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہین ہے جس پر اعتقاد واجب
سمجھا جاے انتہی مگر ان علما کی اس تاویل سے جو علامہ ابن حجر کے قول سے جنھون نے اثبات
ایمان ابوین شریفین مین بڑی کوشش کی ہے ان کو اشتباہ ہوا اقوال اکابر شرح
مشہورین سابقین کے کذب و بطلان کا یقین کیونکر آسکتا ہے صاف بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ
قدما کا تھا جس کو امام نے بیان فرمایا جو مسئلہ مختار محققین لاحقین کے خلاف ہے یا یہ فقرہ الحاقی
ہے متاخرین کہتے ہین کہ جب کہ الله تعالی نے ابو طالب پر محض اس وجہ سے تخفیف عذاب
ابوطالب پر تخفیف عذاب
کی کہ وہ کفار کی سختی کے مقابلے مین آنحضرت کی حمایت کرتے رہتے تھے چنانچہ بخاری ومسلم
نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی الله علیہ وسلم نے فرمایا اھون اھل
النار عذابا ابو طالب وھو متنعل بنعلین یغلی منھما دماغہ یعنی دوزخیون مین سب سے
زیادہ ہلکے عذاب والا ابو طالب ہے کہ وہ دو پاپوشین پہنے ہے جس سے اسکا دماغ جوش
مارتا ہے تو آنحضرت کے والدین اس سے زیادہ رعایت اور اکرام الہی کے مستحق تھے ابو طالب کیساتھ جو کچھ رعایت
کی گئی محض آنحضرت کے طفیل سے کی گئی تو اُنکے والدین کے حق مین اس سے بڑھکر فضل الہی ہونا چاہیے
بمقابلے چچا کے والدین کے حق مین اکرام الہی حضرت کی زیادہ خوشنودی کا موجب ہے طبائع اسپر مجبول
ہین کہ اگر کوئی شخص کسی کے اہل قرابت قریبہ کو ناگفتنی بات کہے تو ضرور اسکا اثر دل پر
پڑتا ہے اور طبیعت پر ناگوار گذرتا ہے حضرت رسالت پناہ صلے الله علیہ وسلم ایسے امور سے
سخت متاذی ہوتے تھے اور اپنی ناخوشی ظاہر فرماتے تھے محب الدین احمد طبری ذخائر العقبے
مین ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہین کہ سبعیہ بنت ابولہب نے حضرت رسالت مین یون
شکایت پیش کی کہ یا رسول الله لوگ مجھکو حمالۃ الحطب کی بیٹی کہتے ہین اور اس کلمے سے

عار دلاتے ہین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنکر نہایت غصے ہو گے اُٹھے اور فرمایا کہ میری
قوم کو کیا ہوا ہے کہ میرے اہل قرابت کو عار دلانے اور تشنیع کرنے سے مجھکو اذیت دیتے ہین
میری اذیت اللہ تعالی کی اذیت ہے غور کرنے کا مقام ہے کہ بنص قرآن سبعیہ کی مان
حمالۃ الحطب تھی اور اُن کے والدین یقیناً جہنمی تھے ایسے شخص کی نسبت اس عار دلانے
سے جو مستلزم تحقیر ہے آپکو ایذا پہونچی پھر آپکے والدین کی تکفیر کیونکر باعث اذیت نہو گی تکفیر
سے بڑھکر بھی کوئی بات ایسی ہے جس سے اذیت پہونچے حق تعالی جل شانہ نے فرمایا ہے
ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعد لہم عذابا
مھینا یعنی جو لوگ اللہ ورسول کو اذیت دیتے ہین ایسے لوگون پر خدا کی لعنت ہے دنیا
اور آخرت مین اور اللہ تعالی نے اُنکے لیے ایسا عذاب مہیا کیا ہے جو خوار کرنے والا ہے
علامہ سیوطی دُرج منیفہ فی الآباء الشریفہ مین کہتے ہین کہ شیخ کمال الدین شمنی جو ہمارے
شیخ تقی الدین کے والد ہین لکھتے ہین کہ ابو بکر بن عربی سے جو مالک کے بڑے اصحاب سے تھے
کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کی شان مین کیا فرماتے ہین جو آباء رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نسبت کہتا ہے کہ وہ جہنم مین ہین ابن عربی نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے
اس لیے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے ان الذین یوذون الایۃ اور اس سے بڑھکر کون سی
اذیت ہے کہ کہا جائے آپکے آبا جہنم مین ہین اور ابن کرکی نے جب سیوطی پر اعتراض
کیا تو انھون نے رسالۂ طراز العمامہ فی الفرق بین العمامہ والقمامہ مین ابن الکرکی کا سخت
تعقب کیا اور یہ فرمایا کہ مین نے وہی بات کہی ہے جو مجھ سے پہلے کے علما کہہ گئے ہین
کہ یہ کہنا منہی عنہ ہے اس سے رسول اللہ کو ایذا پہونچتی ہے جو شرعاً منہی عنہ ہے اور
اس مین ابن عربی کے قول کو نقل کر کے کہا ہے کہ جو شخص ائمہ کے کلام کو دیکھیگا اسکو
معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ نے اُسکو منع فرمایا ہے جس شخص مین علم کی بو باس ہو وہ ہرگز ایسے
قول کا انکار نہین کر سکتا یہ عجیب بات ہے کہ اپنے آبا کی تعظیم کی جائے اور آبائے کرام

حضرت رسالت پناہی کی اہانت سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہے ولیس لنا ان نقول نحن ہذا فی ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات واللہ عز وجل یقول ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الایۃ یعنی ہمکو نہ چاہیے کہ ہم آبائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب مین اس قسم کی باتین کہین آپنے فرمایا کہ زندہ لوگون کو مردونکی بُرائی سے اذیت نہ پہونچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یؤذون الایہ غرض یہ ہے کہ ایسے مسئلے کے ثبوت کے کیون پیچھے پڑے جس سے جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو اذیت پہونچے ایسے امور سے نفس کو روکنا بہتر ہے چونکہ ایمان والدین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قدماکے نزدیک ثابت نہ تھا کیونکہ احادیث صحیحہ مشہورہ سے اُنکو زمانہ جاہلیت مین کفر وشرک کا رواج معلوم ہوا تھا اس لیے کہ وہ اُنکے ایمان پر مرنے کے قائل نہ تھے معاذ اللہ وہ کچھ تشنیع کی راہ سے ایسا نہین کرتے تھے تاکہ روح پر فتوح جناب سرور کائنات کی اذیت کا باعث ہوتا علاوہ اس کے امام کے ماتا علی الکفر کہنے سے یہ لازم نہین آتا کہ اُنکی نجات نہوئی ہو بلکہ اللہ نے اُنکو زندہ کرکے ایمان سے بہرہ ور کیا ہے چنانچہ علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیے مین کہا ہے ان اللہ تعالیٰ احیاہما وامنا بہ کما ورد بہ الحدیث لینالا فضیلۃ الصحبۃ اور ملا علی قاری نے جو امام کے قول کی شرح مین کہا ہے کہ ہذا رد علی من قال انہما ماتا علے الایمان او ماتا علے الکفر ثم احیاہما اللہ تعالیٰ فماتا فی مقام الایقان وقد افردت لہذہ المسئلۃ رسالۃ مستقلۃ ودفعت ماذکرہ السیوطی فی رسائلہ الثلثۃ فی تقویۃ ہذہ المقالۃ بادلۃ الجامعۃ المجتمعۃ من الکتاب والسنۃ والقیاس واجماع الامۃ یعنی امام کا قول رد ہے اُن لوگون کا جو کہتے ہین کہ آنحضرت کے والدین ایمان پر مرے ہین یا کفر پر مرے تھے پھر اللہ نے اُنکو زندہ کیا پس اُنھون نے ایمان لاکر انتقال کیا اور مین نے اس مسئلے مین

ایک علیحدہ رسالہ تالیف کیا ہے اور اس مین سیوطی کے تین رسالون کا جواب دیا ہے جو
اُنھون نے اس مبحث مین لکھے ہین اور کتاب وسنت اور قیاس و اجماع سے اسپر دلائل
بیان کیے ہین اور اس سے ملاعلی کی شان مین کوئی حرف نہین آسکتا اس لیے کہ اُن کے
نزدیک قدما کا مذہب مرجح ثابت ہوا جو ابوین شریفین کے اسلام کے قائل نہین البتہ
علماے متاخرین اسکے خلاف ہین اُنکے نزدیک دو باتین ثابت ہین یا تو وہ کفر کی حالت
مین مرے تھے پھر اللہ تعالے نے اُنکو اس سے بوجہ شرف خصوصیت آنحضرت کے اس سے
نجات دی یا ایمان پر مرے ہین کفر و شرک سے محفوظ تھے فقیہ محمد مرعشی ملاعلی قاری کے
قول سے بیحد ناراض ہوے چنانچہ اُنکے حق مین کہتے ہین العجب من علی القاری انہ
صنع فی ہذا الباب رسالۃ وتکلف فیہا واتی باسجاع مملۃ فلعل البرودۃ اثرت
فی راسہ فاختل عقلہ یعنی تعجب ہے کہ اُنھون نے اس باب مین ایک رسالہ لکھا ہے
جس مین تکلف کیا ہے اور عبارت مین قافیے جو دلپر ناگوار گذرین درج کیے ہین ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ملاعلی کے سر مین سردی اثر کر گئی تھی جس سے اُنکی عقل مین خلل واقع
ہو گیا تھا مگر میرے نزدیک ملاعلی قاری کے ایسا کرنے سے ان کی نیت پر حملہ نہین ہوسکتا
اس لیے کہ اُنکے نزدیک جو مذہب حق ثابت ہوا اسکی تائید کی اب اگر یہ بھی ثابت ہوجائے
کہ والدین صلے اللہ علیہ وسلم کی تکفیر کا فقرہ الحاقی ہے بلکہ یہان تک بھی ثابت ہوجاے
کہ جس فقہ اکبر کی اُنھون نے شرح کی ہے اس کا انتساب امام کی طرف کذب وافترا ہے
اور فقہ اکبر امام کی اسکے ماسواہے جس سے ملاعلی قاری ناواقف رہے تو اس تقدیر
پر بھی ملاعلی تکفیر ابوین شریفین کے پیچ سے نہین نکل سکتے کیونکہ یہ ان کا مسلم مذہب ہے
جس مین شبہ اور دوسرے کی تاویل کو گنجایش نہین

چند دلائل مثبتہ اسلام آباے کرام جو متاخرین نے ذکر لیے ہین اس مقام پر لکھتا ہون
(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارحام طیبہ سے پیدا ہوے اور جو ارحام طیبہ سے

پیدا ہو وہ مشرک پیدا نہ ہو یہ شکل اول بدیہی الانتاج ہے جس مین صغری موجبہ اور کبری کلیہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرک سے پیدا نہ ہوے صغری کے اثبات پر بہت سی احادیث وارد ہین ابو نعیم انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہین کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاہرۃ مصفی مھذبا لا تنشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالی مجھکو اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مین نقل فرماتا آیا جو پاک و آراستہ تھے جب ایسا اتفاق واقع ہوا کہ دو فرقے نسب مین ہوے تو مین ایسے فرقے مین ہوا جو بہتر تھا ابن سعد طبقات مین ابن عباس سے روایت کرتے ہین کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر العرب مضر وخیر مضر عبد مناف وخیر عبد مناف ھاشم وخیر بنی ھاشم عبد المطلب واللہ ما افترق فرقتان منذ خلق اللہ ادم کنت فی خیرھما یعنی بہترین عرب مین مضر ہین ان مین بہتر عبد مناف ان مین اچھے ہاشم ہین ان مین بہتر عبد المطلب ہین قسم ہے خداے تعالی کی کہ آدم کے زمانے سے جس وقت دو فرقے ہوے تو مین بہترین فرقے مین رہا مولانا عبد العلی بحر العلوم شرح اسماے اصحاب بدر مین ابن حجر عسقلانی سے روایت کرتے ہین کہ آپنے فرمایا انی انقلت من صلب ادم الی خیر اھل الارض ثم ثم الی ان ولدت یعنی صلب آدم سے مین ایسے مواقع مین نتقل ہوتا چلا گیا جو اہل ارض مین بہتر تھے یہان تک کہ مین پیدا ہوا اس قسم کی احادیث جو مستلزم شرف و لطافت ہین مسلم و ترمذی و حاکم وبیہقی و قاضی عیاض وامام رازی وماوردی و ابن حجر مکی سے منقول ہین کلیت کبری پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے انما المشرکون نجس مشرک نجس ہین تو مشرکین کے ارحام طیبہ نہونگے (۲) آدم علیہ السلام سے کنانہ تک جو ہم عصر عمرو بن لحی الخزاعی کے تھے سب کے سب موحد تھے جسکی تفصیل یہ ہے مابین آدم و نوح علیہما السلام کے تو سب طریقۂ اسلام پر تھے طبقات ابن سعد مین ابن عباسؓ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مین نقل ہوتے رہے

آدم سے کنانہ تک سب موحد تھے

مروی ہے مابین نوح و آدم من الاباء کانوا علی الاسلام یعنی جتنے آبا نوح و آدم کے درمیان گذرے ہین سب ملت اسلام پر تھے اور عہد نوح علیہ السلام سے ابراہیم بن تارخ کے زمانے تک کوئی مشرک نہ تھا شیخ عبد الحکیم نے تاریخ مصر مین آثار مرویہ ابن عباس سے تارخ تک سب کا ایمان ثابت کیا ہے جو حضرت ابراہیم کے باپ تھے آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہ تھا جیسا کہ فخر الدین رازی اور منذری نے اپنی تفاسیر مین ابن عباس اور مجاہد اور جریج سے نقل کیا ہے اور اطلاق اب کا عم پر مجازاً ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے قالوا نعبد الٰھک والٰہ ابائک ابراہیم واسمٰعیل حضرت اسماعیل عم بزرگوار حضرت یعقوب کے تھے حضرت یعقوب اسحاق کے بیٹے تھے حضرت ابراہیم سے کنانہ تک جو معاصر عمرو بن لحی کے تھے سب ملت ابراہیمی پر تھے چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہین کان العرب علی دین ابراہیم علیہ السلام الی ان ولی عمرو بن لحی الخزاعی وانزع ولایۃ البیت من اجداد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ عمرو بن المذکور عبادۃ الاصنام وشرع للعرب الضلالات الی ان قال وفیہم علی ذلک بقایا من دین ابراہیم علیہ السلام یعنی عرب ہمیشہ دین ابراہیمی پر رہے عمرو بن لحی نے ولایت خانہ کعبہ کی اجداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکال لی اور خود مالک ہوگیا اور بت پرستی شروع کی عرب گمراہی مین پڑ گئے اس پر بھی بعض ایسے تھے جو ملت ابراہیمی پر قائم تھے چونکہ قبل اس سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ جس قدر فرقے ہوے ہین تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ایسے فرقے مین منتقل ہوا جو خیر تھا تو اس مقام پر بھی کہا جاسے گا کہ آپ کا نور اُسی فرقے مین منتقل ہوا جو ملت ابراہیمی پر تھا سوا اسکے اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ ابن سعد طبقات مین روایت کرتے ہین کہ ایک دن کعب بن لوے نے اپنی اولاد کو جمع کرکے خطبہ پڑھا کہ میرے آبا دین ابراہیمی پر تھے تم بھی اُسی دین پر استقامت کرو سیوطی لکھتے ہین فثبت بھذا التقریر ان اجداد ہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابراہیم الی کعب بن لوی وولدہ مرۃ منصوص علی

ایمانہم ولم یختلف فیہ اثنان یعنی اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اجداد سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ابراہیم سے کعب بن لوے تک اور مرہ تک جو لوے کے بیٹے تھے سب ملت ابراہیمی پر تھے یہ ایسا امر ہے جس مین کسی نے اختلاف نہین کیا ہے اب رہے کلاب وقصے وعبد مناف و ہاشم وعبد المطلب وعبد اللہ والد ماجد سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے تو کوئی دلیل انکے ملت ابراہیم کو چھوڑ دینے پر قائم نہین چونکہ نور محمدی ایسے فرقے مین منتقل ہوتا آیا جو خیر تھا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ لوگ ملت ابراہیم پر تھے اور اگر یہ نہ مانا جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ شرک سے بری نہ تھے تو اس سے یہ لازم آئے کہ مشرک مسلمان سے خیر ہین یہ نص قرآنی واجماع سے باطل ہے تو اب ضرور رہوا کہ یہ کہا جائے کہ وہ مشرک نہ تھے تاکہ اہل زمانہ سے اُن کا بہتر ہونا ثابت ہو۔ بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین بہترین قرنون یعنی طبقون سے بنی آدم کے طبقہ درطبقہ بھیجا گیا ہون یہان تک کہ مین ایسے طبقے مین ہون کہ جس سے مین ہون اور عباس رض سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت نے منبر پر چڑھکر فرمایا کہ مین کون ہون تم مجھکو جانتے ہو صحابہ نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہین آپنے فرمایا کہ مین عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا محمد ہون اللہ نے جب مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین خلق مین کیا (کہ انسان ہین) پھر انسانون کے دو فرقے کئے (یعنی عرب وعجم بنائے) تو مجھکو اُن مین سے اچھے فرقے مین کیا پھر عرب کو قبیلہ قبیلہ کیا تو مجھکو اُن مین سے بہتر قبیلے مین کیا پھر اُنکو گھرانہ گھرانہ بنایا تو مجھکو عمدہ گھرانے مین کیا بعض ارباب تصانیف اس قسم کے کلمات سے یہی نتیجہ نکالتے ہین کہ آپ کا نور ہمیشہ ایسے طبقے مین رہا جو مشرک نہ تھا حافظ ابونعیم دلائل النبوۃ مین ام سماعہ سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میری مان وقت وفات آمنہ کے حاضر تھین اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پنج سالہ تھے آمنہ بی بی نے چند اشعار اس مضمون کے پڑھے کہ اللہ تعالی نے برکت دی مجھے اس نیک نہاد لڑکے سے

جو کچھ مین نے خواب مین دیکھا ہے وہ سب اگر سچے ہو تو یہ لڑکا کافۂ انام پر مبعوث ہوگا اور دین براہیمی کو زندہ کرے گا اور عبادت اصنام مین اپنی قوم سے موافقت نہ کرے گا اس شعر کے بعد کہا کہ ہر زندہ کو آخر موت ہے اور ہر نور کے آخر ظلمت ہے مین تو مرتی ہون مگر میرا ذکر قیامت تک رہے گا مین بہترین عالم کو چھوڑے جاتی ہون اور مین طیب وطاہر ہون اس کے بعد آمنہ بی بی نے قضا کی ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آمنہ بی بی خاصی موحد تھین عبادت اصنام کو دل سے گناہ خیال کرتی تھین نہین تو وہ عبادت اصنام کی طرف اسی طرح رغبت ...لاتین جس طرح آزر نے ابراہیم کو سیوطی کہتے ہین کہ ایام جاہلیت مین ایمان کے لیے اتنی ہی کافی تھا البتہ بعد بعثت کے ایمان کے لیے دوسری شروط لگائی گئین (۳) اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ حسن وقبح اشیا کا شرعی ہے اس طرح کہ شرع نے جس کو حسن کہا وہ حسن اور جسکو قبیح کہا وہ قبیح ہوا اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا افعال کی ذات کو حسن وقبح واجب نہین ہے ورنہ شرع مین نسخ جائز نہوتا اسلیے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اس مین اختلاف اور تخلف پیدا نہین ہوتا حنفیہ اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے یعنی ہر چیز مین حسن وقبح عقل کی طرف سے ہے حکم شرع کو اس مین دخل نہین صوفیہ بھی اس مین موافق انکے ہین یہی وجہ ہے امام اعظم نے فرمایا ہے لاعذر لاحد فی الجہل بخالقہ دوسرا قول ہے لو لم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخلق معرفتہ اشاعرہ وحنفیہ کے مسلک کا فرق تو ظاہر ہے اس مسلک مین حنفیہ ومعتزلہ مین بھی بڑا فرق ہے گو بظاہر دونون فریق کہتے ہین کہ عقلی ہے مگر متاخرین حنفیہ کہتے ہین کہ جو حسن وقبح عقلی ہے وہ اس بات کو مستلزم نہین کہ اس مین حکم الٰہی بھی بندے کے لیے صادر ہو ہان وہ لائق ومستحق اس بات کے ہوتا ہے کہ اسمین حکم الٰہی نازل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے ترجیح بلا مرجح نہین فرماتا اور اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھی نہین قرار دیتا بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی ہے اسی کی نسبت حکم دیتا ہے اور جو بری ہوتی ہے اس سے منع فرماتا ہے پس نفس فعل مین ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے

حسن وقبح کے
شرعی وعقلی
ہونیکی بحث

جیسے نماز کہ اس مین معبود کی مناجات ہے جسنے اسکو واجب کیاہے اور فعل ہی مین ایک
ایسی چیز ہوتی ہے جو اس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے جیسے زنا کہ اسکی وجہ سے انساب
مین خلط واقع ہوتا ہے اور یہ زنا کی حرمت کو چاہتا ہے پس شارع حکیم ہے جو چیز حرمت کو چاہتی
تھی اُس فعل کو اس نے حرام کیا اور جو قابل وجوب تھی اُسے واجب کیا سو اصل حاکم اور
واجب کرنے والا اللہ ہے اور شرع کھولنے والی ہے پس جب تک اللہ تعالیٰ رسولون کو
بھیجکر اور اپنا کلام نازل کر کے حکم ندے تب تک کوئی حکم حسن و قبح کا اور امر و نہی نہوگا پس
زمانۂ فترت کے لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا مین معذب نہونگے اور اسی وجہ سے ان
علما نے تعلق تکلیف مین دعوت کا پہونچنا شرط کیا ہے یعنی آدمی تعمیل احکام کے ساتھ مکلف
بعد پہونچنے دعوت کے ہوگا پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہونچے اسوقت تک وہ نہ ایمان
کے ساتھ مکلف ہے اور نہ بسبب کفر کے آخرت مین مواخذہ دار ہے ابن ہمام کہتے ہین کہ
امام کے دوسرے قول مین وجوب سے وجوب عرفی مراد ہے اگر بالفرض اللہ تعالیٰ
پیغمبر کو مبعوث نہ فرماتا جب بھی خلق کو سزاوار تھا کہ اپنے عقول سے اللہ تعالیٰ کو پہچانین
اور مشائخ بخارا کہتے ہین کہ امام کا پہلا قول ما بعد البعثت پر محمول ہے یعنی رسول کے
آنے کے بعد کوئی شخص خالق سے جاہل رہنے مین معذور نہین۔ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ
اور براہمہ اس رائے کے خلاف ہین ان کے نزدیک حسن و قبح ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
حکم کا موجب ہے اگر بالفرض نہ شرع ہوتی اور نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالےٰ
افعال ایجاد کرتا تب بھی یہ احکام اسی طرح واجب ہوتے جس طرح شرع نے اب ان کو بیان
کیا ہے اور جنھون نے یہ لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک حاکم عقل ہے نہ خدائے تعالےٰ یہ
قول اُنکی صحت کے خلاف ہے معتزلہ مسلمان تھے اور کوئی مسلمان ایسی بات کہنے کی
جرأت نہین کر سکتا بلکہ معتزلہ تو یہ کہتے ہین کہ عقل بعض احکام الٰہی کی معرف ہے برابر ہے
کہ اُنکی نسبت شرع وارد ہو یا نہو اور یہی اکابر حنفیہ سے بھی منقول ہے[1] اور بعض نے

[1] له کذا فی شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم ۱۲

متاخرین حنفیہ اور معتزلہ کے مذاہب کے فرق کو اس عبارت مین بیان کیا ہے کہ اول الذکر
کے نزدیک عقل ایک آلہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ بذریعہ شرع کے کہ وہ کھولنے والی ہے
فعل کے حسن وقبح پر اطلاع دیتا ہے ایجاب عقل کا کام نہین بلکہ یہ کام اللہ کا ہے اور معتزلہ
کے نزدیک عقل واجب کرنے والی ہے پس جب عقل نے حسن وقبح کو دریافت کرلیا تو
مقتضائے حسن وقبح اللہ تعالیٰ اور بندونپر واجب ہوگیا اور جو چیز عقل مین نہین آسکتی وہ واجب
نہین اسی وجہ سے معتزلہ عقائد کے متعلق ہر اُس بات کو نہین مانتے جو عقل سے مدرک نہو سکے
مثلاً رویت الٰہی اور عذاب قبر اور میزان اور صراط وغیرہ کے منکر ہین غرضکہ تمام اشاعرہ اور
اور متاخرین محققین حنفیہ جیسے طحاوی وکرخی وفقیہ ابو اللیث وابن ہمام ومشائخ بخارا کے
نزدیک ترک اسلام واختیار کفر سے اہل فترت قابل مواخذہ نہونگے اور والدین رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم اہل فترت سے ہین تو وہ بھی عذاب نار سے ناجی ہین گو زمانہ کفر مین
مرے ہین اور اس تقدیر پر امام کے قول کے بھی یہی معنی ہوتے ہین اس جگہ یہ شبہہ ہوتا ہے کہ عرب کے حق مین تو
فترت کا تحقق نہین ہوتا اسلیے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی شریعت قائم تھی جواب یہ غلط ہے اسلیے کہ
حضرت نوحؑ تک شریعت حضرت آدم علیہ السلام تھی حضرت ابراہیمؑ تک شریعت نوحؑ کی زمانہ بعثت سرور عالم تک
شریعت ابراہیمؑ کی پھر فترت کا کوئی زمانہ نرہا زمانہ فترت ایسے زمانے کو کہتے ہین جو دو انبیا کی درمیان مین ہو اور آثار واحکام
شریعت نبی سابق کے مضمحل ہوگئے ہون جب بعثت نبوی تک حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی شریعت
بدستور قائم رہی تو یہ زمانہ فترت کا نرہا ابن حجر مکی لکھتے ہین ھذا بعید جدا للاتفاق
علی ان ابراھیم ومن بعدہ لم یرسلوا للعرب ورسالۃ اسماعیل علیہ السلام
انتھت بموتہ اذ لم یعلم لغیر نبینا صلے اللہ علیہ وسلم عموم بعثتہ بعد الموت یعنی یہ اعتراض
عقل سے بہت بعید ہے اس لیے کہ اس امر پر اتفاق ہے کہ ابراہیمؑ اور ان کے بعد کے
انبیا عرب کے رسول نہ تھے اور رسالت اسماعیلؑ انکے انتقال پر تمام ہوگئی اس لیے کہ
سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انکی عموم بعثت بعد موت کے متحقق نہوئی۔ بہرصورت

زمانہ فترت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی نجات بوجہ اہل فترت ہونے کے اشاعرہ کے صول پر مبنی ہے جس کے ساتھ متاخرین حنفیہ نے بھی اتفاق کیا ہے اور متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ اگر کسی کو دعوت نہ پہونچے اور نہ اُسکو اتنی مہلت ملے کہ خالق عالم کے اثبات کے لیے تامل کرسکے اور بغیر اعتقاد ایمان وکفر کے مرجاے تو اسکو عذاب نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے کہ جو باوجود دعوت نہ پہونچنے کے کفر کا معتقد ہوکر مرا یا اتنی مہلت پاکر جس مین وہ غور وفکر کرسکتا تھا بغیر اعتقاد کفر وایمان کے مرگیا تو اُس کو عذاب ہوگا مگر شامی یہ کہتے ہین کہ اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ کے مذہب کے مطابق وہی شخص عذاب نار سے ناجی ہے جو دعوت پہونچنے سے قبل بغیر اعتقاد کفر کے مرا ہے کیونکہ اسپر کفر کا حکم نہین اور جو بعثت سے قبل کفر وشرک کا معتقد ہوکر مرا ہے اُسکی دوزخ سے نجات نہین جیساکہ نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح کی ہے اور اسی پر بعض مالکیہ نے ان احادیث کو حمل کیا ہے جن مین اہل فترت کے معذب ہونے کا ذکر ہے البتہ اُن اہل فترت کی نجات اور عدم نجات مین خلاف ہے جنھون نے نہ شرک کیا اور نہ توحید حاصل کی بلکہ ساری عمر غفلت مین گذاری پس اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو عذاب نار سے نجات ہے کیونکہ اُسکو دعوت رسول نہین پہونچی اور امام ابو حنیفہ ومتقدمین حنفیہ کے نزدیک نجات نہین اُس لیے کہ اُسکو اتنی مہلت مل گئی کہ صانع عالم کے وجود کے ثبوت کی نشانیون پر غور وتامل کرسکے اور پھر بھی وہ اللہ پر ایمان نہ لایا کیونکہ عقل کے ساتھ اس قدر تجربہ اور مہلت ہونا اُسکے حق مین دعوت رسول کے برابر ہے مگر مشہور یہ ہے کہ اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ کے نزدیک وہ شخص بھی معذور ہے جس کو دعوت نہ پہونچی ہو اور اس وجہ سے شرک کا معتقد رہا ہو اور اُن اصحاب زمانہ جاہلیت کی نجات مین شبہہ نہین جنھون نے اپنی عقل سے ہدایت حاصل کی جیسے قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جب ہم عام دلائل وقرائن پر نظر کرتے ہین تو اللہ کی مہربانی سے امید کرتے ہین کہ اُس نے جناب سرور کائنات کے والدین کو گروہ موحدہی مین رکھا ہوگا

کیونکہ آنحضرت نے صاف فرمادیا ہے کہ مین ایسے قرنون مین منتقل ہوتا رہا ہون جو دوسرے قرنون سے بہتر تھا اور بعض محققین یہ کہتے ہین کہ آنحضرت کے ایسے اقوال مین کہ مین بنی آدم کے بہترین طبقون میں قرن در قرن منتقل ہوتا آیا ہون یہ مراد ہے کہ جو طبقہ خصائل حمیدہ اور فضائل شریفہ رکھتا تھا جن سے عقلا کے عرف مین اہل کرم کی مدح کی جاتی ہے اس مین حضرت کا نور منتقل ہوتا رہا خیریت سے مراد دین وایمان کی خیریت نہین ہے اور اس تقدیر پر اللہ سے یہ امید رکھتے ہین کہ اُس نے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایام جاہلیت کے ان لوگون مین سے کیا ہوگا جنھون نے نہ شرک کیا نہ موحد بنے مگر متاخرین اسی کو ترجیح دیتے ہین کہ والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی پر تھے اور توحید کرتے تھے (۴) متاخرین احادیث سے بھی والدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا ثبوت دیتے ہین کہ بعض احادیث مین آیا ہے کہ حضرت کی خاطر سے حضرت کے والدین کو حق تعالی نے قبر مین زندہ کیا سو وہ ایمان لائے لیکن محدثین کے نزدیک وہ احادیث معتمد نہین لیکن قرطبی اور ابن ناصر الدین حافظ شام وغیرہ نے تصحیح کی ہے اور یہ جو صحیح مسلم مین ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی واستاذنته ان ازور قبرها فاذن لی یعنی مین نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ اپنی مانکی مغفرت چاہون سو مجھکو اجازت نہ دی اور مین نے اجازت مانگی کہ اُسکی قبر کی زیارت کرون سو مجھکو زیارت کی اجازت دی یہ اُسکے منافی نہین ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کے بعد زندہ ہوے ہون کیونکہ زندہ ہونے اور ایمان لانے کا واقعہ حجۃ الوداع مین ظہور مین آیا تھا اور یہ جو صحیح مسلم مین انس سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا کہ میرا باپ کہان ہے حضرت نے جواب دیا تیرا باپ دوزخ مین ہے جب وہ غمگین ہو کر چلا تو حضرت نے اسکو بلایا پھر فرمایا ان ابی وابالك فی النار یعنی میرا باپ اور تیرا باپ دونون دوزخ مین ہین تو اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کی مغفرت نہین ہوئی ممکن ہے کہ جب آنحضرت نے یہ بات فرمائی تھی اسوقت تک آپکے والدین زندہ ہو کر ایمان نہ لائے ہون چنانچہ علامہ ابن حجر زواجر مین کہتے ہین

خبر مسلم ابی و ابوک فی النار کان قبل علامہ یعنی آنحضرت کا اپنے باپ کے دوزخ مین
ہونے کی خبر دینا اُسوقت کی یہ بات ہے کہ جب تک آپکو اُن کے ایمان اور نجات کا حال
معلوم نہ ہوا تھا اگر یہ کہا جاے کہ جبکہ ایمان لانا زلیست سے نا امیدی کی حالت مین مقبول نہین ہے
چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلم یک ینفعہم ایمانہم لما راوا باسنا یعنی پھر اُن کے کام نہ آیا
اُن کا ایمان لانا جسوقت ہمارا عذاب دیکھ چکے تو موت کے بعد ایمان کیسے مقبول ہوسکتا ہے
تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ بات آنحضرت کی خصوصیات مین سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعد موت
کے اُنکے والدین کا ایمان قبول کرلیا اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ فرما چکا ہے کہ ان اللہ لایغفر
ان یشرک بہ یعنی اللہ تعالیٰ شرک کرنے کو نہین بخشتا ہے جو اُسکی ذات یا صفات یا عبادت مین ہو
اور اقسام کفر شرک سے کمتر نہین ہین بلکہ شرک کے برابر ہین اور اہل تفسیر نے مشرکین
کو کفار کی سب قسمون کے شامل لکھا ہے اور کفر کے معنی اصطلاحی شرعی لفظ شرک سے کیے ہین چونکہ
عرب مین مشرکین بہ نسبت اہل کتاب کے کثیر تھے اس لیے قرآن مین بجاے کفر کے شرک کا لفظ
وارد ہوا ہے چنانچہ شوکانی نے فتح القدیر مین اس آیت کی تفسیر مین کہا ہے کہ حکم اس آیت کا
جمیع طوائف کفار کو اہل کتاب وغیرہ سے شامل ہے کچھ کفار اہل عرب کے ساتھ خاص نہین ہے تو
جواب اسکا یہ ہے کہ جب احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانے سے
بعثت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تک کوئی ایسا زمانہ نہ تھا کہ توحید کرنے والے نماز پڑھنے والے
نہون اگر ایسے لوگ نہوتے تو زمین اور زمین کے رہنے والے سب ہلاک ہو جاتے تو آباے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ امر بطور یقین کے کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ کافر تھے
کفر پر مرے علامہ سیوطی درج منیفہ مین تحریر فرماتے ہین وقد وجدت مایعضد ھذہ
المقالۃ من الادلۃ ما بین مجمل ومفصل فالمجمل دلیل مرکب من مقدمتین
احدہما ان الاحادیث الصحیحۃ دلت علی ان کل اصل من اصولہ من ادم
الی ابیہ خیر اہل زمانہ والثانیۃ ان الاحادیث والاثار دلت علی انہ

شرک و کفر

لم یخل الارض من عہد نوح الی بعثۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من ناس علی الفطرۃ یعبدون اللہ ویوحدونہ ویصلون وبہم یحفظ الارض ولولاہم لہلکت الارض ومن علیہا۔ اسکے بعد سیوطی نے کہا ہے۔ واذا قرنت بین ہاتین المقدمتین انتج منہا قطعا ان اباء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لم یکن فیہم مشرک لانہ قد ثبت فی کل منہم انہ خیر قرنہ اور اگر امام کے قول کی بالکل تاویل نہ کیجاوے تب بھی اُن کی نجات کے منافی نہیں اسلیے کہ امام یہ کہتے ہیں کہ وہ کفر پر مرے ہیں اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنکو قبر میں زندہ کیا سو وہ ایمان لائے ابن حجر زواجر میں لکھتے ہیں کہ ابوین شریفین کا موت کے بعد زندہ ہوکر ایمان سے منتفع ہونا خلاف قاعدہ ہے جو محض جناب سرور کائنات کی خاطر سے واقع ہوا جیسا کہ اللہ نے قوم بنی اسرائیل کے ایک مقتول کو زندہ کردیا تھا کہ وہ اپنے قاتل کا حال بتادے اور مسیح علیہ السلام مردے کو زندہ کردیتے تھے اور ایک زبردست دلیل اس پر یہ بھی ہے کہ اللہ نے حضرت کی خاطر سے سورج کو غروب ہوجانے اور وقت کو گذرجانے کے بعد لوٹادیا تھا چنانچہ طحاوی نے مشکل الغرائب میں اسماء بنت عمیس زوجۂ جعفر بن ابوطالب سے روایت کی ہے کہ ایکبار مقام صہبا ضلع خیبر میں جناب سرور کائنات سر مبارک حضرت علی کی گود میں رکھے لیٹے تھے کہ وحی نازل ہوئی اور حضرت علیؓ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ آفتاب غروب ہوگیا آنحضرت صلعم نے علی سے پوچھا کہ کیا تم نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے عرض کیا نہیں اُس وقت حضرت نے دعا کی کہ یا الٰہی اگرچہ علی تیری عبادت میں نہ تھا مگر تیرے رسول کی اطاعت میں تھا تو آفتاب کو اُس کے لیے لوٹادے اسما کہتی ہیں کہ آفتاب ڈوب چکا تھا کہ ایک بیک پھر ظاہر ہوا اور دھوپ پھیل گئی اور حضرت علی نے وضو کیا اور نماز عصر ادا کی اور صحیح بخاری میں جو آیا ہے کہ سورج کسی انسان کے واسطے نہیں روکا گیا مگر یوشع کے واسطے روکا گیا تھا جس رات وہ بیت المقدس میں داخل ہوے تھے تو یہ اُس کے منافی نہیں اسلیئے کہ تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ حضرت کی مراد یہ ہوگی کہ آفتاب کسی پیغمبر کے لیئے نہیں روکا گیا سوا میرے مگر یوشع کے لیے

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے اپنے لیے آفتاب کے ٹھہرنے سے قبل ایسا فرمایا ہو اور یون بھی کہہ سکتے ہین کہ روکنے اور لوٹانے مین بڑا فرق ہے پس اسی طرح اللہ پاک نے آنحضرت ؐ کے والدین کی حیات اور وقت ایمان کو اُس کے فوت ہو جانے کے بعد لوٹا دیا اور بعض نے یہ جو کہا ہے کہ آیت کا یہ قول ولا تسئل عن اصحاب الجحیم یعنے تو قیامت مین دوزخیون کے حال سے نہ پوچھا جائیگا حضرت کے والدین کے باب مین نازل ہوا ہے یہ صحیح نہین بلکہ صحیح یہ ہے کہ ایک روز حضرت کی زبان مبارک پر گذرا اگر اللہ یہود پر اپنے عذاب کا کوئی دروازہ کھولدے اور انکو اپنا غضب دکھا دے تو غالبًا یہ لوگ عذاب سے ڈر کر ایمان لے آئین اللہ نے یہ آیت نازل کی کہ یہ اصحاب جحیم ہین اور ہم تجھ سے یہ بازپرس نہین کرینگے کہ یہ لوگ کس لیئے ایمان نہ لائے تجھ پر وحی و رسالت کا ادا کر دینا ہے اور بس رد المختار مین ہے کہ مختصر یہ ہے کہ جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ ایسے مسئلے کا ذکر کرنا نہ چاہیئے مگر زید ادب کے ساتھ یہ مسئلہ اس قسم کے مسائل سے نہین ہے جس کے نہ جاننے سے کسی قسم کا ضرر مترتب ہو یا قبر مین یا موقف مین اس سے سوال کیا جائے گا تو یہی چاہیئے کہ اس مین گفتگو نہ کی جائے اور ایسی بات کہی جائے جو ادب والا اسلم ہو انتہی۔ وابوطالب عمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مات کافرًا۔ اور حضرت کا چچا ابوطالب کافر مرا جب ابوطالب مرض الموت مین مبتلا ہوا تو قریش اُس کی عیادت کو آئے اور اس سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے محمد ؐ کے پاس کسی کو بھیج کر بہشت سے کھانے پینے کی چیز اُن سے منگالو تاکہ تم کو شفا حاصل ہو جائے ابوطالب نے حضرت کے پاس ایک آدمی کی معرفت یہ پیام بھیجا اُس شخص نے آپ سے ابوطالب کا پیام عرض کیا پیغمبر صاحب نے ابھی کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ابوبکر صدیق ؓ بول اُٹھے کہ بہشت کی کھانے پینے کی چیزین کفار پر حرام ہین اُس قاصد نے صورت حال ابوطالب سے آکر بیان کی ابوطالب نے دوبارہ اُس شخص کو اُسی پیام کے ساتھ حضرت کے پاس بھیجا اس بار خود حضرت نے جواب دیا کہ اللہ نے جنت کا کھانا پینا کفار پر حرام کر دیا ہے اور حضرت خود ابوطالب کے گھر آئے مکان لوگون سے بھرا ہوا تھا فرمایا کہ سب یہان سے چلے جائین اور میرے چچا کو تنہا چھوڑ دین اُنھون نے جواب دیا کہ جسطرح تمکو اُن سے قرابت ہے اسیطرح

ہمکو بھی اُن سے قرابت ہے اس وقت ہم یہان سے نہین جاتے پس آنحضرت ابوطالب کے سرھانے بیٹھ گئے اور کہا کہ بچپنے مین تم نے میری کفالت کی اور جب مین بڑھگیا تو میری حفاظت کی پس مین یہ چاہتا ہون کہ ایک کلمے کے ساتھ تم میری مدد کرو تاکہ مین اُس وسیلے سے اللہ سے قیامت کو تمھاری شفاعت کرون ابوطالب نے کہا کہ وہ کلمہ کیا ہے فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ابوطالب نے کہا اے عزیز مجھے یقین ہے کہ تم میرے خیرخواہ ہو مگر مجھے یہ خوف ہے کہ کل کو لوگ تم کو سرزنش کرینگے اور کہینگے کہ تمھارا چچا مرنے سے ڈر گیا ورنہ ضرور مین اس کلمے کے کہنے سے تمھاری آنکھ روشن کرتا قریش شور مچانے لگے کہ تم اپنے بزرگون کے دین سے پھرتے ہو ابوطالب نے کہا کہ نہین مین اپنے بزرگون کے دین پر جاتا ہون جب حضرت ابوطالب کے ایمان سے ناامید ہوے تو اُٹھکر چلے گئے اور کہا کہ خدا کی قسم مین ضرور اسوقت تک ابوطالب کی بخشش کی دعا کرونگا جب تک کہ مجھکو ممانعت نہو جائے علی مرتضی کہتے ہین کہ جب ابوطالب مرگیا تو مین نے حضرت سے جاکر عرض کیا کہ آپ کا عم گمراہ مرگیا حضرت روئے اور کہا جاکر غسل دیکر اُس کی تجہیز و تکفین کراؤ علی نے جواب دیا کہ وہ مشرک مرا ہے رسول اللہ نے فرمایا کہ نہین جاکر دفن کرنا چاہیئے غرض کہ علی نے اُنکو دفن کیا حضرت نے علی کو اس کام پر دعا دی بعد اسکے رسول خدا مکان مین گئے اور وہان سے کئی روز باہر نکلے ہمیشہ ابوطالب کی مغفرت کی دعا کرتے رہتے تھے صحابہ نے آپس مین کہا کہ جب کہ حضرت ابوطالب کے لیے استغفار کرتے ہین تو ہم کس واسطے اپنے اقربا کے لیے دعا نہ کرین حالانکہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لیے استغفار کی تھی اور اب ہمارا پیغمبر اپنے چچا کے لیے استغفار کرتا ہے اللہ نے اُسوقت یہ آیت نازل کی ماکان للنبی والذین آمنوا معہ ان یستغفروا للمشرکین ولو کان اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجحیم وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھداھم حتی یبین

لهم ما يتقون ان الله بكل شيء عليم۔ نبی کو اور ایمانداروں کو روا نہین کہ مشرکین کے لیے استغفار
کرین گو وہ مشرک اُن کے رشتہ دار ہون جبکہ نبی اور مسلمانون کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ مشرک دوزخی
ہین اور ابراہیم جو اپنے باپ کے لیے آمرزش چاہتے تھے تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُنھون نے
باپ سے اُس کا وعدہ کیا تھا اور جب براہیم کو یہ بات متیقن ہو گئی کہ میرا باپ اللہ کا
دشمن ہے یعنے کفر پر مرا ہے ایمان نہین لایا تو باپ سے بیزار ہو گئے اور استغفار کرنا
اُس کے لیے چھوڑ دیا اور ابراہیم نہایت رقیق القلب اور حلیم تھے اور اللہ کسی قوم کو اُس
وقت تک تباہ نہین کرتا جب تک اُنکو ہدایت نہ کر دے اور وہ چیز جس سے بچنا واجب ہے
اُن کو نہ بتا دے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت جبکہ مکہ کو
عمرے کے لیے جاتے تھے تو اپنی والدہ آمنہ کی قبر کی زیارت کی اور اللہ سے اون چاہا کہ اُنکے
لیے استغفار کرین اذن نہوا اور یہ آیات نازل ہوئین ما كان للنبی الخ اور یہ حدیث اُس حدیث
کے مرتبے کو نہین پہونچتی جس سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے قصے مین نازل ہوئی
ہے مگر چونکہ متعدد طریقون سے وارد ہوئی ہے جن مین سے بعض بعض کی تقویت کرتے ہین
اس لیے دونون مین تعارض لازم آیا اور اس کا دفعیہ اور وجہ جامع یہ ہے کہ احتمال یہ ہے
کہ آیت ابو طالب کی وفات سے بعد کو بھی نازل ہوئی ہو لیکن سبب نزول ابو طالب ہی کا
قصہ ہو اور جائز ہے کہ آیت کے نزول کے دو سبب ہون ایک متقدم کہ ابو طالب کا قصہ
اور دوسرا متاخر کہ آمنہ کا قصہ ہے اور احتمال ہے کہ آیت نازل تو ایک ہی بار قصہ وفات ابو طالب
مین ہوئی ہو لیکن آمنہ کے قصہ مین جبریل آئے دوبارہ اُسکو یاد دلایا ہو اور اُسکو نزول کا نام
دیا ہو اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے جو روایت کیا ہے کہ حضرت نے جب کلمۂ توحید ابو طالب پر
عرض کیا اور اُس نے انکار کیا عباس نے ابو طالب کے منھ کی طرف نظر کی تو اُس کے
ہونٹ ہلتے ہوے نظر آئے کان لگایا تو معلوم ہوا کہ کلمہ کہتا ہے عباس نے حضرت سے کہا
اے بھتیجے ابو طالب وہی کلمہ کہ رہا ہے جس کی تم نے اُسکو تلقین کی ہے یہ حدیث ضعیف

اس لیے کہ اس سے اُس حدیث سابق کا معارضہ جو صحاح ستہ میں مروی ہے نہیں
ہوسکتا چنانچہ مسیب سے بخاری میں ما کان للنبی کی تفسیر کے باب میں مروی ہے کہ جب
ابوطالب کے مرنے کا وقت قریب آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کے پاس گئے
وہاں ابوجہل و عبداللہ بن اُبیؔ موجود تھے آپنے فرمایا چچا کلمہ پڑھ پھر میں اللہ کے یہاں تیری
کفالت کرونگا اور بخشوا لونگا ابوجہل اور عبداللہ نے کہا کہ اے ابوطالب کیا مرتے دم
اپنے اباواجداد کے دین سے پھرتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تیرے
واسطے استغفار کرونگا جب تک مجھے تیری استغفار کرنے سے منع نہ کیا جاوے اُسوقت
آیت ما کان للنبی والذین اٰمنوا الخ نازل ہوئی بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت
نے ابوطالب سے کلمہ کہنے کو کہا تھا تو اُس نے کئی شعر پڑھے جن میں کا ایک شعر یہ ہے سے
ودعوتنی وعلمت انک صادق ؛ ولقد صدقت وکنت فیہ امینا ؛ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ وہ حضرت کی نبوت کا دل سے مقر تھا مگر توحید الٰہی کا مقر نہ تھا اسی وجہ سے حضرت نے
اُس سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا اقرار کرے اور اگر یہ شعر ابوطالب کا
نہ سمجھا جاوے تو پھر لا الٰہ الا اللہ سے مراد سارا کلمہ ہوگا تاکہ اس وسیلے سے حضرت اللہ سے
اُس کی شفاعت چاہتے کیونکہ یہ کلمہ علم ہے کلمۂ ایمان کا اور جبتک نبی کی نبوت کا اقرار نہو ایمان صحیح
نہیں بہرصورت ابوطالب کا ایمان کسی طرح ثابت نہیں ہوتا پھر معلوم نہیں کہ مولوی دلدار علی
اور مولوی سید محمد وغیرہ مجتہدین شیعہ اور دوسرے شیعہ ابوطالب کا ایمان کس دلیل سے
ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا اُنھوں نے جناب امیر کا یہ قول نہیں سُنا ہے کہ حضرت سے ابوطالب کے
مرنے کے بعد کہا تھا ان عمک الشیخ الضالّ قد مات جیسا کہ روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ وغیرہ میں مرقوم
ہے پس یہ دلیل قاطع ہے اس بات پر کہ ابوطالب کفر و ضلالت میں مرا ہے اور اہل سنت کا
یہی مذہب ہے کیونکہ حضرت نے صاف فرمادیا ہے کہ ابوطالب دوزخ میں ہے اور وہ دو پاپوشین
پہنے ہے جس سے اُس کا دماغ جوش مارتا ہے یہ حدیث بخاری میں آئی ہے ۔ وقاسم وطاھر

مولوی دلدار علی اور مولوی سید محمد مجتہدان شیعہ ۔

وابراهيم كانوا بنى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه واله وسلم - اور قاسم اور طاہر اور ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے تھے علماء کے عقیدے کے موافق آنحضرت کے تین بیٹے تھے پہلے قاسم دوسرے عبداللہ تیسرے ابراہیم بی بی خدیجہ سے پہلے دو تھے اور تیسرے ماریہ قبطیہ سے تھے اور کہتے ہین کہ طیب و طاہر دو بیٹے دوسرے تھے اور ایک جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ طیب و طاہر لقب عبداللہ کا ہے چونکہ زمانہ اسلام مین متولد ہوے اسلیئے یہ لقب پایا قاسم سب سے بڑے ہین اسلیئے حضرت کی کنیت ابوالقاسم ہے اور قاسم جاہلیت کے وقت مین پیدا ہوے تھے اور دو سال کے بعد زمانہ جاہلیت ہی مین مر گئے اُس کے بعد عبداللہ یعنی طیب و طاہر مکہ مین پیدا ہوے اور بچپنے ہی مین مر گئے عاصی بن وائل سہمی نے جب یہ سُنا کہا کہ محمدؐ کے بیٹے مر گئے اور وہ ابتر ہو گئے اسلیئے یہ آیت اُتری ان شانئك هو الابتر یعنی تحقیق تیرا دشمن ناقص ابتر ہے بعض مفسرین کہتے ہین کہ یہ آیت اُتری المال والبنون زينة الحيوٰة الدنيا والباقيات الصالحات خير عند ربك ثوابا وخير املا - یہ آیت اُسوقت اُتری کہ پیغمبر کے بیٹے مر گئے اور مشرکین نے کہا کہ اُن کا نام محو ہو جائے گا اور ابراہیم ماہ ذی الحجہ ۸ھ ہجری مین پیدا ہوے اور قابلہ اُن کی سلمی آزاد کردہ پیغمبر تھی ابراہیم جب پیدا ہوے تو سلمی نے اپنے شوہر ابو رافع کو خبر دی اور اُس نے پیغمبر کو مژدہ پہونچایا اور پیغمبر نے اُسکو اس خوش خبری کے عوض مین ایک غلام عطا کیا اور اُس رات اُس کا نام ابراہیم رکھا اور جبرئیل آئے اور کہا السلام علیک یا ابا ابراہیم اور ساتوین دن اُن کے عقیقے مین ایک بکری ذبح کی اور بال مونڈ کر اور اُن کو تول کر چاندی فقرا کو دی اور بعض کے نزدیک ساتوین دن اُن کا نام ابراہیم رکھا دودھ اُنکو ام سیف زوجۂ ابو سیف لوہار نے پلایا اور بعض کہتے ہین ام بردہ بنت منذر بن زید انصاری زوجہ براء بن اوس نے دودھ پلایا تھا جامع الاصول و استیعاب مین لکھا ہے کہ دونون سے ایک ہی عورت مراد ہے اسلیئے کہ ام بردہ اور ام سیف ایک کا نام ہے اور وہ زوجہ ابو سیف کی ہے اور ابو سیف کنیت براء بن اوس کی ہے ابراہیم ۱۶ ماہ اور ایک روایت کی بموجب ۱۸ ماہ

بچے دسوین سال ہجری مین مر گئے ام سیف نے اُنکو غسل دیا اور بعض کہتے ہین کہ فضل بن عباس نے غسل دیا پیغمبر نے اُن پر نماز پڑھی اور اسامہ بن زید اور فضل بن عباس رض نے قبر مین رکھا اور دفن کے بعد قبر بنا کر پانی چھڑکا اور یہ اسلام مین پہلی قبر ہے کہ اُس پر پانی چھڑکا گیا حضرت صلعم نے ابراہیم کے واسطے فرمایا لہ مرضعا فی الجنۃ یعنی اُس کے لیے جنت مین دودھ پلانے والی ہے یعنی اُسکو بہشت مین داخل کیا اور دودھ پلانے والی اُسکے لیے مقرر ہوی اور بعض علمانے دودھ پلانے کو یون تاویل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کے لیے جو لذات و نعمات جنت کو تمام کیا ہے تو یہ گویا بجاے دودھ پلانے کے ہے لیکن ارتکاب مجاز باوجود امکان حقیقت کے ناجائز ہے اور ابن ماجہ وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا لو عاش ابراہیم لکان نبیا یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے مگر نووی کہتے ہین کہ یہ حدیث باطل ہے اور غیب پر جسارت ہے اور ابن عبد اللہ نے کہا ہے کہ مین نہین جانتا کہ یہ کیا ہے یہ ضرور نہین کہ باپ نبی ہو تو بیٹا بھی نبی ہو دیکھو نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی نہ تھا ابن حجر نے لکھا ہے کہ جو کچھ ان علمانے کہا ہے وہ اس حدیث سے لازم نہین آتا نووی نے اس حدیث کے باطل کہنے کی ابتدا کی ہے ورنہ اس سے پہلے کسی نے اس مین کلام نہین کیا تھا اور یہ بات نووی کی ذات سے بعید ہے اسکو تو تین صحابیون نے روایت کیا ہے شاید اُسکو اس کی تاویل معلوم نہین ہوئی اور وہ یہ ہے کہ شرطیہ کے لیے واقع ہو جانا لازم نہین اور جن صحابہ نے اسے روایت کیا ہے اُن کی شان مین یہ گمان نہین کرسکتے کہ وہ محض اپنے ظن سے یہ بات کہہ بیٹھے تھے ۔ فاطمۃ و زینب و رقیۃ و ام کلثوم کن جمیعا بنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور فاطمہ رض اور زینب رض اور رقیہ رض اور ام کلثوم رض سب محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیٹیان تھین بعض نسخون مین رقیہ کا نام زینب سے پہلے مذکور ہے اور پہلے بیٹی حضرت کی زینب ہین اور وہ سب سے بڑی تھین بی بی خدیجہ سے حضرت نے نکاح کیا تو پانچوین سال پیدا ہوئین اور جب بالغ ہوئین تو حضرت نے اُن کا نکاح ابو العاص بن ربیع بن عبد العزی

بن عبد الشمس بن عبد مناف سے کردیا اور ابو العاص زینب کے خالہ زاد بھائی تھے زینب کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا علی نام تھا جوان ہو کر انتقال کیا اور ایک بیٹی اُن سے پیدا ہوئی امامہ اُس کا نام تھا پیغمبر اُسکو بہت پیار کرتے تھے امامہ کو حضرت علی حضرت فاطمہ کے بعد نکاح مین لائے آٹھوین سال ہجری مین زینب نے انتقال کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند دیا کہ اُس کا شعار بنائین اور اُن پر نماز پڑھی اور آپ قبر مین اُترکر اُن کو رکھا اور دوسری بیٹی رقیہ ہین اور وہ زینب کی ولادت سے تین سال کے بعد پیدا ہوئین اور حضرت نے اُنکو عتیبہ بن ابی لہب سے بیاہا عتیبہ نے اُنکو طلاق دیدی اور حضرت سے گستاخی کی حضرت نے اُس کے حق مین اس طرح بددعا کی۔ اللھم سلط علیہ کلبا من کلابک جب عتیبہ ملک شام مین تجارت کے لیے اپنے باپ کے ساتھ گیا تو رستے مین ایک ایسے جنگل مین مقام ہوا جو درندون کا مسکن تھا شیر نے اُس کا شکم پھاڑ ڈالا اور ایک روایت مین ہے کہ اُس کی گردن کاٹ لی عتیبہ کے بعد حضرت نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ کیا جن سے ایک بیٹا عبد اللہ نام پیدا ہوا چنانچہ عثمان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے عبد اللہ دو برس کا تھا کہ مرغے نے آنکھ مین چونچ ماردی جس کے صدمے سے مرگیا دوسری سال ہجری مین رقیہ نے انتقال کیا تیسری بیٹی ام کلثوم تھین ان کا نام آمنہ ہے اُنکو پیغمبر خدا نے عتبہ بن ابو لہب برادر عتیبہ کے ساتھ بیاہا جب سورہ تبت یدا نازل ہوئی تو ابو لہب کے کہنے سے عتبہ نے زفاف سے قبل اُنکو چھوڑ دیا حضرت نے رقیہ کی وفات کے بعد تیسرے سال ہجری مین ان کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ کردیا وہ اسی وجہ سے ذو النورین کہلاتے ہین سنہ ۹ ہجری مین اُنھون نے انتقال کیا اور ان سے کوئی اولاد نہین ہوئی اور بعض کہتے ہین کہ ہوئی تھی جو بچپنے مین مرگئی پیغمبر نے اُن کی نماز پڑھکر خود قبر مین اُتارا چوتھی بیٹی فاطمہ ہین کنیت اُن کی ام محمد ہے القاب طاہرہ و زاکیہ و راضیہ و مرضیہ و بتول ہین یہ سب سے چھوٹی ہین بعض کہتے ہین سب سے

تفضیل حضرت فاطمہ و عائشہ و خدیجہ و عائشہ

چھوٹی رقیہ ہیں بعض کے نزدیک ام کلثوم مگر میرے نزدیک صحیح نہیں مولد نبی سے اکتالیسوین سال پیدا ہوئین اور سنہ ۲ ہجری مین حضرت علی کے ساتھ آنحضرت نے ان کا نکاح کیا اور علما نے حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ کے حق مین اختلاف کیا ہے کہ کونسی ان دونون مین افضل ہین اور ایسا ہی حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ کے حق مین اختلاف کیا ہے آنحضرت نے انکو خبر دی تھی کہ تم سب اہل بیت سے پہلے میرے پاس پہونچو گی پس انھون نے آنحضرت کی وفات سے چھ مہینے یا آٹھ مہینے کے بعد انتقال کیا ۲۹ برس کی عمر پائی آپ سے چھ اولاد ہوئین حسن۔ حسین۔ محسن۔ ام کلثوم۔ زینب۔ اور رقیہ۔ محسن اور رقیہ بچپنے مین مرگئے اور زینب کا نکاح عبداللہ بن جعفر کے ساتھ ہوا مگر ان کی نسل نہ چلی اور ام کلثوم حضرت عمر بن خطاب کے نکاح مین آئین شیعہ نے اس معاملے مین بہت سی توجیہات کی ہین کسی نے اس نکاح کے ہونے سے انکار کیا ہے کوئی ام کلثوم کے بنت مرتضی ہونے کا منکر ہوا ہے کوئی کہتا ہے کہ جنیہ بشکل حضرت ام کلثوم کے حضرت عمر کے پاس آتی تھی اور وہ ہم خواب ہوتے تھے کسی نے اسکو جناب امیر کے اعلی درجہ کے صبر کا نتیجہ کہا ہے کسی نے اسکو تقیہ پر ٹالا ہے بہرصورت کتاب شافی و تنزیہ الانبیاء والائمہ مؤلفہ سید مرتضی علم الہدی اور ازالۃ الغین اور مجالس المومنین نور اللہ شوستری اور مسالک شرح شرائع مؤلفہ شارح ابوالقاسم قمی اور تہذیب اور مصائب النواصب مؤلفہ نور اللہ اور استغاثہ اور کافی وغیرہ سے بخوبی ثابت ہے اور ام کلثوم آٹھ دس برس تک حضرت عمر کے جیتے جی اُن کے گھر مین رہین اور ایک بیٹا زید نام اور ایک بیٹی بھی اُن سے پیدا ہوئی اور بعد اُن کی وفات کے عون بن جعفر طیار کے ساتھ اُن کا نکاح ہوا اور بعد ان کے محمد بن جعفر نے ان سے نکاح کیا ان کے بعد عبداللہ بن جعفر نکاح مین لائے اور زید بالغ ہوکر مرگئے آنحضرت کے بعد اُن کی نسل امام حسن اور حسین سے چلی ترمذی نے حذیفہ بن یمان سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتے نے جو کبھی اس سے پہلے زمین پر نہین اُترا تھا بشارت دی کہ فاطمہ بہشت کی عورتون کی سردار ہین اور حسن و حسین بہشت کے

ام کلثوم بنت مرتضی کا حضرت عمر سے نکاح

جوانون کے سردار ہین شیعہ کہتے ہین کہ خاص حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور امام حسنؓ و حسینؓ ہی اہل بیت ہین اور کوئی نہین اور اہل سنت کا قول یہ ہے کہ اہل بیت سے مقصود آنحضرتؐ کی اولاد اور بی بیان ہین اور امام حسنؓ و حسینؓ بھی اہل بیت مین سے ہین اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت علی کو معاشرت اور ملازمت رہی ہے اسلیئے وہ بھی اُن مین سے ہین اور شیعہ کہتے ہین کہ اہل بیت معصوم ہین اور عصمت ایک ایسی صفت ہے کہ جس مین وہ ہوتی ہے اُس سے گناہ نہ عمداً سرزد ہوتے ہین نہ سہواً نہ خطاءً اور نہ اُس سے حکم شرعی مین خطائے اجتہادی واقع ہو سکتی ہے باعتبار اس معنے کے مسئلہ عصمت مین شیعہ اور اہل سنت کے درمیان خلاف ہے کہ شیعہ کے نزدیک اہل بیت مین ایسی عصمت موجود ہے اور اس وجہ سے اُن کا قول مثل قول انبیا کے واجب الاتباع ہے اور اُن کا ارشاد عین اللہ کا فرمان ہے اور اُنکی نسبت آنحضرتؐ کے ساتھ ایسی ہے جیسے اور انبیا کی حضرت موسیٰ کے ساتھ تھی جو تورات پر عمل کرنے کے لیے منجانب اللہ مامور تھے اور اہل سنت کے نزدیک ایسی عصمت انبیا سے خصوصیت رکھتی ہے خاص اُن امور مین جنکی خبر وحی کے ذریعہ سے اُنکو حاصل ہوتی ہے اور اُنپر وہ مستقر ہوتے ہین اہل بیت کا حال دوسرے مجتہدین کا سا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد مین مصیب بھی ہوتے ہین اور مخطی بھی اور جس طرح انبیا سے زلات سرزد ہوئے ہین اسی طرح اہل بیت سے بھی سرزد ہوئے ہین نظیر اس کی یہ ہے کہ فاطمہ زہرا بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد وفات رسول خدا کے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے یہ درخواست کی کہ اُن کی میراث ہمین تقسیم کردین جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ گئے تھے اُس قسم مین سے جو اللہ نے بطور فئے کے یعنی کفار سے آپکو بغیر قتال کے دلایا تھا حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول خدا فرما گئے ہین کہ ہمارے مال مین میراث جاری نہین ہوتی جو کچھ ہم چھوڑ جائین وہ صدقہ ہے پس فاطمہ بنت رسول خدا ناخوش ہوگئین اور انھون نے حضرت ابوبکر سے ترک کلام کردیا اور برابر ترک کلام کیئے رہین یہانتک کہ اُن کی وفات ہوگئی یہ بی بی صاحبہ کی طرف سے زلت واقع ہوئی ہے جس مین

اہل بیت

اہل بیت معصوم نہین

حضرت فاطمہ کی زلت

ی قسم کا گناہ نہین ہے کتب سیر وتواریخ واحادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ وتابعین اہل بیت سے
لوگون کے خلاف بھی فتوے دیا کرتے تھے مگر انہین سے ایک دوسرے کو برا نہین کہتا تھا نہ رد کرتا تھا اور نہ خود اہلبیت
نے اپنی مخالفت پر کسی کو خطاوار قرار دیا اور نہ لوگون نے ان مجتہدین کے اجتہادات کو فاسد
جنھون نے اہل بیت کی رائے کے خلاف فتوے دیا اس سے ضروری طور پر معلوم ہوتا ہے
تمام صحابہ وائمہ جانتے تھے کہ خطاے اجتہادی سے معصوم ہونا ضرور نہین بلکہ خود اہل بیت
بھی جانتے تھے کہ خطاے اجتہادی سے ہمارے نفوس محفوظ نہین ہین۔ واذا اشکل علے
الانسان شیئ من دقائق علم التوحید فینبغی له ان یعتقد فی الحال ما ھو الصواب
عند الله تعالی الی ان یجد عالما فیسأله ولا یسعه تاخیر الطلب ولا یعذر
بالوقف فیه ویکفر ان وقف مطالب وفیہ مین بحث رویت اللہ مین ولا یسعه تاخیر الطلب
کی جگہ لا یسعه التاخر نقل کیا ہے اور اس عبارت کے معنے یہ ہین کہ جب کسی مسلمان کو علم کلام کی
کوئی باریک بات سمجھ مین نہ آئے تو اُسکو واجب ہے کہ اُس چیز کی حقیقت کا اعتقاد کرے جو
اللہ کے نزدیک حق ہو مثلاً یون کہے کہ جو کچھ اس سے اللہ کی مراد ہے وہ حق ہے یا مین اسپر
ایمان لایا اور یہ اعتقاد اُس وقت تک رکھے جب تک کوئی عالم ملے اور جب عالم مل جاے
سوال کرے تاکہ علم تفصیلی کامل طور پر حاصل ہوجاے اور اُسکو تردد کے وقت طلب مین دیر
کرنا جائز نہین اور اُس کے حل کرنے مین توقف کرنے سے معذور نہین سمجھا جائے گا کیونکہ اللہ
فرماتا ہے۔ فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ اگر تم کو معلوم نہین تو یاد رکھنے والون سے
دریافت کرلو اور جناب سرور کائنات نے فرمایا کہ طلب کرو علم کو اگرچہ چین مین ہو اسلیے کہ
طلب علم کی ہر مسلمان پر فرض ہے اور ملا علی قاری نے کہا ہے کہ ایک روایت مین ہے کہ علم کی
طلب ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے یہ حدیث بہت سے طریقون سے مروی ہے اور
سب طریقے ضعیف ہین مگر موضوع نہین جیساکہ ابن حبان اور ابن جوزی نے گمان کرلیا
ہے بلکہ توقف کرنے سے کافر ہوجاتا ہے کیونکہ توقف شک کا موجب ہے اور شک

طلب العلم فریضۃ ضعیف ہے

ضروریات دین مین انکار کے برابر ہے پس توقف نہ کرنا چاہیے تاکہ تصدیق زائل ہو جائے
بلکہ اشکال کے وقت فی الفور ایمان لے آئے کہ حصول تصدیق کے لیے اس قدر بھی کافی ہے
اسی لیے علما نے کہا ہے کہ صفات باری مین خواہ وہ صفات از قسم تشبیہات و مناسبات
ہون جیسا کہ ید و قدم خواہ منافیات و مغائرات سے ہون اسی طرح رویت الٰہی اور معجزہ شق القمر
مین صراط مستقیم یہی ہے کہ اُن کے ظواہر پر چھوڑا جائے اور اُن کی کیفیت وجود سے بحث و
تفتیش نہ کی جائے اور مجملاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو کچھ اللہ نے ان الفاظ سے ارادہ کیا ہے وہی
حق ہے اور امام اعظم اور دوسرے ائمہ نے جو بعض احکام مین توقف کیا ہے یہ بُرا نہین اسلیے
کہ یہ توقف شرائع اسلام مین ہے اور اختلاف علم الاحکام مین رحمت ہے اور علم الکلام مین توقف
گمراہی و بدعت ہے اس مین خطا بھی کفر ہے بخلاف اُن مسائل کے جو فقہ کے احکام ہین اور
نقلیات مین داخل ہین اور عقائد دینی اور مسائل کلامی مین جو عقل سے جانے جاتے ہین اور
اُنپر اعتقاد رکھنا ضرور ہے مجتہد کی خطا معافی کے قابل نہین اُن مین خطا کرنے والے کے دو حال
ہین یا کافر ہے جیسے یہود و نصاریٰ کہ وہ اپنی اپنی رائے سے شرک کرتے ہین اور محمد رسول اللہ
کی رسالت کو نہین مانتے یا فاسق اور گناہگار ہے جیسے خوارج اور معتزلہ کہ وہ دین اسلام سے
انکار نہین کرتے مگر بعض عقائد دینی کو جو دلیل عقلی سے ثابت ہین نہین مانتے جیسے قِدمِ
قرآن اور اللہ تعالیٰ کی رویت اور اہل کبائر کے واسطے رسول کی شفاعت کے قائل نہین
اور یہ نہ کہنا چاہیے کہ ماتریدیہ و اشعریہ بھی تو بعض مسائل مین باہم مخالف ہین مگر کوئی ان مین سے
ایک دوسرے کو گمراہ نہین جانتا ہے اسلیے کہ ان دونون گروہون کا اختلاف اصول مسائل
مین نہین ہے جن پر دین اسلام کا مدار ہے اور نہ ان مین سے کوئی فریق اختلاف تعصب او
عداوت کی وجہ سے کرتا ہے۔ بعض کتب مین مذکور ہے کہ اہل سنت وجماعت اور معتزلہ وغیرہ
مین اختلاف صرف مسائل اجتہادیہ مین ہے نہ قرآن اور حدیث کی تاویلات مین اس لیے کہ ان
دونون کی تاویل مین سب کے نزدیک حق بات وہی ایک ہے اور جو اس امر مین خطا کرتا ہے

ضرور عتاب ہوگا دخبر اطمراج حق اور معراج کی خبر حق ہے علماے تاریخ وسیر نے جس طرح واقعہ معراج
جسمانی مین اختلاف کیا ہے ویساہی اوقات معراج اور مکان اسرا (یعنی جس مقام سے آنحضرت کو معراج
ہوئی ہے) مین مختلف الروایات ہوے ہین شفا مین قاضی عیاض لکھتے ہین کہ ایک گروہ علما کا اس
طرف گیا ہے کہ معراج روحی ہوئی ہے اور وہ خواب کا ایک رویا تھا باوجود اسکے کہ اُنھون نے اس
امر پر اتفاق کرلیا ہے کہ انبیا کا رویا حق اور وحی ہے اور اسی کی طرف معاویہ گئے ہین
اور حسن سے بھی یہی روایت کی گئی ہے لیکن اُن کی مشہور روایت اسکے خلاف ہے اور اس کی
طرف محمد بن اسحاق نے اشارہ کیا ہے اور تفسیر کبیر مین لکھا ہے کہ محمد بن جریر طبری سے اُس کی
تفسیر مین روایت کی گئی ہے کہ حذیفہ نے کہا کہ واقعہ معراج رویا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کا جسم نہین گیا تھا اور بے شک معراج روحانی تھی اور یہی قول عایشہ اور معاویہ سے
مروی ہے اور جو علما معراج جسمانی کے قائل ہوے ہین اُنکے پاس بھی احادیث باسانید موجود ہین قتادہ
اور انس رضی اللہ عنہما اُن کے راوی ہین قطع نظر اسکے جو ثبوت یہ قرآن مجید سے پیش کرتے ہین
یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے پندرھوین پارے سورہ اسرا مین فرمایا ہے سبحان الذی اسری
بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا
پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو راتون رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لیگیا جس مین ہم نے خوبیان رکھی ہین
تاکہ ہم اُسکو کچھ اپنی قدرت کے نمونے دکھائین مسجد اقصی سے مراد بیت المقدس ہے جو شام مین
واقع ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج جسمانی ہوئی ہے کیونکہ اسرار کے معنی رات کے
سفر کرنے کے ہین نہ کہ حالت رویا مین ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہمکو اس کی کوئی
وجہ نہین معلوم ہوتی کہ ہم اسراو کے معنے اس مقام پر رویا مین ایک جگہ سے دوسری جگہ کا جانا
مراد لین درحالیکہ اسکے اصلی معنے یعنی سفر شب ہم مراد لے سکتے ہون علاوہ برین لفظ بعبدہ
صاف طور سے کہہ رہا ہے کہ معراج جسمانی ہوئی ہے کیونکہ اسکے معنے اپنے بندے کے ہین
اور اس کا اطلاق روح اور جسم دونون پر ہوتا ہے پس جبتک روح اور جسم دونون کا جانا ثابت نہو

اس وقت تک اسریٰ بعبدہ کے معنے درست نہین ہو سکتے روحانی معراج کے قائل اس آیت کے مقابلے مین سورۂ اسرا کی یہ دوسری آیت پیش کرتے ہین وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس یعنی نہین کیا ہم نے اس رویا کو جو تجھکو دکھلایا مگر آزمائش لوگون کے واسطے قائلین معراج جسمانی کہتے ہین کہ اگرچہ بالعموم رویا کے معنے خواب مین دیکھنے کے ہین لیکن اس کا اطلاق آنکھ کے دیکھنے پر بھی ہو سکتا ہے لہذا رویا کا لفظ جو قرآن مجید مین آیا ہے اُسکے معنے آنکھ سے دیکھنے کے ہین اس دلیل سے کہ بخاری مین لکھا ہے کہ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر مین کہا ہے کہ یہ آنکھ کا رویا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس رات دکھایا گیا تھا جب وہ بیت المقدس کو لیجائے گئے تھے صحیح مذہب اہل سنت کا یہی ہے کہ بیداری مین روح اور بدن دونون سے معراج ہوئی چنانچہ صحیح حدیثون سے صاف یہی ثابت ہوتا ہے اور اگر خواب مین معراج ہوتی تو عمدہ کمالات اور معجزات مین داخل ہوتی اور کفار قریش زیادہ انکار بھی نہ کرتے اور بیت المقدس کی حضرت سے سب نشانیان نہ پوچھتے خطابی نے کہا ہے کہ حضرت کو دو معراجین ہوئین ایک معراج روحی دوسرے معراج جسمی فمن ردہ فھو ضال مبتدع جو شخص خبر معراج کو نہ مانے وہ گمراہ وبدعتی ہے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا نص صریح قرآن سے ثابت ہے انکار اس کا کفر ہے اور اطباق سموات گذرنے مین احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ وارد ہین کہ قریب بحد تواتر پہونچی ہین چنانچہ بتیس صحابہ کبار نے حدیث معراج کی روایت کی ہے انکار اس کا گمراہی وفسق ہے اور آگے اس سے جانا اور عجائبات طرح طرح کے مشاہدہ کرنا احادیث آحاد سے ثابت ہے انکار اس کا موجب محرومی ثواب اور درجات اخروی ہے اور معراج جسم کے ساتھ آنحضرت کی خصوصیات سے ہے انبیا مین سے کسی کو نہین ہوی اور سمجھنا اس معنے کا گرفتاران عقل کے حوصلے سے باہر ہے یہان ایمان لانا چاہیئے اور کیفیت اسکی علم الٰہی کے سپرد کرنی چاہیئے اب چند ادلہ واسطے ازالہ غبار منکرین کے جو شبہہ کرکے وقوع معراج مین شک لاتے ہین مذکور

ہوتی ہین (۱) عقل جس طرح کرۂ ارض سے عرش پر ایک جسم کثیف وخاکی کے چڑھ جانے کو محال جانتی ہے اسی طرح اُسکے نزدیک جسم لطیف وروحانی کا بھی وہان سے زمین پر اُتر آنا محال ہے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج بھی ایک شب مین واقع ہونا عقل کے نزدیک ممتنع ہے تو جبریل کا عرش سے روے زمین پر ایک لحظے مین اُترنا بھی ممتنع ہوگا اور جب اس امتناع کو قبول کر لیا جائے گا تو تمام انبیا کی نبوت پر طعنہ لازم آئے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیا پر خدا کی طرف سے کوئی پیغام نہین آتا تھا اور خدا اور پیغمبر کے درمیان مین کوئی مجسم ایلچی نہ تھا اور انبیا اپنے تمام اقوال مین ساقط الاعتبار ہوگئے اور معراج کا اثبات فرع ہے اسکی کہ پہلے اصل نبوت کو تسلیم کر لیا جائے پس جو لوگ کہتے ہین کہ اس تیزی کے ساتھ حرکت کا واقع ہونا مستبعد ہے اُن کی رائے سے یہ لازم آتا ہے کہ جبریل کا نزول بھی انبیا کے پاس ایک لحظے مین عرش سے ممتنع ہے اور یہ بالکل غلط ہے اور جب یہ باطل ٹھہرا تو معراج کا انکار بھی باطل ہوگا (۲) اکثر ارباب مذاہب وجود شیطان کے مقر ہین اور اُسکو ذی جسم مانتے ہین اور اس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ اُسکو بنی نوع آدم کے قلوب مین وسوسہ ڈالنے کی قدرت حاصل ہے اور یہ بھی مانتے ہین کہ اُسکو اتنی قوت حاصل ہے کہ قلوب انسانی مین وسوسہ ڈالنے کو مشرق سے مغرب مین اور مغرب سے مشرق مین بہت جلد پہونچ سکتا ہے جب ایسے بدترین خلق سے یہ سرعت ظہور مین آئے تو اُس بہترین کائنات سے ایک آن مین زمین سے عرش تک طے کرنے مین کیا شبہہ راہ پائے (۳) حضرت سلیمان جب سیر کا عزم کرتے تو صبح کے وقت ملک شام سے روانہ ہوتے ہوا اُن کے تخت کو چاشت کے وقت بقدر ایک مہینے کی راہ کے ملک اصطخر مین پہونچا دیتی اور عصر کے وقت جو اصطخر سے روانہ ہوتے تو شام کا کھانا کابل مین کھاتے قرآن مین غدوھا شہر ورواحہا شہر سے یہی مراد ہے اور اس سے بھی ثابت ہے کہ حرکت سریع اُس قسم کی امکان مین داخل ہے (۴) آصف بن برخیا جو حضرت سلیمانؑ کے وزیر اعظم تھے اور اسم اعظم الٰہی جانتے تھے پلک مارنے اور آنکھ کھولنے کے عرصے مین تخت بلقیس ملک سبا سے جو حدود یمن مین واقع ہے حضرت سلیمانؑ کی مجلس مین

دلائل معراج ۴

جو شام مین تھی اُٹھا لائے چنانچہ یہ سارا قصہ قرآن مین موجود ہے اور جبکہ احد الناس کو حرکت سریع پر اتنی قدرت تھی تو اکابر انبیا مین حرکت سریع کا پیدا ہوجانا کیونکر مستحیل ہوسکتا ہے (۵) کیفیت ابصار مین جو علماے ریاضی اس بات کے قائل ہین کہ آنکھ سے جسم شعاعی مخروطی شکل اور بقوے جسم شعاعی دقیق بہ شکل خط مستقیم نکلتا ہے اور مبصر پر پہونچ کر ختم ہوجاتا ہے بعد ازان سطح مبصر پر حرکت سریع طولا اور عرضا کرتا ہے تو اس مذہب کے مطابق نہایت سریع حرکت وقوع ممکن ہے اسلیئے کہ آنکھ کھولتے ہی نور باصرہ سیارات اور ثوابت کا احساس کرلیتا ہے اور آنکھ مین سے شعاع اُن مبصرات تک ایک ادنی لحظہ مین منتقل ہوجاتی ہے پھر جسم پاک محمدی کہ نور دیدۂ فلک اور قرۃ العین انس و ملک ہے اور لاکھ درجہ روشنائی چشم سے الطف ہے اگر ایک آن مین قطع مسافت زمین و آسمان فرمائے تو کیا محال ہے (۶) حضرت عیسیٰ آسمان چہارم پر اور ادریس سیر سموات کرکے بہشت مین داخل ہوے اور یہ دونون واقعے نص سے ثابت ہین پھر پیغمبر ہمارے کہ بمراتب اُن سے رفیع الشان ہین کیا مانع ہے کہ آسمان پر جائین اور لوٹ آئین آفتاب زمین سے باوجودیکہ بہت بڑا ہے چنانچہ کچھ زیادہ تیرا لاکھ گناہ بڑا ہے پھر ہم دیکھتے ہین کہ وہ ذراسی دیر مین طلوع ہوجاتا ہے اور لمحہ مین اتنی بڑی مسافت قطع کرتا ہے تو یہ بات صاف دلالت کرتی ہے کہ حرکت کا اس تیزی کے ساتھ وقوع مین آجانا اتنے فاصلے تک ممکن ہے جب ایسے بڑے جسم سے سرعت سیر عند العقل بعید نہو تو وہ آفتاب فلک رسالت کہ سو ہزار اجرام فلکی اور اجسام نورانی ملکی اسکے وجود سے استفادۂ نور کرتے ہین بامداد سبحان الذی اسریٰ اگر حصہ شب مین بام ہفت آسمان سے گذر کر بمقام دنیٰ فتدلی ترقی فرمائے تو کیا عجب یہ ساری دلیلین اس بات پر بخوبی شہادت دیتی ہین کہ ایک ایسی حرکت کا وقوع جو اپنی سرعت مین اُس حد تک ہو نفس الامر مین ممکن ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مین اُس کا پایا جانا ممتنع نہین اور دلیل اسپر یہ ہے کہ سارے اجسام تمام ماہیت مین باہم متماثل ہین اور جبکہ ایسی حرکت کی بعض اجسام صلاحیت رکھتے ہین تو سارے اجسام مین اُس کا حاصل ہوسکتا واجب ہے اور یہ بخوبی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسی سریع حرکت کا جسم محمدی مین حاصل ہوجانا نفس الامر مین ممکن ہے اور جب یہ بات بھی ثابت

ہو چکی تو ہم یہ کہتے ہین کہ دلیل سے ثابت ہے کہ خالق عالم تمام ممکنات پر قادر ہے اور یہ بھی دلیل سے ثابت ہے کہ بہت سریع حرکت کا جسم محمدی مین پیدا ہو جانا ممکن ہے اور جب ایسی حرکت منجملہ امور ممکنہ کے ٹھہری تو اللہ تعالیٰ کا اس پر قادر ہونا واجب ہے اور ان مقدمات کے مجموعے سے یہ بات لازم آئی کہ معراج کا وقوع ممکن ہے۔ ہان اتنا ضرور ہے کہ یہان ایک طرح کا تحیر اور تعجب ایسا لاحق ہوتا ہے کہ وہ کسی طرح زائل نہین ہو سکتا سو ایسے تعجبات تمام معجزات مین پیدا ہوتے ہین بھلا عصا سے دریا کو مارنے سے دریا ٹھہر جائے اور بارہ راستے بشمار اسباط بنی اسرائیل کے بن جائین اور پانی بارہ طاقون کی طرح مانند ہوا کے قائم ہو یہ قیاس مین آ سکنے کی بات ہے اسی طرح عصا کو پھینکا تو وہ اژدہاے عظیم بن گیا اور کف منھ سے نکلنے لگے اور ستر ہزار شعبدون کو نگل گیا اور اُن کا نام و نشان باقی نرہا اور رعد کی طرح گرجتا تھا اور پتھر اور اینٹ جو سامنے تھا اُسکو چبا تا تھا اور پھر بدستور عصا ہو گیا اسی طرح پہاڑ مین سے اونٹ کا پیدا ہو جانا اور مادر زاد اندھے کی آنکھون پر ہاتھ پھیر کر بینا کر دینا اور مٹی کا جانور بنا کر اُسکو جاندار کر دینا معراج کے قصے سے زیادہ تعجب انگیز ہین اگر مجرد تعجب انکار کا باعث ہے تو ایسی صورت مین اثبات معجزات مین نقصان لازم آئے گا حالانکہ اصل نبوت کی تسلیم پر اثبات معجزات متفرع ہوتا ہے اور اگر مجرد تعجب موجب انکار و ابطال نہین ہے تو اس موقع کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے اور یہ تو بہت بڑی باتین ہین جو شخص کسی ذرا سی چیز کے بھی اسرار سے اگر نابلد ہوتا ہے تو وہ اُس پر بھی تعجب کرتا ہے مثلاً اگر کسی جاہل سے کہا جائے کہ تار برقی کی حرکت ۱ منٹ مین ۲۴ ہزار میل کی ہے دیکھیے تو سہی اُس جاہل کا کیا حال ہوتا ہے فوراً کہہ اُٹھے گا کہ سب جھوٹ ہے اور جھوٹ ہونے کی دلیل اپنے دل مین یہ سوچے گا کہ ۲۴ ہزار میل کون گیا ہے اور کون دیکھ آیا ہے یون ہی واہی تباہی باتین یہ لوگ کہا کرتے ہین جب اُسکو کسی تار گھر مثلاً بمبئی مین بٹھا کر اور اُسکے دوست کو کلکتے کے تار گھر مین بلا کر خاص خاص اُسکے راز و نیاز کی باتین کرائی جائین تب اُس کی آنکھ کھل جاویگی اور کہے گا

ہان صاحب حکیم دانشمندون کی بڑی دور عقل ہوتی ہے کچھ تعجب نہین کہ ۲۸ ہزار میل ۲ منٹ مین خبر جاتی ہو اسی طرح روشنی کی تیز رفتاری جو فی سکنڈ یعنی فی ثانیہ ایک لاکھ ۹۲ ہزار میل ثابت ہوئی ہے اس کی نسبت بھی جہال اور عوام کا حال یہی ہوتا ہے کہ پہلے جب اُن سے کہا جائے فوراً اُس کے انکار پر تیار ہوتے ہین اور جب کسی تجربہ سے مثلاً کسی توپ کی رنجک کی روشنی کا حساب یا بجلی کی چمک رعد کے گرجنے سے پہلے نظر آنے کی کیفیت انکو بتلائی جائے اُس وقت اُنکو وہ تعجب باقی نہین رہتا ہے یہ دلائل و تمثیلات ظاہر بینون کیواسطے ہین اور اہل باطن کے واسطے کچھ اس کی حاجت نہین وہ خود ایسے معاملے مشاہدہ کرتے ہین۔ علاء الدولہ سمنانی نے کہا ہے کہ اکثر مین بعد نماز صبح کے اذکار سے فارغ ہو کر مراقبہ کرتا ہون اور اس عالم سے نکل کر دوسرے عالم مین جاتا ہون وہان سو سو برس دو دو سو برس ہزار ہزار سال مشغول بعبادت رہتا ہون ہر سال تین سو ساٹھ دن گذارتا ہون ہر دن پانچ وقت نماز پڑھتا ہون ہر سال ایک ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہون پھر جب مراقبے سے سر اٹھاتا ہون تو آفتاب طلوع ہوتا ہے نماز اشراق کی یہان ادا کرتا ہون اسی لیے بزرگان طریقت نے فرمایا ہے کہ ایک سانس اصحاب باطن کی ہزار سالہ عبادت عامہ سے زیادہ بہتر ہے ایک ساعت مین سو بار ختم قرآن کرتے ہین آیت آیت حرفاً حرفاً جب آپ کی اُمت والون کا یہ مقام ہے تو اُس فخر اولین و آخرین کے معراج مین کیا کلام ہے۔

علماے یورپ قصہ معراج مین یہ اعتراض کرتے ہین کہ مسجد اقصیٰ جس سے بیت المقدس مراد ہے اسکو تیطس رومی نے سنہ ۷۰ء مین جلا کر خاک کر ڈالا تھا پیغمبر اسلام کے زمانے مین وہ کہان موجود تھی شاید اس وقت اس کے کھنڈر موجود ہون اس بنا پر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے بندے کو مسجد اقصیٰ تک لیگیا یہ اعتراض کئی وجہ سے باطل ہے (۱) مسجد کے لفظ سے کوئی خاص شکل کی عمارت مراد نہین شریعت اسلام مین ہر مقام جس مین خدا کی عبادت ہو سکے مسجد کہلاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی اس سورت کے نازل ہونیکے

روشنی کی تیز رفتاری

مراقبہ

علماے یورپ کا اعتراض معراج اور اس کا جواب

بعد جو عرب ملک شام کا سفر کرتے تھے وہ بیت المقدس کو برباد شدہ حالت مین دیکھتے تھے
اور قرآن مجید کے اس بیان پر کوئی اعتراض نہین کرتے تھے اُنھون نے اگر اعتراض بھی کیا
تو صرف اس امر پر کیا تھا کہ اس قدر قلیل عرصے مین وہ مسجد حرام سے مسجد اقصے تک کیونکر پہونچ
گئے۔ (۲) مسجد حرام سے اس آیت مین مجازاً شہر مکہ مراد ہے کیونکہ رسول خدا معراج کی شب
حضرت ام ہانی کے مکان مین سو رہے تھے نہ کہ مسجد حرام مین اسی طرح مسجد اقصیٰ سے شہر یروشلم
مراد ہے جز بول کر کل مراد لینے کا طریقہ عربی زبان مین ہمیشہ سے جاری ہے اس بنا پر آیت مذکور
کے معنے یہ ہوے کہ خداوند عالم اپنے بندے کو مکے سے یروشلم تک لیگیا وخروج الدجال یعنی
قیامت کے قریب دجال کا نکلنا حق ہے دجال ایک آدمی ہے عظیم الخلقت ایک آنکھ سے کانا
سُرخ چشم اُس کے بال کثرت سے اور گھونگر والے ہونگے جیسا کہ بخاری ومسلم وابوداؤد وغیرہ
نے مختلف صحابہ سے روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے عبادہ بن صامت سے جو دجال کا
پست قد ہونا روایت کیا ہے یہ عظیم الخلقت ہونے کے منافی نہین ہوسکتا ہے کہ ٹھگنا
بھی ہو اور موٹا تازہ بھی ہو اور اُس کی سواری مین سفید گدھا ہوگا جیسا کہ بیہقی نے ابوہریرہ رضہ سے
روایت کیا ہے مشکوۃ مین اسما بنت یزید سے مروی ہے کہ دجال کے نکلنے سے تین برس
پہلے لوگ قحط مین مبتلا ہونگے پہلے سال تہائی حصہ مینھ اور روئیدگی کم ہوگی اور دوسرے سال
دو تہائی کم ہوگی اور تیسرے سال کچھ بھی مینھ نہین برسے گا اور کچھ روئیدگی نہین اُگیگی
اور تمام حیوانات اور چوپائے ہلاک ہو جائینگے اُس وقت دجال خراسان سے ظاہر ہوگا
جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق سے ترمذی نے روایت کی ہے اور سحر اور شعبدے اُسکے
ساتھ ہونگے اور شیاطین اُس کے حکم مین ہونگے حتی کہ جب ایک شخص کو کہیگا کہ اگر تو جانے
تو مین تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں اُس وقت مجھکو رب جانے گا تو اُس وقت شیاطین
اُس کے ماں باپ کی صورت بن جائینگے اور اُسکو کہینگے کہ اے فرزند میرے اسکی متابعت
کر کہ یہ پیدا کرنے والا تیرا ہے اس سبب سے بہت خلق اُسکی متابعت کرکے کافر ہو جائیگی

مگر جن کو اللہ بچائے بخاری و مسلم نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اُس کے ساتھ ایک بہشت اور ایک دوزخ یا ایک پانی اور ایک آگ ہوگی جس کو وہ بہشت یا پانی دکھلائے گا وہ حقیقت مین دوزخ یا آگ ہوگی اور جس کو وہ دوزخ یا آگ دکھائے گا وہ بہشت یا شیرین پانی ہوگا انتہی اگر کوئی مومن گرفتار اُس کا ہوگا تو جانے گا کہ وہ کافر ہے خدا نہین ہے اسلیے کہ خدا البشر کا سا جسم نہین رکھتا اور کانا نہین یہانتک کہ بخاری و مسلم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ اسی انکار پر دجال ایک مومن برگزیدہ کو قتل کرا کے پھر زندہ کر دے گا مگر وہ مرد باخدا اُس کی خدائی کا اعتراف نہ کرے گا یہی کہے گا کہ تو وہی مسیح کذاب ہے جس کی ہمکو محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خبر دی ہے اور یہ بھی بخاری و مسلم مین ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ دجال مشرق کی طرف سے خروج کرے مدینے کی طرف متوجہ ہوگا اور کوہ احد کے پیچھے اُترے گا ملائکہ اُسکو شام کی طرف متوجہ کر دینگے اور شام مین ہلاک ہوگا و یاجوج و ماجوج اور یاجوج و ماجوج کا بھی قیامت کے قریب نکلنا حق ہے بخاری و مسلم مین نواس بن سمعان سے روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت یہ قوم خروج کرے گی دریا و انکا پانی پی جائے گی اور اس قوم کے جو کچھ سامنے آجائے گا انسان حیوان اشجار وغیرہ سب کو کھا جائے گی یہانتک کہ بیت المقدس کے قریب پہونچکر کہے گی کہ ہم نے کوئی چیز کھانیکی دنیا مین نہین چھوڑی ایسے وقت مین مسلمان عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ طور پر مخفی ہونگے اور انھین اضطراب ہوگا تب حضرت عیسٰی علیہ السلام مناجات کرینگے اور دعا مانگین گے کہ الٰہی مسلمانون کو تکلیف سے نجات دے اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج پر موت کو مسلط کریگا ایک قسم کے کیڑے اُن کی گردن مین پیدا ہو جائینگے کہ سب کے سب اُن کے صدمے سے دفعتًہ مر جائینگے پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام بحکم الٰہی پہاڑ سے مسلمانون کو ساتھ لیے ہوئے اُترینگے تمام روے زمین بدبو سے بھر جائے گی اور گندی ہو جائے گی پھر آپ دعا کرینگے کہ الٰہی اس مصیبت سے بھی نجات دے قادر توانا بڑے بڑے جانورون کو بھیجے گا کہ وہ

اس ستون کو اُٹھا کر کہین ڈال آئینگے انتہی ترمذی نے روایت کی ہے کہ پھر پانی بہت زور سے
برسے گا کہ تمام زمین دھل جائے گی وطلوع الشمس من مغربہا اور قیامت کے قریب مغرب
کی طرف سے سورج کا نکلنا بھی حق ہے چنانچہ ابو ہریرہؓ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ
حضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال صالحہ کی طرف قیامت کی ان چھہ نشانیون
سے پہلے دوڑو کہ وہ دھوان اور دجال اور دابۃ الارض اور آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا
وغیرہ ہے تفسیر بحر مواج مین لکھا ہے کہ جس کی صبح کو آفتاب مغرب سے نکلے گا وہ رات تین رات
کے برابر ہوگی اور آفتاب علم سیاہ کی طرح نمودار ہوگا اور دوپہر تک وہی کیفیت رہے گی پھر مغرب
کو پلٹ جائے گا پھر ایک سو بیس برس تک بدستور قدیم طلوع وغروب کرتا رہے گا مگر یہ سب برس
نہایت ناقص اور جلد گذر جانے والے ہونگے اخبار الآخرت مین مرقوم ہے کہ اس روز آدمی خلقت
وہشت سے ہلاک ہو جائے گی اور دروازہ توبہ کا بند ہو جائے گا ثعلبی سے روایت ہے کہ
مراد اس توبہ سے جس کا دروازہ بند ہوگا کافرون اور منافقون کی توبہ ہے مومنین کی توبہ کا
دروازہ بند نہوگا ونزول عیسی علیہ السلام من السماء اور قیامت کے قریب حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اُترنا بھی حق ہے نواس بن سمعان سے مسلم نے ایک طویل
حدیث مین روایت کیا ہے کہ ہنوز دجال بدمآل اپنے شغل مین مصروف ہوگا کہ دفعۃً اللہ تعالےٰ
حضرت عیسیٰ کو بھیجے گا اور وہ نزدیک منارہ سفید کے جانب شرقی دمشق کے اُترینگے اور
عروہ بن مسعود ثقفی کی صورت پر ہونگے جیسا کہ مسلم نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے
پھر دجال کی طلب مین روانہ ہونگے باب لُد مین کہ ایک موضع ہے ولایت شام مین دجال
کے پاس پہونچین گے اور اسکو قتل کرینگے پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس ایک قوم آئے گی جن کو
اللہ تعالیٰ نے دجال کی شر سے بچایا ہوگا حضرت عیسیٰؑ اُن کے چہرون سے گرد وغبار
پونچھین گے اور اُن کے جنت کے مراتب اور درجات کو بیان کرینگے اور اسی حال مین
مصروف ہونگے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے پاس وحی بھیجے گا کہ مین نے اپنے کچھ بندے دیئے

یاجوج وماجوج) نکالے ہین جن سے لڑنے کی کسی کو قدرت نہین لس میرے بندون کی محافظت کرکوہ طور پر لیجا کراور ابن ماجہ کی روایت مین ہے کہ حضرت عیسیٰ بیت المقدس مین اترینگے اور ایک روایت مین ہے کہ اردن مین اور ایک روایت مین ہے کہ مسلمانون کے کمپ مین اترینگے اور ان مین منافات نہین اسلیے کہ بیت المقدس دمشق کی شرقی جانب ہے اور مسلمانون کا کمپ وہین ہوگا اور اردن نواح بیت المقدس کا نام ہے کما فی الصحاح اور بیت المقدس اُس مین داخل ہے اگرچہ بیت المقدس مین منارہ نہین ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اُترنے سے پہلے بنے گا صحیح مسلم مین ہے کہ وہ بعد اُترنے کے زمین پر سات برس ٹھہرینگے اور ابن جوزی نے عبداللہ بن عمر سے کتاب الوفا مین روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر اُترینگے بعد ۴۵ برس تک زندہ رہینگے پھر وفات پائینگے اور روضۂ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مین دفن ہونگے علماء نے دونون روایتون کی تطبیق مین گفتگو کی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت مرجح ہے شرح مسلم مین ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت سرور عالم کے اس قول مین الا انہ لا نبی بعدی دلیل ہے اس مطلب پر کہ حضرت عیسیٰ جب اُترینگے تو اس اُمت کے حکام مین سے ایک حاکم ہوکر اُترینگے آدمیون کو شریعت محمدی کی طرف بلائینگے نبی ہوکر نہین اُترینگے میرے نزدیک اس مین کوئی منافات نہین کہ حضرت عیسیٰ نبی ہوکر اُترین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کے احکام بیان کرنے مین اُن کے تابع ہون گو یہ احکام اُنکو وحی کے ذریعہ سے پہونچین اور الا انہ لا نبی بعدی کے اس وقت یون معنے کیے جائینگے کہ نیا کوئی نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پیدا نہوگا اسلیے کہ آنحضرت خاتم پیغمبران ہین۔

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کہتے ہین کہ یہ بات صحیح نہین کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان پر اُٹھائے گئے ہین اور زندہ ہین اور دوبارہ دنیا مین آئینگے اس زمانہ مین خدائے تعالیٰ نے چودھوین صدی کے سر پر مجھے مبعوث فرماکر اس پیش گوئی کی معقولیت کو کھولدیا اور ظاہر فرمایا کہ

مسیح کا دوبارہ دنیا مین آنا اُس رنگ اور طریق سے مقدر تھا جیسا کہ ایلیا نبی کا دوبارہ دنیا مین آنا ملاکی نبی کی کتاب مین لکھا گیا تھا پس مین جو نزول مسیح کے معنے کرتا ہون وہ نئے معنے نہین ہین بلکہ وہی معنے ہین جو حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے پہلے نکل چکے ہین کیونکہ نزول مسیح ابن مریم کا مقدمہ نزول ایلیا نبی کے مقدمے سے ہم شکل ہے پس جس حالت مین آجتک یہودیون کی یہ تمنا پوری نہین ہوئی کہ ایلیا نبی آسمان سے اُترتے اور اسی وجہ سے وہ حضرت عیسی علیہ السلام سے منکر رہے تو مولویان اسلام کی تمنا کیونکر پوری ہو سکتی کہ کسی وقت حضرت عیسی علیہ السلام خود آسمان سے نازل ہونگے مسیح کا ہرگز رفع جسمانی نہین ہوا ہان ایک سو بیس برس کے بعد رفع روحانی ہوا بلکہ صلیب کے دنون مین رفع روحانی بھی نہین ہوا کیونکہ پیلاطوس گورنر قیصر کے ہاتھ مین عیسی کے مار ڈالنے کی کارروائی تھی اس کی بیوی کو خواب آئی کہ اگر یہ شخص مر گیا تو پھر اس مین تمھاری تباہی ہے اسلیئے اُس نے اندرونی طور پر کوشش کر کے مسیح کو صلیبی موت سے بچا لیا اور اُس زمانے مین صلیب پر چڑھانے کا یہ دستور تھا کہ اُس سے ملا کر ہاتھون مین لوہے کی میخین ٹھونک دیتے تھے اور تین دن تک اسی طرح لٹکا ہوا رہنے دیتے تھے اس عرصے مین بھوک اور پیاس کے صدمے سے وہ شخص مر جاتا تھا جس دن مسیح کو صلیب کی سزا دی گئی اُس کے دوسرے دن شنبہ اور یہودیون کی عید تھی تین گھڑی کے بعد گورنر کے اشارے سے مریدون نے مسیح کو مرنے سے قبل صلیب سے اُتار لیا اور چالیس دن تک علاج کیے جانے سے اُنھون نے صلیب کے زخمون سے شفا پائی اور ۷۰ برس زندہ رہے اور اپنے وطن سے پوشیدہ طور پر نکل کر ملکون کی سیر کرتے ہوے نصیبین مین آئے اور وہان سے افغانستان پہونچے اور اس کے بعد پنجاب مین آئے اور کشمیر کو چلے گئے اور بقیہ عمر سری نگر مین گذاری اور ایک سو پچیس برس کی عمر مین وہین فوت ہوے محلہ خان یار کے قریب دفن کیے گئے اور اب تک وہ قبر یوز آسف نبی کی قبر اور شہزادہ نبی کی قبر اور عیسی نبی کی قبر کہلاتی ہے دلیل مدعیان ممات کی یہ ہے واذ قال اللہ یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک من الذین یعنی جس وقت

دلیل مدعیان ممات عیسی آیۂ انی متوفیک ورافعک الی

اللہ نے کہا اے عیسیٰ مین تجھکو لینے والا ہون اور اُٹھانیوالا ہون تجھکو اپنی طرف اور تجھکو اُن لوگون سے پاک کرنے والا ہون جو کافر ہوے یہ آیت صریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موت کے بعد اُن کا رفع ہوگا پس دو امر قابل تشریح ہین اول رفع دوسرے واقعہ وفات اللہ تعالےٰ کے بیان سے بخوبی ثابت ہے کہ موت اول ہے اور رفع پیچھے اس صورت مین علم محاورہ قرآن کے لحاظ سے رفع روحانی مراد ہے نہ جسمانی اور لفظ توفی قرآن کے محاورے مین جب اس طرح مستعمل ہو کہ اس کا فاعل خدا یا ملائکہ ہون تو صرف قبض روح کا فائدہ بخشتا ہے اور یہ استقراء قرآن کے ۲۳ موقعون سے ثابت ہے اسلیئے سواے موت کے دوسرے معنی مراد لینا قرآن کے خلاف ہے اور موافق روایت بخاری کے ابن عباس سے متوفیک کے معنے ممیتک کے ثابت ہین اور دوسرے مفسرین مثل کشاف و مدارک وغیرہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور جن علماء نے متوفیک کے معنے موت کے لیکر عبارت قرآن مین تقدیم و تاخیر مانی ہے اُن کی سخت غلطی ہے اور تقدیم و تاخیر ماننے کی صورت مین خدا کے حکم کا خلاف لازم آتا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے اتبعوا ما انزل الیکم یعنی جو کچھ تمھاری طرف اُترا ہے اسکی اتباع کرو اور تقدیم و تاخیر کی حالت مین جو کچھ اللہ نے بھیجا ہے اُس کی اتباع نہوگی بلکہ قرآن کو اپنی راے کا متبع بنانا ٹھہرے گا اور موت کا حصر ذات باری تعالیٰ کے ساتھ لفظ انی سے ثابت ہے اور یہ لفظ اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ یہود عیسیٰ کو نہین مار سکتے اور اپنی موت کو اپنی ذات کی طرف نسبت کرنے سے مراد موت طبعی ہے جس کی اسناد غیر کی طرف نہین ہو سکتی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ مدعیان ممات نے اس بحث مین دو باتین پیش کی ہین اول لفظ رفع دوسرے توفی تو پہلے لفظ کے معنے حقیقی پورا لینے کے ہین اور مجازاً موت اور نیند کے معنے مین بھی آتا ہے تو جو لوگ اسکو موت کے معنے مین سمجھتے ہین وہ کہتے ہین کہ توفی اگرچہ باعتبار ترتیب ذکر کے رفع سے مقدم ہے لیکن ترتیب وقوعی کے لحاظ سے موخر ہے اور

واو عطف کے لیے یہ لازم نہین کہ وہ ترتیب وقوعی کو بیان کرے جیسے اس جگہ یا مریم اقنتی لربک بلکہ واسجدی وارکعی میں سجدے کو رکوع سے پہلے بیان کیا مگر وقوع کے لحاظ سے مقدم نہین ہے اور جو نیند کے معنے مین لیتے ہین وہ متوفیک کے معنے یون کرتے ہین کہ مین تجھکو سوتے مین اُٹھانے والا ہون تاکہ تجھکو خوف پیدا نہو اور تو ایسی حالت مین بیدار ہو کہ آسمان پر امن وتقرب کے ساتھ موجود ہو اللہ تعالے اپنے اکثر ایسے بندون کو جنکو زمانہ آئندہ مین آنے کے لیے محفوظ رکھتا ہے نیند کے ذریعہ سے اُن کی حفاظت کرتا ہے چنانچہ قرآن سے ثابت ہے کہ اصحاب کہف تین سو برس تک غار مین نیند کی وجہ سے محفوظ رہے اور حقیقی معنے کی تقدیر پر متوفیک سے یہ مراد ہوگی کہ تجھکو روح اور جسد کے ساتھ آسمان پر اُٹھالونگا اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ مرزائیون کا استدلال آیت سے درست ہو سکتا ہے یا نہین یعنی موت اور قبض روح کے معنے اس آیت سے ثابت ہو سکتے ہین یا نہین اہل دانش جانتے ہین کہ معانی نصوص کے لگانے مین دو باتون کا لحاظ ضروری ہوتا ہے اول موارد نصوص کا لحاظ کرنا پھر معانی کے ساتھ الفاظ کی مطابقت کا لحاظ کرنا ضروری ہے پس جب انی متوفیک سے موت کے معنے بغیر تقدیم وتاخیر کے لینگے تو نامناسب ہوگا اسلیئے کہ اللہ تعالے تو اس آیت کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کو تسلی دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ موت کی خبر دینے سے کسی کو تسلی حاصل نہین ہو سکتی ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اگر کسی کے دوست کو اپنے دشمنون کے ہاتھ سے ہلاکت کا خوف ہو اور وہ شخص اپنے دوست سے کہے کہ تم مت گھبراؤ مین تمکو مار کر تمھاری روح کو اپنے پاس بلند کرلونگا تو ایسی بات کہنے مین اُسکو کیسے تسلی ہو سکتی ہے اُلٹا پریشانی بڑھجائیگی خلاصہ یہ ہے کہ توفی کے معنے موت کے لیکر رفع کو روحانی قرار دینا بالکل سیاق کے مخالف ہے کیونکہ آیت مذکور تسلی واطمینان کے لیے نازل ہوئی ہے اسلیئے مقتضائے مقام یہ ہے کہ اس رفع سے ایسا رفع مراد لیا جائے جو باقی ابنائے جنس مین عموماً نہ پایا جاتا ہو اور رفع روحانی تو تمام انبیا اور شہدا اور اولیاء اللہ مین پایا جاتا ہے اس بنا پر ضروری ہے کہ توفی کے معنے موت کے سوا کوئی دوسرے لیے جائین اور رفع کو رفع جسمانی قرار دیا جائے

تاکہ امتنان خداوندی کے لیے وجہ معقول پیدا ہوجائے الفاظ قرآن کی ترکیب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہان رفع سے رفع روحانی مراد نہین کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے یاعیسی اس قول مین خطاب عیسی سے ہے اور عیسی روح مع الجسد کا نام ہے نہ صرف روح کا یا صرف جسد کا بعد اس کے فرمایا ہے انی متوفیک یہان بھی کاف خطاب سے روح مع الجسد مراد ہے بعد اُس کے فرمایا رافعک الے یہان بھی وہی روح مع الجسد مراد ہے ورنہ یون فرماتا رافع روحک الی اور رفع کو جوالی کے ساتھ مقید کیا ہے اس سے بھی رفع مع الجسد ہی سمجھا جاتا ہے اور جہان رفع سے رفع روحانی مراد ہے وہان قرینہ پایا جاتا ہے جیسے یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات اللہ اونچے کرتا ہے اُن کے درجے جو تم مین ایمان رکھتے ہین اور علم اور وہان قرائن رفع روحانی کے خلاف پر موجود ہین اور وہ یہ کہ حضرت عیسی کی طرف خطاب ہے نہ روح کی طرف اسی طرح اکابر علماے اسلام جیسے فخر الدین رازی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت کوشش سے لفظ توفی کے معنے صاف کیئے ہین اور اس سے رفع جسمانی ثابت کیا ہے اور بعض مفسرین جیسے ابوالسعود اور خازن وغیرہ نے رفع روحانی کو نصاریٰ کے مزعومات سے بیان کیا ہے اور ابوالسعود نے کہا ہے کہ حضرت عیسی کا رفع بغیر موت اور نیند کے ثابت ہے اور یہی قول حسن اور زید کا ہے اور طبرانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی ابن عباس سے صحت کو پہونچا ہے اور کاف خطاب وغیرہ ہمین مجبور کرتے ہین کہ یہی معنے مراد لیئے جائین اور یہی توفی کے معنے لغوی کے مناسب ہین جو پورا لینے کے معنے مین آیا ہے اور پورا لینا ضرور اسی مین ہے کہ رفع جسمانی قرار دیا جائے اور اگر فرض کرلیا جاے کہ انی متوفیک سے مراد موت ہی ہے تو یہ بھی رفع جسمانی کے مخالف نہین کیونکہ اس صورت مین ہم یہ کہینگے کہ آیت مین تقدیم وتاخیر ہے اور بے شمار قرآن کی آیات ہین جن مین معنے کی تقدیم وتاخیر الفاظ کے برخلاف ہے اور مخالفین کا یہ کہنا کہ تقدیم وتاخیر کے ماننے مین قرآن کو غلط کرنا ہے اسلیئے کہ خدا الفاظ کو موافق واقعہ کے

بیان کرتا ہے درست نہین دیکھو اللہ فرماتا ہے یا مریم اقنتی لربک واسجدی و
ارکعی اس مین سجدے کا ذکر پہلے ہے حالانکہ پہلے رکوع مقصود ہے تو معلوم ہوا کہ الفاظ کی
تقدیم وتاخیر مین فصاحت و بلاغت کا خلاف نہین پس یہان بھی رفع مقدم المعنی ہے
اللہ نے اکثر جگہ الفاظ کی تقدیم وتاخیر کی ہے اور موافق واقعہ کے الفاظ کو بیان نہین کیا ہے
چنانچہ سورہ بقرہ مین ہے وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة یعنی دروازے مین سجدہ
کر کے داخل ہو اور کہو گناہ اترے اور سورہ اعراف مین ہے وقولوا حطة وادخلوا الباب
سجدا پچھلی آیت پہلی آیت کی ترتیب کے خلاف ہے اور واقعہ ایک ہی ہے پس جبکہ
متوفیک کے معنے ممیتک کے لینگے تو اس کی یہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ الفاظ مین تقدیم
و تاخیر ہے اور اب رفع کے بعد موت قرار دی جائے گی یعنی اللہ تعالی نے حضرت عیسی کو
واقعہ صلیب سے قبل جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیا پھر قیامت کے وقت انکو
زمین پر نازل کر کے مارے گا اور ابن عباس نے متوفیک کے معنے ممیتک لیے ہین مگر
انھون نے یہ تصریح نہین کی کہ اول حضرت عیسی کو اللہ نے مارا پھر رفع روحانی کیا حالانکہ
ابو نعیم کی روایت کتاب الفتن مین اور اسحاق بن بشیر کی روایت درمنثور مین ہمارے مدعا کے
موافق ہے اور فتح الباری و قسطلانی شروح صحیح بخاری مین آیت وان من اهل الکتاب
الا لیومنن به قبل موته مین سند صحیح سے ابن عباس سے ثابت ہے کہ ضمیر قبل موته کی
حضرت عیسی کی طرف پھرتی ہے اور اس ضمیر کو کتابی کی طرف پھیرنے کی تضعیف کی ہے
یعنی تمام اہل کتاب مسیح کے مرنے سے قبل ان پر ایمان لائینگے اور یہ ذکر اس وقت کے
ایمان کا ہے جبکہ زمانہ آخر مین مسیح دنیا پر نزول فرمائینگے اور مخالفین جو یہ کہتے ہین کہ توفی
قرآن مین استقراء کے ساتھ قبض روح کے معنے مین ۲۳ مواقع سے ثابت ہوتا ہے پس بموجب
اس استقراء کے موت کے معنے مین لینا چاہیے اور دوسرے معنے مین لینا قرآن کے
خلاف ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ معنی مجازی ہین جو بغیر قرینے کے استعمال نہین پاتے

مرزائیوں کی دوسری دلیل

بغیر قرینے کے توفی اس معنے مین قرآن مین نہین آیا اسیلئے استقرا اسے نہین کہہ سکتے قرینے کی مجبوری ہے اور اس آیت مین چونکہ قرینہ نہین ہے اسیلئے حقیقی معنی مین لیا جائیگا اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہین اللہ سورہ نسا مین فرماتا ہے وقولھم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزا حکیما یعنی یہودیون کا قول ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہ پیغمبر اللہ کا تھا مار ڈالا اور نہ اسکو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑھایا ہے لیکن مشتبہ کر دیا گیا اُن کے لیے اور جن لوگون نے اختلاف کیا اس معاملے مین وہ اس جگہہ شک مین پڑ گئے ہین انکو اسکی کچھ بھی خبر نہین صرف گمان کرتے ہین اور انکو بے شک نہین قتل کیا بلکہ اُن کو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا ہے مرزائی کہتے ہین کہ جبکہ تمام عوارض بشری مسیح مین پائے جاتے ہین تو پھر کو لنسا امر انکو موت طبعی سے روک کر رفع روحانی سے رفع جسمی کی طرف منتقل کرتا ہے یہود حضرت مسیح کے مخالف ہو گئے تھے خود تو انکو قتل نہین کر سکتے تھے اور روم کی سلطنت اُن کے اختیار مین نہ تھی اسیلئے اُن پر یہ الزام لگایا کہ بغاوت اور بادشاہی کا دعوی کرتا ہے اور اس الزام کا ثبوت دیا تاکہ اُن کو سزا دی جاے صلیب کے ذریعہ سے مارا جانا یہودیوں کے خیال مین بروے توریت مدعی کاذب اور ملعون کے لیئے مقرر تھا ورنہ قتل انبیا اور اولیا کے لیے علو مدارج اور درجات شہادت کا باعث ہے اسیلئے خدا نے مسیح کی تنزیہ صلیب کی موت سے کی تاکہ یہودیون کا زعم باطل ہوجاے اور یہ مراد نہ تھی کہ مسیح کو کسی قسم کی موت واقع نہوگی صرف لعنت کی موت سے مسیح کو بری کرنا مقصود تھا اور لفظ شبہ لھم یہان صرف یہ جتانے کے لیئے ہے کہ حضرت مسیح مصلوب اور مقتول کی طرح ہوگئے اور اصلی طور پر مصلوب و مقتول نہین ہوے اور اس کلام سے خدا کی دو غرضین تھین ایک تو نصاریٰ کا کفارے کا خیال باطل کرنا دوسرے یہودیون کا یہ عقیدۂ فاسد باطل کرنا کہ جو مصلوب

ہوتا ہے ملعون ہوتا ہے پس شبہ لہم کہکر دونون گروہ کے خیالات کی تردید کردی وما قتلوہ وما صلبوہ یہ بات جتاتا ہے کہ صلیب پر چڑھانیکا تو واقعہ ظہور مین آیا مگر قتل واقع نہین ہوا یعنی وما قتلوہ تاکید کرتا ہے اگر وہ صلیب پر چڑھائے گئے تھے مگر مرنے سے بچگئے لیکن اس سے واقعہ صلیب کی نفی ثابت نہین ہوتی اور غرض اس سے یہودیون کے اس خیال کا باطل کرنا تھا کہ نبی کاذب مقتول ہوتا ہے اور رفعہ اللہ الیہ اسلیئے بیان کیا کہ یہود کہا کرتے تھے کہ اس قسم کے مقتول کی روح شیطان کے پاس چلی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ واقعہ صلیب کے بعد مسیح کی روح میرے پاس چلی آئی تو اس سے رفع روحانی ثابت ہوتا ہے جو اللہ کے نزدیک علو درجہ کا موجب ہے چونکہ قرآن کو اہل کتاب کے خیالات فاسد کی تردید منظور تھی اسلیئے لفظ سے اُن کے خیالات کو باطل کیا جواب اس کا یہ ہے کہ یہ آیت صریحًا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت مسیح مع جسم کے اُٹھائے گئے ہین اس آیت مین مرزائیون کی تاویل کا میدان بالکل کوتاہ ہے اس آیت سے اتنے امور ثابت ہوتے ہین (۱) حضرت مسیح کا مقتول و مصلوب نہونا (۲) یہودیون کو اس واقعہ مین مسیح کے قتل و شناخت کی بابت شبہہ پیدا ہوجانا اور اُن کا گمان مین پڑجانا (۳) حضرت مسیح کا مع جسم کے آسمان پر اُٹھالیا جانا مرزائیون کو پہلے امر سے انکار ہے وہ کہتے ہین کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور تین ساعت تک وہ اُس سے آویزان رہے چونکہ یہ وقت کم تھا اسلیئے مرے تو نہین صرف غش آگیا معالجے کے بعد صحت پاکر یہودیون سے چھپ کر رہنے لگے اور پھر ہندوستان کی طرف چلے آئے مگر قرآن سے یہ مطلب کسی طرح ثابت نہین ہوسکتا جو کوئی قرآن پر ایمان رکھتا ہے اُسکو مسیح کا صلیب پر چڑھنا مقبول نہوگا اور اُنکا یہ کہنا کہ صلیب دیا جانا یہودیون کے نزدیک طعن کا موجب تھا بالکل غلط ہے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ انبیا کا مقتول ہونا عار کا باعث نہین ہے اور توریت کے زمانے مین بھی اکثر انبیا مقتول ہوئے ہین بلکہ اس سے بھی بدتر طور پر انبیا کو بنی اسرائیل نے قتل کیا ہے اور یون تو یہودیون کے طعن سے ابتک حضرت مسیح سبکدوش نہین ہوے حالانکہ آیت انی متوفیک انکی تطہیر کے باب مین نازل ہوئی ہے اور تطہیر سوائے رفع جسمانی کے

ممکن نہیں مرزا صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح صلیبی موت سے بچ کر اور صلیب کے زخموں سے
شفا پاکر ۸۰ برس زندہ رہے اور اپنے وطن سے پوشیدہ طور پر نکلکر ملکوں کی سیر کرتے ہوے نصیبین
مین آئے اور وہان سے افغانستان مین پہونچے اور ایک مدت تک اُس جگہ جو کوہ نعمان کہلاتا ہے
اُسکے قریب سکونت پذیر رہے اُس کے بعد پنجاب مین آئے اور ہندوستان کا بھی سفر کیا اور غالبا
بنارس اور نیپال مین بھی پہونچے پھر پنجاب کی طرف لوٹ کر کشمیر کا قصد کیا اور کوہ سلیمان پر ایک
مدت تک عبادت کرتے رہے اور وہین فوت ہوے یہ باتین کسی طرح نقل صریح اور شرع سے
ثابت نہیں ہین جبکہ اللہ آپنے آپکو مسیح کے معاملے مین عزیز و حکیم فرماتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ مسیح کو اتنی
مصیبت اور تکلیف جھیلنی پڑی کہ بیچارے دار پر چڑھے زخموں کی تکلیف اُٹھائی اور وطن چھوڑنا
پڑا اس سے موت ہزار درجہ بہتر ہے اور چالیس دن تک جراحات کی تکلیف اُٹھانا موت سے
سخت تر ہے کیونکہ جان تھوڑی سی دیر مین نکل جاتی ہے اور یہ عجب ہے کہ مرزا صاحب پوری
پیروی نہ تو قرآن کی کرتے ہین نہ اناجیل کی اور نہ احادیث کی کچھ واقعات اناجیل سے کچھ
قرآن سے کچھ احادیث سے لیکر اپنی مرضی کے سانچے مین ڈھال لیتے ہین جو کچھ اُنھوں نے
بیان کیا ہے نہ وہ تمام و کمال اناجیل سے ملتا ہے نہ قرآن و احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے
کچھ ادھر سے لیتے ہین کچھ اُدھر سے اور اپنی تاویلات کو پھیلاتے ہین قرآن نے مسیح کے مقتول
ہونے اور مصلوب ہونے دونوں کی نفی کی ہے واقعہ صلیب کا قرآن سے ثبوت کب
پہونچتا ہے خدا اس آیت سے دو چیز کی نفی کرتا ہے ایک مسیح کے قتل ہونے کی دوسرے
اُن کے صلیب دیئے جانے کی قتل عام ہے جو ہر طرح کی موت کو شامل ہے پس قتل نے
ہر طرح کی موت کی نفی کی چونکہ پھر بھی شک باقی تھا کہ مقتول نہوے ہوں مصلوب ہوے
ہوں اور اُنکو صلیب پر چڑھنے کی سزا ملی ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی اُن کی بریت
ثابت کی ما صلبوہ صاف پکار کر کہتا ہے کہ وہ صلیب کے صدمے سے ہر طرح امن مین
رہے صلب صرف دار پر چڑھانے کو کہتے ہین نہ دار پر چڑھانے اور مرنے کو سولی دینے کے

لیئے مرنا شرط نہین پس مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ ماصلبوہ سے سولی پر چڑھنے کی نفی نہین ہوتی بلکہ سولی سے مرنے کی نفی ہوتی ہے لغت کے خلاف ہے اگر ایسا ہوتا کہ دار پر چڑھا کر مرنے سے قبل اُتار لیئے جاتے اور ماصلبوہ سے صرف اسی بات کی نفی مقصود ہوتی کہ وہ دار پر مرنے نہین پائے تو ماقتلوہ کا لفظ بیجا ہوتا کیونکہ دوسری قسم پر حضرت مسیح ؑ کے مقتول ہونے کا شبہہ اہل کتاب کے عقائد مین ہرگز نہین اور اللہ نے جو مسیح کی نسبت وجیھا فی الدنیا والاخرۃ فرمایا ہے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اُنکو دار پر بھی نہین چڑھا سکے اگر صرف دار پر چڑھائے جاتے تب بھی اُن کی وجاہت جاتی رہتی اور جھوٹے الزام سے وجاہت مین فرق نہین آسکتا ہان الزام صحیح البتہ ذلت کا سبب ہے اور یہ کتنے گناہ کی بات ہے کہ نبی کو غیر وجیہ جانا جائے یا غلط طور پر خدا اُسکو وجیہ فرمائے اور مطہرک من الذین کفروا یعنی تجھکو اُن لوگون سے پاک کرنے والا ہون جو کافر ہوئے بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار کے نجس ہاتھ اُن تک نہ پہونچے ورنہ تطہیر ثابت نہو سکتی اور تطہیر سے مراد یہ نہین ہے کہ اُنکو کفار کے الزام سے پاک کیا کیونکہ الزامات کفار سے اُنکو جھوٹے مین بولنے اور مردون کو زندہ کرنے کے پاک کر دیا ہے بلکہ یہان تطہیر سے مراد یہودیون کے مکر و کید سے حفاظت جان کے موقع پر بچایا جانا ہے اور یہ مراد نہین کہ قرآن نے نازل ہو کر حضرت عیسٰی کی یہود کے خیالات فاسد سے تطہیر کی کیونکہ قرآن کی تطہیر کو یہود نہین مانتے تو پھر عیسٰی کی طہارت قرآن سے کیسے ہو سکتی ہے اسلیئے یہی ماننا پڑے گا کہ تطہیر سے مراد قتل اور صلیب کے حادثے سے بچانے کی تطہیر ہے اور دوسرے امر یعنی یہود کے شبہہ مین پڑ جانے کی نسبت جو تفصیل مرزائیون نے لکھی ہے اُس پر شرع اسلام سے کوئی دلیل نہین بلکہ انجیل اور اُس کی تفاسیر کی باتین درج کر دی ہین اور شبہ لھم سے یہ مراد نہین ہے کہ یہودیون کے سامنے کوئی دوسرا آدمی حضرت عیسٰی کی صورت پر ہو گیا تھا اور اُنھون نے اُسکو سولی پر چڑھایا تھا کیونکہ اگر یہ جائز ٹھہرے کہ اللہ تعالےٰ ایک انسان کو دوسرے انسان کی صورت پر کر دیتا ہے

تو اس سے سفسطے کا دروازہ کھل جائے گا اسلیئے کہ ہم نے زید کو دیکھا پس یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید زید نہو کوئی اور شخص ہو کہ اُس کی صورت زید کی سی ہو گئی ہو اس صورت مین طلاق کا نہ نکاح کا نہ ملکیت کا اعتبار رہے گا اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اس سے تواتر مین نقصان لازم آتا ہے اسلیئے کہ خبر متواتر سے علم کا فائدہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے کہ وہ محسوس پر منتہی ہو اور جبکہ محسوسات مین یہ شبہہ پڑ گیا تو متواترات پر بھی اعتبار نہ رہے گا اور اس سے تمام شرائع مین خرابی واقع ہو جائے گی اور اس سے انبیا کی نبوت پر طعن لازم آتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب صورت کے بدلنے مین اصول بگڑتا ہے تو یہ صحیح نہین۔

اُس معاملے مین جو طریق بہت سے متکلمین کا مختار ہے یہ ہے کہ یہودیون نے جب حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اُنکو آسمان پر اُٹھا لیا سرداران یہود کو عوام مین فتنہ پیدا ہونیکا خوف ہوا اسلیئے ایک آدمی کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی دی اور لوگون پر ظاہر کر دیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو سولی دیدی لوگ چونکہ حضرت عیسی سے صورت شناس نہ تھے صرف اُن کا نام سنتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ لوگون سے میل کم رکھتے تھے اسلیئے اُن کو یقین آگیا اور نصاریٰ کی طرف سے اگر اس بات کا دعویٰ پیش ہو کہ ہمکو اپنے بزرگون سے تواتر کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ بالضرور مصلوب ہوے تو یہ خبر متواتر اُن کی اسلیئے نامعتبر ہے کہ اس کا تواتر تھوڑے سے آدمیون پر منتہی ہوتا ہے جن کی نسبت کہہ سکتے ہین کہ عجب نہین کہ اُنھون نے کذب پر اتفاق کر لیا ہو نتیجہ یہ نکلا کہ شبہ لہم سے یہ مراد نہین کہ کسی اور شخص کی صورت حضرت عیسی کی سی صورت ہو گئی بلکہ یہ مطلب ہے کہ شبہہ ڈالا گیا اُن کے لیے وہ شبہہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر جب چڑھا لیئے گئے تو سرداران یہود نے دانستہ ایک غیر آدمی کو عوام کی دھوکا دہی کی غرض سولی دیدی تیسری بات یعنی رفع جسمانی کے ہونے مین کوئی شبہہ نہین اگر یہ مراد نہ لی جائے تو حضرت عیسیٰ کا مقتول نہونا بخوبی ثابت نہو سکے کیونکہ رفع روحانی مقتول نہونے کی دلیل نہین ہو سکتا حالانکہ مرزائی بھی

مقتول نہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہین اللہ نے جو فرمایا ہے کہ حضرت عیسٰی کو قتل نہین کیا ہے
تو غور کرنا چاہیئے کہ نہ صرف روح قتل ہوتی ہے نہ محض جسم بلکہ دونون مقتول ہوتے ہین اور بعد اسکے
فرمایا ہے کہ نہ اُسکو صلیب دی ہے اور صلب بھی روح مع الجسم کو دی جاتی ہے نہ دونون مین
سے ایک ایک کو بعد اسکے فرمایا وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ یہان بھی قتل کا محتاج روح و
جسم کا مجموعہ ہے نہ اُن مین سے ہر ایک تنہا اور ضمائر ماقتلوہ وما صلبوہ و بل رفعہ اللہ الیہ کا
مرجع ایک ہے پس مجبوراً ماننا پڑے گا کہ روح مع الجسم کو یہودیون کے قتل کرنے اور صلیب دینے
سے بچاکر آسمان پر اُٹھایا گیا فصاحت و بلاغت اور قواعد عربی اسی بات کے تسلیم کرنے پر مجبور
کرتے ہین کیونکہ کلمۂ بل کے اول مین جو کلام متضاد ہوتا ہے وہ تحقیق مین کبھی جمع نہین ہو سکتا اور
مرزائیوں کی تیسری دلیل
مرزائی حضرت عیسیٰ کی وفات کے ثبوت مین یہ آیت بھی پیش کرتے ہین اذ قال اللہ یا عیسی ابن
مریم انت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحانک مایکون لی
ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علمتہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک
انک انت علام الغیوب ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم و
کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علٰی
کل شئ شھید جس وقت اللہ نے حضرت عیسٰی پسر مریم سے فرمایا کہ کیا تو آدمیون سے کہتا تھا
کہ مجھکو اور میری مان کو دو خدا سوا خدا کے سمجھو عیسٰی نے کہا تیری ذات پاک ہے مجھکو یہ لائق نہین
کہ وہ بات کہون جو میرے لائق نہین ہو اگر مین نے کہا ہے تو تو وہ چیز جانتا ہے جو میرے نفس مین ہے اور مین وہ نہین
جانتا ہون جو تیرے نفس مین ہے تحقیق تو غیب کا جاننے والا ہے ان سے مین نے وہی کہا ہے جس کا تو نے مجھکو حکم
دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا دونون کا پروردگار ہے اور مین اُنپر گواہ تھا جب تک
اُن مین رہتا تھا اور جبکہ تو نے مجھکو موت دی تو تو اُن پر نگہبان ہے اور تو ہی سب پر گواہ ہے
اس آیت مین جو توفیتنی کا لفظ واقع ہے اُس کے معنے موت کے لیتے ہین اور تائید اسکی بخاری
کی حدیث سے جو ابن عباس سے حشر کے بارے مین مروی ہے کرتے ہین کہ حضرت نے فرمایا

فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم یعنی مین کہونگا جیسا کہ بندہ صالح یعنی عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ جبتک مین اُن مین تھا اُن کے حال سے واقف تھا اور جب تو نے مجھکو اُن مین سے اُٹھالیا تو تو نگہبان اور اُن کے حال سے واقف ہے مرزائی کہتے ہین کہ یہ سوال وجواب عالم برزخ مین واقع ہوئے ہین اگر حشر مین ان کا واقع ہونا مانا جائیگا تو درست نہوگا کیونکہ ہمارے حضرتؐ نے تو اپنا جواب لفظ مضارع کے ساتھ دیا ہے اور حضرت عیسیٰ کا لفظ ماضی کے ساتھ ذکر کیا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے اوّل حساب لیکر اُس کے بعد سرور کائنات بلائے جائینگے تاکہ مسیح کے مطابق جواب دینگے اور ایسا کسی عالم نے نہین کہا ہے اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے مرزائیون نے اس آیت سے استدلال لفظ توفیتنی کی وجہ سے کیا ہی اور اُس کے معنے موت کے لیے ہین جو نصوص صریحہ اور احادیث صحیحہ اور ائمہ سلف وخلف کے خلاف ہے یہان بھی توفیتنی سے لغوی معنی مراد ہین یعنی پورا لینا اور غرض اس سے آسمان پر اُٹھا لینا ہے اور یہ جو کہتے ہین کہ ابن عباس کی حدیث مین قال العبد الصالح صیغہ ماضی کے ساتھ آیا ہے تو جواب اس کا یہ ہے قال یقول یعنی مضارع کے معنے مین ہے چنانچہ شواہد اسکے صحیح بخاری مین موجود ہین اگر آیت مذکور مین توفیتنی کے معنے موت کے لئے جائینگے تو بڑی خرابی پڑجائیگی جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مسیح کی الوہیت کا عقیدہ نصاریٰ مین مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد پیدا ہوا ہے اور یہ عقیدہ بلاد شام سے نکلا ہے اور مرزا صاحب کے زعم کے مطابق حضرت مسیح واقعہ صلیب سے ۸۷ سال کے بعد مرے ہین کیونکہ تیس برس کی عمر مین اُنکو نبوت اور کار تبلیغ رسالت عنایت ہوا تین برس تک تبلیغ فرمائی تھی کہ واقعہ صلیب پیش آیا تو مرزائیون کے عقیدے کے موافق توفیتنی کے یہ معنے ہونگے کہ جب کہ تو نے مجھے واقعہ صلیب سے مار ڈالا تو تو اُن پر نگہبان تھا گویا حضرت مسیح صلیب کے واقعہ سے مرے ہین ۸۷ برس کے بعد نہین مرے ہین مسیح کی الوہیت کا عقیدہ اُن کے دیون نہین

پیدا ہوا تھا جو قبل واقعہ صلیب کے مسیح سے تعلیم حاصل کرتے تھے اگر یہ مان لیا جاوے کہ مسیح شام سے نکل کر افغانستان اور پنجاب وہندوستان اور شہر بنارس او نیپال اور کشمیر میں آکر تبلیغ کرنے لگے تو یہاں کے رہنے والوں میں تو ذرا بھی نصرانیت کے آثار نہیں اورنہ الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں تاکہ یہ سمجھ لیا جاوے کہ مسیح کی موت کے بعد یہ لوگ الوہیت مسیح کے معتقد ہوگئے یہ عقیدہ تو بلاد شام کے آدمیوں میں تھا مادمت فیھم اور فلما توفیتنی بالکل باہم متصل ہیں پس جب تک حضرت مسیح ان میں تھے وہ زمانہ صلیب کے واقعہ کا تھا اس کے بعد مسیح انمیں سے چلے آئے پس یا تو موت کو صلیب کے ساتھ ہی ماننا پڑیگا یا توفیتنی کے معنی موت کے نہ لیے جاوینگے اور مرزائی توفی کے موت کے معنے میں ہونے پر احادیث وتواریخ ولغات سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ ابن سعد سے مروی ہے ماتوفی اللہ نبیا الادفن حیث یقبض روحہ یعنی انبیا جس مقام پر مرتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے ان النبی بکی وبکی اصحابہ حین توفی سعد بن معاذ یعنی جب سعد بن معاذ مرے تو حضرت اور صحابہ روے جواب اس کا یہ ہے کہ توفی جب موت کے معنے میں آتا ہے تو اس کے ساتھ قرینہ معنے موت کے لیئے موجود ہوتا ہے اور حضرت مسیح کے قصے میں جہان جہان یہ لفظ آیا ہے وہان کوئی ایسا قرینہ موجود نہین اسلیئے حقیقی معنے لینا ضرور ہوا۔

اور مرزا صاحب یہ جو کہتے ہین کہ کشمیر میں ایک قبر ہے جیسے یوز آسف نبی اور شہزادے نبی اور حضرت عیسی نبی کی قبر کہتے ہین یہ ان کی غلطی ہے اسلیئے کہ حضرت عیسی شاہزادے نہ تھے پھر کس طرح شاہزادے مشہور ہو سکتے تھے اور نہ یوز آسف اور حضرت عیسی ایک ہو سکتے ہین اسلیئے کہ یوز آسف تہمورس بن دیوجہان بن ہوشنگ پسر سیامک بن گیومرز بن آدم یا بقولے ہوشنگ بن فرداد بن سیامک بن بیش بن گیومرز بن آدم کا ہم عصر تھا اور اعلے درجے کے حکماے ایران میں سے ہوا ہے اسی نے کواکب پرستی کا رواج دیا تھا اور کواکب پرستی کو معبود حقیقی کی عبادت سمجھتا تھا جیساکہ آثار الباقیہ اور دوسری کتب تواریخ میں مذکور ہے

اور حضرت عیسیٰ اسرائیلی تھے نہ ایرانی اور اُس سے زمانہ دراز کے بعد گذرے ہین یوز آسف
کا بیان مجمل طور پر انجمن آرائے ناصری مین بھی آیا ہے اور وہ ہمارے اس بیان کے مطابق ہے
مرزا غلام احمد کے عقیدے سے انبیا کی شان مین تنقیص لازم آتی ہے ختم نبوت کا ابطال اور
ضروریات دین کا انکار ہوتا ہے جو درود و سلام قرآن مجید حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
واسطے خاص کرتا ہے وہ مرزا صاحب قادیانی کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور آپ کے
دوست رضی اللہ عنہم تحریر ہوتے ہین - کیونکہ مرزا صاحب ازالہ صفحہ ۶۹۱ مین لکھ بیٹھے ہین کہ
جو حقائق قرآن و حدیث (یاجوج و ماجوج - ابن مریم - دابۃ الارض - دجال - خروج دجال وغیرہ) کا
علم مجھے دیا گیا ہے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہین تھا اور کہتے ہین مین حضرت
حسین سے بہتر ہون (دافع البلا ص ۱۳) حضرت عیسیٰ سے برتر ہون (دافع البلا ص ۱۳)
اُن کی جماعت والون کی تو یہانتک تحریر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان پر حضرت عیسیٰ کے
واسطے باورچیخانہ اور پائخانہ بھی بنانا پڑا ہوگا اس سے انکو بہشت ہی مین بھیجدیا ہوتا تو نجاری
ہی کا کام کرتے یہ سوء ادبی اللہ اور رسول کی شان مین ہے مرزا صاحب اپنے تئین کسر صلیب
کی پیشین گوئی کا مورد اس استدلال کی بنا پر قرار دیتے ہین کہ انھون نے وفات مسیح کے مسئلے پر
روشنی ڈال کر عیسائیون کے خدا کو مردہ ثابت کر دیا ہے اگر یہی وجہ مامور من اللہ ہونے کی ہے
تو پھر سید احمد خان کو اس پیشین گوئی کا مصداق کیون نہ سمجھا جائے جو مرزا صاحب سے بہت
پہلے اس مسئلے پر اپنی فطری قابلیت کی روشنی ڈال چکے ہین بلکہ یورپ کے فلاسفرون نے
بہت عرصہ پہلے یہی رائے ظاہر کی ہے مرزا صاحب کی طرف سے اس پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ
اب قلم کے جہاد کا وقت ہے اور قلم سے عیسائیت کی صلیب توڑ ڈالی گئی ہے سب کے
مُنھ بند کر دیے گئے ہین لیکن کیا مرزا صاحب کی طرف سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کسی قسم کا
غلبہ عیسائیت پر انھین حاصل ہوا ہے اور کس قدر فوج در فوج عیسائی مرزا صاحب کے
مذہب مین یا بقول اُن کے زندہ اسلام مین داخل ہو رہے ہین یا کس قدر بیعت بدست مرزا صاحب

مرزا صاحب کے عقائد کے متعلق علمی بحث

کی تعلیم سے توحید پرست ہو گئے ہیں افریقہ جاپان ہندوستان وغیرہ میں تو پرانا اسلام جس کو مرزا صاحب مردہ اسلام کہتے ہیں پرانے مولویوں کی کوشش سے ضرور پھیل رہا ہے مگر مرزا صاحب نے اپنے خیال میں یورپ کی صلیب بھی توڑ دی ہے اور اسلام کا پورا غلبہ کر دیا اور قرآنی احکام یورپ کی عدالتوں میں نافذ کر دیے حالانکہ غور کیا جائے تو برعکس اس کے رہا سہا اقتدار بھی مسلمانوں کا یورپ ہضم کر کے اپنی مشن عیسائیت پھیلانے کی قائم کر چکا ہے اور صرف یورپ ہی نہیں بلکہ شاید ہی دنیا میں کوئی علاقہ ایسا ہوگا جس میں عیسائی مشنری نہ پہونچے ہونگے برخلاف اس کے اسلام کا یورپ بھر میں ایک بھی مشن نہیں پھر غلبہ کیسا۔ مرزا صاحب اور اُن کے تبعوں نے محض ایک مسئلہ وفات مسیح اور آمد مسیح پر زور خرچ کر دیا ہے اور اس ایک مسئلے کے متعلق کتابوں پر کتابیں رسالوں پر رسالے لکھے چلے جاتے ہیں اور باقی اجزاء اسلام کو نظر انداز کر دیا ہے اور مرزا صاحب اس دو لفظی مسئلے کو بکرات و مرات اعادہ کر کے اپنی خود فروشی اور ذریعۂ معاش کیلئے لفظی بھول بھلیوں میں مریدوں کو رکھتے ہیں ورنہ بات وہی ہے جو سر سید نے کہی ہے اگر انصاف پذیر دل لیکر غور کیا جاوے تو سر سید قانون فطرت و نیچر کی حمایت میں مسیح کو مارتے ہیں مرزا صاحب اسلیئے اُن کی ہلاکت کے درپے ہیں کہ اسامی خالی ہو اور ہمیں ملے مرزا صاحب کو معلوم نہیں کیا لعل لگ گئے ہیں کہ اسلام کی حیات کا دارومدار صرف اُن کی ذات پر منحصر تھا جو آج تیرہ سو سال کے بعد پیدا ہوے اور اللہ اُن سے فرمائے کہ جس طرف تیرا منہ ہے اُسی طرف میرا منہ ہے اور تو میری مراد ہے یہ نہایت گستاخانہ کلمات ہیں جو شائع کیئے ہیں اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید کو نور اور حیات بخش فرماتا ہے مگر مرزائی اُسکو مردہ تعلیمات اور بے اثر کلام قرار دیتے ہیں اس سے بڑھکر قرآن کی اور توہین نہیں ہو سکتی یہ ایک مسئلہ کہ مرزا کے ماننے پر نجات منحصر ہے ایسا خبیث ہے کہ اس سے ساری خدائی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ یہ ربوبیت باری تعالیٰ کے خلاف ہے اسلیئے کہ جس قدر کسی شئے کی زیادہ ضرورت ہے اُسی قدر رب العالمین نے وہ چیز زیادہ عام کی ہے تمام قوانین رحمت و مغفرت ایک مرزا ہی کے تابع ہو گئے خداوند عالم

اور اسلام کی توہین اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کا ماننا اور اسلام کی ہدایات کے مطابق عمل صالح کرنا اور بدی سے بچنا موجب نجات نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ مرزا کو ساتھ نہ مانا جائے مرزا صاحب نے اسلام پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیدیا ہے کہ وہ باقی تمام مسلمانوں کو مسلمان نہ سمجھیں نہ اُن کے جنازے اور نماز وغیرہ مین شامل ہوں اور نہ اُنھیں السلام علیکم کہیں مرزا کا الہام یہ ہے کہ خدا مجھ سے ہے اور مین خدا سے ہون اور اگر خدا مجھے پیدا نہ کرتا تو آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا حالانکہ خاتم النبیین کے حق مین بھی اللہ نے ایسا نہیں فرمایا اور یہ جو عوام مین مشہور ہے لولاک لما خلقت الافلاک یہ حدیث موضوع ہے اسے حدیث قدسی قرار دینا اور آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جیسا کہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے تحفۂ اثنا عشریہ مین تصریح کی ہے پادریون کی پہیلی ایک مین تین اور تین مین ایک کے حل کرنے مین اتنے وقت نہیں جتنی مشکل مرزا صاحب کے معما دار الہام انت منی و انا منک کے سلجھانے مین پیش آتی ہے مامورانِ الٰہی مبعوث ہو کر ایک ہی مرکز پر ٹھہرے رہتے ہین اور لوگون کو ہدایت کے دائرے مین لاتے ہین کوئی ان مین سے اپنے نصب العین کو چھوڑتا ہوا نہیں دیکھا گیا مرزا صاحب کہین عیسیٰ ہین کہین مثیل مسیح کہین مہدی ہین کہین کرشن مرزائی اسلام نے مسلمانون کے دلون سے رہے سہے ایمان کی بھی جڑ کھوکھلی کرنی شروع کر دی اسلیے کہ مرزا صاحب کی لچر و پوچ پیشین گوئیان اور الہامات سن سنکر کیا غور پسند کے دل مین یہ نہیں گذرتا ہوگا کہ جب اس ہوشیاری اور روشنی کے زمانے مین اچھے اچھے گوبجویٹ نوجوانون کی عقل مار کر معتقد بنانے والے اور اپنا کلمہ پڑھانے والے چالاک آدمی پیدا ہو گئے تو حضرت محمد کے زمانے کے سیدھے سادھے لوگون کا پھندے مین آنا کیا ہی مشکل ہوگا اُن کے معجزات و پیشین گوئیان بھی ایسے وزن و حقیقت کی ہون گی مرزا صاحب نے بڑے شد و مد سے دعوے کیا تھا کہ میرا ایک عورت سے نکاح ہونا ضرور ہے جو آسمان پر اُن سے پڑھا جا چکا تھا

حدیث لولاک موضوع ہے

مگر وہ بی بی باوجود ہزار کوششون کے اُن کے نکاح مین نہ آئی بلکہ اُس زمانے سے آج تک ایک دوسرے شریف آدمی کی بی بی ہے اس پیشین گوئی کے پورے ہونے سے قبل مرزا صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء عیسوی کو دس بجے کے دس منٹ پر بوقت صبح مطابق ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ ہجری کو لاہور مین عارضہ ہیضہ یا درد گردہ سے انتقال کیا تاہم انھین اپنے کام مین خاصی کامیابی ہوئی اور لاکھون تک اُن کے مریدون کی تعداد پہونچ گئی ازالۂ اوہام واربعین رسائل مرزا صاحب مین اُن کا الہام یہ تھا کہ میری عمر اسّی سال کی ہے مرزا صاحب کی سوانح عمری جو ان کے خاص مرید نے عسل مصفی مین لکھی ہے اُس مین سال پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء عیسوی لکھا ہے اس حساب سے مرزا صاحب کی عمر ۶۹ یا ۶۸ سال ہوتی ہے اور قاضی احمد نے اپنی کتاب کلمۂ فضل رحمانی مین قرآن کی آیت الا فی الفتنۃ سقطوا کے اعداد جمل سے ۱۲۵۹ھ ہجری سال پیدایش کا پتہ نکالا ہے اس حساب سے مرزا صاحب کی عمر صرف ۶۷ سال کے قریب ہوتی ہے جس پر مرزا صاحب کو بھی اعتبار ہے برکات الدعا کے ٹائٹل پیج پر بھی مرزا صاحب اپنی عمر ۵۲ سال بتلاتے ہین کہ جو ۱۸۹۳ء عیسوی مین چھپی تھی اس طرح پر بھی اُن کی عمر ۶۷ سال کی ہوتی ہے اور مرزا صاحب کے ایک الہام سے جو رجسٹری جائداد مندرجہ کتاب کلمۂ فضل رحمانی مین مندرج ہے ثابت ہے کہ اُنھون نے اپنی عمر ۹۵ سال کی بڑی جدوجہد و تکرار و اصرار سے ہاتھا پائی کر کے ایک صاحب قبر کی دعا سے منظور کرائی تھی مگر یہ سب باتین لغو ثابت ہوئین وسائر علامات یوم القیامۃ اور باقی تمام نشانیان روز قیامت کی جن کی مختصر کیفیت یہ ہے

دھوان کا نکلنا (۱) دھوان اُٹھکر مشرق سے مغرب تک محیط ہو جائے گا اور چالیس دن تک رہے گا مسلمان لوگ جن کے اعتقاد کامل ہین اُنکو اُس دھوین سے اُسی قدر گزند ہو گا جیسے نزلے کی تحریک ہوتی ہے اور کافرون کو اتنا صدمہ ہو گا کہ بھیجا پکنے لگے گا بیہوش ہو جائینگے ناک اور کان اور مقعد اور منھ سے یہ دھوان نکلنے لگے گا اور قرآن مین سورۂ دخان مین جو آیا ہے یوم تاتی السماء

بدخان مبین یعنی اُس دن آسمان ظاہر دُھواں لائے گا اس سے بھی یہی مراد ہے حذیفہ اور اُن کے تابعین کی یہی رائے ہے مگر ابن مسعود اور اُن کے تابعین کے نزدیک مراد اس سے وہ قحط ہے جو قریش پر آنحضرتؐ کے زمانے مین اُن کی بددعا سے پڑا تھا کہ ہوا مین ایک چیز دھوین کی طرح دیکھتے تھے اسلئے کہ بھوکا بسبب ضعف بصر کے ہوا کو دُھوین کی طرح دیکھتا ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ ہوا قحط سالی مین بسبب یبوست اور قلت باران اور کثرت غبار کے اندھیرے کی صورت مین مثل دھوین کے معلوم ہوتی ہے (۲) دابۃ الارض

دابۃ الارض

نکلے گا عبداللہ بن عمر کی حدیث مین ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے دابۃ الارض چاشت کے وقت نکلے گا رواہ مسلم تذکرۃ المعاد مین لکھا ہے کہ یہ ایک چوپایہ ہے مکے مین کوہ صفا سے باہر آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم یعنے ہم اُسکے آگے ایک جانور زمین سے نکالین گے جو اُن سے باتین کرے گا اور بعض روایات مین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانون کے ساتھ طواف خانہ کعبہ مین مشغول ہونگے کہ یکایک زمین کے زلزلے سے کوہ صفا پھٹ جائے گا اور اُس مین سے دابۃ الارض نکل آئے گا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دابۃ الارض مسلمانون سے باتین کرے گا اور کافرون کو زخمی کریگا اُس کی صورت مین اختلاف ہے بعض روایات مین ہے کہ انسان کا سا منھ ہوگا داڑھی بھی ہوگی اور تمام بدن پرندے کی مثل ہوگا مگر اکثر روایات سے اُس کا چوپایہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور اُس کے قد کی درازی ساٹھ گز کی ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مختلف الخلقت ہوگا مشابہ بہت حیوانون کے اور کوئی دوڑنے مین اُس کے ساتھ نہ پہونچ سکے گا اور اُس سے نہین بھاگ سکے گا بغوی نے ابن شریح انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دابۃ الارض تین بار نکلے گا اول بار یمن مین نکلے گا جنگل کے لوگ اُس سے آگاہ ہونگے مکے کے لوگون کو خبر نہ پہونچے گی دوسری بار مکے کے قریب جنگل مین نکلے گا کہ مکے والے بھی آگاہ ہونگے تیسری بار خاص مکے سے نکلے گا اور خاک سے اُٹھیگا

اور بعض نے کہا ہے کہ دابۃ الارض پہلی بار زمانۂ مہدی میں نکلے گا پھر عہد حضرت عیسیٰ میں پھر بعد طلوع ہونے آفتاب کے مغرب سے ذکرہ ابن مالک جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ خروج دابۃ الارض کے بعد امر معروف اور نہی منکر نہ رہے گا اور کوئی کافر ایمان نہ لائے گا اور مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ کسی کافر کا مسلمان ہونا اور کفر سے توبہ کرنا اور کسی مومن کا گناہوں سے استغفار کرنا آفتاب کے مغرب کی سمت سے طلوع کرنے اور دجال اور دابۃ الارض کے نکلنے کے بعد مفید نہ ہوگا (۳) تین خسف واقع ہونگے یعنی تین مقاموں پر زلزلہ آکر زمین دھنس جائے گی ایک مشرق میں دوسرے مغرب میں تیسرے عرب میں (۴) جو نشانی کہ سب کے بعد واقع ہوگی وہ ایک آگ ہوگی کہ یمن کی جانب سے روشن ہوگی اور لوگوں کو زمین حشر کی طرف ہانکے گی جیسا کہ مسلم نے حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت کی ہے نار تخرج من الیمن تطرد الناس الی محشرھم اور ایک روایت میں یوں آیا ہے نار تخرج من قعر العدن تسوق الناس او تحشر الناس یعنی ایک آگ ہوگی کہ انتہائے سر حد عدن سے جو یمن میں ایک مشہور شہر ہے نکلے گی اور لوگوں کو زمین حشر کی طرف ہانکے گی اور ایک روایت میں آگ کے نکلنے کی جگہ ہوا کا ذکر آیا ہے کہ لوگوں کو دریا میں ڈالے گی اور وہ لفظ یہ ہے والعاشرۃ ریح تطرحھم فی البحر دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہے کہ مراد ناس سے اس روایت میں کفار ہیں اور اُن کی آگ ہوا کے جھونکے کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی کہ اُنکو دریا میں ڈالنے میں سریع التاثیر ہوگی اور وہ جگہ حشر کفار یا مستقر فجار کی ہوگی چنانچہ باری تعالیٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے واذا البحار سجرت یعنے جس وقت دریا گرم کیا جائے گا اور مومنوں کی آگ ایسی نہ ہوگی وہ تو صرف ڈرانے کے لیئے ہوگی بمنزلے کوڑے کے محشر کی طرف ہانکنے کے لیے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ہانکنا لوگوں کو حشر کے بعد ہوگا تا کہ یہ اعتراض وارد ہو سکے کہ علامت قیامت کے پہلے ہوگی اور حشر اُس کے بعد ہوگا صحیحین میں

تین خسف

آگ یمن سے نکلنا

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ قیامت اُس وقت تک قائم نہوگی جب تک ایک آگ زمین حجاز سے ایسی ظاہر نہوگی کہ بصرے کے اونٹون کی گردنون کو روشن کردے قاضی عیاض کہتے ہین شاید دو آگین جمع ہونگی جو لوگون کو ہانکینگی یا اول یمن سے نکلے گی پھر اُس کا ظہور حجاز سے ہوگا جیسا کہ قرطبی نے تصریح کی ہے۔

دس نشانیون کی ترتیب

اول ان نشانیون مین دھوین کا ہونا ہے پھر نکلنا دجال کا پھر اُترنا حضرت عیسیٰ کا پھر نکلنا یاجوج ماجوج کا پھر نکلنا دابۃ الارض کا پھر آفتاب کا مغرب سے نکلنا اسلیئے کہ کفار حضرت عیسیٰؑ کے زمانے مین مسلمان ہونگے یہان تک کہ ایک ہی دعوت ہوگی اور اگر دجال کے نکلنے اور حضرت عیسیٰؑ کے نزول سے پہلے آفتاب مغرب سے طلوع کرے تو کفار کا ایمان مقبول نہو اور عبداللہ بن عباس سے مسلم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ قیامت کی اول نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا اور دابۃ الارض کا نکلنا ہے تو مطلب اسکا یہ ہے کہ دابۃ الارض کے نکلنے اور آفتاب کے طلوع مین مغرب سے فاصلہ کم ہوگا بہ نسبت فاصلے کے اور نشانیون مین پس اگر نکلنا آفتاب کا پہلے ہوگا تو دابۃ الارض کا نکلنا اُسکے قریب ہوگا اور اگر دابۃ الارض کا نکلنا پہلے ہوگا تو آفتاب کا مغرب سے نکلنا اُس کے متصل ہوگا اور وحی ان دو علامتون کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر کے باب مین متعین وارد نہین ہوئی ہے اور مبہم چھوڑا ہے لیکن اس قدر معلوم ہوا کہ یہ دونون اور علامتون سے جو ان کی جنس سے ہون پہلے واقع ہونگی اور حدیث ان اولھا خروج الدجال صحیح نہین ہے کذا فی جامع الاصول طیبی وغیرہ لکھتے ہین کہ اگر یہ کہا جائے کہ طلوع آفتاب پہلی نشانی نہین ہے اسلیئے کہ دھوان اور دجال اس سے پہلے ہوگا تو ہم کہینگے کہ نشانیان دو قسم کی ہین ایک وہ جو قیامت قائم ہونے کے قریب ہونگی اور دوسری وہ جو قیامت کے قائم ہونیکے وجود پر دلالت کرینگی پس اول مین سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہے جو سب سے پہلے ہے پھر دھوان اور دجال کا نکلنا وغیرہ ہین اور دوسری مین سے

آفتاب کا مغرب سے نکلنا اور زمین کا دھنس جانا اور آگ کا روشن ہونا اور اُس کا لوگون کو حشر کی طرف ہانکنا ہے اور مغرب سے طلوع آفتاب کو اول اسلیئے کہتے ہین کہ یہ ابتدا ہے دوسری قسم کی اور مویداس کی ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ لاتقوم الساعة حتی تطلع الشمس من مغربها اور صحیح بخاری مین انس سے مروی ہے کہ اول نشانی قیامت کی آگ ہوگی جو لوگون کو مشرق سے مغرب کی طرف نکالے گی اور مسلم نے حذیفہ سے روایت کی ہے کہ آگ سب نشانیون کے بعد نکلے گی توفیق ان دونون روایتون مین یہ ہے کہ آخریت اُس کی باعتبار اُن دس نشانیون کے ہے جن مین سے چھ کا امام نے ذکر فرمایا ہے اور چار کو چھوڑ دیا بیان کیا ہے اور اولیت اُس کی باعتبار اسکے ہے کہ وہ اول اُن نشانیون کی ہے جنکے بعد معاملات دنیاوی مین سے کوئی چیز نہو گی بلکہ اُن کے آنے کے ساتھ نفخ صور مین واقع ہوگا برخلاف اُن دس نشانیون کے کہ اُن کے ساتھ امور دنیا کی ہر چیز باقی رہے گی اور یہ یاد رہے کہ حدیث انس مین مراد یہ ہے کہ جو علامتین قیامت کے متصل ہین جن کے بعد معاملات دنیا مین سے کوئی چیز نہو گی اُن مین اول یہ ہو گی ورنہ وہ آگ حجاز کی کہ ذکر اُس کا ذرا پہلے اس آگ سے ہے پھر یہ پہلے کیونکر ہو سکتی ہے علی ما وردت به الاخبار الصحيحة جیسا کہ اخبار صحیح مین وارد ہوا ہے حق ہے علامات قیامت مین سے جن جن امور کی خبر نبی علیہ السلام نے دی ہے خواہ واقع ہو چکین یا آئندہ واقع ہون وہ سب اس وجہ سے کہ اُنھون نے اُن کے وقوع کی قبل اُن کے وجود کے خبر دی معجزہ نبی ہے ان علامتون کا ہم نے ذکر کیا یہ بڑی نشانیان ہین جو حضرت امام مہدی آخرالزمان کے ظاہر ہونے کے بعد ظاہر ہونگی۔

رہا قی جو چھوٹی علامتین ہین چونکہ وہ عالم مین ہمیشہ واقع ہوتی رہتی ہین اسلیئے لوگ ان کو علامت قیامت ہونا نہین سمجھتے مثلاً ڈومنیون اور رنڈیون وغیرہ سے زیادہ رغبت رکھنا ڈھاری بھاند بدکار لوگون کی کثرت ہوجانا عمارات بلند تیار کرانے مین اپنا فخر سمجھنا

زنا بہت پھیل جانا مسلمانون کا شراب پینا مرد کم عورتین زیادہ ہونا امانت مین خیانت کرنا مرد کا عورت کی مرضی پر ایسے کام مین چلنا جو حکم خدا اور ہدایت رسول کے مخالف ہو اور مان باپ کو دور رکھنا انکو رنج پہونچانا وغیرہ وغیرہ جنکی خبر نبی علیہ السلام نے دی ہے اور احادیث صحاح مین اُن کا ذکر موجود ہے اور یہ چیزین مطلقاً علامت قیامت نہین بلکہ اُن کی کثرت قیامت کی علامت ہے یون تو یہ باتین قدیم سے دنیا مین جاری ہین جب یہ بہت پھیل جائین تو اُس وقت یہ قیامت کی نشانی ہین ابوقتادہ سے ابن ماجہ نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا الآیات بعد المأتین قیامت کی نشانیان دو سو برس کے بعد ہونگی خواہ ہجرت کے بعد سے لگایا جائے یا ظہور دولت اسلام سے یا وفات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور بعض نے تاویل و توجیہ یون کی ہے کہ المأتین مین لام عہد کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور مطلب اس وقت یہ ہوگا کہ قیامت کے ظاہر ہونے کی نشانیان اُن دو سو برس کے بعد ہونگی جو ہزار کے بعد ہونگے اور وہ وقت امام مہدی کے ظاہر ہونے اور دجال کے نکلنے اور حضرت عیسٰی کے اُترنے اور آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے اور دابۃ الارض کے نکلنے اور یاجوج و ماجوج کے ظاہر ہونے کا ہے۔

انبیا و اولیا کبھی کبھی آگے ہونے والی بات کے وقت کو بیان کردیتے ہین صرف اسیلئے کہ جب وہ بات اُس خاص وقت پر ہوجاتی ہی تو لوگون کو اُن کی نبوت اور ولایت پر اعتقاد آجاتا ہے اور ان سے اللہ کی راہ سیکھتے ہین ہدایت پاتے ہین جیسے اطبا بعض اوقات بطور تقدمۃ المعرفۃ (آگے کی بات پہچاننا) کے مرض کے تغیرات مزاجی آئندہ کو بتا دیتے ہین تاکہ لوگون کو اس بات کے ظہور مین آنے کے بعد اُن کی طبابت پر اعتقاد آجائے اور مخلوق اُنکے معالجے سے نفع اُٹھائے۔ آیندہ کے حادثون کا وقت بیان کرنا کچھ نبوت اور ولایت کی شرطون میں سے نہین ہے جس طرح تقدمۃ المعرفۃ کا بیان طبابت کی شرطون مین سے نہین

یہ تو منجمون اور رمّالون اور جفریون اور فال دیکھنے والون اور کاہنون کا کام ہے اور بعض بات ایسی ہوتی ہے کہ اُس مین تو کسی قدر فائدہ بھی ہوتا ہے مگر قیامت کا وقت بیان کرنے مین کچھ فائدہ بھی نہین ہے کیونکہ اگر کسی کو قیامت واقع ہونے کے بعد انبیا کی نبوت پر اعتقاد آیا تو کیا حاصل کہ ایمان کا وقت تو فوت ہو گیا اور قیامت کے واقع ہونے کے قبل موقعت اُس بیان کیے ہوے وقت کی معلوم ہو نہین سکتی پس قیامت کے وقت کا ذکر نبوت کے کام سے کسی طرح موافقت نہین رکھتا اور ان سب باتون کے ساتھ خود یہ عالم بھی ایسا نہین کہ کسی بشر کا مدرک اُس کا احاطہ کر سکے کیونکہ جس قدر حادثے عالم مین واقع ہوتے ہین سب کے اسباب بھی عالم مین موجود ہین تو اُن حادثون کے واقع ہونے کا وقت مقرر کر سکتے ہین اور یہ کہہ سکتے ہین کہ جب یہ اسباب جمع ہونگے اور یہ موانع دور ہو جائینگے تب خواہ مخواہ یہ حادثہ واقع ہو گا برخلاف اس حادثہ عامہ کے کہ اس عالم کے تمام ارکانون پر صدمہ پہونچائے گا اور اسباب مثل مسببات کے درہم برہم ہو جائین گے اسلیئے اسکے واسطے سبب ہے اس عالم کے اسباب کے ماسوا کہ بشر کی فکر وہان نہین پہونچ سکتی ہے کائن یعنی یہ تمام بڑی نشانیان قیامت کی ضرور ہونے والی ہین کیونکہ ہمکو ان کی خبر ایک نبی کے ذریعہ سے پہونچی ہے اور جبکہ نبوت و عصمت بدلیل ثابت ہے تو کذب کا احتمال علامات قیامت کی خبر مین عمدًا اور خطاءً نہین ہو سکتا اسلیئے علامات قیامت کی خبرین علم قطعی کی مفید ہین اور امام کا یہ کلام اس بات کا فائدہ بخشتا ہے کہ قیامت کی بڑی بڑی دس نشانیون مین سے (کہ وہ دھوان اور دجال اور دابۃ الارض کا نکلنا اور آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع کرنا اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم کا آسمان سے زمین پر اُترنا اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا اور تین زلزلے اور آگ کا روشن ہونا ہے) ابھی کوئی نشانی ظہور مین نہین آئی ہے پس یہ جو کہتے ہین کہ ۶۵۵ھ ہجری مین مشرق سے بہت بڑی ایک آگ پیدا ہوئی تھی شاید یہ وہی آگ ہو جس کی خبر علامت قیامت مین سے ہے جیسا کہ شرح صحیح مسلم مین مذکور ہے اسی طرح کہتے ہین کہ وہ خسوفات اُسی طرح

واقع ہوے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزیرۃ العرب رواہ الستۃ الا البخاری چنانچہ اذاعہ مین لکھا ہے کہ یہ خسوفات ملک عجم مین زمانہ خلافت سلیمان بن عبدالملک اور خلافت مطیع وغیرہ مین بخارا اور رے اور اُن کے اضلاع اور شہر طالقان اور بصرہ اور آذربیجان کے علاقون مین واقع ہوے اور خسوفات کا سلسلہ برابر جاری ہے چنانچہ ہمارے عہد مین بھی بہت سے ملکون مین خسوفات واقع ہوے ہین مگر ہم کہتے ہین کہ وہ آگ اور خسوفات امام مہدی کے ظہور کے بعد ظاہر ہونگے اور ابھی تک امام مہدی ظاہر ہوے نہین تو اُن خسوفات اور آگ کو کیونکر وہی آگ اور خسوفات کہہ سکتے ہین جو قیامت کی علامات مین سے ہین۔

مہدی آخر الزمان

اعلیٰ درجے کی کتب حدیث صحیح بخاری ومسلم مین مہدی موعود کے ذکر سے ساکت ہین دوسرے طبقے کی کتابون مین جو اس مضمون کی حدیثین پائی جاتی ہین وہ جرح سے خالی نہین قاضی ابن خلدون مغربی الحضرمی نے جو اعتقاد آمد مہدی سے منکر گذرے ہین اپنی کتاب العبر ودیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر مین ان احادیث کو ایک ایک کرکے رد کیا ہے اور بہت سے علمانے اُن کا جواب دیا ہے مہدیؑ کے حق مین جو حدیثین آئی ہین باوجود اختلاف روایات کے بہت ہین جمہور کے نزدیک وہ مسلم ہین فقط ایک ابن خلدون نے احادیث مذکورہ مین کلام کیا ہے اُن کے ظہور کا ضعف ثابت کیا ہے اولیا کے مکشوفات پر بھی ان کے حق مین جرح کی ہے احادیث مہدیؑ اگرچہ صحیحین مین نہین مگر ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ حاکم طبرانی ابویعلی موصلی وغیرہ کے نزدیک مسلم ہین بعد بخاری ومسلم کے یہی کتابین معتبر ہین خصوصًا جبکہ کوئی حدیث کسی باب مین شیخین کے نزدیک نہو تو پھر یہی احادیث کتب سنن وغیرہ حجت مستقل ہین پس یہ احادیث مہدی کی ایسی ہین کہ بعض تقویت بعض کی کرتی ہین اُن کے لیئے شواہد اور متابعات بھی علیحدہ ہین اِن حدیثون مین بعض حدیثین صحیح بعض حسن بعض ضعیف ہین کافہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آخر زمانے مین ضرور ایک شخص

اہل بیت نبوت سے ظاہر ہوگا جو دین کی تائید کرے گا عدل ظاہر فرمائے گا مسلمان اُس کے تابع ہوجائینگے اُسکو ممالک اسلامیہ پر غلبہ حاصل ہوگا اُسکو مہدی کہینگے حضرت عیسیٰ اُس کے سامنے اُترینگے دجال وغیرہ علامات قیامت کا ظہور اُسی کے سامنے ہوگا۔

اور شیعہ اثنا عشری کہتے ہین کہ مہدی موعود امام حسن عسکری کے بیٹے محمد ابو القاسم ہین جو ماہ شعبان مین رات کے وقت ۲۵۵ھ ہجری مین پیدا ہوکر خلیفہ معتمد علی اللہ عباسی کے عہد مین نوبرس کی عمر مین اعدا کے خوف سے ۲۶۵ھ یا ۲۶۶ھ ہجری مین تہ خانہ سامرہ مین چھپ گئے مگر اپنے دوستونپر ظاہر ہوتے اور دشمنون سے مخفی رہتے تھے جب اُنھون نے دیکھا کہ میری تلاش مین مخالفین و معاندین نہایت مصروف ہین تو دوستون کی نظرون سے بھی غائب ہوگئے اسلیئے کہ نادان دوست اُن کی خبر کو مشہور کردیتے تھے اور دشمن اس سے ورغلا کر زیادہ درپئے ہوجاتے تھے اور ۳۲۹ھ ہجری سے غیبت کبریٰ اختیار کرلی اور سوائے نام کے اُن کا نشان باقی نہ رہا اور مختفی ہونا انبیا و اوصیا کی سنت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی غار مین خوف اعدا سے چھپ گئے تھے یہ قول سراسر مہمل ہے اسلیئے کہ اہل سنت و شیعہ کے کسی مورخ نے یہ نہین لکھا کہ کسی عہد مین کسی سلطان یا بادشاہ نے امام وقت کو ڈرایا یا دھمکایا تھا اور لوگون نے محمد بن حسن عسکری کی تلاش مین جاسوس متعین کیئے تھے یا اُن کی تلاش بغداد و سامرہ مین ہوئی تھی یا خلفا و سلاطین وقت کو اُس وقت اُن کی طرف سے کسی بات کا دغدغہ ہوا تھا ہان علماے اثنا عشری اُن کی غیبت کی توجیہون کے لیئے ایسے ایسے احتمالات موہومہ ذکر کرتے رہتے ہین اور نیز اگر چھپنا بوجہ خوف اعدا کے خدا کے حکم کے مطابق واجب ہے تو جو انبیا اور اوصیا مخفی نہوے وہ تارک واجب ٹھہرے جیسے حضرت زکریا اور یحییٰ اور حضرت امام حسین اور اگر مخفی ہونا واجب نہین بلکہ مستحب یا مباح ہے تو لازم آیا کہ جو ائمہ کہ مخفی ہوے اُنھون نے کار واجب کو یعنی تبلیغ احکام اور اقامت دین کو ایک امر مستحب و مباح کے لیئے ترک کیا اور یہ بات نہایت بُری ہے اور اگر حکم الٰہی مختلف تھا اس طرح کہ جو بزرگ نہین چھپے اُن پر اللہ تعالیٰ نے چھپنا واجب نہین کیا تھا

بلکہ انکو مباح تھا چاہتے چھپ رہ سکتے مگر انھون نے اپنی جان دیدی اور باوجود اباحت کے
اپنی جان راہ حق مین نثار کرنے سے نہ ٹلے اور جو خوف اعدا سے چھپ رہے ان پر چھپنا ہی
اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرض وواجب تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں
فریق مین سے ایک کے حق مین اصلح چیز کو ترک کر دیا اور یہ شیعہ کے نزدیک لغو ہے کہ اللہ تعالیٰ
کسی کے حق مین اصلح کو ترک کرے اور یہ بھی واضح رہے کہ اگر مخفی ہونا خوف قتل کی وجہ سے ہے
تو قتل ائمہ کے حق مین خوف کا موجب نہین ہو سکتا کیونکہ ائمہ کی موت ان کے قبضۂ وقدرت
مین ہے چنانچہ اس قاعدے کو کہ ائمہ اپنے اختیار سے مرتے ہین کلینی نے اصول کافی مین
بہت سی روایتون سے ثابت کیا ہے اور اگر مخفی ہونا بدن کی ایذا کے باعث سے ہے
تو لازم آیا کہ ائمہ عبادت الٰہی اور مجاہدہ اور محنت و مشقت اور صبر و تحمل کے اجر جزیل سے
فرار ہوتے ہین کیونکہ اذیت کی برداشت اور مشقت کا تحمل خدا کی راہ مین کمال اجر کا موجب ہے
اور جہاد مین سراسر مشقت واذیت ہے اور مجاہدین کو درجات ملتے ہین حالانکہ ائمہ عبادت
کرنے والون کے طبقے مین سے ہین اور ان کی عبادت تمام آدمیون کی عبادت سے
ہر طریقے مین کامل و اعلےٰ درجے کی ہوتی ہے پھر صاحب الزمان نے اپنے ائمہ سلف سے
کیون مخالفت کی اور کیون مخلوق کو دعوت نہین کرتے اور انکو قتل ہونے کا کھٹکا ذرا بھی
نہین کیونکہ انکو یہ بخوبی معلوم ہوا ہے حضرت عیسیٰؑ کے نزول تک مین زندہ رہون گا اور
تمام عالم کا مالک بنون گا اور نماز مین حضرت عیسیٰؑ کی امامت کرون گا اور آدمیونکو خدا کی
عبادت پر طوعاً وکرہاً لاؤن گا اور انتقام دا جبی اپنے اور اپنے اسلاف کے دشمنون سے
لیلون گا بعد اسکے خود بخود مرجاؤن گا پس ان تمام موجبات امن واطمینان پر دل کو تسلی
نہین رکھتے اور اسباب خوف کو جو سراسر وہمی ہین پیش نظر رکھتے ہین اور اگر کسی طرح ان کو
ابھی علامات مہدویت کے ساتھ ظہور کرنے کی قدرت نہین ہے تو علما اور مشائخ کے
رنگ مین دعوت دین اور احکام شرع متین پر لوگون کو متوجہ کرین اور وعظ و نصیحت سے

خلق کو راہ راست دکھائین تو یقین ہے کہ کوئی بھی اُنکو نہ ستائے بلکہ تمام بدل وجان اطاعت کرین اور اگر یہ بھی نہو سکے تو چپکے سے شیعہ سے کہدین کہ جب صاحب الزمان کے ظہور کے تم منتظر ہو وہ مین ہی ہون تو شیعہ خوشی سے اُن کی اطاعت وپیروی مین سرگرم ہون اور مخالفین کے ہاتھ سے انھین ضرر بھی نہین پہونچے تمام اہل ایران اور دوسرے ملکون کے شیعہ اُس امام عالی مقام کے دیدار کے مشتاق ہین اور اپنی جان ومال کو اُسکی راہ مین فدا کرنا فخر جانتے ہین اگر سلطنت عثمانیہ وغیرہ بلاد اہل سنت وسلطنتہائے یورپ مین ظہور نہین کر سکتے تو کیا اُن ممالک مین بھی اُن کی گنجائش نہین جواب شیعون کے قبضے مین ہین۔

کسی بادشاہ اہل سنت کی قدرت نہین جو ادھر مُنھ کر سکے پس اس قدر خوف کرنا اور اختفا مین کوشش رکھنا منصب امامت سے بعید ہے اور شجاعت ودلیری کے نہایت منافی ہے اور ایک فائدہ ہم اور بیان کرتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ مہدی موعود محمد بن حسن عسکری نہین اور وہ یہ ہے کہ ابو اسحاق سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے صاحبزادے امام حسنؓ کی طرف دیکھکر فرمایا کہ یہ بیٹا میرا سردار ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس کا نام سید رکھا ہے اور بہت جلد اُس کے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا کہ وہ نبی علیہ السلام کے ہمنام ہوگا اور مشابہ ہوگا حضرت کا سیرت باطنی مین اور نہین مشابہ ہوگا حضرت کی صورت ظاہری مین پھر حضرت علیؓ نے اُس مرد کے زمین کو عدل سے بھر دینے کا قصہ ذکر کیا یہ حدیث دلیل صریح ہے اس مطلب پر کہ مہدی حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ہین اور بعض حدیثون مین جو انتساب اُن کا حضرت امام حسینؓ کی طرف آیا ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ اُنکی مان امام حسینؓ کی اولاد مین سے ہوگی یعنی باپ کی جانب سے حسنی ہونگے اور مان کی جانب سے حسینی پس محمد بن حسن عسکری مہدی موعود نہین ہوسکتے کیونکہ یہ باپ کی جانب سے حسینی ہین نہ حسنی اور یہ نہین کہہ سکتے کہ شاید حضرت علیؓ نے اپنے اس قول مین سوائے مہدی کے کسی دوسرے شخص کا ارادہ کیا ہو اس لیئے کہ ہم کہینگے کہ اس توجیہ کو زمین کو عدل سے بھر دینے کا قصہ باطل کرتا ہے اسلیئے کہ

مہدی حضرت امام حسن کی اولاد سے ہونگے

سادات حسنی یا حسینی مین سے کوئی ایسا شخص نہین معلوم ہوتا کہ اُس نے زمین کو عدل سے بھر دیا ہو البتہ مہدی موعود کے حق مین یہ بات ثابت ہوئی ہے اور ایک دلیل محمد بن حسن عسکری کے مہدی موعود نہونے پر یہ ہے کہ آنحضرت ؐ نے مہدی کے حق مین فرمایا ہے یُواطی اِسْمُہٗ اِسْمِی اِسْمَ اَبِیْہِ اِسْمَ اَبِی رواہ ابوداؤد یعنی اُس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا یعنی محمد بن عبداللہ ہوگا اور محمد بن حسن عسکری کے باپ کا نام عبداللہ نہین ہے اور اُن کا انتقال ہو چکا ہے چنانچہ عروۃ الوثقی مین اس کی صاف تصریح کر دی ہے اور عبدالوہاب شعرانی نے یواقیت والجواہر مین کہا ہے کہ مہدی امام حسن عسکری کے بیٹے ہین اور وہ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے ساتھ جمع ہونے تک باقی رہینگے اور فتوحات مکیہ مین شیخ محی الدین نے بھی لکھا ہے کہ مہدی کے دادا امام حسین ہین اور باپ کا نام حسن عسکری ہے یہ منافی ہے اُن روایات کے جن سے ثابت ہے کہ اُن کے باپ کا نام عبداللہ ہوگا اور نیز اُس روایت کے منافی ہے جس سے ثابت ہے کہ وہ امام حسنؓ کی اولاد سے ہونگے نہ امام حسینؓ کی اور اسی روایت کو ترجیح ہے اس کی تفصیل اسعاف الراغبین مین دیکھنا چاہیئے۔

اور اگر یہ بات واقعی ہے کہ حضرت حسن عسکری کا نو برس کا لڑکا سامرہ کے تہ خانے مین جا کر غائب ہو گیا تو اس کا راز یہ سمجھ مین آتا ہے کہ بعض آپس کے حریفون نے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی وجہ سے انکو تہ خانے مین لیجا کر ملک عدم کو پہونچا دیا اور حکام وقت اور معتقدون کے خوف سے یہ مشہور کر دیا کہ امام نے غیبت اختیار کر لی کاش اُسوقت کے حکام اس واقعہ کی تحقیقات کرتے تو ضرور اس راز کا پردہ کھل جاتا اور اُس بیکس امام زادے کے خون ناحق کا پتہ لگ جاتا۔

سید محمد جونپوری کی مہدویت کا ابطال

اور مہدویہ جو سید محمد جونپوری کو مہدی موعود جانتے ہین یہ اُن کی غلطی ہے اسلیئے کہ اُن کے باپ کا نام سید خان تھا اور وہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد سے بتائے جاتے ہین اور اُنکے مہدی نے کبھی یہ دعویٰ نہین کیا کہ میرے باپ سید عبداللہ تھے بلکہ جب اُن کے باپ دادا سے پہچاننے والے مرگئے تو بمصلحت دعوی مہدویت کے محمد جونپوری کے باپ کا نام بدل کر

میان عبداللہ مقرر کردیا کتاب انصاف نامہ کے باب دل مین لکھا ہے کہ محمد جونپوری سے لوگون نے جب یہ سوال کیا کہ حدیث مین آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی کا نام میرے نام کے موافق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا اور تمھارے باپ کا نام سید خان ہے تب اُن بزرگ نے جواب دیا کہ کیا خدائے تعالےٰ اس بات پر قادر نہین ہے کہ سید خان کے بیٹے کو مہدی کرے اور بعض کو یون جواب دیا کہ خدا سے کہ کہ سید خان کے بیٹے کو کیون مہدی کیا اور بعض کو یون جواب دیا کہ خدا کے ساتھ جنگ کرو کہ سید خان کے بیٹے کو کیون مہدی بنایا سید محمد جونپوری کی مہدویت کے ابطال پر دلائل قطعیہ یہ ہین (۱) اہلسنت کے نزدیک یہ بات مسلمات مین سے ہے کہ قیامت کی بڑی علامات کا ظہور بارھوین صدی ہجری کے بعد سے شروع ہوگا اور سید محمد نے ۸۴۷ھ ہجری مین پیدا ہوکر ۶۳ برس کی عمر مین ۹۱۰ھ ہجری مین انتقال کیا (۲) عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت مہدی خروج کرینگے نہ اُس سے فاصلے پر اور سیکڑون برس پہلے (۳) اُن پر ابر سایہ کرے گا اور سید محمد پر ابر کا سایہ کرنا کسی سے منقول اور ثابت نہین (۴) حرم شریف مکہ سے ظہور کرینگے نہ ہندوستان سے اگرچہ سید محمد نے اس وجہ سے کہ مہدی کے ہاتھ پر خلق رکن و مقام کے درمیان بیعت کرے گی سفر حج مین اُس مقام پر یہ دعویٰ کیا مگر دعویٰ اُن کا اُس طرح پر کب ظہور مین آیا جیسا کہ حدیث مین تصریح ہے کیونکہ حدیث مین آیا ہے کہ وہ مکے مین بیعت لیکر کوفے کو جائینگے اور ممالک مین لشکر بھیجین گے کذا فی اسعاف الراغبین (۵) مہدی نماز مین حضرت عیسیٰؑ کی امامت کرینگے اور عیسیٰؑ کی دجال کے قتل کرنے مین مدد کرینگے اور سید محمد کے انتقال تک نہ حضرت عیسیٰؑ زمین پر اُترے نہ دجال ظاہر ہوا (۶) حدیث مین آیا ہے کہ ابدال شام اور نجباے مصر اور عصائب اہل مشرق وغیرہ مہدی کے پاس آئین گے اور اللہ اُن کے پاس ایک لشکر سیاہ جھنڈون والا بھیجے گا اور یہ سب کچھ سید محمد کے ساتھ ظہور مین نہ آیا (۷) مہدی ممالک مشرق و مغرب کے مالک ہوجائین گے خزائن اُن کے ہاتھ آئین گے اور کوئی ویرانہ ایسا

نہ رہے گا جس کو وہ آباد و معمور نہ کردین گے اور ملک و دولت کفار سے چھین لین گے اور زمین کو عدل سے بھر دین گے اور سید محمد سے ایسا ظہور مین نہین آیا اور اُن کو کسی طرح کی قوت و قدرت حاصل نہین ہوئی بلکہ جہان جاتے ستائے جاتے تھے۔

انھین دلائل سے ثابت ہے کہ علی محمد باب بن مرزا رضا کا دعوی مہدویت بھی باطل ہے جس کے متبع بابی کہلاتے ہین اُس شخص نے کوفے مین سنہ ۱۲۶۰ ہجری مین مہدویت کا دعوی کیا تھا حالانکہ مہدی موعود صدی کے شروع مین ظاہر ہونگے نہ درمیان مین اس کا دعوی تھا کہ چونکہ میرے وجود سے غرض تمام ادیان کا متحد ہوجانا ہے جس کی وجہ سے مین آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرون گا اور جملہ روئے زمین پر قبضہ کرون گا دنیا میرے تحت و تصرف مین آجائے گی حالانکہ اُس کا یہ دعوی ذرا بھی صحت کو نہ پہونچا اور سنہ ۱۲۶۵ ہجری مین حاکم تبریز کے حکم سے نہایت بے بسی کی حالت مین سپاہیون کے ہاتھ سے کئی گھونسے کھا کر گولی سے مار ڈالا گیا اور اُس کی لاش گلی کوچون مین پھرا کر شہر کے باہر پھینکوا دی گئی اور اُس نے برسون تک جو جیلخانے کی تکلیف اُٹھائی اور اُس کے وجود سے دین محمدی کو کوئی بھی تقویت نہ پہونچی بلکہ اُس نے تمام تکالیف شرعیہ ملتوی کردی تھین اُس کے مذہب مین حقیقی بہن سے بھی صحبت کرنا زنا مین شمار نہین کیا جاتا تھا اور ایک عورت کا نو آدمیون کے نکاح مین آنا جائز تھا کسی مذہب کا وہ پابند نہ تھا اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اُس کے متبعین مین علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہوگیا عورتین بے پردہ مجلسون مین شریک ہوتین اور شرابین پلاتین ناسخ التواریخ وغیرہ مین اُس کا حال تفصیل سے مذکور ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم اور اللہ تعالے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے جو کچھ ہم سے ہوسکا وہان تک ہم نے اُن باتون کی جنپر اعتقاد رکھنا موجب نجات ہے تشریح و تفصیل کردی اور بتا دیا کہ ایمان کا راستہ یہ ہے اور ہمارا اسی قدر

مہدی باب

کام تھا ... ہدایت اور ضلالت خاص اللہ کے ہاتھ مین ہے یہ قدرت اُسی کو جسے چاہے ... کرے جسے چاہے گمراہ کرے جسے چاہے ثواب دے جسے چاہے عذاب کرے جس کو چاہے نفع بخشے جس کو چاہے نقصان پہونچائے چنانچہ سورۂ مدثر مین ہی یضل اللہ من یشاء ویھدی من یشاء گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے

خاتمۂ از طرف شارح

تو آسمان نجمی دلفگار — کہان تک کرے شکر پروردگار
ہزارون کرم لطف ہر آن ہین — کرورون دل وجان پر احسان ہین
خصوصاً یہ توفیق دی لاجواب — کہ لکھی عقائد مین عمدہ کتاب
مسائل مین تھین دقتین جس قدر — وہ سب ہوگئین سہل پیش نظر
کوئی حل عقدہ نہ باقی رہا — خوش اسلوبیون سے بیان ہوگیا
یہ امید رکھتا ہے لیل و نہار — کرے اس کو مقبول پروردگار
پسندیدۂ خلق ہو یہ کتاب — عنایت کرے مجھکو راہ صواب
جو تعلیم ایمان کے ہون خواستگار — انھین نفع پہونچائے پروردگار
حقائق دقائق سے ہون بہرہ ور — مؤلف کو بھولین نہ شام و سحر
ہراک حال مین یاد کرتے رہین — دعاؤن سے دل شاد کرتے رہین
کہ جب کام آئین نہ اپنے نہ غیر — مرا اس گھڑی خاتمہ ہو بخیر

کرون ترک دُنیا کو ایمان سے
مسلمان رہون تیرے احسان سے

تمام شد

بتاریخ ۲۵ ماہ رجب ۱۳۲۶ھ ہجری مطابق ۲۳ اگست ۱۹۰۸ء عیسوی روز جمعہ در شہر ادیپور ملک میواڑ

خاتمۃ الطبع از جانب کارپردازان مطبع

خدائے بزرگ و برتر کا شکر و سپاس کس زبان سے ادا کیا جاوے کہ اس آوان حمید اور زمانہ سعید مین سرچشمۂ ہدایت ماحی کفر و ضلالت وسیلۂ سعادت کونین ذریعۂ نجات نشاتین یعنی عقائد اہل سنت والجماعۃ کے مستند رسالہ **شرح فقہ اکبر** عربی کا اُردو ترجمہ موسوم بہ **تعلیم الایمان** جس مین معتزلہ نیچریون وقادیانیون وشیعون وغیرہم کا رد نہایت شرح و بسط کے ساتھ دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ سے کیا گیا ہے۔ فقہ اکبر وہ رسالہ ہے جسکو علماے متاخرین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کرتے ہین اور جس کی شرحین بکثرت عربی زبان مین موجود ہین اب عالم اجل فاضل بے بدل جناب مولوی **نجم الغنی خان صاحب** متخلص بہ **نجمی** رامپوری نے اُسکو سلیس اُردو مین ترجمہ فرما کر عام مسلمانون اور خصوصًا اُردو خوانون پر جو علم عربی سے ناواقف ہین بہت بڑا احسان فرمایا ہے اہل انصاف خود فیصلہ فرما سکتے ہین کہ اس فتنہ و فساد کے زمانے مین جبکہ عقائد اسلامیہ پر ملحدین ہر روز نئے نئے طریقہ سے حملہ کرتے ہین جسکی وجہ سے ممکن نہین کہ بعض کم لیاقت سُست خیال لوگون کے ایمان مین تزلزل نہ آ جائے ایسی مفید کتاب شائع ہونا کسقدر ضروری اور اہم تھا لہذا بصرف زر کثیر مطبع فیض منبع نامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ مین بطلوہمتی آقاے نامدار مرجع عزو اقتدار پایہ شناس فضل و کمال ہنر پرور بلند اقبال عالیجناب معلی القاب راے بہادر منشی پراگ نرائن صاحب مالک مطبع ماہ نومبر ۱۹۱۳ء مطابق ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ با ہزاران حسن و خوبی زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر روشنی بخش چشم مشتاقان ہوئی خداوند کریم مقبول عالم کرے بمنہ و کرمہ

نام کتاب	قیمت
اظہار الحقیقت جسمین سوال وجواب فرقۂ وہابیہ کے مذکور ہین۔	ار
مہر نبوت ساز نواب محمد مروان علی خان	ار ۹ پائی
ریاض الاربعین معروف بنجات المسلمین باترجمہ اردو مولفہ شیخ عبد الصمد صاحب ولد محمد یوسف صاحب۔	ار ب
رموز القرآن اوقاف قرآن کا بیان	۶ پائی
آثار محشر منظوم ذکر علامات قیامت۔	۲ر
صبح کا ستارہ۔ حالات قیامت و بہشت و دوزخ از مولوی عباس علی۔	ار ۹ ۹
قیامت نامہ وبہشت نامہ از مولوی فیاض الحق صاحب۔	ار ۳ ۹
قیامت نامہ مسمی بہ آئینۂ نشور از مولوی شمس الدین احمد۔	۴ر
تحفۂ درود۔ ملقب بہ خیر الکلام از مولوی منظور احمد صاحب۔	ار ۶ ۹
رسالۂ مکسب الانبیا از مولوی ظہور الحق	۳ پائی
مجموعۂ توشۂ عقبیٰ۔ در وظائف اسمائے الٰہی واسمائے رسالت پناہی بحسب مذہب امامیہ۔	۹ پائی

نام کتاب	قیمت
مجموعۂ نود و نہ نام باریتعالیٰ شامل چھ رسالہ (۱) دعائے سیفی (۲) قصیدۂ بردہ (۳) قصیدۂ بانت سعاد (۴) قصیدۂ غوثیہ (۵) دعائے سریانی (۶) قصیدۂ حضرت یونس علیہ السلام	۲ر ۹ ۹
انوار محمدی۔ مع نقشۂ شجرۂ فرق قدریہ وجبریہ از مولوی محمد میر اکبر آبادی	۵/
شرح چہل حدیث از مولوی امیر علی۔	ار ۳ ۹
فالنامۂ یوسفی۔ مولفہ منشی محمد یوسف۔	۶ پائی
خمسۂ اقبالیہ۔ مع شجرہ مولفہ سید اقبال علی خان مطبوعۂ غیور باب حالات پنجتن پاک۔	عہ ر ب
ہدیۂ اقبالیہ۔ مولفہ سید اقبال علیخان مطبوعۂ غیر مشتمل بر انتخاب احادیث دینیہ۔	۸ر
میلاد شریف۔ موسوم بہ مدح پیغمبر از مرزا علی خان متخلص بہ بہار۔	ار
مجموعۂ وفات نامہ۔ شامل پانچ رسالہ (۱) وفات نامہ (۲) قصیدۂ نعتیہ (۳) قصۂ حضرت بلال (۴) قصۂ حضرت دائی حلیمہ (۵) حلیۂ شریف معروف	

نام کتاب	قیمت
نبوت نامہ۔	۹ پائی
مولد شریف شہید۔ واضح قلم مصنفہ مولوی غلام امام شہید۔ الہ آبادی کاغذ سفید و حنائی۔	۴ر
تاریخ احمدی۔ انتخاب حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم وحاکم مستدرک شرح السنۃ بیہقی بحر العلوم امام بحر الدمع شرح وفائق الاخبار مولد ابن جوزی محدث انیس الجلیل حل اشعۃ اللمعات ظفر الحق مصباح النبوۃ مدارج النبوۃ معارج النبوۃ روضۃ الاحباب ریاض الآثار وغیرہ سے محمد سراج الیقین نے بعمدگی تمام کیا ہے۔	۶ر
مولد شریف عزیزیہ۔ از حافظ عبد العزیز	۶ر
زیور ایمان مولد شریف۔ عورات و مستورات کی زبان مین از مولوی محمد انور علی	۴ر
مجموعہ اوراد مستندہ۔ عربی و اردو شامل مولد رسالہ مرتبہ محمد عبد العزیز خان	۱۰ ار۲ ۹
سفر نامہ حجاز مصنفہ حاجی مرزا عرفان علی بیگ صاحب ڈپٹی کلکٹر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ۔	عہ، سہ

نام کتاب	قیمت
مخمس ہفت بند کاشی۔ از راجہ الفت رائے صاحب۔	ار
دیوان نعتیہ از مولوی احمد علی صاحب۔	۳ر ب
حدائق الحنفیہ مصنفہ مولوی حافظ فقیر محمد صاحب جسمین بعد جناب رسالتمآب تیرھوین صدی تک کے زمانہ مین جسقدر فقہا اور علما گذرے ہین سب کے حالات تاسنہ مولد اور مسکن اور مختصر سوانح عمری اور کیفیت تلمذ و وقائع ہدایت وغیرہ وغیرہ بتفصیل مرقوم ہین	عہر ب
رسالہ تحفۃ الحرمین۔ فی بیان طعام الدارین مصنفہ حاجی حرمین شریفین مولانا محمد عبد الرحمن لکھنوی مہاجر مکہ معظمہ۔	۴ر
نسب نامہ رسول مقبول۔ حالات بعثت سے وفات مبارک تک۔	۹ پائی
نور نامہ و شمائل نامہ۔ نور محمدی اور شمائل کا ذکر از مولوی عبد اللہ۔	۶ پائی
خدا کی رحمت۔ حال پیدائش رسول اعظم از مولوی سلامت اللہ	ار